

مزید اضافہ، عنوانات و تصحیح، نظر ثانی شدہ جدید ایڈیشن

الشمز والہدایہ

شرح اردو

ہدایۃ



انٹرنیٹ

بیت

مولانا محمد عظیم اللہ
مدرسہ اسلامیہ دارالعلوم دیوبند

مولانا جمیل احمد سکریٹری
مدرسہ دارالعلوم دیوبند

مکتبہ
دارالعلوم دیوبند

آڈوکارا، اسماعیل پور، دیوبند، پاکستان 2213768

وَاللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ (القرآن)

اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہے ہیں راہ راست بتلا دیتے ہیں

اَلشَّرْهُ وَالْهُدَايَةُ

شرح اردو

هُدَايَةُ

جلد دوم

باب صفة الصلوة

باب الصلوة في الكعبة

تالیف: مولانا جمیل احمد سکرو ڈھوی

مدرس دارالعلوم دیوبند

اضافہ عنوانات: مولانا محمد عظیم اللہ

شیخ دارالافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی

ڈیویزا راہیم ایجنٹ روڈ
کراچی پاکستان 2213768

دَارُ الْإِشَاعَةِ

پاکستان میں جملہ حقوق ملکیت بحق دارالاشاعت کراچی محفوظ ہیں

مولانا محمد سید احمد سید صوفی کی تصنیف کردہ شرح ہدایہ بنام "اشرف الہدایہ" کے حصہ اول تا پنجم اور ہشتم تا دہم کے جملہ حقوق معیت اس ادارہ پاکستان میں صرف ظلیل اشرف عثمانی دارالاشاعت کراچی کو حاصل ہیں اور کوئی شخص یا ادارہ غیر قانونی صیغہ فروخت کرنے کا مجاز نہیں۔ سینٹرل کاپی رائٹ رجسٹرار کو بھی اطلاع دے دی گئی ہے لہذا اب جو شخص یا ادارہ یا اجازت صیغہ یا فروخت کرتا پایا گیا اسکے خلاف کارروائی کی جائے گی۔ ناشر

اضافہ عنوانات، تسبیل و کیوزنگ کے جملہ حقوق بحق دارالاشاعت کراچی محفوظ ہیں

باہتمام : ظلیل اشرف عثمانی
طباعت : مئی ۲۰۰۶ء علمی گرافکس
صفحات : 379
کیوزنگ : منظور احمد

قارئین سے گزارش

اپنی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمد للہ اس بات کی نگرانی کے لئے ادارہ میں مستقل ایک عالم موجود رہتے ہیں۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو ازراہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاک اللہ

..... ملنے کے پتے ﴿﴾

بیت العلوم 20 ناہر روڈ لاہور	ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور	بیت القرآن اردو بازار کراچی
مکتبہ امدادی بی بی ہسپتال روڈ ملتان	بیت القلم مقابل اشرف المدارس گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی
کتاب خانہ رشیدیہ - عینہ مارکیٹ - لید بازار روڈ الہندہ	بیت الکتب بالقابل اشرف المدارس گلشن اقبال کراچی
مکتبہ اسلامیہ گامی اڈا - ایبٹ آباد	مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار - فیصل آباد
مکتبہ - المارف محلہ جنگلی - پشاور	ادارہ اسلامیات ۱۹۰ - انارکلی لاہور

﴿﴾ انگریز میں ملنے کے پتے ﴿﴾

Islamic Books Centre
119-121, Halli Well Road
Bolton BL 3NE, U.K.

Azhar Academy Ltd.
At Continenta (London) Ltd.
Cooks Road, London E15 2PW

فہرست عنوانات

باب صفة الصلوة

- ۲۳ نماز کے فرائض
- ۲۴ نماز کے واجبات
- ۲۶ نماز کا طریقہ، تکبیر تحریمہ شرط ہے یا نہیں، اقوال فقہاء
- ۲۷ ہاتھوں کو تکبیر کے ساتھ اٹھانا سنت ہے
- ۲۸ ہاتھوں کو کانوں کی لو کے برابر یا کندھوں تک اٹھایا جائے گا..... اقوال فقہاء
- ۲۹ عورت کندھوں کے برابر ہاتھ اٹھائے گی
- ۳۱ اللہ اکبر کی جگہ دوسرے اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ لینے کا حکم..... اقوال فقہاء
- ۳۲ فارسی میں قرأت کرنے کا حکم، اقوال فقہاء و دلائل
- ۳۳ اللہم اغفر لسی کے ساتھ نماز شروع کرنے کا حکم
- ۳۵ نماز میں ہاتھ باندھنے کا طریقہ، اور ہاتھ کہاں باندھے جائیں..... اقوال فقہاء
- ۳۶ ثناء میں کیا پڑھا جائے..... اقوال فقہاء
- ۳۸ تعوذ کی شرعی حیثیت، موضع تعوذ، تعوذ کے الفاظ
- ۳۹ تسبیہ
- ۴۰ تعوذ، تسبیہ، آمین سر آ کہی جائے یا جبراً..... اقوال فقہاء و دلائل
- ۴۱ قرأت فاتحہ و ضم سورۃ رکن ہے یا نہیں..... اقوال فقہاء و دلائل
- ۴۲ امام اور مقتدی کے لئے آمین کہنے کا حکم..... اقوال فقہاء و دلائل
- ۴۳ امام اور مقتدی دونوں آمین سر آ کہیں گے، اور آمین کا صحیح تلفظ
- ۴۴ رکوع میں جاتے ہوئے تکبیر کہنا
- ۴۵ رکوع کی کیفیت اور رکوع کی تسبیح
- ۴۶ امام رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے سمع اللہ لمن حمدہ کہے اور مقتدی ربنا لک الحمد کہے..... اقوال فقہاء و دلائل

- ۵۱ قومہ کا حکم، سجدہ میں جانے اور اس سے اٹھنے کا طریقہ اور جلسہ کا حکم، اقوال فقہاء و دلائل
- ۵۳ سجدہ کی کیفیت (طریقہ)
- ۵۴ ناک اور پیشانی پر سجدہ کرنے یا کسی ایک پر اکتفاء کرنے کا حکم، اقوال فقہاء و دلائل
- ۵۶ پڑی کے بل پر اور فاضل کپڑے پر سجدہ کرنے کا حکم
- ۵۶ دونوں بازوؤں کو سجدہ میں کشادہ رکھنے
- ۵۷ سجدے میں پیت کو رانوں سے دور رکھنے
- ۵۷ پاؤں کی انگلیوں کا رخ قبلہ کی طرف رکھنے
- ۵۸ سجدہ کی تسبیح
- ۵۹ عورت کے لئے سجدہ کا طریقہ
- ۵۹ سجدہ سے اٹھ کر دوسرے سجدہ میں جانے کا طریقہ، جلسہ کا حکم، اقوال فقہاء و دلائل
- ۶۰ سجدہ سے قیام کی طرف جانے کا طریقہ
- ۶۱ دوسری رکعت مکمل کرنے کی کیفیت
- ۶۲ رفع یدین کا حکم، اقوال فقہاء و دلائل
- ۶۳ قعدہ میں بیٹھنے کی ہیئت
- ۶۳ تشہد ابن مسعودؓ
- ۶۷ قعدہ اولیٰ میں مقدار تشہد پر اضافہ نہ کرے
- ۶۷ آخری دو رکعتوں کے پڑھنے کا طریقہ
- ۶۸ قعدہ اخیرہ قعدہ اولیٰ کی مانند ہے
- ۶۹ تشہد کی شرعی حیثیت، اقوال فقہاء و دلائل
- ۷۱ ماثورہ و منقولہ دعاؤں کے پڑھنے کا حکم
- ۷۱ لوگوں کے کلام کے مشابہ ادعیہ سے اجتناب کرے
- ۷۲ دائیں بائیں سلام پھیرنا، سلام میں نیت کس کی کرے
- ۷۳ مقتدی سلام میں امام کی نیت بھی کرے گا یا نہیں

منفرد سلام میں کس کی نیت کرے، اقوال فقہاء

۷۴

امام سلام میں ملائکہ اور مقتدیوں دونوں کی نیت کرے

۷۴

فصل فی القراءۃ

۷۵

جہری قرأت کن نمازوں میں ہوگی، منفرد کے لئے جہر کا حکم

۷۶

سری قرأت کن نمازوں میں ہوگی، امام مالک کا نقطہ نظر

۷۷

امام جمعہ اور عیدین میں جہر قرأت کرے، دن اور رات کے نوافل میں جہر کا حکم

۷۸

جہری نماز کی قضا میں بھی جہر قرأت ہوگی

۷۸

عشاء کی پہلی دو رکعت میں سورت ملائی فاتحہ نہیں پڑھی یا فاتحہ پڑھی اور سورت ساتھ نہیں ملائی تو اس کے لئے کیا حکم ہے

۷۹

فاتحہ اور سورت جہر پڑھے

۸۱

جہر اور انشاء کی تعریف

۸۲

کم سے کم قرأت کی وہ مقدار جس سے نماز درست ہو جائے، اقوال فقہاء و دلائل

۸۳

حالت سفر کی نماز میں قرأت کا حکم

۸۴

حالت حضر میں فجر کی نماز میں قرأت کی مقدار

۸۵

ظہر کی نماز میں قرأت کی مقدار

۸۶

عصر اور عشاء میں اوساط مفصل کی قرأت مغرب میں قصر مفصل کی قرأت

۸۶

فجر کی پہلی رکعت دوسری رکعت کی نسبت لمبی ہو

۸۷

ظہر کی دو رکعتیں برابر ہوں یا کم زیادہ..... اقوال فقہاء

۸۸

قرأت کے لئے سورۃ معین کرنے کا حکم

۸۹

قرأت خلف الامام کی شرعی حیثیت..... اقوال فقہاء و دلائل

۸۹

امام کی قرأت کے وقت مقتدی کے لئے حکم

۹۱

باب الامامۃ

۹۳

جماعت کی شرعی حیثیت

۹۳

منصب امامت کا سب سے زیادہ حقدار کون ہے؟

۹۴

- ۹۵ علم بالسنۃ میں سب برابر ہوں تو مستحق امامت کون ہے؟
- ۹۶ علم اور قرأت میں سب برابر ہوں تو مستحق امامت کون ہے؟
- ۹۶ علم، قرأت، تقویٰ میں سب برابر ہوں تو مستحق امامت کون ہے؟
- ۹۷ غلام، دیہاتی، فاسق اور نابینے کی امامت کا حکم
- ۹۸ امامت کے لئے کن امور کی رعایت کا خیال رکھنا ضروری ہے
- ۹۸ عورتوں کی تنہا جماعت کا حکم
- ۹۸ ایک مقتدی ہو تو امام کے دائیں جانب کھڑا ہو
- ۱۰۰ دو مقتدی ہوں تو امام مقدم ہو جائے
- ۱۰۰ مردوں کے لئے عورت اور بچے کی اقتداء کا حکم
- ۱۰۲ صفوں کی ترتیب کیسے ہوگی؟
- ۱۰۳ مسئلہ محاذات
- ۱۰۴ امام نے محاذی عورت کی امامت کی نیت نہ کی ہو تو اس کا حکم
- ۱۰۶ محاذات کی شرائط
- ۱۰۷ عورتوں کے لئے جماعت کی نماز میں شرکت کا حکم
- ۱۰۷ بوڑھی عورتوں کے لئے جماعت میں شرکت کا حکم..... اقوال فقہاء
- ۱۰۹ طاہرہ کے لئے مستحاضہ کی اقتداء کا حکم
- ۱۰۹ قاری کے لئے امی اور کپڑے پہننے والے کے لئے ننگے کی اقتداء کا حکم
- ۱۰۹ متوضئین کے لئے متیمم کی اقتداء کا حکم..... اقوال فقہاء
- ۱۱۰ غاسلین کے لئے ماح کی اقتداء کا حکم
- ۱۱۱ تائم کے لئے قاعد کی اقتداء کا حکم
- ۱۱۱ مؤمی کے لئے مؤمی کی اقتداء کا حکم
- ۱۱۴ راجع اور ساجد کے لئے مؤمی کی اقتداء کا حکم
- ۱۱۴ مفترض کے لئے متفعل کی اقتداء کا حکم

- ۱۱۳ ایک فرض والے کے لئے دوسرے فرض والے کے پیچھے نماز کا حکم
- ۱۱۴ منتقل کے لئے مفترض کی اقتداء کا حکم
- ۱۱۴ ایک شخص نے امام کی اقتداء کی پھر معلوم ہوا امام محدث ہے، اس کے لئے کیا حکم ہے
- ۱۱۵ قراء اور امیوں کے لئے امی کی اقتداء کا حکم
- ۱۱۷ قاری اور امی کے لئے الگ الگ نماز پڑھنے کا حکم
- ۱۱۷ امام نے دو رکعتیں پڑھائیں پھر آخری دو میں امی کو مقدم کر دیا تو کیا حکم ہے
- ۱۱۸ باب الحدیث فی الصلاة
- ۱۱۸ امام کو نماز میں حدیث لاحق ہو جائے تو کیا کرے..... بناؤ کا حکم
- ۱۲۰ استیناف افضل ہے
- ۱۲۰ منفرہ کو نماز میں حدیث لاحق ہو جائے تو کیسے مکمل کرے
- ۱۲۱ وہ شخص جس نے بحالت نماز گمان کیا کہ وہ محدث ہو گیا ہے وہ اپنی جگہ سے پھر گیا پھر اسے معلوم ہوا کہ وہ محدث نہیں تو اس کے لئے کیا حکم ہے
- ۱۲۲ امام نے حدیث گمان کر کے کسی کو خلیفہ بنا دیا پھر ظاہر ہوا کہ حدیث نہیں ہو اتھا تو اس کی نماز کا کیا حکم ہے
- ۱۲۳ مصلی دوران نماز مجنوں یا مختلم یا مدہوش ہو گیا، نماز کا حکم
- ۱۲۴ امام قرأت سے عاجز ہو گیا اس حالت میں دوسرے کو اس نے آگے بڑھا دیا خلیفہ بنانے کا حکم، اقوال فقہاء
- ۱۲۴ امام فرض قرأت کرنے کے بعد عاجز آجائے تو خلیفہ بنانے کا حکم
- ۱۲۵ تشہد کے بعد حدیث لاحق ہو تو نماز مکمل کیسے کرے
- ۱۲۵ تشہد کے بعد عمدہ حدیث لاحق کیا یا کلام کیا یا منافی صلوة عمل کر لیا کیا نماز مکمل ہو جائے گی؟
- ۱۲۵ متیم نماز میں پانی دیکھ لے نماز باطل ہے
- ۱۲۶ مسائل اشاء عشرہ
- ۱۲۸ امام کو حالت نماز میں حدیث لاحق ہو تو مسبوق کو خلیفہ بنانا ناجائز البتہ مد رک کو خلیفہ بنانا اولی ہے
- ۱۲۹ مسبوق خلیفہ بن جائے تو نماز مکمل کہاں سے کرائے
- ۱۳۰ امام کو حدیث لاحق نہیں ہوا اور قدر تشہد بیٹھنے کے بعد قبہ لگا یا عمدہ حدیث لاحق کیا تو نماز کا کیا حکم ہے

- ۱۳۲ رکوع اور سجدے میں جس کو حدث لاحق ہو جائے تو نماز کا کیا حکم ہے
- ۱۳۲ امام رکوع سجدے میں حدث لاحق ہو جائے تو اس نے خلیفہ بنایا، خلیفہ نئے سرے سے رکوع سجدہ کرے
- ۱۳۳ نمازی کو رکوع یا سجدہ میں آیا کہ اس پر رکوع یا سجدہ باقی ہے اس کے لئے کیا حکم ہے
- ایک ہی شخص کی امامت کر رہا تھا اور اسے حدث لاحق ہو گیا اور مسجد سے نکل گیا تو مقتدی امام ہے خواہ امام اول نے خلیفہ بنانے کی نیت کی ہو یا نہیں
- ۱۳۴ باب ما یفسد الصلوٰۃ وما یکرہ فیہا
- ۱۳۵ نماز میں کلام کرنے سے خواہ عمدہ ہو یا نسیاناً نماز باطل ہوگی یا نہیں، اقوال فقہاء و دلائل
- ۱۳۵ نماز میں کراہنا اور رونا خواہ خشیت سے ہو یا تکلیف اور درد سے مفسد صلوٰۃ ہے یا نہیں
- ۱۳۷ نماز میں کھانا عذر سے ہو یا بغیر عذر کے اسی طرح چھینکنے اور ڈکار لینے کا حکم
- ۱۳۹ نماز میں چھینک کا جواب دینا مفسد صلوٰۃ ہے
- ۱۳۹ نمازی کا اپنے امام کے علاوہ کو لقمہ دینے کا حکم
- ۱۴۰ مقتدی کا اپنے امام کو لقمہ دینے کا حکم
- ۱۴۱ لقمہ دینے میں جلد بازی سے کام لیا اور امام دوسری آیت کی طرف منتقل ہو گیا تو لقمہ دینے والے کی نماز کا حکم
- ۱۴۲ نماز میں کسی کو "لا الہ الا اللہ" کے ساتھ جواب دینے کا حکم
- ۱۴۲ اگر دوسرے کو نماز میں ہونے پر خبردار کرنے کے لئے کلمہ یا آیت پڑھی تو بالا جماع نماز فاسد نہیں ہوگی
- ۱۴۳ ظہر کی ایک رکعت پڑھنے کے بعد عصر یا نفل میں شروع ہوا تو ظہر کی نماز باطل ہو جائے گی
- ۱۴۳ ظہر کی ایک رکعت پڑھنے کے بعد دوبارہ ظہر میں شروع ہوا تو پہلی پڑھی ہوئی رکعت محسوب ہوگی
- ۱۴۵ نماز میں مصحف سے دیکھ کر پڑھنا مفسد صلوٰۃ ہے یا نہیں..... اقوال فقہاء
- ۱۴۶ نماز میں مکتوب چیز کی طرف دیکھ کر اسے سمجھ لیا تو یہ بالا جماع مفسد صلوٰۃ نہیں
- ۱۴۷ عورت کا نمازی کے سامنے سے گذرنا مفسد صلوٰۃ نہیں
- ۱۴۸ صحرا (میدان) میں نماز پڑھنے والے کے لئے سترہ قائم کرنا مستحب ہے
- ۱۴۹ نمازی سترہ اپنے قریب گاڑھے، سترہ لگانے کا طریقہ
- امام کا سترہ مقتدی کے لئے کافی ہے

- ۱۵۰ سترہ گزھنے کا اعتبار ہے ڈال دینا اور خط کھینچنا کافی نہیں
- ۱۵۰ نمازی سترہ کی عدم موجودگی میں گزرنے والے کو دفع کرے
- ۱۵۱ فصل
- ۱۵۱ مکروہات نماز
- ۱۵۱ نماز میں کپڑے، بدن سے کھیلنا اور عبث کام مکروہ ہے
- ۱۵۲ کنکریوں کو پلٹنے کا حکم
- ۱۵۲ نماز میں انگلیاں چٹکانا اور کھوکھوں پر ہاتھ رکھنا مکروہ ہے
- ۱۵۳ گردن موڑ کر دائیں بائیں التفات کرنا مکروہ ہے
- ۱۵۴ کتے کی طرح بیٹھنا اور بازؤں کو زمین پر بچھا دینا بھی مکروہ ہے
- ۱۵۴ نماز میں سلام کا جواب دینے کا حکم
- ۱۵۵ نماز میں چارزانو بیٹھنے اور بالوں کو گوندھنے کا حکم
- ۱۵۶ نماز میں کپڑے کو سینٹا اور سدل کرنا مکروہ ہے
- ۱۵۶ نماز میں جان بوجھ کر یا بھول کر کھانا پینا مفسد صلوٰۃ ہے
- ۱۵۷ امام کا مسجد میں کھڑا ہونا اور تہجد محراب میں کرنا مکروہ نہیں ہے، مکمل محراب میں کھڑا ہونا مکروہ ہے
- ۱۵۸ پیٹھ کر باتیں کرنے والے کی پیٹھ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا مکروہ نہیں
- ۱۵۸ نمازی کے سامنے مصحف یا تلوار لٹکی ہوئی ہو تو کوئی حرج نہیں
- ۱۵۹ تصویر والے بچھونے پر نماز پڑھنا مکروہ نہیں
- ۱۶۰ نمازی کے سر کے اوپر چھت میں یا سامنے یا دائیں بائیں تصویریں ہوں تو مکروہ ہے
- ۱۶۱ سرکئی یا سرمٹی تصویر کے حکم میں نہیں
- ۱۶۲ نماز تصویر والے سکیے یا بچھونے پر ہو تو نماز مکروہ نہیں
- ۱۶۲ تصویر والے لباس میں نماز مکروہ ہے
- ۱۶۳ غیر ذی روح کی تصاویر مکروہ نہیں
- ۱۶۳ دوران نماز موذی جانوروں کے مارنے کا حکم

- ۱۶۴ نماز میں آیات اور تسبیحات کا شمار کرنا مکروہ ہے
- ۱۶۵ خارج نماز کے مکروہات کا بیان
- ۱۶۵ بیت الخلاء میں فرج کے ساتھ استقبال قبلہ اور استدبار قبلہ مکروہ ہے
- ۶۶ مسجد کی چھت پر وطی، پیشاب پاخانہ مکروہ تحریمی ہے
- ۱۶۷ گھر کی مسجد کی چھت پر پیشاب کرنا مکروہ نہیں
- ۱۶۷ مسجد کا دروازہ بند کرنا مکروہ ہے
- ۱۶۸ مسجد کو چونے، بکڑی، سونے کے پانی کے ساتھ منقش کرنے کا حکم
- ۱۶۹ باب صلوة الوتر
- ۱۶۹ وتر کی شرعی حیثیت..... اقوال فقہاء و دلائل
- ۱۷۱ وتر کی تین رکعتیں ایک سلام کے ساتھ پڑھی جائیں
- ۱۷۲ قنوت وتر کب پڑھی جائے؟ رکوع سے پہلے یا بعد میں..... اقوال فقہاء
- ۱۷۳ قنوت وتر پورا سال پڑھی جائے گی، امام شافعی کا نقطہ نظر
- ۱۷۴ وتر کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ اور سورہ پڑھی جائے گی
- ۱۷۴ قنوت پڑھنے کا طریقہ
- ۱۷۵ وتر کے علاوہ قنوت کا حکم، اقوال فقہاء
- ۱۷۵ قنوت نازلہ فجر کی نماز میں پڑھی جائے گی اور مقتدی کے لئے قنوت پڑھنے کا حکم..... اقوال فقہاء
- ۱۷۷ باب النوافل
- ۱۷۸ سنن اور نوافل کا بیان، سنن مؤکدہ اور غیر مؤکدہ کی تعداد رکعات
- ۱۸۱ دن اور رات کے نوافل کی تعداد رکعات
- ۱۸۴ قرأت کا بیان..... فرائض میں قرأت کا حکم..... امام شافعی کا نقطہ نظر و دلائل
- ۱۸۶ فرائض کی آخری دو رکعتوں میں قرأت کا حکم
- ۱۸۶ نوافل میں قرأت کا حکم

نفل شروع کرنے کے بعد فاسد کرنے سے قضا کا حکم

۱۸۷

نوافل کی چار رکعتیں پڑھنا شروع کیں پہلی دو میں قرأت کی اور قعدہ اولیٰ بھی کیا پھر آخری دو رکعتوں کو فاسد کر دیا تو کتنی رکعتوں کی قضا لازم ہے

۱۸۸

چار رکعتیں پڑھیں اور کسی میں بھی قرأت نہیں کی کتنی رکعتوں کا اعادہ لازم ہے..... اقوال فقہاء

۱۸۹

پہلی دو رکعتوں میں قرأت کی آخری دو میں قرأت نہیں کی بالا جماع آخری دو کی قضا لازم ہے

۱۹۲

آخری دو میں قرأت کی پہلی دو میں نہیں کی بالا جماع پہلی دو رکعتوں کی قضا لازم ہے

۱۹۲

پہلی دو اور آخری دو میں سے ایک میں قرأت کی اسی طرح آخری دو اور پہلی دو میں سے ایک میں قرأت کی اسی طرح پہلی دو میں سے ایک میں اور آخری دو میں سے ایک میں قرأت کی کتنی رکعتوں کی قضا لازم ہے

۱۹۳

پہلی رکعت کے علاوہ کسی رکعت میں قرأت نہیں کی کتنی رکعتوں کی قضا لازم ہے..... اقوال فقہاء

۱۹۴

قدرت علی القیام کے باوجود بیٹھ کر نفل پڑھنے کا حکم

۱۹۵

کھڑے ہو کر نفل شروع کئے پھر بغیر عذر کے بیٹھ کر مکمل کرنے کا حکم، اقوال فقہاء

۱۹۶

شہر سے باہر چوپائے پر نفل پڑھنے کا حکم..... اقوال فقہاء

۱۹۷

سواری پر نفل شروع کئے پھر اتر کر اسی پر بنا کرنے کا حکم اسی طرح اتر کر ایک رکعت پڑھی پھر سوار ہو گیا تو از سرے نو پڑھے

۱۹۹

فصل فی قیام رمضان

۲۰۱

نماز تراویح کے لئے اجتماع مستحب ہے، نماز تراویح کی رکعات

۲۰۱

تراویح کی جماعت کی شرعی حیثیت

۲۰۳

بہر رمضان میں وتر کی جماعت کا حکم

۲۰۶

باب ادراک الفریضة

۲۰۶

نت پڑھنے کے دوران فرائض کی جماعت شروع ہو جائے تو نمازی کے لئے کیا حکم ہے

۲۰۶

ن رکعتیں پڑھ چکا تھا پھر جماعت کھڑی ہو گئی تو چوتھی رکعت ملانے کا حکم

۲۰۸

کی سنت ایک رکعت پڑھی پھر جماعت کھڑی ہو گئی

۲۱۰

ن کے بعد مسجد سے نکلنے کا حکم

۲۱۱

ن ہونے کے بعد ظہر اور عشاء کی نماز پڑھ چکا تھا تو مسجد سے نکلنے میں کوئی حرج نہیں

- ۲۱۳ فجر کی نماز میں دورانِ جماعت سنتِ فجر پڑھنے کا حکم
- ۲۱۶ فجر کی سنتیں فوت ہو جائیں تو طلوعِ شمس کے بعد قضا کرے
- ۲۱۷ ظہر کی جماعت سے ایک رکعت پالی اسے ظہر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھنے والا شمار کریں گے یا نہیں
- ۲۱۸ جس مسجد میں فرض نماز ہو چکی پھر کوئی آیا وہ نوافلِ فرائض سے پہلے پڑھ سکتا ہے یا نہیں
- ۲۱۹ جو امام کو رکوع میں نہ پاے اس نے رکعت کو نہیں پایا
- ۲۱۹ امام کو رکوع میں پایا اس نے رکعت پالی
- ۲۲۰ باب قضاء الفوائت
- ۲۲۰ فوت شدہ نماز کو قضا کرنے کا وقت
- ۲۲۱ فوت شدہ اور وقتی نمازوں میں ترتیب
- ۲۲۲ تنگی وقت کے باوجود فوت شدہ نماز کو مقدم کر لیا تو کیا حکم ہے
- ۲۲۲ فوت شدہ نمازوں میں ترتیب کا حکم
- ۲۲۳ فوت شدہ نمازیں قدیمہ اور حدیثہ ہیں ان کی ادائیگی کا طریقہ کار
- ۲۲۴ قضا کرنے سے فوت شدہ نمازیں کم ہو جائیں ترتیب لوٹے گی یا نہیں..... اقوال فقہاء
- ۲۲۶ ظہر کی نماز نہ پڑھنا یاد ہونے کے باوجود عصر کی نماز پڑھنے کا حکم، اقوال فقہاء
- ۲۲۸ عصر کی نماز فسادِ موقوف پر ہوگی کا مطلب
- ۲۲۸ وتر پڑھے بغیر فجر کی نماز پڑھنے کا حکم
- ۲۲۹ باب سجود السہو
- ۲۳۰ سجدہ سہو کب واجب ہوتا ہے اور ادائیگی کا طریقہ
- ۲۳۲ سجدہ سہو اس زیادتی سے لازم ہوتا ہے جو جنسِ صلوٰۃ سے ہو مگر جزءِ صلوٰۃ نہ ہو
- ۲۳۳ فعلِ مسنون کے چھوڑے پر سجدہ سہو لازم ہوتا ہے (فعلِ مسنون کا مصداق)
- ۲۳۳ سورہ فاتحہ یا قنوت یا تکبیرات عیدین چھوڑنے سے سجدہ سہو واجب ہوتا ہے
- ۲۳۴ جہری نماز میں سر اور سرری نماز میں جہر اقرأت سے بھی سجدہ سہو واجب ہوتا ہے

- ۲۳۶ امام کے بھولنے سے امام اور مقتدی دونوں پر سجدہ سہولاً لازم ہے
- ۲۳۷ مقتدی کی بھول سے امام اور مقتدی دونوں سجدہ سہولاً نہیں
- ۲۳۸ قعدہ اولی بھول گیا پھر یاد آیا اگر بیٹھنے کے قریب ہے تو بیٹھ جائے اور سجدہ سہولاً کرے گا یا نہیں
- ۲۳۸ اور اگر کھڑے ہونے کے قریب ہو کھڑا ہو جائے اور سجدہ سہولاً کرے
- ۲۳۹ قعدہ اخیرہ بھول کر پانچویں رکعت کا سجدہ بھی کر لیا تو فرض ہو گئے یا باطل ہیں، اقوال فقہاء
- ۲۴۱ چھٹی رکعت ملانے کا حکم
- ۲۴۲ قعدہ اخیرہ مقدار تشہد بیٹھا پھر سلام پھیرے بغیر پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہو گیا جب پانچویں رکعت کا سجدہ نہیں کیا لوٹ آئے
- ۲۴۳ پانچویں کا سجدہ کر لیا تو چھٹی رکعت ملا لے
- ۲۴۴ چھٹی رکعت ملانے کے بعد سجدہ سہولاً کرے گا یا نہیں، اقوال فقہاء
- ۲۴۶ نفل کی دو رکعتیں پڑھیں ان میں بھولا اور سجدہ سہولاً بھی کر لیا دو اور رکعتوں کی بنا پہلی پر کر سکتا ہے یا نہیں
- ۲۴۷ امام نے سلام پھیرا اور اس پر سجدہ سہولاً مقتدی نے سلام کے بعد امام کی اقتداء کی اگر امام سجدہ سہولاً کرے تو مقتدی کی اقتداء
- ۲۴۷ شمار ہوگی ورنہ نہیں..... اقوال فقہاء
- ۲۴۹ نماز کو ختم کرنے کے لئے سلام پھیرا، اس پر سجدہ سہولاً لازم ہے تو سجدہ سہولاً کرے
- ۲۴۹ جس شخص کو نماز میں شک ہو گیا اسے معلوم نہیں تین رکعتیں پڑھی ہیں یا چار اس کا کیا حکم ہے
- ۲۵۰ اگر سہو بار بار پیش آتا ہو پھر کیا کرے
- ۲۵۱ باب صلوة الممرض
- ۲۵۱ قیام پر قادر نہ ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھے
- ۲۵۲ رکوع اور سجدہ کی طاقت نہ ہو تو اشارہ سے رکوع سجدہ کرے
- ۲۵۳ بیٹھنے کی قدرت نہ ہو تو لیٹ کر نماز پڑھے اور اس کا طریقہ کیا ہے
- ۲۵۴ لیٹ کر پہلو کے بل نماز پڑھنے کا حکم
- ۲۵۴ سر کے اشارہ تک سے عاجز ہو تو نماز کب تک مؤخر کرے گا
- ۲۵۵ قیام پر قادر ہو رکوع سجدہ پر قادر نہ ہو اس لئے کیا حکم ہے

تندرست نے نماز کھڑے ہو کر شروع کی پھر مرض لاحق ہو گیا بیٹھ کر مکمل کرے

۲۵۶

حالت مرض میں بیٹھ کر نماز پڑھی اور رکوع سجدہ اشارہ سے کیا پھر تندرست ہو گیا کھڑے ہو کر پہلی نماز پڑھ کر سکتا ہے یا نہیں، اقوال فقہاء۔

۲۵۷

نماز کی کچھ رکعتیں اشارے سے پڑھیں پھر رکوع سجدہ پرقادر ہو گیا بالاتفاق نئے سرے سے نماز پڑھے نقل کھڑے ہو کر شروع کئے پھر ٹیک لگالی تو کیا حکم۔

۲۵۷

۲۵۷

بغیر عذر کے بیٹھ کر نماز پڑھنا مکروہ ہے

۲۵۸

کشتی میں بغیر عذر کے بیٹھ کر نماز پڑھنے کا حکم۔۔۔۔۔ اقوال فقہاء۔

۲۵۹

پانچ یا پانچ سے کم نمازوں میں بے ہوشی طاری رہی تو قضا ہے اور اس سے زیادہ میں نہیں

۲۶۰

باب فی سجدة التلاوة

۲۶۲

قرآن کریم میں کل کتنے سجدے ہیں اور کون کون سی سورت میں ہیں

۲۶۲

صاحب ہدایہ نے ان چودہ مواضع سجدہ پر مصحف عثمان سے استدلال کیا ہے اور مصحف عثمان ہی معتمد ہے ان تمام مواضع میں قاری اور سامع پر سجدہ تلاوت ہے

۲۶۲

۲۶۳

امام شکیب سجدہ تلاوت کی تو امام و مقتدی پر سجدہ تلاوت ہے اگر مقتدی نے آیت سجدہ تلاوت کی تو سجدہ کا حکم نماز سے باہر آیت سجدہ سننے والے پر سجدہ تلاوت لازم ہے

۲۶۵

۲۶۷

نماز میں کسی تیسرے شخص سے سجدہ تلاوت کی آیت سنی جو ان کے ساتھ نماز میں نہیں ہے نماز میں یا نماز کے بعد سجدہ کریں گے یا نہیں

۲۶۷

نماز میں سجدہ کر لیا تو یہ سجدہ کافی نہیں

۲۶۸

سجدہ کا اعادہ لازم ہے نماز کا اعادہ نہیں

۳۶۸

امام نے آیت سجدہ کی تلاوت کی اور ایسے شخص نے سنی جو نماز میں نہیں تھا امام کے سجدہ کر لینے کے بعد نماز میں داخل ہوا اس پر سجدہ نہیں

۲۶۹

بروہ سجدہ جو نماز میں واجب ہوا غیر نماز میں سجدہ کرنا کافی نہیں ہوگا

۲۶۹

آیت سجدہ کی تلاوت کی اور سجدہ نہیں کیا نماز میں داخل ہو کر دوبارہ وہی آیت پڑھی اور سجدہ کیا یہ سجدہ دونوں تلاوتوں سے کفایت کرے گا

- ۲۷۱ آیت سجدہ کی تلاوت کی پھر سجدہ کیا نماز میں دوبارہ آیت سجدہ کی تلاوت کی اب پہلے والا سجدہ کافی نہیں
- ۲۷۱ ایک مجلس میں کئی بار آیت سجدہ کی تلاوت کی تو ایک ہی سجدہ کافی ہے
- ۲۷۳ سامع کی مجلس بدل گئی تلاوت کرنے والے کی مجلس نہیں بدلی تو سامع پر مکرر سجدہ ہے نہ کہ تلاوت کرنے والے پر
- ۲۷۴ سجدہ کرنے کا طریقہ
- ۲۷۵ نماز یا غیر نماز میں سورۃ پڑھنے کے دوران آیت سجدہ، چھوڑنا مکروہ ہے
- ۲۷۵ باب صلوة المسافر
- ۲۷۶ سفر شرعی کی مسافت
- ۲۷۷ متوسط رفتار معتبر ہے
- ۲۷۷ دریا میں خشکی کی رفتار معتبر نہیں
- ۲۷۸ قصر نماز کی شرعی حیثیت
- ۲۸۰ اگر قصر کے بجائے اتمام کیا تو کیا حکم ہے
- ۲۸۰ قصر نماز کہاں سے شروع کرے
- ۲۸۱ مقیم بننے کے لئے کتنے دن کی اقامت کی نیت ضروری ہے
- ۲۸۳ ایک شہر سے کل آج نکلنے کا ارادہ کیا لیکن دو سال تک ٹھہرا رہا تو نماز قصر پڑھے گا
- ۲۸۳ لشکر کی دارالحرب میں اقامت کی نیت معتبر ہے یا نہیں
- ۲۸۳ دارالاسلام میں اسلامی لشکر نے باغیوں پر حملہ کیا اور اقامت کی نیت کی تو ان کی نیت معتبر ہوگی یا نہیں
- ۲۸۵ مسافر کے لئے مقیم کی اقتداء کا حکم
- ۲۸۵ مسافر کے لئے فوت شدہ نماز کی اقتداء کا حکم
- ۲۸۶ مسافر مقیمین کا امام بن سکتا ہے
- ۲۸۷ مسافر امام کے لئے یہ کہنا مستحب ہے اتموا صلاتکم فانما قوم سفر
- ۲۸۸ مسافر شہر میں داخل ہو جائے تو مکمل نماز پڑھے گا اگرچہ اقامت کی نیت نہ کی ہو
- ۲۸۸ وطن اقامت وطن اقامت سے باطل ہو جاتا ہے

- مسافر کے لئے دو شہروں میں اقامت کی نیت کا اعتبار نہیں
- ۲۸۹
- ۲۹۰ سفر کی نماز حضر میں قصر پڑھی جائے گی اور حضر کی نماز سفر میں مکمل پڑھی جائے گی
- ۲۹۰ سفر کی رخصت مطہ اور عاصی دونوں کے لئے ہے یا نہیں، اقوال فقہاء
- باب صلوة الجمعة
- ۲۹۱ شرائط صحت جمعہ
- ۲۹۳ منی میں جمعہ کا حکم
- ۲۹۵ شرائط صحت اداء، پہلی شرط سلطان ہے
- ۲۹۶ شرائط اداء میں سے ایک شرط وقت ہے
- ۲۹۷ تیسری شرط خطبہ ہے
- ۲۹۸ کھڑے ہو کر خطبہ دینے کا حکم
- ۲۹۹ خطبہ میں ذکر پر اکتفاء جائز ہے یا نہیں، اقوال فقہاء
- ۳۰۰ شرائط جمعہ میں سے ایک شرط جماعت ہے
- ۳۰۱ امام کے رکوع اور سجدہ سے پہلے لوگ چل دیئے اور صرف عورتیں اور بچے رہ گئے تو ظہر کی نماز کا کیا حکم ہے، اقوال فقہاء
- ۳۰۲ کن افراد پر جمعہ فرض نہیں
- ۳۰۳ جن پر جمعہ فرض نہیں اگر انہوں نے جمعہ پڑھا تو وقتی فرض ادا ہو جائے گا
- ۳۰۴ کون کون جمعہ کی امامت کرا سکتا ہے
- ۳۰۴ کسی نے جمعہ کے دن ظہر کی نماز امام سے پہلے پڑھ لی اور کوئی عذر مانع بھی نہیں تھا تو ایسا کرنا مکروہ ہے آیا ظہر کی نماز ہوئی یا نہیں، اقوال فقہاء
- ۳۰۵ ظہر پڑھنے والا جمعہ کی طرف چل پڑے تو ظہر باطل ہو جائے گی یا نہیں، اقوال فقہاء
- ۳۰۶ معذورین کے لئے جمعہ کے دن شہر میں ظہر کی نماز جماعت سے پڑھنے کا حکم
- ۳۰۸ جمعہ نے امام کو جمعہ کی جتنی نماز میں پالیا نماز پڑھے اور جمعہ کی بنا کر سے
- ۳۰۸

- ۳۰۹ اگر امام کو تشہد یا سجدہ سہو میں پایا تو جمعہ کی بنا درست ہے یا نہیں، اقوال فقہاء
- ۳۱۰ امام جب خطبہ کے لئے نکلے تو لوگ نماز اور کلام ترک کر دیں گے یا نہیں، اقوال فقہاء
- ۳۱۱ بیع و شراء اذان اول پر ختم کر دیں
- ۳۱۲ باب العیدین
- ۳۱۳ عید الفطر مقرر ہونے کا راز
- ۳۱۳ عید قربان کے مقرر ہونے کی وجہ
- ۳۱۳ نماز عید کی شرعی حیثیت
- ۳۱۴ عیدین میں مسنون اعمال
- ۳۱۵ صدقۃ الفطر کی ادائیگی کا وقت
- ۳۱۷ عید گاہ میں عید کی نماز سے پہلے نفل پڑھنے کا حکم
- ۳۱۷ نماز عید کا وقت
- ۳۱۸ عید کی نماز کا طریقہ
- ۳۲۱ تکبیرات عیدین میں رفع الیدین کا حکم
- ۳۲۱ نماز کے بعد عیدین کے خطبے دیئے جائیں
- ۳۲۲ منفرد کے لئے عید کی نماز قضاء کرنے کا حکم
- ۳۲۳ عید الاضحیٰ کے مستحبات
- ۳۲۳ راستہ میں جہراً تکبیر کہنے کا حکم
- ۳۲۴ کسی مانع کی وجہ سے پہلے دن عید نہیں پڑھی تو دوسرے دن یا پھر تیسرے دن پڑھ لیں
- ۳۲۴ اہل عرفہ کے ساتھ مشابہت کا حکم
- ۳۲۵ فصل فی تکبیرات التشریق
- ۳۲۵ تکبیرات تشریق کا بیان تکبیرات تشریق کا آغاز کب ہوگا اور اختتام کب ہوگا
- ۳۲۶ تکبیر تشریق کہنے کا وقت

باب صلوة الكسوف

۳۲۸	سورج گرہن کی نماز کا طریقہ
۳۲۹	لمبی اور سہرا قرأت کرنے کا حکم
۳۳۰	نماز کے بعد دعا کا حکم
۳۳۲	امام جمعہ صلوة الكسوف کی امامت کرے
۳۳۲	چاند گرہن میں جماعت کا حکم
۳۳۲	

باب الاستسقاء

۳۳۳	نماز استسقاء کی جماعت کا حکم
۳۳۴	صاحبین کا نقطہ نظر
۳۳۴	جہرا قرأت کا حکم
۳۳۵	نماز استسقاء میں خطبہ کا حکم
۳۳۶	قبلہ رخ ہو کر دعا کرنے کا حکم
۳۳۶	

باب صلوة الخوف

۳۳۷	صلوة الخوف پڑھنے کا طریقہ
۳۳۷	امام مقیم ہو تو نماز کا کیا طریقہ ہے
۳۳۹	حالت نماز میں قتال کا حکم
۳۴۰	سواری پر نماز پڑھنے کا حکم
۳۴۰	

باب الجنائز

۳۴۱	میت پر نماز جنازہ پڑھنے کی وجہ
۳۴۱	نماز جنازہ کے فرض علی الکفایہ ہونے کا راز
۳۴۲	قریب المرگ کو کس ہیئت پر لٹایا جائے

- ۳۲۳ فصل فی الغسل
- ۳۲۳ میت کو غسل دینے کا طریقہ
- ۳۲۷ اعضا جبکہ پر خوشبو لگانے کا حکم، میت کو کنگھی کرنے، ناخن اور بال کاٹنے کا حکم
- ۳۲۸ فصل فی التکفین
- ۳۲۸ مرد کے لئے مسنون کفن
- ۳۲۹ دو کپڑوں پر اکتفاء کرنے کا حکم
- ۳۲۹ کفن لینے کا طریقہ
- ۳۵۰ عورت کا مسنون کفن
- ۳۵۱ کفن پہنانے کا طریقہ
- ۳۵۱ کفن کو خوشبو لگانے کا حکم
- ۳۵۲ فصل فی الصلوٰۃ علی المیت
- ۳۵۲ میت کی نماز جنازہ پڑھانے کا حقدار کون ہے
- ۳۵۳ غیر ولی نے نماز جنازہ پڑھائی تو ولی اعادہ کر سکتا ہے
- ۳۵۴ جس میت پر نماز جنازہ نہ پڑھی گئی ہو قبر پر نماز جنازہ پڑھنے کا حکم
- ۳۵۵ نماز پڑھنے کا طریقہ
- ۳۵۷ امام میت کے سینے کے برابر کھڑا ہو
- ۳۵۸ سواری پر نماز جنازہ پڑھنے کا حکم
- ۳۵۹ نماز جنازہ کے لئے ولی سے اجازت لینے کا حکم
- ۳۵۹ مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے کا حکم
- ۳۶۰ جس بچہ کی پیدائش کے بعد آثار حیات نمایاں ہوں نام رکھا جائے، غسل دیا جائے گا اور نماز جنازہ پڑھی جائے گی
- ۳۶۱ کوئی بچہ اپنے والدین کے ساتھ قید ہو گیا، پھر مر گیا تو نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی

کافر کا مسلمان ولی اسے غسل اور کفن دے گا اور دفن کرے گا

فصل فی حمل الجنازة

جنازہ اٹھانے کا بیان..... جنازہ اٹھانے کا طریقہ

قبر میں رکھنے سے پہلے بیٹھنے کا حکم

فصل فی المدفن

دفن کا بیان..... قبر لحد بتائی جائے یا شق

قبر میں رکھنے والا کونسی دعا پڑھے اور کیا عمل کرے

قبر میں پکی اینٹ، بکڑی لگانے کا حکم

باب الشہید

شہید کی تعریف

حریوں، باغیوں اور ڈاکوؤں کے ہاتھوں قتل ہونے والے کا حکم

جنسی شہید کو غسل دینے کا حکم، اقوال فقہاء

شہید سے خون نہ پونچھا جائے اور نہ کپڑے اتارے جائیں، زائد اشیاء اتار لی جائیں

ارتثات کی تعریف

شہر میں پائے جانے والے مقتول کے غسل کا حکم

حد اور قصاص میں قتل ہونے والے کو غسل دینے اور اس پر نماز جنازہ پڑھنے کا حکم

باب الصلوة فی الکعبۃ

کعبہ میں فرائض و نوافل ادا کرنے کا حکم، اقوال فقہاء

کعبہ میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا حکم

مسجد حرام میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا طریقہ

۳۷۸

کعبۃ اللہ کی چھت پر نماز پڑھنے کا حکم، امام شافعی کا نقطہ نظر

۳۷۸

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ؕ

باب صفۃ الصلوٰۃ

ترجمہ..... (یہ) باب نماز کی صفت (کے بیان میں) ہے

تشریح..... اب تک نماز کے وسائل اور مقدمات کا بیان تھا اب یہاں سے مقصود یعنی نماز کو ذکر کریں گے۔

اہل لغت کے نزدیک وصف اور صفت دونوں مترادف ہیں اور دونوں مصدر ہیں جیسے وعد اور عداۃ۔ اور متکلمین میں سے ہمارے علماء کے نزدیک وصف و احصاف کا کلام ہے اور صفت وہ معنی ہے جو موصوف کے ساتھ قائم ہوتا ہے۔ پس زید عالم زید کا وصف ہے نہ کہ صفت اور اس کا علم جو اس کے ساتھ قائم ہے صفت ہے نہ کہ وصف۔

رہا یہ کہ یہاں صفت سے کیا مراد ہے۔ سو اس بارے میں اختلاف ہے۔ صاحب عنایہ نے کہا کہ ظاہر یہ ہے کہ صفت سے مراد نماز کی روایت ہے جو اس کے ارکان اور عوارض سے حاصل ہو اور بعض کا خیال یہ ہے کہ صفت سے مراد وہ امور ہیں جو اس باب میں مذکور ہیں یعنی واجبات، فرائض، سنن اور مندوبات پس اس صورت میں صفت کی اضافت صلوٰۃ کی طرف اضافت جزالی الکمل کے قبیلہ سے ہوگی کیونکہ صفات مذکورہ میں سے ہر صفت نماز کا جز ہے۔

اور بعض نے کہا کہ یہاں مضاف محذوف ہے تقدیری عبارت ہے باب صفۃ اجزاء الصلوٰۃ اس صورت میں صفت سے مراد کیفیت ہوگی یعنی یہ باب نماز کے اجزاء کی کیفیت (وجوب، فرضیت وغیرہ) کے بیان میں ہے۔

نماز کے فرائض

فرائض الصلوة ستة: التحريمۃ لقوله تعالى وَ رَبِّكَ فَكَبِّرْ والمراد به تكبيرۃ الافتتاح والقيام لقوله تعالى و قَوْمُوا لِلّٰهِ قَانِتِينَ والقراءة لقوله تعالى فَاَقْرَأْ وَاَمَاتِيْسُرْ مِنَ الْقُرْآنِ وَالرُّكُوعَ وَالسُّجُودَ لقوله تعالى وَاَرَكِعُوا وَاَسْجُدُوا وَالْقَعْدَةَ فِي آخِرِ الصَّلَاةِ مَقْدَارَ الشَّهَادَةِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَا بَيْنَ مَسْعُودٍ حِينَ عِلْمِهِ الشَّهَادَةِ إِذَا قُلْتَ هَذَا أَوْ فَعَلْتَ هَذَا فَقَدْ تَمَّتْ صَلَاتُكَ عِلْقَ التَّمَامِ بِالْفِعْلِ قَرَأَ أَوْ لَمْ يَقْرَأْ

ترجمہ..... اور نماز کے فرائض چھ ہیں (۱) تحریمہ کیونکہ باری تعالیٰ نے فرمایا اور اپنے رب کی بزرگی بیان کر۔ اور تکبیر سے مراد نماز شروع کرنے کی نیت ہے (۲) قیام اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور کھڑے ہو اللہ تعالیٰ کے واسطے بحالت خشوع، (۳) قرأت اس لئے کہ اللہ رب العزت نے فرمایا قرآن جس قدر آسان ہو پڑھو (۴-۵) رکوع اور سجود کیونکہ باری تعالیٰ نے فرمایا ہے اور رکوع کرو اور سجدہ کرو، (۶) آخر نماز میں شہد کی مقدار قعدہ ہے اس لئے کہ حضور ﷺ نے جب عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہد کی تعلیم دی تو فرمایا کہ جب تو نے یہ کہا یا اس کو کر لیا تو تیری نماز پوری ہوگی۔ حضور ﷺ نے نماز کا پورا ہونا فعل پر معلق کیا ہے (خواہ) کچھ پڑھا ہو یا نہ پڑھا ہو۔

تشریح.....

یہاں قیاس کا تقاضا یہ تھا کہ امام قدوری فرائض الصلوٰۃ مست فرماتے لیکن تین سے نو تک اعداد کے استعمال کا قاعدہ یہ ہے کہ محدود اگر مذکور ہو تو عدد مؤنث ہوگا اور اگر محدود مؤنث ہے تو عدد مذکور ہوگا۔ اور اس جگہ فرائض (محدود) فریضہ کی جمع ہے اور فریضہ مؤنث ہے اس وجہ سے عدد مذکور آنا چاہیے تھا۔

جواب: یہاں فرائض فرض کی تاویل میں کر لیا گیا اور فرض جمع ہے فرض کی اور فرض مذکور ہے لہذا مست کو مؤنث لانا قاعدے کے مطابق ہوا۔ صاحب عنایہ نے لکھا ہے کہ بعض نسخوں میں فرائض الصلوٰۃ مست ہے پس اس نسخہ کی بنا پر سرتے سے کوئی اشکال واقع نہیں ہوگا۔ رہی یہ بات کہ مصنف نے فرائض الصلوٰۃ کیوں کہا ارکان الصلوٰۃ کیوں نہیں ذکر کیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ لفظ فرائض عام ہے اور ارکان اور غیر ارکان (شرائط) سب کو شامل ہے۔ اور یہاں تحریمہ جو مذکور ہے وہ رکن صلاۃ نہیں بلکہ جواز صلاۃ کی شرط ہے اور قعدہ اخیرہ اگرچہ فرض ہے لیکن رکن اصلی نہیں اور رکن اصلی نہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ قعدہ اخیرہ پہلی رکعت میں مشروع نہیں کیا گیا۔ بہر حال مصنف اگر لفظ فرائض کی جگہ ارکان ذکر کرتے تو یہ تحریمہ وغیرہ کو شامل نہ ہوتا۔ اس لئے ایسا لفظ ذکر کیا گیا جو سب کو عام ہو۔ فرض..... وہ ہے جس کا رکن دلیل قطعی سے لازم ہو عام اس سے کہ وہ رکن ہے یا شرط اور رکن وہ ہے جو نماز کی ماہیت میں داخل جزو ہو۔ (بحر الرائق) اور کبھی اس کو بھی فرض کہہ دیا جاتا ہے جو نہ رکن ہو اور نہ شرط ہو۔

نماز کا پہلا فرض: نماز کے فرائض میں سے اول تحریمہ ہے اور لغت میں تحریمہ کہتے ہیں جعل الشیء محرماً کو یعنی کسی کو حرم بنانا۔ یہاں تحریمہ تکبیر اولیٰ کا نام ہے کیونکہ تکبیر اولیٰ ان تمام چیزوں کو حرام کر دیتی ہے جو اس سے پہلے مباح تھیں۔ اس کے برخلاف دوسری تکبیروں کی یہ شان نہیں ہے۔

علامہ ابن البہائم نے کہا کہ تکبیر کو تحریمہ کہنا مجازی ہے اس لئے کہ تحریم بذات خود تکبیر نہیں بلکہ اس سے تحریم ثابت ہو جاتی ہے اور اسی کی طرف اس حدیث کا اشارہ ہے مفتاح الصلوٰۃ الطہور و تحریمہا التکبیر و تحلیلہا التسلیم (ابوداؤد ترمذی) نماز کی کتنی تو طہور ہے اور تحریم اس کی تکبیر ہے اور اس کی تحلیل تسلیم ہے۔

تکبیر تحریمہ کی فرضیت پر چند دلیلیں ہیں۔ اول تکبیر تحریمہ پر حضور ﷺ کا یہی حکم فرمانا ہے اور بغیر ترک کے کسی چیز پر آپ ﷺ کا یہی حکم فرمانا وجوب کی علامت ہے دوم اجماع ہے کیونکہ آپ ﷺ کے زمانے سے آج تک تکبیر اولیٰ کے وجوب میں کسی کا اختلاف منقول نہیں ہے۔ تیسری دلیل باری تعالیٰ کا قول وَرَبِّکَ فَکَبِّرْ آیت میں اللہ اکبر کہنا مراد ہے کیونکہ مروی ہے انہ المانزل قال رسول اللہ ﷺ اللہ اکبر فکسرت خدیجۃ و فرحت و ایقنت انہ الوحی یعنی جب یہ آیت اتری تو رسول اللہ ﷺ نے کہا کہ اللہ اکبر پس حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی تکبیر کہی اور خوش ہوئیں اور یقین کیا کہ یہ وحی ہے۔

وجہ استدلال یہ ہے کہ تمام مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ اس سے مراد تکبیر تحریمہ ہے نیز کبیر صیغہ امر ہے اور امر کا موجب وجوب ہے اور یہ بات بالا جماع ثابت ہے کہ خارج صلاۃ کوئی تکبیر واجب نہیں ہے پس متعین ہو گیا کہ اس سے تکبیر نماز مراد ہے اور تکبیر تحریمہ کے علاوہ بالا جماع نماز میں کوئی تکبیر واجب نہیں ہے پس متعین ہو گیا کہ اس سے مراد تکبیر تحریمہ ہے۔

دوسرا فرض: قیام ہے یعنی فرض نماز اور وتر اور جو ملحق بفرض ہوں مثلاً نماز نذران کو کھڑے ہو کر پڑھنا فرض ہے بشرطیکہ قیام اور سجدہ

کرنے پر قادر ہو۔ اور اگر قیام کر سکتا ہے مگر سجدہ نہیں کر سکتا تو اس کے لئے بیٹھ کر اشارہ سے پڑھنا بہتر ہے۔ قیام کے فرض ہونے کی دلیل باری تعالیٰ کا قول **فُؤْمُوا لِلّٰہِ قَائِمِیْنَ** ہے یعنی کھڑے ہو اللہ تعالیٰ کے واسطے بحالت خضوع یا خاموشی قنوت کے معنی اطاعت کرنا، اور بعض کے نزدیک خشوع اور بعض کے نزدیک سکوت اور خاموشی۔

اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ قنوت کے معنی نماز میں طول قیام کے ہیں۔ آیت سے استدلال اس طور ہوگا کہ خداوند قدوس نے قیام کا امر فرمایا ہے اور امر وجوب کے لئے آتا ہے اور خارج نماز بالاتفاق قیام واجب نہیں پس ثابت ہو گیا کہ قیام نماز میں واجب (فرض) ہے۔

تیسرا فرض: قرأت ہے دلیل اللہ تعالیٰ کا قول **فَاَقْرَءْ وَاَمَّا تَسْمُرَ مِنَ الْقُرْآنِ** ہے۔ وجہ استدلال یہ ہے کہ قرأت کا حکم بصیغہ امر ہے اور امر وجوب کے لئے آتا ہے اور نماز سے باہر بالا جماع قرأت فرض نہیں پس نماز میں قرأت کا فرض ہونا ثابت ہو گیا رہی یہ بات کہ کتنی مقدار پڑھنا فرض ہے؟ سو اس بارے میں فصل القراءۃ میں مفصل کلام کیا جائے گا۔

چوتھا فرض رکوع اور پانچواں سجود ہے دلیل باری تعالیٰ کا قول **وَارْكَعُوا وَاسْجُدُوا** ہے یعنی رکوع کرو اور سجدہ کرو۔

وجہ استدلال وہی ہے جو سابق میں گذر چکی کہ رکوع اور سجود کا حکم بصیغہ امر ہے اور امر کا موجب وجوب ہے بعض حضرات کا کہنا ہے کہ اسلام کے شروع زمانے میں کچھ لوگ سجدہ کرتے تھے مگر رکوع نہیں کرتے تھے اور کچھ رکوع کرتے تھے مگر سجدہ نہیں کرتے تھے پس ان کو حکم کیا گیا کہ رکوع اور سجدہ کے ساتھ نماز پڑھو۔

فائدہ..... نماز کے ارکان کتاب اللہ میں متفرق کر کے مشروع کئے گئے ہیں چنانچہ کسی آیت میں رکوع اور سجود کا بیان ہے اور کسی میں قرأت کا اور کسی میں قیام کا وغیرہ۔ صاحب شرح نقایہ نے لکھا ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ دوسرا سجدہ واجب یعنی فرض عملی ہے کیونکہ اس کا ثبوت دلیل قطعی سے نہیں ہوا۔

اور بعض فقہاء کا قول ہے کہ دوسرے سجدہ کی فرضیت بالا جماع ثابت ہے حتیٰ کہ اگر ان دونوں میں سے کسی ایک کو ترک کر دیا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ پھر فرمایا کہ ہر رکعت میں تکرار سجود نہ کہ تکرار رکوع امر تعبدی ہے یعنی خلاف قیاس ثابت ہے۔

اور بعض نے کہا کہ پہلا سجدہ (آقا) کے حکم کی تعمیل کے لئے ہے اور دوسرا اہلبیت کو رسوا اور ذلیل کرنے کے لئے ہے کیونکہ اس نے اللہ کے حکم کے باوجود ازراہ تکبر سجدہ نہیں کیا تھا۔

اور بعض کا قول یہ ہے کہ پہلا سجدہ لسلام اور دوسرا اللشکر ہے۔ بعض نے کہا کہ پہلا سجدہ ایمان کی وجہ سے ہے اور دوسرا بقائے ایمان کی وجہ سے۔

اور بعض نے کہا کہ پہلے سجدے سے انسان کی ابتداء پیدائش کی طرف اشارہ ہے اور دوسرے سے اس کی حالت بقاء کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ باری تعالیٰ کے قول **مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اٰخِرٰی** میں اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

چھٹا فرض: بقدر تشہد قعدۃ اخیرہ ہے یعنی اتنی مقدار بیٹھنا فرض ہے جس میں التحیات سے عہدہ و رسولہ تک پڑھنا ممکن ہو۔

دلیل یہ ہے کہ امام احمد، امام ابو داؤد اور امام طحاوی نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ان

و علم التشہد پھر آخردیث میں ہے اذ اقلت هذا او قضیت هذا فقد قضیت صلوٰتک ان شئت ان تقوم فقم وان تقعد فاقعد صاحب ہدایہ اسی کے ہم معنی یہ الفاظ نقل کرتے ہیں اذ اقلت هذا او فعلت هذا فقد تمت صلوٰتک یعنی حضور ﷺ نے ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر ان کو تشہد کی تعلیم دی اور آخر میں فرمایا کہ جب تو نے یہ کہہ لیا یا یہ کر لیا تو اپنی نماز پوری کر لے اگر کھڑا ہونا چاہئے تو کھڑا ہو جا اور اگر بیٹھنا چاہئے تو بیٹھ۔

اس حدیث سے استدلال اس طور پر ہوگا کہ اللہ کے پیارے نبی جانے نماز کے پورا ہونے کو قعود مع قرأت التشہد اور قعود بدون قرأت التشہد پر معلق فرمایا کیونکہ اذ اقلت هذا کے معنی یہ ہیں کہ اگر تو نے قعود میں تشہد پڑھا۔ اس لئے کہ تشہد کا پڑھنا بغیر قعود کے معتبر نہیں ہے اور او قضیت هذا یا او فعلت هذا کے معنی ہیں کہ یا تو نے نفس قعود کیا یعنی بیٹھنا پایا گیا مگر تشہد کا پڑھنا نہیں پایا گیا تو تیری نماز پوری ہوگئی۔ حاصل یہ کہ نماز کا پورا ہونا قعود پر موقوف ہے خواہ کچھ پڑھا ہو یا نہ پڑھا ہو۔ پس معلوم ہوا کہ تشہد پڑھنے کی مقدار بیٹھنا فرض ہے۔

نیز عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں انہ قال اذا رفع رأسه من السجدة الاخيرة فقد قدر التشہد ثم احدث فقد تمت صلوٰتہ حضور ﷺ نے فرمایا جب وہ آخری سجدے سے اپنا سر اٹھالے اور تشہد کی مقدار بیٹھ جائے پھر اس نے حدث کیا تو اس کی نماز پوری ہوگئی۔

اس حدیث میں بھی حضور ﷺ نے نماز پورا ہونے کو بقدر تشہد بیٹھنے پر معلق کیا ہے لہذا اس سے بھی ثابت ہوا کہ بقدر تشہد بیٹھنا فرض ہے۔ (حاشیہ شرح فتاویٰ از شیخ الادب)

نماز کے واجبات

قال وما سوى ذلك فهو سنة، اطلق اسم السنة وفيها واجبات كقراءة الفاتحة وضم السورة معها ومراعات الترتيب فيما شرع مكررا من الافعال والعقدة الاولى وقراءة التشهد في الاخرة والتبوت في الوتر وتكبيرات العيدين والجهر فيما يجهر والمخافتة فيما تخافت فيه ولهذا يجب عليه سجدة السهو بسر كها هذا هو الصحيح وتسميتها سنة في الكتاب لما انه ثبت وجوبها بالسنة

ترجمہ..... فرمایا کہ اور جو افعال ان کے علاوہ ہیں، وہ سنت ہیں۔ وہ سنت ہیں۔ قدرتی نے سنت کا اطلاق کیا حالانکہ ان افعال میں واجبات بھی ہیں جیسے سورۃ فاتحہ پڑھنا اور اس کے ساتھ کسی سورت کا ملانا۔ اور ان افعال میں ترتیب کی رعایت رکھنا جو مکرر شروع ہوئے ہیں اور پہلا عقدہ اور عقدہ اخیرہ میں تشہد پڑھنا اور وتر میں قنوت پڑھنا اور عیدین کی تکبیریں اور جن میں جہر واجب ہے ان میں جہر کرنا اور جن میں انخفاء واجب ہے ان میں انخفاء کرنا اور اسی واسطے مصلیٰ پر ان میں سے ہر ایک کے ترک سے سہو کے دو جہدے واجب ہوتے ہیں یہی صحیح ہے اور کتاب میں ان کا سنت نام رکھنا اس لئے ہے کہ ان کا وجوب سنت سے ثابت ہے۔

تشریح..... شیخ قدوری نے کہا کہ مذکورہ چیزوں یعنی قرآن کے علاوہ سب سنت ہیں۔ صاحب ہدایہ نے کہا کہ قدوری نے لفظ سنت استعمال کیا ہے حالانکہ ان افعال میں واجبات بھی ہیں لہذا یہاں لفظ سنت کا اطلاق صحیح نہیں ہوگا۔

صاحب ہدایہ نے اس عبارت کے آخر میں جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ سنت سے مراد ماثبت بالسنتہ ہے اور چونکہ واجب بھی سنت سے ثابت ہوتا ہے اس لئے واجبات پر سنت کا اطلاق کر دیا گیا۔

لیکن صاحب ہدایہ کا یہ جواب صحیح نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں جمع بین الحقیقۃ والجاز لازم آتا ہے اس طور پر کہ سنت سے سنن مراد لینا بطریق حقیقت ہے اور واجبات مراد لینا بطریق مجاز ہے پس چونکہ یہاں دونوں مراد ہیں اس لئے حقیقت اور مجاز کو جمع کرنا لازم آئے گا۔

جواب مصنف قدوری کے قول فہو مستہ سے مراد ثابت بالسنتہ ہے اور واجبات اور سنن جو اس باب میں مذکور ہیں وہ اس لفظ کے تحت بطریق حقیقت داخل ہیں بلکہ جمع بین الحقیقۃ والجاز کا اشکال واقع نہیں ہوگا۔

مصنف ہدایہ نے واجبات شمار کرتے ہوئے فرمایا کہ جیسے سورہ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے اور فاتحہ کے ساتھ سورت ملانا واجب ہے۔ اور جو افعال ایک رکعت میں مکرر شروع ہوئے ہیں ان میں ترتیب کی رعایت رکھنا بھی واجب ہے چنانچہ اگر کسی نے بھول کر رکعت اولیٰ کا دوسرا سجدہ چھوڑ دیا اور کھڑے ہو کر نماز پوری کر لی پھر اس کو یاد آیا تو وہ متروکہ سجدہ ادا کرے اور ترک ترتیب کی وجہ سے سجدہ نہ ہو کر۔ یہ یاد آنا سلام سے پہلے ہو یا سلام کے بعد بشرطیکہ کوئی مفسد صلوٰۃ امر پیش نہ آیا ہو۔

اور پہلا قعدہ قعدہ اخیر میں تشہد پڑھنا وتر میں دعا و قنوت پڑھنا عیدین کی تکبیریں اور جہری نمازوں میں جہر کرنا اور سری نمازوں میں اخفاء کرنا بھی واجب ہے یہی وجہ ہے کہ اگر ان میں سے کوئی ایک ترک ہو گیا تو سجدہ سمجھا جاوے گا۔

فائدہ..... یہاں واجب سے مراد یہ ہے کہ جس کے بغیر نماز درست ہو جائے لیکن اس کے سبب ترک سے سجدہ سمجھا جاوے گا۔ اور سنت سے مراد یہ ہے کہ جس کو حضور ﷺ نے مواہب کے ساتھ کیا ہو اور بغیر عذر کبھی ترک نہ کیا ہو جیسے ثناء بعد از تکبیرات رکوع و سجود۔

نماز کے کچھ آداب ہیں اور نماز میں ادب وہ ہے جس کو حضور ﷺ نے کبھی کبھار کیا اور اس پر مواظبت نہ فرمائی ہو۔ جیسے رکوع اور سجدے میں تین پر تسبیحات کی زیادتی اور قرأت مسنونہ سے زائد قرأت کرنا۔

نماز کا طریقہ، تکبیر تحریمہ شرط ہے یا نہیں، اقوال فقہاء

و اذا شرع فی الصلوٰۃ کبر لما تلونا وقال علیہ السلام تحریمہا التکبیر وهو شرط عندنا خلافا للشافعی
 حتی ان من یحرم للفرض کان له ان یؤدی بہا التطوع وهو یقول انه یشرط لہا ما یشرط المسائر الارکان
 و ہذا ایۃ الرکنیۃ ولنا انه عطف الصلوٰۃ علیہ فی قوله تعالیٰ وَ ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّىٰ وَمَقْتَضَاهُ الْمَغَابِرَةُ وَلِهَذَا
 لَا یَتَكْرَرُ كَتَكْرَرِ الْاَرْكَانِ وَمُرَاعَاةُ الشَّرَاطِطِ لِمَا یَتَّصِلُ بِهِ مِنَ الْقِیَامِ

ترجمہ..... اور جب نماز شروع کرے تو تکبیر کہے اس آیت کی وجہ سے جو ہم نے تلاوت کی اور حضور ﷺ نے فرمایا نماز کی تحریم تکبیر ہے اور یہ ہمارے نزدیک شرط ہے امام شافعی کا خلاف ہے حتیٰ کہ جو کوئی فرض کا تحریمہ باندھے تو اس کو جائز ہے کہ اس تحریمہ سے نفل ادا کرے اور امام شافعی کہتے ہیں کہ تحریمہ کے لئے ہر وہ چیز شرط ہے جو دوسرے ارکان کے لئے شرط ہے اور یہ بات اس کے رکن ہونے کی علامت ہے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ باری تعالیٰ کے قول وَ ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّىٰ میں تکبیر مذکور پر نماز کا عطف کیا گیا ہے اور عطف کا مقتضی مغایرت ہے اور اس وجہ سے تکبیر مکرر نہیں ہوتی جیسا کہ دوسرے ارکان مکرر ہوتے ہیں۔ اور شرائط کی رعایت اس

قیام کی وجہ سے ہے جو اس کے ساتھ متصل ہے۔

تشریح..... مسئلہ، جب نماز شروع کرنے کا ارادہ کرے نماز خواہ فرض ہو خواہ نفل تو تکبیر تحریمہ کھڑے ہو کر کہے پس اگر کسی نے بیٹھے کر تکبیر کہی پھر کھڑا ہو گیا تو وہ نماز شروع کرنے والا نہیں ہوگا۔ اور اگر کوئی شخص نماز میں شرکت کے ارادے سے آیا حالانکہ امام رکوع میں ہے پس اس نے اپنی پشت جھکاتے ہوئے تکبیر کہی تو اس صورت میں اگر یہ شخص تکبیر کہتے وقت قیام سے قریب تر ہے تو جائز ہے ورنہ نہیں۔ اگر کسی نے امام کو رکوع میں پایا پھر اس نے تکبیر رکوع کے ارادے سے کھڑے ہو کر تکبیر کہی تو بھی جائز ہے کیونکہ اس کا ارادہ لغو ہے اور حالت قیام میں اس کی تکبیر تحریمہ کے لئے قرار دی جائے گی۔

دلیل وہ آیت ہے جو سابق میں گذر چکی یعنی وَرَبِّكَ فَكَبِّرْ اور دوسری دلیل حضور ﷺ کا قول تَحْرِيْمُهَا التَّكْبِيْرُ ہے۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ تکبیر تحریمہ ہمارے نزدیک شرط ہے اور امام شافعی کے نزدیک رکن ہے بشرہ اختلاف اس طرح ظاہر ہوگا کہ ہمارے نزدیک چونکہ تحریمہ شرط ہے اس لئے فرض کے تحریمہ سے نفل ادا کرنا جائز نہیں ہے اور امام شافعی کے نزدیک چونکہ رکن ہے اس لئے فرض کے تحریمہ سے نفل ادا کرنا جائز ہوگا۔ اور امام شافعی کے نزدیک چونکہ رکن ہے اس لئے فرض کے تحریمہ سے نفل ادا کرنا جائز نہیں ہے وجہ یہ ہے کہ ایک شرط کے ساتھ متعدد نمازیں ادا کرنا جائز ہے لیکن ایک رکن کے ساتھ جائز نہیں۔ بہر حال تکبیر تحریمہ کے رکن ہونے پر امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ کے لئے ہر وہ چیز شرط ہے جو دوسرے ارکان کے لئے شرط ہے جیسے طہارت، ستر عورت، استقبال قبلہ، نیت اور وقت یعنی یہ چیزیں جس طرح قیام، قرأت رکوع اور سجدہ وغیرہ ارکان کے لئے شرط ہیں اس طرح تکبیر تحریمہ کے لئے بھی شرط ہیں اور جس چیز کے لئے وہ باتیں شرط ہوں جو تمام ارکان کے لئے شرط ہیں تو اس چیز کے رکن ہونے کی علامت ہے یعنی دوسرے ارکان پر قیاس کر کے اس کو بھی رکن قرار دیا جائے گا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ باری تعالیٰ کے قول وَ ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّىٰ میں نماز کا عطف ذکر اسم رب یعنی تکبیر تحریمہ پر کیا ہے اور عطف تقاضا کرتا ہے مغایرت کا یعنی معطوف علیہ اور معطوف کے درمیان تغایر ضروری ہے۔

پس اگر تکبیر کو رکن مانا جائے تو کل کا عطف جز پر لازم آئے گا اور چونکہ کل اس جز کو بھی شامل ہے اس لئے عطف شئی علی نفسہ لازم آئے گا اور یہ ناجائز ہے۔ اس وجہ سے ہم نے کہا کہ تکبیر تحریمہ رکن نہیں بلکہ شرط ہے اور چونکہ شرط شئی شئی سے خارج ہوتی ہے اس لئے تکبیر تحریمہ اور نماز کے درمیان تغایر ہوگا اور عطف درست ہوگا پس ثابت ہو گیا کہ تکبیر تحریمہ نماز کی شرط ہے نہ کہ رکن۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ جس طرح دوسرے ارکان نماز میں مکرر ہوتے ہیں تکبیر تحریمہ مکرر نہیں ہوتی پس یہ اس بات کی علامت ہے کہ تکبیر تحریمہ رکن نہیں ورنہ دوسرے ارکان کی طرح تکبیر تحریمہ مکرر ہوتی۔

ومسراعاة الشرائط سے امام شافعی کی دلیل کا جواب ہے جو اب کا حاصل یہ ہے کہ مذکورہ شرائط (طہارت، ستر عورت وغیرہ) کی رعایت نفس تحریمہ کے لئے نہیں ہے بلکہ قیام جو تحریمہ سے متصل ہے اس کے لئے ہے اور وہ رکن ہے پس اس سے تحریمہ کا رکن ہونا ثابت نہیں ہوگا۔

ہاتھوں کو تکبیر کے ساتھ اٹھانا سنت ہے

ویرفع یدیه مع التکبیر وهو سنة لان النبی علیہ السلام واطب علیہ وهذا اللفظ یشیر الی اشتراط المقارنة

وهو المروي عن ابي يوسف والمحكي عن الطحاوي والاصح انه ويرفع يديه اولاً ثم يكبر، لان فعله نفي الكبرياء عن غير الله تعالى، والنفي مقدم.

ترجمہ..... اور (مرد) اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے تکبیر کے ساتھ اور یہ سنت ہے کیونکہ حضور ﷺ نے اس پر مواعظت فرمائی ہے۔ اور یہ لفظ مقارنت کے شرط ہونے کی طرف اشارہ کرتا ہے اور یہی ابو یوسف سے مروی ہے اور یہی طحاوی سے حکایت کیا گیا ہے ﷺ وراصح یہ ہے کہ پہلے دونوں ہاتھ اٹھائے پھر تکبیر کہے کیونکہ اس کا فضل اللہ تعالیٰ کے علاوہ سے کبریائی کی نفی ہے اور نفی مقدم ہوتی ہے۔

تشریح..... فرمایا کہ مرد اپنے دونوں ہاتھ تکبیر کے ساتھ ساتھ اٹھائے اور یہ نماز کے شروع میں ہاتھوں کا اٹھانا مسنون ہے کیونکہ حضور ﷺ نے کبھی کبھار ترک کے ساتھ اس پر پیشگی فرمائی ہے۔ اور یہ مسنون ہونے کی علامت ہے۔ پھر اس بارے میں اختلاف ہے کہ ہاتھ اٹھانے کا افضل وقت کونسا ہے۔

شیخ الاسلام وقاضی خاں نے کہا کہ ہاتھ اٹھانا اور تکبیر کہنا دونوں ملے ہوئے ساتھ ہوں قدوری کی عبارت بھی اسی طرف مشیر ہے کیونکہ علامہ قدوری نے کہا ویرفع يديه مع التكبير اور لفظ مع مقارنت پر دلالت کرتا ہے۔ یہی امام ابو یوسف کا قول ہے۔ اور امام طحاوی نے بھی اسی پر عمل کیا ہے۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ مذہب میں اصح یہ ہے کہ پہلے دونوں ہاتھ اٹھائے پھر تکبیر کہے اسی کے قائل عامۃ المشائخ ہیں دلیل یہ ہے کہ اس کے فعل میں نفی کے معنی اور اس کے قول میں اثبات کے معنی ہیں اس طور پر کہ جب یہ شخص ہاتھ اٹھاتا ہے تو غیر اللہ سے کبریائی کی نفی کرتا ہے اور جب اللہ اکبر کہتا ہے تو اللہ کے لئے کبریائی ثابت کرتا ہے۔ اور نفی اور اثبات میں نفی اثبات پر مقدم ہوتی ہے جیسے کلمہ شہادت میں نفی مقدم ہے اس وجہ سے افضل یہ ہے کہ پہلے دونوں ہاتھ اٹھائے پھر تکبیر کہے۔

قول اصح کی تائید وائل بن حجر کی حدیث سے بھی ہوتی ہے الفاظ حدیث ہیں ان النبی ﷺ حين قام الى الصلوة يرفع يديه ثم يكبر يعني حضور ﷺ جس وقت نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے پھر تکبیر کہتے۔

لیکن صاحب ہدایہ نے اس حدیث سے استدلال اس لئے نہیں کیا کہ حدیث انس اس کے معارض ہے حدیث یہ ہے عن انس قال كان رسول الله ﷺ اذا افتتح الصلوة كبر ثم رفع يديه۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع کرتے تو تکبیر کہتے پھر اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے۔ (شرح ضمیمہ)

ہاتھوں کو کانوں کی لو کے برابر یا کندھوں تک اٹھایا جائے گا..... اقوال فقہاء

ويرفع يديه حتى يجاذى بابهاميه شحمة اذنيه، وعند الشافعي يرفع الي منكبيه، وعلى هذا تكبير القنوت والاعباد والجنابة، له حديث ابي حميد الساعدي قال: كان النبي عليه السلام اذا كبر رفع يديه الي منكبيه، ولنا رواية وائل بن حجر والبراء وانس ان النبي عليه السلام كان اذا كبر رفع يديه حذاء اذنيه ولان رفع اليد لإعلام الاصم، وهو بما قلناه، ومارواه يعحمل على حالة العذر

ترجمہ... اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے یہاں تک کہ اپنے دونوں انگوٹھوں کو اپنے دونوں کانوں کی لو سے محاذی کر دے۔ اور امام شافعی کے نزدیک اپنے دونوں کندھوں تک اٹھائے اور اسی اختلاف پر قنوت کی تکبیر، عمیدین کی تکبیر اور جنازہ کی تکبیر ہے۔ امام شافعی کی دلیل ابو حمید الساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے فرمایا کہ حضور ﷺ جب تکبیر کہتے تو اپنے دونوں ہاتھ دونوں کندھوں تک اٹھاتے۔ اور ہماری دلیل وائل بن حجر براء اور انس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی حدیث ہے کہ حضور ﷺ جب تکبیر کہتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے دونوں کانوں کے مقابل اٹھایا کرتے اور اس وجہ سے کہ ہاتھ کا اٹھانا بہرے آدمی کو خبر دینے کے واسطے ہے اور یہ اسی طریقہ پر ہوگی جو ہم نے کیا ہے اور وہ حدیث جس کو ابو حمید نے روایت کیا اس کو عذر کی حالت پر محمول کیا جائے گا۔

تشریح... مسئلہ یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ کے وقت اپنے دونوں ہاتھوں کو اس قدر اٹھائے کہ دونوں انگوٹھے دونوں کانوں کی لو کے محاذی (مقابل) ہو جائیں۔ امام شافعی اور امام مالک نے کہا کہ کندھوں تک اٹھائے یہی ایک روایت امام احمد سے ہے۔ یہی اختلاف قنوت عمیدین اور جنازہ کی تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھانے میں ہے۔

امام شافعی کی دلیل حدیث ابی حمید ہے عن محمد بن عمر و بن عطاء انه كان جالساً مع نفر من اصحاب النبي ﷺ قال فذکرنا صلاة رسول الله ﷺ فقال ابو حميد الساعدي انا كنت احفظكم لصلاة رسول الله ﷺ رأيتہ اذا کبر جعل يديه حذاء منكبيه (بخاری) محمد بن عمر و بن عطاء سے روایت ہے کہ وہ اصحاب نبی ﷺ کی ایک جماعت کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے محمد بن عمر و کہتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کی نماز کا ذکر کیا تو ابو حمید الساعدی نے کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی نماز کو محفوظ کر لیتا تھا میں نے آپ کو دیکھا کہ جب آپ تکبیر کہتے تو اپنے دونوں ہاتھ اپنے دونوں کندھوں کے مقابل کرتے۔

صاحب ہدایہ نے یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ ذکر کی ہے کان النبی ﷺ اذا کبر رفع يديه الى منكبيه ان دونوں حدیثوں سے ثابت ہوا کہ حضور ﷺ تکبیر تحریمہ کے وقت دونوں ہاتھ کندھوں تک اٹھاتے تھے۔

ہماری دلیل وہ حدیث ہے جس کو وائل بن حجر براء بن عازب اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے روایت کیا ہے ان النبی ﷺ کان اذا کبر رفع يديه حذاء اذنيه یعنی حضور ﷺ جب تکبیر کہتے تو اپنے دونوں ہاتھ اپنے کانوں کے مقابل کر کے اٹھاتے۔ (حاکم) اور دارقطنی نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے قال کان رسول الله ﷺ اذا افتتح الصلوة کبر ثم رفع يديه حتى يحاذي ابهاميه اذنيه جب رسول اللہ ﷺ نماز شروع فرماتے تو تکبیر کہتے پھر اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے یہاں تک کہ اپنے دونوں انگوٹھوں کو دونوں کانوں کے مقابل کر لیتے۔ ان دونوں حدیثوں سے ثابت ہوا کہ تکبیر تحریمہ کے وقت آپ نے دونوں ہاتھ اس قدر اٹھائے کہ کانوں کے محاذی ہو گئے۔

ہمارے مذہب کی تائید میں عقلی دلیل یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھانا بہرے آدمی کو نماز شروع ہونے کی اطلاع دینے کے لئے ہے اور یہ اطلاع اسی طریقہ کے ساتھ ہوگی جو ہم نے کہا یعنی کانوں تک ہاتھ اٹھانے کے ساتھ کیونکہ جب امام کانوں تک ہاتھ لائے گا تو بہرے آدمی جان لے گا کہ تکبیر کہی گئی لہذا وہ خود بھی تکبیر کہہ کر نماز شروع کر دے گا۔

اعتراض: اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھانا اگر بہرے آدمی کو باخبر کرنے کے لئے ہے تو

اٹھائے کیونکہ اس کے حق میں یہ علت نہیں پائی گئی۔

جواب: تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ اصل تو جماعت کے ساتھ ادا کرنا ہے ارشاد باری ہے **وَ اِرْكَعُوا مَعَ الرَّاٰكِعِيْنَ** پس منفرد نماز ادا کرنا نادر ہوگا اور شکی نادر کا اعتبار نہیں کیا جاتا کیونکہ قاعدہ ہے **السَّادِرُ كَالْمَعْدُوْمِ اِشْكَالًا** لیکن پھر اشکال ہوگا کہ اچھا تو مقتدی کے حق میں کانوں تک ہاتھ اٹھانے کی کوئی ضرورت نہیں۔

جواب: ممکن ہے کہ بہرہ آدی آخری صف میں ہو اور وہ امام کو نہیں دیکھ سکتا تو ایسی صورت میں وہ اپنے سے آگے والے مقتدیوں کو دیکھ کر ہی نماز شروع کرے گا اس لئے مقتدیوں کے لئے بھی کانوں تک ہاتھ اٹھانا ضروری ہے۔

صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ امام شافعیؒ کی پیش کردہ حدیث ابی حمید عذر کی حالت پر محمول ہے، چنانچہ وائل بن حجر سے روایت ہے **انہ قال قدمت المدينة فوجدتهم يرفعون ايديهم الى الاذنين ثم قدمت عليهم من قابل وعليهم الاكسية والبرانس من شدة البرد فوجدتهم يرفعون ايديهم الى المناكب، وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں مدینہ میں حاضر خدمت ہوا تو میں نے دیکھا کہ لوگ (تکبیر کے وقت) اپنے ہاتھ اپنے کانوں تک اٹھاتے ہیں پھر اگلے سال حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور لوگ سخت سردی کی وجہ سے کھلب اورڑتے اور ایسا لباس پہنتے تھے جس کا کچھ حصہ ٹوپی کی جگہ کام دے تو میں نے ان کو دیکھا وہ کندھوں تک ہاتھ اٹھاتے ہیں۔**

وائل بن حجر نے اس حدیث میں واضح کر دیا کہ ان لوگوں کا مونڈھوں تک ہاتھ اٹھانے میں اکتفا کرنا ان کے لباس کی وجہ سے تھا جس معلوم ہوا کہ حدیث ابی المناکب حالت عذر پر محمول ہے۔

صاحب شرح نقایہ نے دونوں حدیثوں میں تطبیق دی ہے اس طور پر کہ یہ (ہاتھ) کا اطلاق ہتھیلی اور اس سے اوپر کے حصہ پر ہوتا ہے پس ہو سکتا ہے کہ ہتھیلی کا کنارہ اور گٹھا مونڈھوں کے مقابل رہتا ہو اور نفس ہتھیلی کانوں کی محاذات میں رہتی ہو اب دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں رہے گا۔

عورت کندھوں کے برابر ہاتھ اٹھائے گی

والمراة ترفع يديها حذاء منكبيها هو الصحيح، لانه أستر لها

ترجمہ..... اور عورت اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اپنے مونڈھوں کے مقابل یہی صحیح ہے کیونکہ یہ طریقہ عورت کے لئے زیادہ پردہ کا ہے۔
تشریح..... تکبیر تحریر کے وقت عورت اپنے مونڈھوں تک ہاتھ اٹھائے صحیح قول یہی ہے اور حسن بن زیاد نے امام اعظمؒ سے روایت کی کہ عورت اپنے ہاتھ کانوں تک اٹھائے روایت حسن بن زیاد کی وجہ یہ ہے کہ رفع یدین ہتھیلیوں سے متحقق ہوتا ہے اور سابق میں گدڑچکا کہ عورت کی ہتھیلی عورت نہیں ہے پس کانوں تک ہاتھ اٹھانے میں عورت اور مرد دونوں برابر ہیں۔

اور قول صحیح کی وجہ یہ ہے کہ مونڈھوں تک ہاتھ اٹھانے میں عورت کے واسطے زیادہ پردہ ہے اس لئے عورت کے واسطے مونڈھوں تک ہاتھ اٹھانا مناسب ہے۔

اللہ اکبر کی جگہ دوسرے اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ لینے کا حکم..... اقوال فقہاء

فان قال بدل التکبیر اللہ اجل او اعظم او الرحمن اکبر او لا الہ الا اللہ او تیرہ من اسماء اللہ تعالیٰ اجزا عند ابی حنیفہ و محمد و قال ابو یوسف ان کان یحسن التکبیر لم یجز الا قوله اللہ اکبر او اللہ الاکبر او اللہ الکبیر و قال الشافعی لا یجوز الا بالاولین و قال مالک لا یجوز الا بالاول لانه هو المنقول والاصل فی التوقیف و الشافعی یقول ادخال الالف واللام ابلغ فی الثناء فقام مقامہ و ابو یوسف یقول ان افعّل و فعیلا فی صفات اللہ تعالیٰ سواء بخلاف ما اذا کان لا یحسن لانه لا یقدر الا علی المعنی ولهما ان التکبیر هو التعظیم لغۃ و هو حاصل

ترجمہ..... پھر اگر اس نے تکبیر کے بدلے اللہ اجل یا اللہ اعظم کہا یا الرحمن اکبر یا لا الہ الا اللہ یا اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے (کوئی اور اسم لایا) تو طرفین کے نزدیک کافی ہے اور ابو یوسف نے کہا کہ اگر اچھی تکبیر کہہ سکتا ہو تو جائز نہیں مگر اس کا قول اللہ اکبر یا اللہ الاکبر یا اللہ الکبیر اور امام شافعی نے کہا کہ صرف پہلے دو کلموں کے ساتھ جائز ہے۔ اور امام مالک نے کہا کہ صرف پہلے کلمہ کے ساتھ جائز ہے کیونکہ یہی منقول ہے اور اصل اس میں توقیف ہے۔ اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ الف اور لام کا داخل کرنا ثناء میں زیادہ مبالغہ کرتا ہے تو اکبر اکبر کے قائم مقام ہوا۔ اور ابو یوسف فرماتے ہیں کہ افعّل اور فعیل اللہ تعالیٰ کے صفات میں برابر ہیں۔ برخلاف اس کے جب وہ شخص اچھی طرح نہیں کہہ سکتا کیونکہ وہ صرف معنی پر قادر ہے اور طرفین کی دلیل یہ ہے کہ تکبیر لغت میں تعظیم کا نام ہے اور یہ تعظیم حاصل ہے۔

تشریح..... اس عبارت میں افتتاح کے الفاظ کا بیان ہے چنانچہ طرفین کے نزدیک ہر اس لفظ سے نماز شروع کرنا جائز ہے جو اللہ تعالیٰ کی تعظیم پر دلالت کرے خواہ اللہ اکبر ہو یا اللہ الاکبر یا اللہ الکبیر یا اللہ اجل یا اللہ اعظم یا الرحمن اکبر یا لا الہ الا اللہ یا الحمد للہ یا سبحان اللہ یا اللہ کے اسماء میں سے اور کسی اسم سے شروع کرے سب جائز ہے امام ابو یوسف نے فرمایا کہ اگر اچھی طرح تکبیر کہنے پر قادر ہو تو صرف تین الفاظ (اللہ اکبر، اللہ الاکبر، اللہ الکبیر) میں سے کسی ایک لفظ کے ساتھ نماز شروع کرنا جائز ہے ان کے علاوہ کسی لفظ کے ساتھ جائز نہیں ہے۔

امام شافعی نے فرمایا کہ صرف اللہ اکبر اور اللہ الاکبر کے ساتھ شروع کرنا جائز ہے اور امام مالک نے کہا کہ فقط اللہ اکبر کے ساتھ جائز ہے یہی امام احمد بن حنبل کا قول ہے۔

امام مالک کی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ سے صرف اللہ اکبر منقول ہے۔ اور اصل اس میں توقیف ہے یعنی شارع علیہ السلام کا واقف کرنا اور شارع علیہ السلام سے صرف اللہ اکبر منقول ہے لہذا اس کے علاوہ دوسرے الفاظ کے ساتھ نماز شروع کرنا درست نہیں ہوگا۔ امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ بلاشبہ حضور ﷺ سے اللہ اکبر منقول ہے لیکن اللہ الاکبر الف لام کے ساتھ مفید حصر ہونے کی وجہ سے ثناء باری میں ابلغ ہے اس لئے یہ بھی اللہ اکبر کے قائم مقام ہوگا۔

امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں افعّل کے وزن پر اسم تفضیل اور فعیل یعنی قاعل سب برابر ہیں کیونکہ اللہ

تعالیٰ کی صفات میں زیادتی ثابت کرنا مراد نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ اصل کبریائی میں اللہ تعالیٰ جل شانہ کا کوئی مساوی نہیں یہاں تک کہ انفل کے صیغہ کو زیادتی کے لئے قرار دیا جائے جیسا کہ ہندوں کے اوصاف میں ہوتا ہے ابتداً انفل اور فعیل صفات باری میں دنوں برابر ہوں گے اس کے برخلاف اگر وہ شخص اچھی طرح تکبیر نہیں کہہ سکتا تو جس طرح اس سے ہو سکے تعظیم کے معنی ادا کر دے کیونکہ یہ شخص صرف معنی پر قادر ہے الفاظ تکبیر پر قادر نہیں۔

طرفین کی دلیل یہ ہے کہ لغت میں تکبیر کے معنی تعظیم کے ہیں باری تعالیٰ کا قول ہے وَرَبِّكَ فَكَبِّرُ یعنی فَعِظْمُ اور فَلَمَّا رَأَيْنَهُ أَكْبَرْنَاهُ یعنی عِظْمُنْہ اور تعظیم کے معنی ان تمام الفاظ سے حاصل ہو جاتے ہیں جو ہم نے ذکر کئے ہیں اس لئے نماز کا افتتاح ہر اس لفظ سے ہو سکتا ہے جو اللہ کی تعظیم پر دلالت کرے۔

فارسی میں قرأت کرنے کا حکم، اقوال فقہاء و دلائل

فان افتتاح الصلوة بالفارسیة او قرأ فیہا بالفارسیة او ذبح وسمی بالفارسیة وهو یحسن العربیة اجزأه عند ابی حنیفة وقال لا یجزیہ الا فی الذبیحة وان لم یحسن العربیة اجزأه اما الکلام فی الافتتاح فمحمّد مع ابی حنیفة فی العربیة ومع ابی یوسف فی الفارسیة لان لغة العرب لها من المزیة مالیس لغيرها واما الکلام فی القراءة فوجه قولہما ان القرآن اسم لمنظوم عربی کما نطق به النص الا ان عند العجز یکتفی بالمعنی کالایماء بخلاف التسمیة لان الذکر یحصل بكل لسان ولا بی حنیفة قوله تعالیٰ وَاِنَّهٗ لَفی زُبُرِ الْاُولَیْنِ وَلَمْ یکن فیہا بہذہ اللغة ولہذا یجوز عند العجز الا انه یصیر مسیاً لمخالفة السنة المتوارثة ویجوز بای لسان کان سوی الفارسیة هو الصحیح لما تلونا والمعنی لا یختلف باختلاف اللغات والخلاف فی الاعتداد ولا خلاف فی انه لافساد ویروی رجوعه فی اصل المسئلة الی قولہما وعلیہ الاعتماد والخطبة والتشہد علی ہذا الاختلاف وفي الاذان یعتبر التعارف

ترجمہ۔۔۔ پس اگر نماز شروع کی فارسی زبان میں یا نماز میں قرأت کی فارسی زبان میں یا جانور ذبح کیا اور تسمیہ فارسی میں کہا حالانکہ یہ شخص عربی میں ادا کر سکتا ہے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس کو کافی ہوگا۔ اور صاحبین نے کہا کہ جائز نہیں مگر ذبیحہ میں۔ بہر حال کلام افتتاح میں تو عربی زبان میں امام محمد امام ابو حنیفہ کے ساتھ ہیں اور فارسی زبان میں امام ابو یوسف کے ساتھ ہیں کیونکہ عربی زبان کو ایک خاص فضیلت ہے جو دوسری زبان کو حاصل نہیں۔ اور رہا کلام قرأت میں تو صاحبین کے قول کی دلیل یہ ہے کہ قرآن نام ہے کلام عربی کا جیسا کہ اس کے ساتھ نص ناطق ہے مگر عجز کے وقت معنی پر اکتفا کیا جائے جیسے اشارے پر اکتفا، ہوتا ہے برخلاف تسمیہ کے کیونکہ ذکر تو ہر زبان میں حاصل ہو جاتا ہے۔ اور ابو حنیفہ کی دلیل باری تعالیٰ کا قول وَاِنَّهٗ لَفی زُبُرِ الْاُولَیْنِ ہے اور پہلی کتابوں میں اس زبان میں قرآن نہیں تھا اور اسی وجہ سے عجز کے وقت جائز ہے مگر سنت متوارثہ کی مخالفت کی وجہ سے گنہگار ہوگا اور فارسی کے علاوہ بھی ہر زبان کے ساتھ جائز ہے یہی قول صحیح ہے اس آیت کی وجہ سے جو ہم نے تلاوت کر دی اور معنی زبان کے اختلاف سے مختلف نہیں ہوتے اور اختلاف اس کے معتبر ہونے میں ہے اور عدم فساد میں کوئی اختلاف نہیں اور اصل مسئلہ میں امام صاحب کا رجوع صاحبین کے قول کی

اور اس پر اعتماد ہے اور خطبہ اور تشہد میں ایسا ہی اختلاف ہے اور ان میں تعارف معتبر ہے۔

تشریح

فارسی زبان میں نماز شروع کرنا اور نماز کے اندر فارسی میں قرأت کرنا ذبیحہ پر فارسی زبان میں تسمیہ کہنا مثلاً بِنَامِ خدائے بزرگ کہنا حضرت امام اعظم کے نزدیک جائز ہے خواہ عربی زبان پر قدرت ہو یا قدرت نہ ہو۔ اور صاحبین نے کہا کہ اگر عربی زبان پر قدرت نہ ہو فارسی میں ادا کرنا جائز نہیں ہے البتہ ذبیحہ پر فارسی زبان میں بلکہ ہر زبان میں تسمیہ جائز ہے اور اگر عربی زبان پر قدرت نہ ہو تو فارسی میں سب جائز ہیں۔

تکبیر تحریمہ

یہ میں کلام یہ ہے کہ حضرت امام محمد عربی زبان میں ادا کرنے میں امام ابوحنیفہ کے ساتھ ہیں یعنی جس طرح امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہر اس کلمہ سے نماز شروع کرنا جائز ہے جو تعظیم باری تعالیٰ پر دلالت کرے۔ اسی طرح امام محمد کے نزدیک بھی ہر کلمہ تعظیم کے ساتھ افتتاح نماز جائز ہے اور فارسی زبان میں ادا کرنے میں امام ابو یوسف کے ساتھ ہیں حتیٰ کہ سوائے عربی کے دوسری زبان میں تکبیر کہنا امام محمد کے نزدیک بھی ناجائز ہے حاصل یہ کہ عربی پر قدرت کی صورت میں غیر عربی میں تکبیر تحریمہ کہنا صاحبین کے نزدیک ناجائز ہے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ عربی زبان و ایک خاص فضیلت حاصل ہے جو کسی اور زبان کو حاصل نہیں ہے۔ حضور ﷺ کا قول ہے تفضیل لسان العرب علی سائر اللسنۃ انا عربی و القرآن عربی و لسان اہل الجنة عربی زبان عرب کو تمام زبانوں پر فضیلت حاصل ہے میں عربی ہوں قرآن عربی ہے اور اہل جنت کی زبان عربی ہے۔

زبا کلام قرأت

تو صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ جس چیز کا نماز میں امر کیا گیا ہے وہ قرأت قرآن ہے اور قرآن اس نظم عربی کا نام ہے جو معنی پر دلالت کرے اور مصاحف میں مکتوب ہے اور ہماری طرف نقل تو اتر کے ساتھ منقول ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِنَّا جَعَلْنَا الْقُرْآنَ عَرَبِيًّا اور فرمایا قُرْآنًا عَرَبِيًّا غَيْرًا ذِي عِوَجٍ حاصل یہ کہ ماوربہ قرأت قرآن ہے اور وہ عربی میں ہے اس لئے عربی زبان میں قرأت کرنا فرض ہوگا اس کا تقاضا تو یہ ہے کہ حالت بجز میں بھی نظم عربی کو ترک نہ کیا جائے مگر بات یہ ہے کہ بجز کے وقت معنی پر اکتفا اس لیے کیا گیا تاکہ تکلیف مالا لیسطلق لازم نہ آئے جیسے اگر کوئی شخص رکوع سجدہ پر قادر نہ ہو تو اس کے لئے رکوع اور سجدے کا اشارہ کافی ہے بین رکوع اور سجدہ ضروری نہیں۔

برخلاف ذبح کے وقت تسمیہ کے کہ وہ فارسی میں جائز ہے اگرچہ وہ عربی پر قدرت رکھتا ہو کیونکہ مقصود تسمیہ سے ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَلَا تَأْتُوا مَسَاجِدَهُمْ يَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِمْ اور ذکر ہر زبان میں حاصل ہو جاتا ہے خواہ عربی پر قادر ہو یا قادر نہ ہو۔

امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ باری تعالیٰ نے فرمایا وَانذ لِقَىٰ ذُرِّ الْأَوْلِيٰنَ یعنی قرآن پہلی کتابوں میں موجود ہے اور یہ بات معلوم ہے کہ قرآن پہلی کتابوں میں نظم عربی کے ساتھ موجود نہیں تھا پس متعین ہو گیا کہ پہلی کتابوں میں اس کے معنی موجود تھے پس ثابت ہوا کہ قرآن معنی کا نام ہے نہ کہ نظم کا اور جب قرآن علی سبیل الترجمة فارسی میں پڑھا جائے تو وہ اس کے معنی پر مشتمل ہونے کی وجہ سے جائز ہوگا کیونکہ قرأت قرآن پائی گئی اور چونکہ قرآن پہلی کتابوں میں نظم عربی کے ساتھ موجود نہیں تھا اس لئے نظم عربی پر عدم قدرت کے وقت فارسی زبان میں قرأت کرنا جائز ہے لیکن گناہ ہوگا کیونکہ اس نے سنت متواترہ کی مخالفت کی ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ اہل فارس نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا کہ ان کے لئے فارسی زبان میں سورۃ فاتحہ لکھی کر بھیج

دیں۔ سلمان فارسی نے فارسی زبان میں سورہ فاتحہ لکھ کر بھیج دی وہ لوگ اس کو نماز میں پڑھتے رہے یہاں تک کہ انہوں نے عربی زبان سیکھ لی۔ سلمان فارسی نے لکھنے کے بعد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کی تھی آپ نے اس پر کوئی تکیہ نہیں فرمائی۔ اس سے بھی ثابت ہوا کہ نماز میں ہر زبان فارسی قرأت کرنا جائز ہے۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ جس طرح فارسی زبان میں نماز کے اندر قرأت کرنا جائز ہے اسی طرح فارسی کے علاوہ ہر زبان میں قرأت جائز ہے۔ یہی صحیح قول ہے۔

اور ابو سعید کا قول یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ نے صرف فارسی زبان میں قرأت کرنا جائز قرار دیا ہے فارسی کے علاوہ دوسری زبانوں میں اجازت نہیں دی ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ فارسی زبان کو عربی سے قرب ہے اس لئے فارسی میں قرأت کی اجازت دی گئی اور دوسری زبانوں کو چونکہ یہ قرب حاصل نہیں اس لئے ان میں قرأت کرنا جائز نہیں۔

اور قول صحیح کی دلیل آیت **وَأَنذِرْ لِقَوْمِكَ آيَاتِنَا الَّذِينَ تَقُتُّوهُمْ لَدُنْكَ وَمَنْ يُشِركِ بِاللَّهِ فَإِنَّهُ فِي عَذَابٍ مُّشْتَبِهٍ** ہے کیونکہ قرآن پہلی کتابوں میں جس طرح عربی زبان میں نہیں تھا اسی طرح فارسی زبان میں بھی نہیں تھا۔ اور دوسری دلیل یہ ہے کہ قرآن کو دوسری زبان میں منتقل کرتے وقت اعتقاد معنی پر ہوگا اور معنی زبانوں کے اختلاف سے نہیں بدلتے لہذا ترکی ہندی وغیرہ ہر زبان میں جائز ہے۔

مصنف ہدایہ نے کہا کہ امام صاحب اور صاحبین کے درمیان غیر عربی میں قرأت کے جواز و عدم جواز کا جو اختلاف ہے وہ اس بارے میں ہے کہ غیر عربی میں قرأت معتبر ہوگی یا نہیں؟ حتیٰ کہ امام صاحب کے نزدیک اگر غیر عربی میں قرأت کی تو فرض قرأت ادا ہو جائے گا اور صاحبین کے نزدیک ادا نہ ہوگا۔ اور اس میں کچھ اختلاف نہیں کہ غیر عربی میں قرأت سے نماز فاسد نہیں ہوگی یعنی غیر عربی میں اگر قرأت کی تو بالاتفاق نماز فاسد نہ ہوگی۔

علامہ ابن الجہان نے لکھا ہے کہ نجم الدین نسفی اور قاضی خان نے لکھا ہے کہ صاحبین کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی۔ ابو بکر رازی نے روایت کیا کہ اصل مسئلہ میں امام صاحب نے صاحبین کے قول کی طرف رجوع کیا یعنی حضرت امام اعظم بھی آخر میں اس کے قائل ہو گئے تھے کہ نماز کے اندر غیر عربی میں قرأت جائز نہیں ہے اور اسی پر اعتماد ہے۔

خطبہ اور التحیات میں یہی اختلاف ہے یعنی امام صاحب کے نزدیک غیر عربی میں جائز ہے اور صاحبین کے نزدیک ناجائز ہے اور اذان میں تعارف معتبر ہے مبسوط میں مذکور ہے کہ حسن بن زیاد نے امام ابو حنیفہ سے روایت کیا ہے کہ اگر فارسی زبان میں اذان دی اور لوگ جانتے ہیں کہ یہ اذان ہے تو جائز ہے اور اگر لوگ اس کے اذان ہونے سے واقف نہ ہوں تو جائز نہیں اس لئے مقصود اذان سے اعلام ہے اور لوگوں کے نہ جاننے کی وجہ سے یہ مقصود حاصل نہیں ہوا۔

اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ كَمَا غَفَرْتَ لِيْ کے ساتھ نماز شروع کرنے کا حکم

وَإِنِ افْتَتِحَ الصَّلَاةُ بِاللَّهِمِّ اغْفِرْ لِيْ لَا تَجُوزُ لِأَنَّهُ مَشْرُوبٌ بِحَاجَتِهِ فَلَمْ يَكُنْ تَعْظِيمًا خَالصًا وَإِنِ افْتَتِحَ بِقَوْلِهِ اللَّيْلُ فَقَدْ قِيلَ بِحُزْبِهِ لَأَنَّ مَعْنَاهُ يَا اللَّهُ وَقَدْ قِيلَ لَا يَجُوزُ لِأَنَّ مَعْنَاهُ يَا اللَّهُ أَمَّا يُخْبِرُ فَمَا سِوَا

ترجمہ۔ اور اگر اللہم اغفر لی سے نماز شروع کی تو جائز نہیں ہے اس لئے کہ وہ اس کی حاجت کے ساتھ مخلوط ہے تو خالص تعظیم ہوئی۔ اور اگر اللہم سے شروع کی تو کہا گیا کہ کافی ہے۔ کیونکہ اس کے معنی ہیں یا اللہ اور کہا گیا کہ کافی نہیں ہے کیونکہ اس کے معنی ہیں اللہ ہمارا مقصد فرما خیر کے ساتھ پس یہ سوال ہوا۔

تشریح۔ اور اگر نماز اللہم اغفر لی کے ساتھ شروع کی تو جائز نہیں ہے کیونکہ وہ اس کی حاجت کے ساتھ مخلوط ہے پس چونکہ یہ خالص تعظیم کے لئے نہیں رہا اس لئے اس کے ساتھ نماز شروع کرنا جائز نہیں ہوگا۔ یہی حال ان تمام الفاظ کا ہے جو خالص تعظیم پر دلالت نہ کریں بلکہ صراحتاً یا معنی سوال کو متضمن ہوں جیسے استغفر اللہ، اعوذ باللہ، اناللہ، ماشاء اللہ، لا حول ولا قوۃ الا باللہ اور بسم اللہ اور اگر فقط اللہم کے ساتھ نماز شروع کی تو اس میں اختلاف ہے ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ جائز ہے کیونکہ اللہم کے معنی ہیں یا اللہ اور یہ محض ذکر اللہ ہے اس میں حاجت وغیرہ کی کوئی آمیزش نہیں ہے یہ قول اہل بصرہ کا ہے اور ایک جماعت کا خیال ہے اللہ کے ساتھ نماز شروع کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ اس کے معنی ہیں یا اللہ امنا بخیر یعنی مقصد نابخیر ہے اللہ! ہمارے ساتھ بھلائی ارادہ فرما ظاہر ہے کہ اس صورت میں یہ کلمہ خالص تعظیم پر دلالت کرنے والا نہیں ہو اس لئے اس کلمہ کے ساتھ نماز شروع کرنا جائز نہیں ہے یہ قول اہل کوفہ کا ہے۔ (منایہ)

نماز میں ہاتھ باندھنے کا طریقہ اور ہاتھ کہاں باندھے جائیں..... اقوال فقہاء

قال ويعتمد بيده اليمنى على اليسرى تحت السرة، لقوله عليه السلام من السنة وضع اليمين على الشمال تحت السرة وهو حجة على مالك في الارسال وعلى الشافعي في الوضع على الصدر ولا يوضع تحت السرة اقرب الى التعظيم وهو المقصود ثم الاعتماد سنة القيام عند ابي حنيفة و ابي يوسف حتى لا يرسل حالة الثناء والاصل ان كل قيام فيه ذكر مسنون يعتمد فيه ومالا فلا هو الصحيح فيعتمد في حالة القنوت وصلوة الحنازة ويرسل في القومة وبين تكبيرات الاعباد

ترجمہ۔ مصنف نے کہا کہ ٹیک لے اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے۔ کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ ناف کے نیچے دائیں ہاتھ کا بائیں پر رکھنا سنت ہے اور یہ حدیث امام مالک کے خلاف حجت ہے ہاتھ چھوڑنے میں اور امام شافعی کے خلاف حجت ہے سینہ پر ہاتھ باندھنے میں اور اس لئے کہ زیر ناف رکھنا تعظیم کے زیادہ قریب ہے اور تعظیم ہی مقصود ہے پھر اعتماد شیخین کے نزدیک قیام سنت ہے حتیٰ کہ ثناء کی حالت میں ہاتھوں کو نہیں چھوڑے گا۔ اور اصل یہ ہے کہ ہر وہ قیام جس میں کوئی ذکر مسنون ہو اس میں ہاتھ باندھنے اور جو قیام اس صفت کا نہ ہو اس میں مسنون نہیں ہے یہی قول صحیح ہے پس ہاتھ باندھنے حالت قنوت میں اور جنازہ کی نماز میں اور ہاتھ چھوڑنے قومہ میں اور عیدین کی تکبیروں میں۔

تشریح۔ اس عبارت کے تحت اعتماد میں چار مسئلے ہیں:

(۱) کیا نماز میں اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھے یا نہیں؟

(۲) کس طرح رکھے؟ (۳) کہاں رکھے؟ (۴) کب رکھے؟

پہلے مسئلہ میں ہمارے علماء مثلاً شاکہ کا قول یہ ہے کہ نماز میں دایاں ہاتھ بائیں پر رکھنا۔ نون ہے اور امام مالک نے کہا کہ ارسال کرنے یعنی نماز میں ہاتھ چھوڑے رکھے اور جی چاہے تو باندھ لے پس امام مالک کے نزدیک ارسال عزیمت اور اعتماد (ہاتھ رکھنا) رخصت ہے۔ ہمارے علماء کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس پر مدامت فرمائی اور فرمایا انا معشر الانبیاء امرنا بان نأخذ شمانلنا بالیما تنافی الصلاۃ یعنی ہم انبیاء کی جماعت کو حکم دیا گیا کہ ہم نماز میں اپنے دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کو پکڑیں۔

اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا من السنة ان یصنع المصلی یمینہ علی شمالہ تحت السرة فی الصلاۃ صاحب ہدایہ نے یہ اثر ان الفاظ کے ساتھ ذکر کیا ان من السنة وضع الیمین علی الشمال تحت السرة دونوں کا حاصل یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ نماز میں دائیں ہاتھ کا بائیں ہاتھ پر رکھنا مسنون ہے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ہدایہ کے اصل نسخہ میں یہ عبارت یوں تھی لفظ علی ان من السنة ان الیمین ناہ ان لکنہ والوں نے اس کو قول علیہ السلام کر دیا۔

اور ابو داؤد میں ہے عن ابن مسعود انه کان یصلی فوضع یدہ الیسری علی الیمنی فراه النبی ﷺ فوضع یدہ الیسری علی الیسری۔ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ نماز پر ہتے تھے پس انہوں نے اپنا پایاں ہاتھ دائیں پر رکھا حضور ﷺ نے دیکھا تو ابن مسعود کا دایاں ہاتھ بائیں پر رکھ دیا۔ ہر حال ان روایات سے ثابت ہوا کہ مسنون دائیں ہاتھ کا بائیں پر رکھنا ہے پس یہ احادیث امام مالک کے خلاف حجت ہوں گی اور ہمارے مذہب ثابت ہوا۔

دوسرا مسئلہ: کیفیت وضع کا ہے یعنی دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھنے کی کیفیت کیا ہے سو اس کی کیفیت یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کی پتیلی کو بائیں ہاتھ کی پتیلی کی پشت پر رکھے اور دائیں ہاتھ کے انگوٹھے اور چنگلی انگلی سے بائیں ہاتھ کا گنا (پہنچا) پکڑے۔ (عنا یہ)

تیسرا مسئلہ: ہاتھ رکھنے کی جگہ کا ہے پس ہمارے نزدیک افضل یہ ہے کہ زیر ناف ہاتھ باندھے اور امام شافعی کے نزدیک سینہ پر ہاتھ رکھنا افضل ہے امام شافعی کی دلیل باری تعالیٰ کا قول فصل لربک وانحورت یعنی اپنے رب کے واسطے نماز پڑھو اور دایاں ہاتھ بائیں پر سینہ پر رکھو علامہ ابن الہمام اور صاحب عنایہ نے فرمایا کہ مفسرین نے کہا کہ وانحورت سے دائیں ہاتھ کا بائیں پر سینہ پر رکھنا مراد ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ سینہ نور ایمان کی جگہ ہے لہذا نماز کے اندر اپنے ہاتھ سے اس کی حفاظت کرنا اولیٰ ہے ہماری دلیل حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اثر ہے یعنی ان من السنة وضع الیمین علی الشمال تحت السرة اور لفظ سنت سے بالعموم رسول اللہ ﷺ کی سنت مراد ہوتی ہے پس ثابت ہوا کہ زیر ناف ہاتھ باندھنا مسنون ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ زیر ناف ہاتھ باندھنے میں تعظیم ہے اور نماز کے اندر تعظیم ہی مقصود ہوتی ہے اس لئے بھی زیر ناف ہاتھ باندھنا افضل ہے۔

صاحب کفایہ نے لکھا ہے کہ زیر ناف ہاتھ باندھنے میں اہل کتاب کے ساتھ تشبہ سے بعد ہو جاتا ہے اور ستر عورت سے قرب ہو جاتا ہے اس لئے بھی زیر ناف ہاتھ باندھنا اولیٰ ہے اور امام شافعی کا لفظ وانحورت سے استدلال کرنا درست نہیں ہے کیونکہ آیت میں وانحورت سے مراد عید کی نماز کے بعد قربانی کے جانور کا نحر (ذبح) کرنا ہے۔ (کفایہ)

چوتھا مسئلہ: یہ ہے کہ نمازی ہاتھ کب باندھے سو اس بارے میں شیخین کا مذہب یہ ہے کہ ہاتھ باندھنا قیام کی سنت ہے اور امام محمد

تہ مروی ہے کہ قرأت کی سنت ہے چنانچہ ثناء میں تینوں کے نزدیک ہاتھ باندھنا مسنون ہوگا۔ اور امام محمد کے نزدیک حالت ثناء میں ہاتھ چھوڑے رکھنے اور قرأت شروع ہونے پر ہاتھ باندھنے لے۔

صاحب ہدایہ نے ہاتھ باندھنے اور چھوڑنے کے بارے میں یہ ضابطہ بیان فرمایا ہے کہ ہر وہ قیام (خواہ حقیقی ہو یا حکمی) جس میں کوئی ذکر مسنون ہو تو ایسے قیام میں ہاتھ باندھتے اور جو قیام ایسا نہ ہو اس میں ہاتھ باندھنا مسنون نہیں ہے یہی قول صحیح ہے۔ اسی قول پر مشرک امام احمدی صدر الکلیہ برہان الامتہ اور صدر الشیخہ حسام الامتہ فتویٰ دیا کرتے تھے پس اس اصول کے ماتحت حالت قنوت اور نماز جہان میں ہاتھ باندھنا مسنون ہے اور قنوت (رکوع اور سجود کے درمیان) اور عیدین کی تکبیروں کے درمیان ہاتھ چھوڑنا مسنون ہوگا۔

ثناء میں کیا پڑھا جائے..... اقوال فقہاء

ثم يقول سبحانك اللهم وبحمدك الى اخره وعن ابى يوسف انه يضم اليه قوله انى وجهت وجهى الى اخره لسرواية على ان النبى عليه السلام كان يقول ذلك ولهما رواية انس ان النبى عليه السلام كان اذا افتتح الصلوة كبر وقرأ سبحانك اللهم وبحمدك الى اخره ولم يزد على هذا ومارواه محمود على التهجد وقوله وجل ثناؤك يذكر فى المشاهير فلا يأتى به فى الفرائض والاولى ان لا يأتى بالتوجه قبل التكبير ليتصل النية به هو الصحيح

ترجمہ پھر سبحانک اللہم وبحمدک آخر تک پڑھے۔ اور ابو یوسف سے مروی ہے کہ اس ثناء کے ساتھ انی و جہت و جہی الی آخرہ کی روایت مذکور کیونکہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کی کہ حضور اس کو کہا کرتے تھے اور طرفین کی دلیل حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز شروع کرتے تو اس کو کہتے اور سبحانک اللہم وبحمدک آخر تک پڑھتے اور اس پر زیادہ نہیں کیا۔ اور جو ابو یوسف نے روایت کیا وہ تہجد پر معمول ہے۔ اور اس کا قول محل ثنائوک مشہور روایتوں میں مذکور نہیں پس اس کو فرائض میں نہ لائے اور اولیٰ یہ ہے کہ تکبیر سے پہلے توجہ (انسی و جہت) نہ پڑھے تاکہ نیت تکبیر کے ساتھ متصل ہو جائے یہی صحیح ہے۔

تشریح..... امام قدوری نے کہا کہ نمازی ہاتھ باندھنے کے بعد ثناء پڑھے اور ثناء یہ ہے سبحانک اللہم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ جددک ولا الہ غیرک۔ اور بعض روایات غیر مشہورہ میں وتعالیٰ جددک وجل ثناؤک ولا الہ غیرک ہے لیکن چونکہ محل ثنائوک مشہور روایات میں مذکور نہیں ہے اس لئے اس کو فرائض میں نہ کہے۔

رہی یہ بات کہ ثناء کے ساتھ کسی اور دعا کو ملائے یا نہیں تو اس بارے میں طرفین کا مذہب اور امام ابو یوسف کا قول اول یہ ہے کہ ثناء کے ساتھ اور کوئی دعا نہ ملائے۔ اور امام ابو یوسف کا قول ثانی یہ ہے کہ متصلی ثناء کے ساتھ یہ دعا ملائے انی و جہت و جہی للذی فطر السموات والارض حیفا وما انامن المشرکین۔ ان صلاتی ونسکی ومحیای ومسانی للرب العالمین لا شریک لہ وبذلک امرت وانا من المسلمین اور بعض روایات میں من المسلمین کے بعد یہ الفاظ بھی وارد ہوئے ہیں اللہم انت المسک لا الہ الا انت انت ربی وانا عبدک ظلمت نفسی واعترفت ذنبی فاغفر لی ذنوبی جمیعاً

لا یغفر الذنوب الا انت و اهدنی لاحسن الاخلاق لا ینہدی لاحسنها الا انت و اصرف عنی سبھا لا یصرف عنی سبھا الا انت لیبک و سعیدیک و الخیر کلہ فی یدیک و الشریس الیک اناک و الیک تبارکت و تعالیت استغفرک و اتوب الیک فقباہ کی اصطلاح میں اس دعا کا نام توجہ ہے۔

حضرت امام ابو یوسف کی دلیل حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ کے ساتھ اس دعا کو بھی پڑھا کرتے تھے۔
طرفین کی دلیل حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے ان النبی ﷺ کما ان اذا فتیح الصلوٰۃ کبر و قرأ سبحانک اللہم و بحمدک الی اخرہ۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے زیادہ کچھ بیان نہیں کیا جس سے معلوم ہوا کہ ثناء کے بعد توجہ یعنی انسی و جہت ان پر حسنا ثابت نہیں ہے۔

مصنف ہدایہ نے کہا کہ امام ابو یوسف کی پیش کردہ روایت تہجد کی نماز پر موقوف ہے یعنی حضور ﷺ نقل نماز میں اس کو پڑھا کرتے تھے اور فرانس میں ثناء کے علاوہ کوئی دعا پڑھنا منقول نہیں ہے۔ فاضل مصنف نے کہا کہ اولیٰ یہ ہے کہ نیت کے بعد اور تکبیر سے پہلے بھی انسی و جہت ان نہ پڑھے تاکہ نیت کا تکبیر کے ساتھ اتصال ہو جائے اور درمیان میں انسی و جہت و جہتی ان فاضل نہ ہو۔ یہی صحیح ہے۔ اور بعض متأخرین جن میں فتیۃ ابو الیث بھی ہیں فرماتے ہیں کہ نیت اور تکبیر کے درمیان اس کا پڑھنا جائز ہے۔

تعوذ کی شرعی حیثیت، موضع تعوذ، تعوذ کے الفاظ

و یستعید باللہ من الشیطان الرجیم، لقولہ تعالیٰ فاذا قرأت القرآن فاستعذ باللہ من الشیطان الرجیم معناه اذا اردت قراءۃ القرآن، والاولیٰ ان یقول استعید باللہ لیوافق المران و یقرب منه اعوذ باللہ ثم التعوذ تبع للقراءۃ دون النشاء عند ابی حنیفہ و محمد لما تلونا حتی یأتی بہ المسبوق دون المقتدی و یؤخر عن تکبیرات العید خلافا لابی یوسف

ترجمہ۔ اور پناہ طلب کرے اللہ کے ساتھ شیطان مردود سے کیونکہ باری تعالیٰ نے فرمایا ہے پھر جب تو قرآن پڑھے تو پناہ ڈھونڈ اللہ اولیٰ کے ساتھ شیطان مردود سے اذا قرأت کے معنی یہ ہیں کہ جب تو قرأت قرآن کا ارادہ کرے اور اولیٰ یہ ہے کہ استعید باللہ من الشیطان الرجیم کہے تاکہ قرآن سے موافق ہو جائے اور اسی کے قریب اعوذ باللہ بھی ہے۔ پھر تعوذ طرفین کے نزدیک قرأت کے تابع ہے نہ کہ ثناء کے اس آیت کی وجہ سے جو ہم تلاوت کر چکے حتیٰ کہ اس کو مسبوق پڑھے گا نہ کہ مقتدی اور امام تعوذ کو عید کی تکبیروں میں مؤخر کرے گا۔ اس میں ابو یوسف کا اختلاف ہے۔

تشریح۔ اس جگہ تین بحثیں ہیں۔

(۱) اصل تعوذ میں یعنی نماز کے شروع میں تعوذ کی شرعی حیثیت کیا ہے۔

(۲) موضع تعوذ میں، (۳) تعوذ کے الفاظ میں۔

پہلی بحث کا حاصل یہ ہے کہ ہمارے نزدیک نماز کے شروع میں تعوذ مسنون ہے۔ (فتح القدیر) اور صاحب شرح نقاہ نے لکھا ہے

کہ عامۃ السلف کے نزدیک مستحب ہے اور جمہور خلف بھی اسی کے قائل ہیں۔ امام مالک نے فرمایا کہ نماز کے شروع میں تعوذ نہ کیا جائے۔ سفیان ثوری اور عطاء و جوب تعوذ کے قائل ہیں۔ سفیان ثوری اور عطاء کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اذ اقرأت القرآن فاستعذ باللہ اور استعذ امر کا صیغہ ہے جو وجوب پر دلالت کرتا ہے لیکن ہم کہتے ہیں کہ وجوب کا قول خلاف اجماع ہونے کی وجہ سے قائل قبول نہیں ہوگا۔

امام مالک کی دلیل حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا صلوت حلف رسول اللہ ﷺ وخلف ابی بکر و عمرؓ کانوا یفتتحون القراءة بالحمد لله رب العالمین اس روایت سے معلوم ہوا کہ اللہ کا رسول اور شیخین الحمد لله رب العالمین سے قرأت شروع کرتے تھے اور اس سے پہلے اعوذ باللہ اور بسم اللہ نہیں پڑھتے تھے۔ ہماری دلیل باری تعالیٰ کا قول فاذا قرأت القرآن فاستعذ باللہ ہے آیت میں استعذ صیغہ امر کا تقاضا اگرچہ یہ ہے کہ تعوذ واجب ہو جیسا کہ عطاء اور ثوری کہتے ہیں مگر چونکہ اسلاف نے اس کے سنت ہونے پر اجماع کیا ہے اس لئے ہمارے علماء تعوذ کے مسنون ہونے کے قائل ہیں۔

دوسری بحث کا حاصل یہ ہے کہ ہمارے نزدیک تعوذ قرأت قرآن سے پہلے ہے اور اصحاب ظواہر کے نزدیک قرأت کے بعد ہے اصحاب ظواہر ظاہر آیت سے استدلال کرتے ہیں اور آیت کا ظاہر یہ ہے کہ جب تو قرأت قرآن کر چکے تو استعاذہ کر اس سے معلوم ہوا کہ استعاذہ قرأت کے بعد ہے۔

لیکن ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ اذ اقرأت کے معنی ہیں اذ اردت قرأت القرآن فاستعذ باللہ یعنی جب قرأت قرآن کا ارادہ ہو تو استعاذہ کر رہی یہ بات کہ تعوذ قرأت کے تابع ہے یا ثناء کے تو اس بارے میں ہمارے علماء کا اختلاف ہے۔ چنانچہ طرفین کے نزدیک تعوذ قرأت کے تابع ہے نہ کہ ثناء کے اور امام ابو یوسف کے نزدیک ثناء کے تابع ہے پس طرفین کے نزدیک جس شخص پر قرأت واجب ہوگی وہ تعوذ کرے گا حتیٰ کہ مسبوق تعوذ کرے گا کیونکہ اس پر فوت شدہ رکعات میں قرأت کرنا واجب ہے البتہ مقتدی تعوذ نہ کرے کیونکہ اس پر قرأت واجب نہیں۔

اور عیدین کی نماز میں تعوذ عید کی تکبیروں سے مؤخر کرے گا کیونکہ عیدین کی پہلی رکعت میں قرأت تکبیرات عید سے مؤخر ہوتی ہے اور امام ابو یوسف کے نزدیک جو ثناء پڑھے گا وہ تعوذ بھی کرے گا۔

امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے کہ تعوذ ثناء کی جنس سے ہے کیونکہ جس طرح ثناء دعا ہے اسی طرح تعوذ بھی ایک دعا ہے اور شنی کا تابع شنی کے بعد ہوتا ہے پس ثابت ہوا کہ تعوذ ثناء کا تابع ہے نہ کہ قرأت کا اور طرفین کی دلیل باری تعالیٰ کا قول فاذا قرأت القرآن فاستعذ باللہ ہے۔

تیسری بحث کا حاصل یہ ہے کہ تعوذ کے الفاظ میں اولیٰ یہ ہے کہ استعذ باللہ من الشیطان الرجیم کہے تاکہ باری تعالیٰ کے قول فاستعذ باللہ کے موافق ہو جائے۔

لیکن اکثر اخبار و آثار میں اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم وارد ہے اس وجہ سے صاحب ہدایہ نے کہا کہ استعذ باللہ من الشیطان الرجیم

اعوذ باللہ بھی ہے اور مذہب مختار بھی یہی ہے اور اسی پر فتویٰ دیا جائے۔ اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے اعوذ باللہ العظیم السمیع العظیم من الشیطان الرجیم پڑھا ہے لہذا اسی کو اختیار کیا جائے۔

تسمیہ

وقرأ بسم الله الرحمن الرحيم، هكذا نقل في المشاهير

ترجمہ۔۔۔ اور بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھے۔ ایسا ہی مشہور حدیثوں میں مروی ہے۔

تشریح۔۔۔ تسمیہ کے اندر چند باتوں میں کلام ہے

- (۱) واضح ہو کہ سورہ نمثل کی آیت وانہ من سلیمان وانہ بسم اللہ الرحمن الرحیم میں بسم اللہ بالاتفاق قرآن کا جز ہے اور سورہ نمثل کا بھی لیکن دو سورتوں کے درمیان جو بسم اللہ مذکور ہے اس میں اختلاف ہے کہ وہ قرآن کا جز ہے یا نہیں بلکہ ہمارے علماء احناف کے نزدیک قرآن کا جز ہے اور امام مالک قرآن کا جز ہونے کے قائل نہیں ہیں۔
- (۲) بسم اللہ ہمارے نزدیک نہ فاتحہ کا جز ہے اور نہ کسی دوسری سورت کا بلکہ سورتوں کی درمیان فصل کرنے کے لئے نازل کی گئی ہے۔ امام شافعی نے کہا کہ بسم اللہ سورہ فاتحہ کا جز ہے اور باقی سورتوں کا جز ہونے میں امام شافعی کے دوقول ہیں۔
- (۳) بسم اللہ کے ساتھ جبر ہو گا یا سراسر اس کی تفصیل اگلی سطور میں آرہی ہے۔

تعوذ، تسمیہ، آمین سر اُکھی جائے یا جبراً..... اقوال فقہاء و دلائل

وسر بہما لقول ابن مسعود اربع يخفيهن الامام و ذكر من جملتها التعوذ و التسمية و امين و قال الشافعي يجهر بالتسمية عند الجهر بالقراءة لماروى ان النبي عليه السلام جهر في صلوته بالتسمية قلنا هو محمول على التعليم لان اسما احبر انه عليه السلام كان لا يجهر بها ثم عن ابى حنيفة انه لا يأتى بها في اول كل ركعة كالتعوذ و عنه انه يأتى بها احتياطاً و هو قولهما و لا يأتى بها بين السورة و الفاتحة الا عند محمد فانه يأتى بها في صلوة المخافتة

ترجمہ۔۔۔ اور بسم اللہ اور تعوذ کے ساتھ خفا کرے کیونکہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ چار چیزیں ہیں جن کو امام آہستہ پڑھے اور ذکر کیا جملہ ان میں سے تعوذ تسمیہ اور آمین کو اور امام شافعی نے کہا کہ تسمیہ کو جبر سے پڑھے جب قرأت سے جبر کرے کیونکہ مروی ہے کہ حضور ﷺ نے اپنی نماز میں بسم اللہ کے ساتھ جبر کیا ہم کہتے ہیں کہ یہ تعلیم پر محمول ہے کیونکہ حضرت انسؓ نے خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ بسم اللہ کا جبر نہیں کیا کرتے تھے پھر امام ابوحنیفہ سے روایت ہے کہ بسم اللہ کو ہر رکعت کے شروع میں نہ لائے جیسے تعوذ کا حکم ہے اور ابوحنیفہ سے یہ بھی مروی ہے کہ بسم اللہ کو احتیاطاً (ہر رکعت کے اول میں) لائے اور یہی صاحبین کا قول ہے اور بسم اللہ کو فاتحہ اور سورت کے درمیان نہ لائے مگر امام محمد کے نزدیک اس لئے کہ اس کو سری نماز میں پڑھے۔

تشریح۔۔۔ صاحب قدوری نے فرمایا کہ تسمیہ اور تعوذ میں سر کرے یعنی نماز کے اندر ان کو آہستہ پڑھے۔ امام شافعی نے کہا کہ جبری نماز میں بسم اللہ کو جبر کے ساتھ پڑھے۔ امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا کہ حضور ﷺ اپنی نماز

میں بسم اللہ کو بالجہر پڑھتے تھے چنانچہ صحیح ابن خزیمہ ابن حبان اور نسائی میں نعیم الخمر سے روایت ہے کہ صلیت وراء ایسی ہر یہی
 رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقراء بسم اللہ الرحمن الرحیم ثم قراء بام القرآن حتی بلغ ولا الضالین فقال امین ثم یقول
 اذا سلم والذی نفسی بیدہ انی لا شہبکم صلاة برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (فتح القدیر) یعنی نعیم المحمدر
 روایت ہے کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی پس ابو ہریرہ نے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھی پھر
 القرآن یعنی سورۃ فاتحہ پڑھی حتی کہ ولا الضالین پر پہنچے تو آمین کہی پھر سلام کے بعد کہا کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان
 ہے کہ میں نماز میں رسول اللہ ﷺ کے زیادہ مشابہ ہوں۔ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت ابو ہریرہ نے بسم اللہ سورۃ فاتحہ
 اور آئین تینوں میں جہر کیا کیونکہ ابو ہریرہ اگر جہر نہ فرماتے تو نعیم الخمر کو کس طرح علم ہوتا اور چونکہ ابو ہریرہ نے کہا کہ میری نماز رسول
 اللہ ﷺ کی نماز سے مشابہت رکھتی ہے اس سے معام ہوا کہ حضور ﷺ نے بھی ان چیزوں کو بالجہر پڑھا ہے۔
 اور دارقطنی نے سعید بن جبیر سے روایت کی،

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال کان النبی ﷺ یجہر فی الصلاة بسم اللہ الرحمن الرحیم۔
 ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا کہ حضور ﷺ نماز میں بسم اللہ بالجہر پڑھتے تھے۔

ہماری دلیل ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ چار چیزیں ایسی ہیں جن کو امام آہستہ پڑھے وہ چار چیزیں یہ ہیں تعوذ، تسبیح
 تمجید (ربنا لک الحمد) آمین۔ صاحب شرح نقایہ نے بجائے تمجید کے ثناء ذکر کیا ہے کیونکہ امام محمد نے آثار میں روایت کی ہے عن ابی
 حنیفہ عن حماد عن ابراہیم النخعی انه قال اربع ینحیفھن الامام التعوذ وبسم اللہ الرحمن الرحیم وسبحانک
 اللہم وبحمدک وامن۔ (شرح نقایہ)

بسم اللہ کو بالسر پڑھنے پر حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول بھی مستدل ہے چنانچہ ارشاد ہے صلیت خلف رسول اللہ صلی
 اللہ علیہ وسلم وخلف ابی بکر و عمر و عثمان فلم اسمع احدا منهم یقرأ بسم اللہ الرحمن الرحیم اور مسلم کی ایک
 روایت میں ہے فلم اسمع احدا منهم یجہرون بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں
 نے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے اور ابو بکر و عمر و عثمان کے پیچھے نماز پڑھی پس میں نے ان میں سے کسی کو بسم اللہ کے ساتھ جہر کرتے نہیں سنا۔
 حضرت امام شافعی کی پیش کردہ روایات بالجہر کا جواب یہ ہے کہ حضور ﷺ نے کبھی کبھی لوگوں کی تعلیم کے واسطے بسم اللہ کے ساتھ جہر
 فرمایا ہے ورنہ آپ کی عام عادت بسم اللہ کے ساتھ جہر کرنے کی نہ تھی چنانچہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خبر دی کہ آنحضرت ﷺ بسم اللہ
 نماز کے اندر بالجہر نہیں پڑھتے تھے دوسرا جواب یہ ہے کہ ابتداء اسلام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بسم اللہ کے ساتھ جہر کرتے تھے لیکن
 ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً کے ذریعہ جہر منسوخ ہو گیا۔

صاحب شرح نقایہ ملا علی قاری نے نسخ کی تفصیل اس طرح بیان کی ہے:

عن سعید بن جبیر انہ قال کان المشرکون یحضرون المسجد واذ قرا رسول اللہ صلی اللہ علیہ
 وسلم قالوا اھذا محمد یدکر رحمن الیمامة یعنون مسیلمة الکذاب فامر ان یخافت بسم اللہ
 الرحمن الرحیم ونزلت ولا تجہر بصلواتک ولا تخافت بہا۔ (رواہ ابو داؤد)

سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا کہ مشرکین مکہ مسجد حرام میں حاضر ہوتے تھے اور جب آنحضرت ﷺ قرأت کرتے تو کہتے کہ یہ محمد ہیں پیامہ کے رحمن یعنی مسلمہ کذاب کا ذکر کرتے ہیں پس آپ کو تحم دیا گیا کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کے ساتھ اٹھائیں اور لاتجہر بصلوتک آیت نازل ہوئی۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ آپ بسم اللہ اور قرأت قرآن میں جہر فرماتے تھے لیکن اس واقعہ کے بعد جہر کا حکم منسوخ ہو گیا۔ اور ابو داؤد کی ایک روایت میں ہے فحفظ النبی ﷺ بسم اللہ الرحمن الرحیم یعنی اس واقعہ کے بعد اللہ کے پاک نبی ﷺ نے بسم اللہ کو پست آواز کے ساتھ پڑھنا یہ بھی جہر کے منسوخ ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

علامہ ابن الہمام نے نعیم الخمر کی روایت کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ ممکن ہے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اٹھانے کے باوجود نعیم نے سن لیا ہو کیونکہ اگر مقتدی امام سے قریب ہو اور امام نے اٹھانے میں مباحثہ کیا ہو تو بھی سننا متحقق ہو سکتا ہے۔

رہی یہ بات کہ بسم اللہ ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ سے پہلے پڑھے یا فقط پہلی رکعت میں اس بارے میں حضرت امام اعظم سے دو روایتیں ہیں۔ حسن بن زیاد کی روایت تو یہ ہے کہ بسم اللہ کو ہر رکعت میں نہ پڑھے بلکہ نماز کے شروع میں فقط ایک مرتبہ پڑھ لینا کافی ہے جیسا کہ آج کل صرف پہلی رکعت میں پڑھنا کافی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ بسم اللہ سورۃ فاتحہ کا جز نہیں ہے بلکہ افتتاح صلوٰۃ کے لئے پڑھی جاتی ہے اور صلوٰۃ واحد فعل واحد کے مانند ہے اور فعل واحد کے لئے ایک مرتبہ بسم اللہ پڑھنا کافی ہے لہذا صلوٰۃ واحدہ کے لئے بھی ایک مرتبہ بسم اللہ پڑھنا کافی ہو گیا۔

امام ابو حنیفہ سے دوسری روایت ابو یوسف کی ہے کہ ہر رکعت میں بسم اللہ پڑھے احتیاط اسی میں ہے کیونکہ بسم اللہ کے فاتحہ کا جز ہونے میں علماء کا اختلاف ہے اور فاتحہ کا ہر رکعت میں پڑھنا ضروری ہے۔ لہذا بسم اللہ کا پڑھنا بھی ہر رکعت میں ضروری ہوگا۔ تاکہ اختلاف سے بچا جاسکے۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ ہر رکعت میں بسم اللہ پڑھنا صاحبین کا قول ہے۔ پھر فرمایا کہ سورت فاتحہ اور سورت کے درمیان بسم اللہ نہ پڑھے البتہ امام محمد فرماتے ہیں کہ سورت نماز میں بسم اللہ فاتحہ اور سورت کے درمیان پڑھ سکتا ہے لیکن جہری نماز میں نہ پڑھے۔

قرأت فاتحہ وضم سورت رکن ہے یا نہیں؟..... اقوال فقہاء و دلائل

ثم يقرأ فاتحة الكتاب وسورة او ثلاث آيات من اى سورة شاء فقراءة الفاتحة لاتعين ركنا عندنا وكذا ضم السورة اليها خلافا للشافعي فى الفاتحة ولمالك فيهما له قوله عليه السلام لا صلوة الا بفاتحة الكتاب وسورة معها وللشافعي قوله عليه السلام لا صلوة الا بفاتحة الكتاب ولنا قوله تعالى فاقراءوا ما تيسر من القرآن والزيادة عليه بخبر الواحد لا يجوز لكنه يوجب العمل فقلنا بوجوبهما

ترجمہ پھر سورۃ فاتحہ پڑھے اور کوئی سورت یا تین آیات جس کسی سورت میں سے چاہے پس ہمارے نزدیک قرأت فاتحہ کا رکن ہونا متعین نہیں ہے۔ اور یہی اس کے ساتھ سورت ملانے کا ہے۔ سورۃ فاتحہ میں امام شافعی کا اور سورۃ فاتحہ اور سورت دونوں میں امام مالک کا اختلاف ہے امام مالک کی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ نماز نہیں مگر فاتحہ کے ساتھ اور اس کے ساتھ سورت کے۔ اور امام شافعی کی

دلیل حضور ﷺ کا قول ہے کہ نماز نہیں ہے مگر سورۃ فاتحہ کے ساتھ۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ پڑھو جو آسان ہو قرآن میں سے۔ اور قرآن پر خبر واحد کے ساتھ زیادتی کرنا جائز نہیں ہے۔ لیکن خبر واحد عمل واجب کرتی ہے پس ہم ان دونوں کے وجوب کے قائل ہو گئے۔

تشریح - علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ نماز کے اندر قرأت قرآن کی کتنی مقدار فرض اور رکن ہے؟ سو ہمارے علماء کا مذہب یہ ہے کہ مطلقاً قرأت قرآن فرض ہے چنانچہ کسی ایک آیت کو پڑھ لیا تو رکن قرأت ادا ہو جائے گا۔ رہا سورۃ فاتحہ کا پڑھنا اور اس کے ساتھ سورت ملانا تو یہ دونوں ہمارے نزدیک واجبات میں سے ہیں۔

حضرت امام شافعی نے کہا کہ سورۃ فاتحہ کا پڑھنا رکن ہے اور امام مالک فاتحہ اور سورت ملانا دونوں کو رکن کہتے ہیں۔

امام مالک کی دلیل حضور ﷺ کا قول لا صلاة الا بفاتحة الكتاب وسورة معها ہے یعنی بغیر فاتحہ اور سورت کے نماز نہیں ہوگی اور ظاہر ہے کہ یہ شان فرض کی ہوتی ہے نہ کہ واجب کی۔ اسی کے ہم معنی امام ترمذی نے ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے مفتاح الصلوٰۃ الطہور و تحریمہا التکبیر و تحلیلہا التسلیم ولا صلاة لمن لم یقر بألحمد لله وسورة فی قریضۃ اور غیرہا یعنی نماز کی کئی طہارت (وضو) ہے اور وہ اور نماز کو حرام کرنے والا اللہ اکبر کہنا ہے اور اس کو حلال کرنے والا اسماء ہے جس شخص نے فرض یا غیر فرض میں الحمد للہ اور سورت نہیں پڑھی اس کی نماز نہیں ہوتی۔

امام شافعی کی دلیل حدیث رسول اللہ ﷺ لا صلاة الا بفاتحة الكتاب ہے۔ اور ہماری دلیل باری تعالیٰ کا قول فاقراءوا ما تیسر من القرآن ہے اس آیت سے اس طور پر استدلال ہوگا کہ من القرآن مطلق ہے لہذا المطلق یجوز علی اطلاقہ کے قاعدہ سے جس ادنی مقدار پر قرآن ہونا صادق آئے اس کا پڑھنا فرض ہوگا اس لئے کہ یہی مقدار ما مبر بہ ہے اور چونکہ خارج نماز قرأت قرآن فرض نہیں ہے اس لئے نماز کے اندر فرض ہونا متعین ہوگا۔

امام مالک اور امام شافعی کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں حضرات کی پیش کردہ روایات اخبار احاد سے ہیں اور اخبار احاد ظنی ہوتی ہیں اور اصول فقہ میں یہ بات مذکور ہے کہ رکن دلیل قطعی سے ثابت ہوتا ہے نہ کہ دلیل ظنی سے البتہ دلیل ظنی عمل واجب کرتی ہے اس لئے ہمارے علماء نے کہا کہ یہ دونوں واجب ہیں اور چونکہ خبر واحد کے ذریعہ کتاب اللہ پر زیادتی جائز نہیں ہے اس لئے ان احادیث سے کتاب اللہ (فاقراءوا ما تیسر من القرآن) پر زیادتی بھی نہیں ہو سکتی۔

امام اور مقتدی کے لئے آمین کہنے کا حکم..... اقوال فقہاء و دلائل

و اذا قال الامام ولا الضالین قال امین ویقولہا المؤمن لقوله علیہ السلام اذا امن الامام فامنوا ولا متمسک لسا لک فی قوله علیہ السلام اذا قال الامام ولا الضالین فقولوا امین من حیث القسمة لانه قال فی اخره فان الامام یقولہا

ترجمہ اور جب امام والا الضالین کہے تو خود امام آمین کہے اور مقتدی بھی آمین کہے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو۔ اور امام مالک کا حضور ﷺ کے قول اذا قال الامام ولا الضالین فقولوا امین میں تقسیم کا اعتقاد ہے کہ

استدلال نہیں اس لئے کہ حضور ﷺ نے اس حدیث کے آخر میں فرمایا فان الامام یقول لہا۔

تشریح۔ مسئلہ یہ ہے کہ سورۃ فاتحہ کے ختم پر جب امام ولا الصالین کہے تو امام اور مقتدی دونوں کو آمین کہنا چاہئے۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ فقط مقتدی آمین کہے امام آمین نہ کہے۔

امام مالک کی دلیل یہ حدیث ہے اذا قال الامام ولا الصالین فقولوا امین، مسلم نے پوری حدیث اس طرح روایت کی ہے انما جعل الامام لیؤتم بہ فلا تختلفوا علیہ فاذا اکبر فکبروا و اذا قرأ فانصتوا و اذا قال ولا الصالین فقولوا امین، یعنی امام تو اسی لئے بنایا گیا کہ اس کی اقتدائی کی جائے سو تم اس سے اختلاف مت کرو پس جب وہ تکبیر کہے تو تم تکبیر کہو اور جب وہ پڑھے تو تم خاموش رہو اور جب وہ ولا الصالین کہے تو تم آمین کہو۔

امام مالک نے اس حدیث سے اس طرح استدلال کیا ہے کہ حضور ﷺ نے تقسیم فرمائی چنانچہ امام کے حصہ میں قرأت کا اتمام ہے اور مقتدی کے حصہ میں آمین ہے اور چونکہ تقسیم شرکت کے منافی ہے اس لئے آمین کہنے میں امام اور مقتدی دونوں شریک نہیں ہوں گے بلکہ صرف مقتدی آمین کہے گا۔

ہماری دلیل یہ حدیث ہے اذا امن الامام فامنوا افانہ من وافق تامينہ تامين الملائکة غفرلہ ماتقدم من ذنبہ۔ امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو کیونکہ جس کا آمین کہنا موافق پڑی ملائکہ کے آمین کہنے کے اس کے پچھلے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

امام مالک کی پیش کردہ حدیث کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کے آخر میں ہے فان الامام یقول لہا یعنی امام بھی آمین بتاتا ہے پس معلوم ہوا کہ اس حدیث میں تقسیم اور ہوا مراد نہیں ہے۔

ہمارے مذہب کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس کو حضرت مسیب نے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے قال قال رسول اللہ ﷺ اذا قال الامام ولا الصالین فقولوا امین فان الملائکة تقول امین وان الامام یقول امین فمن وافق تامينہ تامين الملائکة غفرلہ ماتقدم من ذنبہ۔ (رواہ عبد الرزاق فی مصنفہ)

امام ابو حنیفہ سے ایک روایت یہ ہے کہ امام آمین نہ کہے بلکہ فقط مقتدی آمین کہے گا۔ اور دلیل اس روایت کی یہ ہے کہ امام داعی ہوتا ہے اور مقتدی سننے والا اور آمین سننے والا کہتا ہے نہ کہ داعی جیسا کہ نماز کے ماہرہ باقی دوسری دعاؤں میں عادت ہے۔

اور حضور ﷺ کے قول اذا امن الامام فامنوا میں امام کو آمین کہنے والا اس لئے کہا گیا کہ اس نے سورۃ فاتحہ پڑھ کر آمین کا سبب پیدا کر دیا اور مسیب کو مباشرت کے نام کے ساتھ ذکر کرنا جائز ہوتا ہے جیسا کہ ہنسی الامیر المدینہ میں بنا کی نسبت امیر کی طرف منسوب ہونے کی حیثیت سے ہے۔

نوٹ۔ لفظ آمین کے ہمزہ کو بعض لوگوں نے مدود پڑھا ہے اور بعض نے مقصور پڑھا ہے مدود پڑھنے کی صورت میں تو آمین ہی رہے گا اور مقصور پڑھنے کی صورت میں آمین ہوگا۔ مگر یہ واضح رہے کہ دونوں صورتوں میں وزن فاعیل ہی کارہے گا۔ پس مدود ہونے کی صورت میں الف اشباع کا ہوگا مدود ہونے کے استصحاب میں مجنوں کا یہ شعر پیش کیا جاتا ہے ویرحم اللہ عبداً قال امینا اس میں آمین مدود استعمال ہوا ہے آخر کا الف بھی اس میں اشباع ہی کا ہے۔

یہ شعر اپنے تئیں ایک واقعہ رکھتا ہے واقعہ یہ ہے کہ جب مجنوں کے دل میں لیلیٰ کی محبت گہ کر گئی اور وہ اس کی محبت میں غرق ہوا۔ حیران و پریشان مارا مارا پھرنے لگا تو اس کے باپ ملوچ کو بہت زیادہ فکر ہوئی۔ لوگوں نے اس کو مشورہ دیا کہ اے کعبہ اللہ کی زیارت کے لئے لے جاؤ چنانچہ اس کا باپ مجنوں کو حج کے ارادہ سے لے گیا اور مناسک حج اس کو دکھلائے اور مجنوں سے کہا کہ کعبہ معظمہ کے پر دوں۔ چمت کر کہہ اللہم ارحنی من لیلیٰ وحبھا اے میرے پروردگار تو مجھ سے لیلیٰ کی محبت کو زائل کر کے مجھے راحت پہنچا۔ پس مجنوں نے بجائے اس شعر کے والہانہ انداز میں یہ شعر پڑھا

اللہم من علیٰ لیلیٰ وقریبھا

اے اللہ مجھے لیلیٰ کا قرب اور وصل عطا فرما کر میرے اوپر احسان کیجئے۔

باپ نے یہ سنتے ہی پٹائی شروع کر دی کہ میں نے تو زوال کی دعا مانگنے کو کہا تھا اور تو حصول کی دعا مانگ رہا ہے تو پھر مجنوں یہ شعر کہنے لگا

یارب لا تسلبنی حبھا ابدًا ویرحم اللہ عبدًا قال امینا

یعنی اے میرے رب مجھ سے اس کی محبت کبھی بھی زائل مت کر اور اس میری دعا پر جو آمین کہے اس پر رحم فرما۔ یہ تو مدعا کا استشہاد تھا اور قصر کے استشہاد میں دوسرا شعر پیش خدمت ہے،

امین فزاد اللہ ما بیننا بعدا

استشہاد اس میں یہ ہے کہ آمین الف مقصورہ کے ساتھ آیا ہے یہ شعر جبیر ابن الضبط کا ہے یہ شعر اس موقع پر کہا تھا جب اس نے فطحل نامی ایک شخص سے اس کے اونٹ کی درخواست کی تھی لیکن اس نے اونٹ نہیں دیا تب اس نے یہ شعر کہا تھا پورا شعر یہ ہے۔

تباعدا عنی فطحل اذ دعوتہ امین فزاد اللہ ما بیننا بعدا، یعنی فطحل نے مجھ سے گریز کیا اور دوری ظاہر کی جب کہ میں نے اس کو اپنی حاجت کے لئے پکارا خدا کرے ہماری دوری میں اور بھی اضافہ ہو اور اے خدا تو اس دعا کو قبول کر لے۔

اس میں آمین کا لفظ پہلے آیا ہے اور دعا بعد میں ہے حالانکہ ترتیب واقعی اس کے خلاف چاہتی ہے وجہ یہ ہے کہ شاعر کو قبولیت دعا کا زیادہ اہتمام ہے پس اہتمام ہونے کی وجہ سے لفظ آمین کو مقدم کر دیا۔

جمیل غنی عنہ

امام اور مقتدی دونوں آمین سر آ کہیں گے، اور آمین کا صحیح تلفظ

قال ویخفونہا لما روینا من حدیث ابن مسعود ولانہ دعاء فیکون میناہ علی الاخفاء والمد والقصر فیہ وجہان و التشدید فیہ خطاء فاحش

ترجمہ۔ کہا کہ یہ سب لوگ آمین کو آہستہ کہیں ابن مسعود کی اس حدیث کی وجہ سے جو ہم نے روایت کی اور اس وجہ سے کہ آمین دعا ہے پس اس کی بنا اٹھا رہی ہوگی اور آمین میں مد اور قصر دو چیزیں ہیں اور تشدید اس میں فاحش غلطی ہے۔

تشریح

ہمارے نزدیک امام اور مقتدی سب کے لئے آمین آہستہ کہنا مستحسن ہے۔ اور امام شافعی آمین بالجر

شافعی کی دلیل ابو داؤد کی روایت ہے عن وائل بن حجر قال کان رسول اللہ ﷺ اذا قسراً ولا الضالین قال امین و رفع بها صوتہ، اور ترمذی میں ہے و صد بہا صوتہ یعنی وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب ولا الضالین کہتے تو آمین کہتے اور آپ نے آمین کے ساتھ اپنی آواز کو بلند کیا۔

ہماری دلیل حدیث ابن مسعود ہے جو سابق میں گذر چکی یعنی قال اربع یخفیہن الامام التعود وبسم اللہ الرحمن الرحیم واللہم ربنا لک الحمد و امین۔ اور ایک روایت میں ہے خمس یخفیہن الامام اور مذکورہ چار چیزوں کے علاوہ سبحانک اللہم وبحمدک کو بھی ذکر کیا۔ اس روایت سے آمین کو آہستہ کہنا ثابت ہوتا ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ آمین استعجب کے معنی میں دعا ہے اور دعا میں اخفاء ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور اذعوا ربکم تضرعاً و خفیۃ اس لئے آمین میں اخفاء مسنون ہوگا۔

اور امام شافعی کی طرف پیش کردہ حدیث وائل بن حجر کا جواب یہ ہے کہ علقمہ بن وائل نے اپنے باپ وائل سے روایت کی جس میں حفص بہ صوتہ ہے پس تعارض کی وجہ سے وائل کی دونوں روایتیں ناقابل استدلال ہوں گی اور ابن مسعود کی روایت جو ہمارا استدلال ہے الاق استدلال ہوگی۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ آمین کے الف میں مد اور قصر کی دونوں صورتیں جائز ہیں۔ خادم گذشتہ مسئلہ میں فوائد کے تحت بالتفصیل بیان کر چکا ہے اور آمین کی میم و مشدود پر حنافا حاش غلطی ہے بعض کے نزدیک تو مشدود صلوٰۃ ہے لیکن بعض فقہاء کی رائے یہ ہے کہ نماز صلوٰۃ میں ہونے کیونکہ اس کے لفظوں کی نظیر قرآن میں موجود ہے چنانچہ ارشاد ہے ولا امین البیت الحرام۔

رکوع میں جاتے ہوئے تکبیر کہنا

قال ثم یکبر ویرکع و فی الجامع الصغیر و یکبر مع الانحطاط لان النسی علیہ السلام یکبر عند کل حفص و رفع و یحذف التکبیر حذفاً لان المد فی اولہ خطأ من حیث الدین لکنہ استغناء ما و فی اخرہ لحن من حیث اللغۃ

ترجمہ..... کہا پھر تکبیر کہے اور رکوع کرے اور جامع صغیر میں ہے کہ تکبیر کہے جھکاؤ کے ساتھ کیونکہ حضور ﷺ تکبیر کہتے ہر جھکاؤ اور انہما کے اور حذف کرے تکبیر کو اچھی طرح کیونکہ اول تکبیر میں مد کرنا ازراہ دین خطا ہے اس لئے کہ وہ استغناء ہے اور تکبیر کے آخر میں مد کرنا ازراہ لغت لحن ہے۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ قرأت پوری کرنے کے بعد بلا توقف تکبیر کہے اور رکوع کرے یعنی پہلے کہے اور تکبیر کہے پھر رکوع کرے امام قدوری کے نزدیک یہی مذہب صحیح ہے۔ اور جامع صغیر میں ہے کہ رکوع میں جاتے ہوئے تکبیر کہے یعنی رکوع کے لئے جھکتے وقت تکبیر شروع کرے اور رکوع میں پوری کرے امام طحاوی نے کہا کہ یہی صحیح ہے دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ تکبیر کہا کرتے ہر جھکاؤ اور انہما کے وقت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ روایت اس طرح بیان کی ہے کان یکبر فی کل حفص و رفع و قیام و قعود و ابوبکر و عمر یعنی رسول اللہ ﷺ تکبیر کہا کرتے ہر جھکاؤ اور انہما کے اور کھڑے ہونے اور بیٹھنے میں اور ابوبکر اور عمر بھی، اس حدیث سے بھی رکوع میں

جاتے وقت تکبیر کا کہنا ثابت ہوتا ہے۔

شیخ ابوالحسن قدوری نے کہا کہ تکبیر کو حذف کرے یعنی قصر کرے۔ مراد یہ ہے کہ جس جگہ یہ نہیں وہاں مد نہ کرے تفصیل اس کی یہ کہ اللہ اکبر میں اللہ کے اول کو خفف فتحہ دے اور لام کو مد کرے اور باء کو رفع دے۔ اور اکبر کے اول اور باء کو خفف فتحہ دے اور لام کو جزم کرے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر اللہ کے اول میں مد کیا یا اکبر کے اول میں مد کیا تو یہ دینی اعتبار سے غلط ہوگا کیونکہ اس صورت سے استفہام کے معنی پیدا ہوں گے اور پہلی صورت میں آواز ہوگی کیا اللہ بڑا ہے اور دوسری صورت میں آواز ہوگی اللہ کیا بڑا ہے ان دونوں صورتوں میں اللہ کی کبریائی میں شک کرنے والا ہوگا اور اللہ کی کبریائی میں عداوت کرنا کفر ہے۔ (عناہ)

لیکن صاحب ہدایہ نے اس کو خطا کہا ہے نہ کہ کفر البتہ نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور اکبر کے آخر میں مد کرنا یعنی بجائے اکبر کے اکبر جیسا کہ بعض سادہ لوح بنگالی طلبہ کہتے ہیں تو یہ لغت کے اعتبار سے لحن یعنی خطا ہے اس سے بھی نماز فاسد ہو جائے گی۔

رکوع کی کیفیت اور رکوع کی تسبیح

ويعتمد بيسديه على ركبتيه ويفرج بين اصابعه لقوله عليه السلام لأنس إذا ركعت فضع يديك على ركبتيك وفرج بين اصابعك ولا يندب الى التفريح الا في هذه الحالة ليكون امكن من الاخذ ولا يركب الضم الا في حالة السجود وفيما وراء ذلك يترك على العادة ويسط ظهره لان النبي عليه السلام كان اذا ركع بسط ظهره ولا يرفع رأسه ولا ينكسه لان النبي عليه السلام كان اذا ركع لا يصوب رأسه ولا يقنه و يقول سبحان ربى العظيم ثلاثا وذلك ادناه لقوله عليه السلام اذا ركع احدكم فليقل فى ركوعه سبحان ربى العظيم ثلاثا وذلك ادناه اى ادنى كمال الجمع

ترجمہ..... اور اپنے دونوں ہاتھوں کو دونوں گھٹنوں پر رکھے اور اپنی انگلیوں میں کشادگی رکھے کیونکہ حضور ﷺ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا ہے جب تو رکوع کرے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے دونوں گھٹنوں پر رکھ اور اپنی انگلیوں کے درمیان کشادگی پیدا کر اور اس حالت کے علاوہ کسی حالت میں کشادگی مندوب نہیں ہے تاکہ پکڑنا ممکن ہو اور حالت سجدہ کے علاوہ کسی حالت میں انگلیاں مائل (مندوب) نہیں ہے اور مذکورہ حالتوں کے علاوہ میں اپنی عادت پر چھوڑا جائے۔ اور ہموار رکھے اپنی پیٹھ کو اس لئے کہ حضور ﷺ جب رکوع کرتے تو پیٹھ کو برابر ہموار کرتے تھے اور سر نہ اٹھائے اور نہ جھکائے اس لئے کہ حضور ﷺ جب رکوع کرتے تو اپنا سر نہ جھکاتے اور نہ اٹھاتے اور تین بار سبحان ربی العظیم کہے اور یہ ادنی مقدار ہے اس لئے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی رکوع کرے اپنے رکوع میں کہے سبحان ربی العظیم تین مرتبہ اور یہ اس کا مگر درجہ یعنی کمال جمع کا ادنی ہے۔

تشریح..... اس عبارت میں رکوع کرنے کی کیفیت اور رکوع کی تسبیح کا بیان ہے چنانچہ رکوع کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ نمازی اپنے دونوں ہاتھوں سے دونوں گھٹنے پکڑے اور ہاتھوں کی انگلیوں کے درمیان کشادگی رکھے اور دونوں پنڈلیوں کو قائم رکھے۔ دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو خدمت کیا کرتے تھے فرمایا کہ اسے پسر جب تو رکوع کرے دونوں ہاتھوں کو دونوں گھٹنوں پر رکھ اور اپنی انگلیوں کے درمیان کشادگی رکھ۔

صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ رکوع کی حالت میں انگلیوں کو کشادہ رکھنا مندوب و مستحب ہے تاکہ انگلیوں سے گھٹنے کا پکڑنا ممکن ہو سکے اور حالت رکوع کے علاوہ میں انگلیوں کا کشادہ رکھنا مندوب نہیں ہے اور تجدد کی حالت میں ہاتھ کی انگلیوں کا ملانا مستحب ہے تاکہ انگلیوں کے سرے قبلہ کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ ان دونوں حالتوں کے علاوہ میں انگلیاں اپنی عادت پر چھوڑ دی جائیں گی یعنی ان کو نہ ملایا جائے اور نہ کشادہ کیا جائے بلکہ وضع طبعی پر رکھی جائیں۔ رکوع کی حالت میں پیٹھ کو اس قدر ہموار اور برابر رکھا جائے کہ اگر اس کی پیٹھ پر پانی بھرا پیالہ رکھیں تو ٹھہرا رہے۔

دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ جب رکوع کرتے تو اپنی پیٹھ کو ہموار اور برابر کرتے تھے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ہے کہ انہ کان یعتدل لو وضع علی ظہرہ قدح ماء تستقر یعنی حضور ﷺ اپنی پیٹھ کو اس قدر ہموار اور برابر رکھتے تھے کہ اگر آپ کی پیٹھ پر پانی سے بھرا پیالہ رکھ دیا جائے تو وہ ٹھہرا رہے اور وایصہ بن معبد کی حدیث میں ہے کہ سوی ظہرہ حتی لو صب علیہ الماء الاستقر یعنی اپنی پیٹھ کو ہموار کرتے تھے حتیٰ کہ اگر اس پر پانی بہایا جائے تو ٹھہرا جائے۔

صاحب قدوری کہتے ہیں کہ رکوع کی حالت میں سر نہ اونچا رکھے اور نہ جھکائے یعنی سرین سے سطح ہموار رکھے۔ دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ جب رکوع کرتے تو اپنا سر نہ جھکاتے اور نہ اونچا کرتے۔

حالت رکوع کی تسبیح یہ ہے کہ تین مرتبہ سبحان ربی العظیم کہے تو تین بار کہنا کم سے کم مقدار ہے ورنہ پانچ بار سات بار یا اس سے زائد کہے۔ دلیل حضور ﷺ کا قول اذا رکع احدکم فلیقل فی رکوعہ سبحان ربی العظیم ثلاثا ہے یعنی جب تم میں سے کوئی رکوع کرے تو اپنے رکوع میں تین بار سبحان ربی العظیم کہے اور تین بار کہنا کمال جمع کا کمتر درجہ ہے۔

امام رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے سمع اللہ لمن حمدہ کہے اور مقتدی

ربنا لک الحمد کہے..... اقوال فقہاء و دلائل

ثم یرفع رأسہ و یقول سمع اللہ لمن حمدہ، و یقول المؤمن ربنا لک الحمد، و لایقولہا الامام عند ابی حنیفۃ، و قال لایقولہا فی نفسہ لما روی ابو ہریرۃ ان النبی علیہ السلام کان یجمع بین الذکرین، ولانہ حرّض غیرہ فلا ینسی نفسہ، و لابی حنیفۃ قولہ علیہ السلام: اذا قال الامام سمع اللہ لمن حمدہ قولوا ربنا لک الحمد، ہذہ قسمۃ وانہا تنافی الشرکۃ، ولہذا لایاتی المؤمن بالتسمیع عندنا، خلافاً للشافعی، ولانہ یقع تحمیدہ بعد تحمید المقتدی، وهو خلاف موضوع الامامۃ، وما رواہ محمول علی حالۃ الانفراذ و المنفرد یجمع بینہما فی الاصح، وان کان یروی الاکتفاء بالتسمیع، ویروی بالتحمید و الامام بالدلالۃ علیہ اتی بہ معنی،

ترجمہ..... پھر اپنا سر اٹھائے اور کہے سمع اللہ لمن حمدہ اور مقتدی ربنا لک الحمد کہے۔ اور ابو حنیفہ کے نزدیک امام اس کو نہ کہے۔ اور صاحبین نے کہا کہ امام بھی اس کو آہستہ کہے کیونکہ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کی ہے کہ حضور ﷺ دونوں ذکر کو جمع کرتے تھے اور اس وجہ سے کہ اس نے غیر کو آمادگی دلائی لہذا اپنے آپ کو فراموش نہ کرے گا۔ اور ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم ربنا لک الحمد کہو۔ یہ تقسیم ہے اور تقسیم شرکت کے منافی ہے اس لیے

نزدیک مقتدی سمع اللہ من حمدہ نہیں کہے گا۔ امام شافعی کا اختلاف ہے اور اس وجہ سے کہ امام کا تحمید کہنا مقتدی کی تحمید کے بعد واقع ہوگا اور یہ امامت کے موضوع کے خلاف ہے اور ابو ہریرہ کی روایت حالت انفراد پر مجہول ہے اور منہ دونوں ذکر جمع کر کے اصح روایت میں۔ اگرچہ امام صاحب سے مروی ہے کہ (منفرد) سمع اللہ من حمدہ پر اکتفاء کرے اور روایت کیا جاتا ہے کہ فقط ربنا لک الحمد پر اکتفاء کرے اور امام تحمید پر دلالت کرنے کی وجہ سے اس کو معنی لایا۔

تشریح..... سمع اللہ لمن حمدہ کے معنی ہیں قبل اللہ حمد من حمدہ یعنی جس نے اللہ کی حمد کی اللہ اس کی حمد قبول کرے حاصل یہ کہ جملہ قبولیت حمد کی دعاء ہے اور سماع کا لفظ قبول کے معنی میں استعمال بھی کیا جاتا ہے جیسے حاکم اگر کسی کی درخواست قبول کرے تو کہا جاتا ہے سمع الامیر کلام فلان حمدہ ہیں ہاںہاں کہتے کے لئے ہے یا ہاں کہنا یہ ہے دونوں قول میں لیکن اول ثقات سے منقول ہے۔ حاصل مسئلہ یہ ہے کہ اطمینان کے ساتھ رکوع کرنے کے بعد اپنا سر اٹھاتے ہوئے کہے سمع اللہ لمن حمدہ اگر امام ہے تو بالا جماع اس پر کہے اور جبر کرے اور اگر مقتدی ہے تو ربنا لک الحمد کہے اظہر روایت یہی ہے اور ربنا و لک الحمد اور اللهم ربنا لک الحمد بھی مروی ہے۔ (عناویہ)

اس بارے میں اختلاف ہے کہ امام ربنا لک الحمد کہے یا نہ کہے۔ پس حضرت امام ابو حنیفہ کا قول یہ ہے کہ امام اس کو نہ کہے اور صاحبین نے کہا کہ امام بھی اس کو آہستہ کہے۔ صاحبین کی دلیل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے کان النبى اذا قام الى الصلاة تكبير حين يقوم ثم يكبر حين يركع ثم يقول سمع الله لمن حمده حين يرفع صلبه من الركوع ثم يقول وهو قائم ربنا و لک الحمد ثم يكبر حين يهوى ساجدا. الحدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ جب نماز کے لئے ارادہ فرماتے تو تکبیر کہتے جس وقت کھڑے ہوتے پھر جس وقت رکوع کرتے تو تکبیر کہتے پھر جس وقت اپنی پیٹھ رکوع سے اٹھاتے تو سمع اللہ لمن حمدہ کہتے پھر کھڑے ہو کر ربنا و لک الحمد کہتے پھر تکبیر کہتے جس وقت کہ جہد ہو چکے۔ (فتح القدیر) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ دونوں ذکر (سمع اللہ لمن حمدہ ربنا لک الحمد) جمع فرماتے تھے اور آپ بالعموم امامت فرماتے تھے پس ثابت ہو گیا کہ امام دونوں ذکر جمع کرے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ امام نے سمع اللہ لمن حمدہ کہہ کر دوسروں کو ابھارا ہے لہذا اپنے آپ کو بھی فراموش نہ کرے یعنی جب امام نے کہا کہ جس نے اللہ کی حمد کی اللہ تعالیٰ نے اس کی تعریف سنی تو اس کا مقصود یہ ہے کہ ایسا ضرور کرو تو خود بھی کرے گا اور اپنے آپ کو محروم نہ رکھے گا ورنہ اتأمرون بالناس بالبر وتنسون أنفسکم کی وعید کے تحت داخل ہوگا۔

امام ابو حنیفہ کی دلیل حضور ﷺ کا قول اذا قال الامام سمع اللہ لمن حمدہ فقوالوا ربنا لک الحمد ہے وجہ استدلال یہ ہے کہ حضور نے امام اور مقتدی کے درمیان تقسیم فرمائی ہے کہا امام تم سب کہے اور مقتدی تحمید کہے اور تقسیم شرکت کے منافی ہے اسوجہ سے امام تحمید کے اندر مقتدی کی مانند شریک نہیں ہوگا یہی وجہ ہمیکہ ہمارے نزدیک مقتدی سمع اللہ لمن حمدہ نہیں کہے گا اگر امام شافعی کا اختلاف ہے دوسری دلیل یہ ہے کہ اگر امام ربنا لک الحمد کہے تو اسکی یہ تحمید مقتدی کی تحمید کے بعد واقع ہوگی کیونکہ مقتدی ربنا لک الحمد اسوقت کہے گا جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کہے گا اور اسطرطہ یا شبرا امام کا ربنا لک الحمد کہنا مقتدی کے ربنا لک الحمد کہنے کے بعد واقع ہوگا اور یہ امامت کے موضوع کے خلاف ہے

کیونکہ امام کو پہلے کہنا چاہئے تھا اور مقتدی کو بعد میں اور یہاں برعکس ہے اور صاحبین کی پیش کردہ حدیث ابو ہریرہ کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث حالت انفرادی پر معمول ہے اور اصح قول کے مطابق منفرذ کا حکم یہی ہے کہ وہ سمع اللہ لمن حمدہ پر اکتفاء کرے دوم یہ کہ فقط وبنالک الحمد پر اکتفاء کرے۔ اول کی وجہ یہ ہے کہ امام فقط سمع اللہ لمن حمدہ پر اکتفاء کرتا ہے اور منفرذ بھی اپنے حق میں امام ہے کیونکہ جس طرح امام پر قرأت واجب ہے اسی طرح منفرذ پر بھی قرأت واجب ہے۔

اور دوسری روایت کی وجہ یہ ہے کہ منفرذ اگر دونوں ذکر یعنی تسبیح اور تحمید کو جمع کرے گا تو تحمید اعتدال یعنی قومہ کی حالت میں واقع ہو گی۔ حالانکہ ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہوتے وقت اعتدال کی حالت میں کوئی ذکر مسنون مشروع نہیں کیا گیا جیسے دو سجدوں کے درمیان قعدہ کی حالت میں کوئی ذکر مسنون مشروع نہیں ہے اس لئے کہا گیا کہ منفرذ سمع اللہ لمن حمدہ نہ کہے بلکہ فقط وبنالک الحمد پر اکتفاء کرے۔

دوسری روایت کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ میں نے ابو حنیفہ سے دریافت کیا کہ جو شخص فرض نماز میں اپنا سر رکوع سے اٹھاتا ہے کیا وہ اللھم اغفر لی کہہ سکتا ہے آپ نے فرمایا کہ وبنالک الحمد کہے اور سکوت کرے اور ایسے ہی دو سجدوں کے درمیان سکوت کرے۔

قول اصح کی دلیل حدیث صحیح ہے کہ حضور ﷺ دونوں ذکر یعنی تسبیح اور تحمید کو جمع فرماتے تھے صاحبین کی عقلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ جب امام نے سمع اللہ لمن حمدہ کہا تو اس نے مقتدیوں کو وبنالک الحمد کہنے کے لئے آمادہ کیا پس الادل علی الخیر کفاعدل کے مطابق گویا امام بھی معنی اس کو کہنے والا ہوا اس لئے امام اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم کی وعید کے تحت داخل نہیں ہوگا۔

قومہ کا حکم، سجدہ میں جانے اور اس سے اٹھنے کا طریقہ اور جلسہ کا حکم، اقوال فقہاء وولائل

قال ثم اذا استوی قائما کبر و سجد اما التکبیر و السجود فلما بینا و اما الاستواء قائما فلیس بفرض و کذا الجلسة بین السجودین و الطمانینۃ فی الرکوع و السجود و لهذا عند ابی حنیفہ و محمد و قال ابو یوسف بفرض ذلك کله و هو قول الشافعی لقوله علیه السلام قم فصل فانک لم تصل قاله لاعرابی حین اخف الصلوٰۃ ولهما ان الرکوع هو الانحناء و السجود هو الانحفاض لغة فیتعلق الرکبة بالادنی فیہما و کذا فی الانتفال اذ هو غیر مقصود و فی اخر ما روى تسميته اياه صلوٰۃ حیث قال و ما نقصت من هذا شیئا فقد نقصت من صلاتک ثم القومہ و الجلسة سنة عندهما و کذا الطمانینۃ فی تخریج الجرجانی و فی تخریج الکرخی واجبة حتی تجب سجودتا السهو بتر کھا عنده

ترجمہ۔ کہا کہ پھر جب سیدھا کھڑا ہو جائے تو تکبیر کہے اور سجدہ کرے۔ بہر حال تکبیر و سجود تو اسی دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے۔ اور رکوع سے سیدھا کھڑا ہونا تو یہ فرض نہیں ہے اور یوں ہی دو سجدوں کے درمیان بیٹھنا اور رکوع اور سجود میں طمانینت (فرض نہیں ہے) اور یہ امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک ہے اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ یہ سب فرض ہیں اور یہی امام شافعی کا قول ہے کیونکہ حضور ﷺ نے

ایک اعرابی کو جس وقت اس نے نماز میں تخفیف کی تھی فرمایا تھا کہ کھڑے ہو کر پھر نماز پڑھ کہ تو نے نماز نہیں پڑھی۔ طرفین کی دلیل یہ کہ لغت میں رکوع جھلکانا اور سجود پست ہونا ہے پس رکبیت ان دونوں میں ادنیٰ کے ساتھ متعلق ہوگی اور ایسے ہی انتقال میں اس لئے مقصود نہیں ہے اور حدیث اعرابی کے آخر میں اس کا نام نماز رکھا ہے چنانچہ کہا کہ جو کچھ اس میں سے کسی کی تو تیری نماز میں سے کسی کی پھر قوم اور جلسہ طرفین کے نزدیک سنت ہے اور جرجانی کی تخریج کے مطابق طمانیت کا بھی یہی حال ہے اور امام کرخی کی تخریج کے مطابق طمانیت واجب ہے حتیٰ کہ کرخی کے نزدیک ترک طمانیت سے دو سجدے سب کے واجب ہوں گے۔

تشریح

مسئلہ یہ ہے کہ نمازی جب رکوع سے سیدھا کھڑا ہو گیا تو تکبیر کہتا ہو اسجدے میں چلا جائے۔ دلیل سابق میں گذر چکی کہ اللہ علیہ السلام کان یکبر عند کل خفض و رفع اور سجدہ پر اول باب میں باری تعالیٰ کے قول و ارکعوا و اسجدوا سے استدلال ہے۔ صاحب ہدایہ نے کہا کہ تعدیل ارکان یعنی رکوع کے بعد سیدھا کھڑا ہونا جس کو قوم کہتے ہیں دو سجدوں کے درمیان بیٹھنا اور رکوع سجدہ میں طمانیت یعنی کچھ دیر بٹھرنا طرفین کے نزدیک فرض نہیں ہے اور امام ابو یوسف کے نزدیک تعدیل ارکان فرض ہے اسی کے قائل شافعی ہیں ثمرہ اختلاف یہ ہے کہ تعدیل ارکان کے بغیر طرفین کے نزدیک نماز جائز ہوگی لیکن امام ابو یوسف کے نزدیک جائز نہیں ہوگی۔ امام ابو یوسف کی دلیل حدیث اعرابی ہے۔ اعرابی کا نام خالد بن رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے صحیحین میں یہ حدیث ان الفاظ ساتھ مروی ہے ان اعرابیا دخل المسجد فصلى ركعتين ثم جاء فسلم على النبي صلى الله عليه وسلم فقال له ارجع فصل فانك لم تصل فارجع فصلى كما صلى ثم جاء فسلم على النبي فقال له ارجع فصل فانك لم تصل فقال له في الثالثة والذي بعثك بالحق ما احسن غيره فعلمني فقال له النبي اذا قمت الى الصلاة فذكر ثم اقرا ما تيسر معك من القرآن ثم اركع حتى تطمئن راكعا ثم ارفع حتى تعتدل قائما ثم اسجد حتى تطمئن ساجدا ثم ارفع حتى تطمئن جالسا ثم افعل ذلك في صلاتك كلها حتى تقضيها یعنی ایک اعرابی نے مسجد میں نماز پڑھی پھر آ کر حضور کو سلام کیا حضور نے اس سے کہا کہ واپس جا کر نماز پڑھ کیونکہ تو نے نماز نہیں پڑھی یعنی تیری نماز نہیں ہوئی۔ پس اس نے واپس جا کر پہلے کی طرح نماز پڑھی پھر آیا اور اللہ کے پاک رسول اللہ کی خدمت میں سلام پیش کیا آپ نے اس سے پھر کہا کہ واپس جاؤ نماز پڑھو کیونکہ تیری نماز نہیں ہوئی۔ پس اس اعرابی نے تیسری بار میں حضور سے کہا کہ اس ذات کی جس نے آپ کو نبی برحق بنا کر مبعوث فرمایا اس کے علاوہ کیا صورت بہتر ہے آپ مجھے اس کی تعلیم دیجئے۔ حضور نے اس سے کہا کہ جب تو نماز کے لئے کھڑا ہو تو تکبیر کہہ پھر ما يجوز به الصلوٰۃ قرآن کی قرأت کر پھر رکوع کر یہاں تک کہ رکوع کی حالت میں اطمینان ہو جائے پھر اس کو اپنی پوری نماز میں کر یہاں تک کہ نماز پوری کرے۔

اس حدیث سے اس طور پر استدلال ہوگا کہ تعدیل ارکان ترک کر دینے کی وجہ سے حضور نے نماز کی نفی فرمائی ہے چنانچہ فرماں فسانک لم تصل اور یہ شان فرض کی ہوتی ہے کیونکہ فرض کے علاوہ کا منشی ہونا نماز کی نفی کو مستلزم نہیں ہے پس ثابت ہوا کہ نماز کے تعدیل ارکان فرض ہے۔

طرفین کی دلیل باری تعالیٰ کا قول و ارکعوا و اسجدوا ہے بایں طور کہ رکوع کہتے ہیں مطلقاً جھلکانا اور سجدہ کہتے ہیں پست ہونا یعنی زمین پر بیٹھنا یعنی کونے کو پس نفس رکوع اور نفس سجدہ فرض ہوا اور آیت سے یہی مطلوب ہے۔ اور چونکہ یہ آیت رکوع اور سجدہ کے

پر اہانت کرنے میں خاص ہے اور خاص محتاج بیان نہیں ہوتا اس لئے حدیث اعرابی اس آیت کے لئے بیان واقع نہیں ہو سکتی۔ اور اگر آپ کہیں کہ اس آیت کو حدیث اعرابی سے منسوخ مان لیا جائے تو ہم کہیں گے کہ یہ بھی ممکن نہیں اس لئے کہ یہ حدیث خبر واحد ہے اور خبر واحد سے کتاب اللہ کو منسوخ نہیں کیا جاسکتا پس ثابت ہوا کہ مطلقاً جھگٹنا اور زمین پر پیشانی ٹیکنا فرض ہے (تفصیل نور الانوار میں دیکھ لی جائے) جمیل احمد۔

وفی ماروی الخ سے حدیث اعرابی کا جواب ہے جو اب کا حاصل یہ ہے کہ اعرابی نے نماز کی شکل میں جو کچھ کیا تھا حضور ﷺ نے اس کو نماز کے ساتھ موسوم کیا ہے چنانچہ اسی حدیث اعرابی کے آخر میں یہ الفاظ مروی ہیں وَمَا نَقَصَتْ مِنْ هَذَا شَيْءٍ فَقَدْ نَقَصَتْ مِنْ صَلَاتِكَ یعنی تو نے جو کچھ ان چیزوں میں کمی کی تو تیری نماز میں کمی ہو گئی۔

پس اگر تعدیل ارکان کو ترک کرنا مفسد نماز ہوتا ہے تو آپ ﷺ اس کو صلوٰۃ (نماز) کے ساتھ موسوم نہ فرماتے جیسا کہ اگر رکوع یا سجدہ کو ترک کر دیا گیا تو نماز فاسد ہو جاتی ہے اور اس کو نماز نہیں کہا جاتا پس معلوم ہوا کہ ترک تعدیل سے نماز میں نقصان تو آتا ہے مگر نماز فاسد نہیں ہوتی اور ظاہر ہے کہ فرض کی یہ شان نہیں ہے پس حدیث اعرابی سے بھی تعدیل ارکان کی فرضیت ثابت نہیں ہوتی۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ قومہ اور دو سجدوں کے درمیان جلسہ با تفاق مشائخ طرفین کے نزدیک سنت ہیں اور رکوع اور سجدہ میں طہانیت کا حکم ہو اس کی تخریج میں اختلاف ہے چنانچہ امام ابو عبد اللہ الجرجانی کی تخریج یہ ہے کہ طہانیت بھی مسنون ہے اور امام کرخی نے تخریج کی کہ یہ واجب ہے حتیٰ کہ امام کرخی کے نزدیک ترک طہانیت سے سہو کے دو سجدے واجب ہوں گے جرجانی کے قول کی وجہ یہ ہے کہ یہ طہانیت تکمیل رکن کے لئے مشروع کی گئی ہے اور جو چیز تکمیل رکن کے واسطے مشروع ہو وہ سنت ہوتی ہے لہذا یہ طہانیت بھی سنت ہوگی۔

اور امام کرخی کے قول کی وجہ یہ ہے کہ یہ طہانیت رکن مقصود بنفسہ کے لئے مشروع کی گئی ہے اور جو چیز ایسی ہو وہ واجب ہوتی ہے اس لئے یہ طہانیت واجب ہوگی۔

سجدہ کی کیفیت (طریقہ)

ويعتمد ببديه على الارض لان وائل بن حجر وصف صلاة رسول الله ﷺ فسجد وادعم على راحتيه ورفع عنجزته ووضع وجهه بين كفيه وبديه حذاء أذنيه لماروى انه عليه السلام فعل كذلك

ترجمہ۔ اور اپنے دونوں ہاتھ زمین پر رکھ دے کیونکہ وائل بن حجر نے رسول اللہ ﷺ کی نماز کو بیان کیا تو سجدہ کیا اور ٹیک کیا دونوں ہتھیلیوں پر اور سرین کو اونچا رکھا اور اپنا چہرہ دونوں ہتھیلیوں کے بیچ میں رکھے اور دونوں ہاتھوں کو دونوں کانوں کے مقابل رکھے کیونکہ روایت کیا گیا کہ حضور ﷺ نے ایسا کیا۔

تشریح۔ اس عبارت میں سجدہ کی کیفیت کا بیان ہے چنانچہ فرمایا کہ سجدہ کی کیفیت یہ ہے کہ دونوں ہاتھ زمین پر ٹیک دے اور چہرہ دونوں ہتھیلیوں کے درمیان اور دونوں ہاتھ کانوں کے مقابل رکھے دلیل وائل بن حجر کی حدیث ہے حضرت وائل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

رسول اللہ ﷺ کی نماز کی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرمایا فسجدوا دعم علی راحتیہ و رفع عجیزتہ یعنی آپ نے سجدوں کے دونوں ہتھیلیاں زمین پر رکھ دیں اور سرین کو اونچا کیا۔ اور وائل بن حجر ہی سے مروی ہے قال رمقت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلما سجد وضع یدہ حداء اذنیہ فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا پس جب آپ نے سجدہ کیا تو اپنے دونوں ہاتھوں کے مقابل رکھے۔

نیز ابواسحاق کہتے ہیں کہ میں نے براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا میں کمان النبی ﷺ یضع جہتہ اذا صلا قال بین کفیدہ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز پڑھتے تو اپنی پیشانی کہاں رکھتے تھے فرمایا کہ دونوں ہتھیلیوں کے درمیان۔

ناک اور پیشانی پر سجدہ کرنے، کسی ایک پر اکتفاء کرنے کا حکم، اقوال فقہاء و دلائل

قال و سجد علی انفہ وجہتہ، لان النبی علیہ السلام و اظہ علیہ فان اقتصر علی احدہما جاز عندہ حنیفۃ، و قال لا یجوز الاقتصار علی الانف الا من عذر و هو روایۃ عنہ، لقولہ علیہ السلام امرت ان اسجد علی سبعة اعظم و عند منہا الجبۃ و لابی حنیفۃ ان السجود یتحقق بوضع بعض الوجہ المأمور بہ الا الخد و الذقن خارج بالاجماع و المذکور فیما روی الوجہ فی المشہور و وضع الیدین و الکرکتین سنة عندہ لیتحقق السجود دونہا و اما وضع القدمین فقد ذکر القدوری انه فریضۃ فی السجود

ترجمہ..... کہا کہ سجدہ کرے اپنی ناک اور پیشانی پر کیونکہ حضور ﷺ نے اس پر مواخبت کی پھر اگر ان دونوں میں سے کسی ایک پر اکتفاء تو ابوحنیفہ کے نزدیک جائز ہے اور صاحبین نے کہا کہ ناک پر اکتفاء کرنا جائز نہیں ہے مگر عذر کی وجہ سے یہی امام صاحب سے ایک روایت ہے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سات ہڈیوں پر سجدہ کروں اور ان میں سے شمار کیا پیشانی کو اور ابوحنیفہ کی دلیل ہے کہ سجدہ بعض چہرہ رکھنے سے متحقق ہو جاتا ہے اور یہی نبی مامور بہ ہے لیکن گال اور ٹھوڑی بالا جماع خارج ہیں اور روایت مشہورہ میں مذکور وجہ (چہرہ) ہے اور ہاتھوں اور گھٹنوں کا رکھنا ہمارے نزدیک سنت ہے کیونکہ بغیر ان دونوں کے سجود متحقق ہو جاتا ہے اور ربا دونوں قدم رکھنا تو قدوری نے ذکر کیا کہ یہ سجود میں فرض ہے۔

تشریح..... صاحب عنایہ نے لکھا ہے کہ سجدہ کی کیفیت اور سجدہ سے کھڑا ہونے کی کیفیت کے بارے میں ضابطہ یہ ہے کہ جو عضو زمین سے قریب تر ہو سجدہ کرتے وقت سب سے پہلے اس کو زمین پر رکھے اور جو عضو آسمان سے اقرب ہو سب سے پہلے اس کو اٹھائے پس اس کیفیت سجود یہ ہوگی کہ اولاً زمین پر دونوں گھٹنے رکھے پھر دونوں ہاتھ پھر چہرہ اور بعض نے کہا کہ ہاتھ رکھنے کے بعد ناک رکھے پھر پیشانی رکھے اور اٹھتے وقت ترتیب یہ ہوگی کہ پہلے اپنا چہرہ اٹھائے پھر دونوں ہاتھ پھر دونوں گھٹنے۔

عبارت کا حاصل یہ ہوا کہ ناک اور پیشانی دونوں پر سجدہ کرے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے ہمیشہ اسی طرح سجدہ کیا ہے۔ اور اگر ایک پر اکتفاء کیا تو اس کی دو صورتیں ہیں،

(۱) یہ کہ فقط پیشانی پر سجدہ کرے۔ (۲) یہ کہ فقط ناک پر سجدہ کرے۔

پہلی صورت میں ہمارے علماء احناف کا سجدہ کے جواز پر اتفاق ہے اور دوسری صورت میں امام ابوحنیفہ کے نزدیک مع الکرہت جائز

ہے۔ اور صحابین نے کہا کہ بلا عذر ناک پر اکتفاء کرنا جائز نہیں ہے ہاں اگر کوئی عذر ہو تو شرعاً جائز ہے۔
صحابین کی دلیل وہ حدیث ہے جو کتب ستہ میں مذکور ہے

عن ابن عباس قال قال رسول اللہ ﷺ امرت ان اسجد علی سبعة اعظم علی الجہمۃ والیدین والر
کتین و اطراف القدمین

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ حضور ﷺ نے مجھے حکم دیا گیا کہ میں سجدہ کروں سات ہڈیوں پر پیشانی پر دونوں ہاتھوں دونوں گھٹنوں اور دونوں قدموں کے پوروں پر۔

وجہ استدلال یہ ہے کہ جن سات ہڈیوں پر سجدہ کا حکم دیا گیا ان میں ناک کا ذکر نہیں ہے اس وجہ سے ثابت ہوا کہ ناک محل سجدہ نہیں ہے اور جب ناک محل سجدہ نہیں ہے تو ناک پر اکتفاء کرنا بھی درست نہیں ہوگا۔

امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ قرآن پاک میں مطلقاً سجدہ کا حکم دیا گیا ہے اور سجدہ بعض چہرہ رکھنے سے متحقق ہو جاتا ہے کیونکہ پورے چہرے کا رکھنا ناممکن ہے اس لئے کہ ناک اور پیشانی ایسی ابھری ہوئی ہڈیاں ہیں جو پورے چہرے کو زمین پر رکھنے سے مانع ہیں بہر حال جب پورے چہرے کا زمین پر رکھنا معتذر ہے تو بعض چہرے کا زمین پر رکھنا مامور بہ ہوگا لیکن گال اور ٹھوڑی بالا جماع خارج ہیں یعنی آیت اپنے اطلاق کی وجہ سے اگرچہ ان کو بھی شامل ہے لیکن بالا جماع آیت میں مراد نہیں ہیں کیونکہ سجدہ سے مراد تعظیم ہے اور گال اور ٹھوڑی زمین پر رکھنے سے تعظیم مشروع نہیں ہوئی اس لئے یہ دونوں سجدہ کے مفہوم سے خارج ہوں گے۔

پس اب ناک اور پیشانی باقی رہ گئے اور یہ دونوں سجدہ کا محل ہیں اس لئے ان دونوں پر سجدہ کرنا جائز ہے اور چونکہ پیشانی پر اکتفاء کرنا جائز ہے اس لئے ناک پر بھی اکتفاء کرنا جائز ہوگا۔

والمذکور فیما روی الخ سے صحابین کی دلیل کا جواب ہے جو اب کا حاصل یہ ہے کہ مشہور روایت میں بجائے جہمہ کے وجہ مذکور ہے چنانچہ سنن اربعہ میں حضرت عباس بن عبدالمطلب سے مروی ہے انہ سمع رسول اللہ ﷺ یقول اذا سجد العبد سجد معہ سبعة ارباب وجہہ و کفہہ و رکتاہ و قدماہ یعنی حضور ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ بندہ جب سجدہ کرتا ہے تو اس کے ساتھ سات اعضاء سجدہ کرتے ہیں اس کا چہرہ اس کی ہتھیلیاں اس کے گھٹنے اور اس کے دونوں قدم اس حدیث میں وجہ مذکور ہے اور سابق میں گذر چکا کہ جب سے ناک اور پیشانی دونوں مراد ہیں اس لئے ہم نے کہا کہ سجدہ کے حکم میں ناک اور پیشانی دونوں برابر ہیں۔

ہاتھوں و گھٹنوں کا زمین پر رکھنا مسنون ہے۔ صاحب ہدایہ نے کہا کہ ہمارے نزدیک ہاتھوں اور گھٹنوں کا زمین پر رکھنا مسنون ہے۔ امام زفر امام شافعی اور فقیہ ابواللیث نے کہا کہ یہ واجب ہے ان حضرات کی دلیل حضور ﷺ کا قول امرت ان اسجد الخ ہے۔ وجہ استدلال یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ مجھے سات ہڈیوں پر سجدہ کرنے کا امر فرمایا گیا ہے اور امر کا موجب وجوب ہے پس معلوم ہوا کہ سجدہ میں ساتوں اعضاء کو زمین پر رکھنا واجب ہے اور ان سات اعضاء میں ہاتھ اور دونوں گھٹنے بھی ہیں اس وجہ سے دونوں ہاتھ اور دونوں گھٹنے زمین پر رکھنا واجب ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ دونوں ہاتھ اور دونوں گھٹنے زمین پر رکھے بغیر سجدہ کرنا ممکن ہے اس لئے ان کا زمین پر رکھنا سجدہ کے مفہوم میں

داخل نہیں ہوگا۔ اور حدیث کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث فقط اس پر دلالت کرتی ہے کہ یہ سات اعضاء سجدہ کا محل ہیں اس پر کوئی دلالت نہیں کہ ان تمام کا زمین پر رکھنا لازم ہے۔ اور رہا یہ کہ حدیث میں امرت کا لفظ آیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ امر جس طرح وجوب کے آتا ہے اسی طرح ندب کے لئے بھی آتا ہے ہو سکتا ہے کہ یہاں امر وجوب کے لئے مستعمل نہ ہو۔

رہا یہ کہ سجدہ میں دونوں قدموں کو زمین پر رکھنے کا کیا حکم ہے سو اس بارے میں امام قدوریؒ نے ذکر کیا کہ سجدہ میں دونوں قدموں کو زمین پر رکھنا فرض ہے چنانچہ اگر سجدہ کیا اور بیروں کی انگلیوں کو زمین سے اوپر اٹھالیا تو جائز نہیں ہوگا۔ امام کرنیؒ اور ابو بکر جصاصؒ بھی اس کے قائل ہیں۔

اور اگر ایک قدم زمین پر رکھا اور ایک زمین سے اٹھالیا تو یہ جائز ہے۔ اور قاضی خاں نے مع الکرابت جائز قرار دیا ہے۔ امام ترمذیؒ نے کہا کہ عدم فرضیت میں دونوں ہاتھ اور دونوں قدم برابر ہیں۔

پگڑی کے بل پر اور فاضل کپڑے پر سجدہ کرنے کا حکم

فان سجد علی کور عمامتہ او فاضل ثوبہ جاز لان النبی علیہ السلام کان یسجد علی کور عمامتہ ویر علیہ السلام صلی فی ثوب واحد یتقی بفضولہ حر الارض وبردھا

ترجمہ..... پھر اگر نمازی نے عمامہ کے بیچ پر یا فاضل کپڑے پر سجدہ کیا تو جائز ہے کیونکہ حضور ﷺ اپنے عمامہ کے بیچ پر سجدہ کیا کرتے تھے اور روایت کیا جاتا ہے کہ حضور نے ایک کپڑے میں نماز پڑھی کہ اس کے فاضل سے زمین کی حرارت اور بردت کو بچاتے تھے۔

تشریح..... مسئلہ ہمارے نزدیک عمامہ کے بیچ پر یا فاضل کپڑے پر سجدہ کرنا جائز ہے اور حضرت امام شافعیؒ نے کہا کہ عمامہ کے بیچ پر سجدہ کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ ان کے نزدیک سجدہ کے وقت پیشانی کا کھلا رہنا واجب ہے۔ ہماری دلیل ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث ہے ان النبی ﷺ کان یسجد علی کور عمامتہ یعنی حضور ﷺ اپنے عمامہ کے بیچ پر سجدہ کرتے تھے عبد اللہ بن ابی اوفی سے مروی ہے قال رایت رسول اللہ ﷺ یسجد علی کور عمامتہ عبد اللہ بن ابی اوفی کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ اپنے عمامہ کے بیچ پر سجدہ کیا کرتے تھے دوسری دلیل یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے ان النبی ﷺ صلی فی ثوب واحد یتقی بفضولہ حر الارض وبردھا یعنی حضور ﷺ نے ایک کپڑے میں نماز پڑھی آپ اس کے فاضل سے زمین کی حرارت اور بردت کو بچاتے تھے۔

ایک روایت حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کان نصلی مع النبی ﷺ فی شدة الحر فاذا لم یستطع احدنا ان یمکن وجہہ من الارض بسط ثوبہ فسجد علیہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ہم لوگ حضور ﷺ کے ساتھ سخت گرمی میں نماز پڑھتے سو جب ہم میں سے کوئی قابو نہ پاتا کہ چہرہ کو زمین پر ٹیکے تو اپنا کپڑا اچھا کر اس پر سجدہ کرتا۔

دونوں بازوؤں کو سجدہ میں کشادہ رکھے

ویسعی ضبعہ لقولہ علیہ السلام وابد ضبعیک ویروی وابد من الإبداد وهو المد والیقول من الإبداء وهو الإظهار

ترجمہ..... اور کشادہ کر دے اپنے دونوں بازو کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ظاہر کر اپنے بازوؤں کو اور روایت کیا جاتا ہے کہ ابد ابد اسے نونہ معنی میں کھینچنا اور اول ابداء سے ہے معنی میں ظاہر کرنا۔

تشریح..... مسئلہ سجدہ کی حالت میں نمازی اپنے بازو ظاہر کرے یعنی کشادہ کرے درندے کی طرح زمین پر نہ بچھائے دلیل یہ روایت ہے عن ادم بن علی البکری قال رانی ابن عمر وانا اصلی لانتجافی عن الارض بذراعی فقال یا ابن اخی لانتسط بسط السبع وادعم علی راحتیک وابد ضعیک فانک اذا فعلت ذلک سجد کل عضو منک

آدم بن علی البکری نے کہا کہ مجھے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے دیکھا اس حال میں کہ میں نماز پڑھتا کہ زمین سے اپنے ہاتھوں کو جدا نہیں کرتا تھا تو فرمایا کہ اے بیٹے درندوں کی طرح مت بچھا اور اپنی ہتھیلیوں پر ٹیک لگا اور اپنے بازو کشادہ کر کیونکہ جب تو نے ایسا کیا تو تیرا ہر عضو سجدہ میں ہو گیا۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ ایک روایت میں ابدال کی تشدید کے ساتھ آیا ہے ابداء سے مشتق ہے جس کے معنی کھینچنے کے ہیں یعنی اپنے بازو کھینچنے ہوئے رکھ اور اول ابداء سے مشتق ہے جس کے معنی ظاہر کرنے کے ہیں یعنی اپنے بازو ظاہر کر یعنی کشادہ رکھ۔

سجدے میں پیٹ کو رانوں سے دور رکھے

ویحافی بطنہ عن فخذیه لأنه علیہ السلام کان إذا سجد جافی حتی أن بهمة لو أرادت أن تنصر بین یدیه لموت وقیل إذا کان فی صف لا یجافی کیلا یؤذی جارہ

ترجمہ..... اور اپنے پیٹ کو اپنی رانوں سے جدا کرے کیونکہ حضور ﷺ جب سجدہ کرتے تو جدا کرتے حتیٰ کہ اگر بکری کا چھوٹا بچہ آپ کے ہاتھوں کے درمیان سے گزرنے کا ارادہ کرتا تو گزر جاتا اور کہا گیا کہ اگر صف میں ہو تو جدا نہ کرے تاکہ پڑوسی کو ایذا نہ دے۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ نمازی سجدہ کی حالت میں اپنا پیٹ اپنی رانوں سے جدا رکھے۔ دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ جب سجدہ کرتے تو جوف دیتے یعنی پیٹ رانوں سے جدا رکھتے اور کہنیوں کو زمین سے اونچا رکھتے حتیٰ کہ اگر بکری کا بچہ آپ کے ہاتھوں کے درمیان سے گزرتا چاہتا تو گزر سکتا تھا۔ اور بعض فقہاء نے کہا کہ اگر صف کے اندر ہو تو ہاتھوں کو جوف نہ دے یعنی ان کو نہ پھیلائے تاکہ برابر والا ایذا محسوس نہ کرے۔

پاؤں کی انگلیوں کا رخ قبلہ کی طرف رکھے

وبوجه أصابع رجلیه نحو القبلة لقوله علیہ السلام إذا سجد المؤمن سجد کل عضو منه فلیوجه من أعضائه القبلة ما استطاع

ترجمہ..... اور اپنے پاؤں کی انگلیاں قبلہ کی جانب متوجہ کرے اس لئے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب مؤمن سجدہ کرتا ہے تو اس کا ہر عضو سجدہ کرتا ہے پس جہاں تک قدرت ہو اپنے اعضاء میں سے قبلہ کی طرف متوجہ کرے۔

تشریح..... مسئلہ اور اس کی دلیل واضح ہے۔

سجدہ کی تسبیح

و یقول فی سجودہ سبحان ربی الاعلیٰ ثلاثا وذلك أدناه لقوله عليه السلام وإذا سجد أحدكم فليقل سجودہ سبحان ربی الاعلیٰ ثلاثا وذلك أدناه أى أدنى كمال الجمع ويستحب أن يزيد على الثلاث الركوع والسجود بعد أن يختم بالوتر لانه عليه السلام كان يختم بالوتر وإن كان أماما لا يزيد على أن يمل القسم حتى لا يؤدي إلى التفسير ثم تسبيحات الركوع والسجود سنة، لان النص تناولهما في تسبيحاتهما فلا يزداد على النص

ترجمہ..... اور سجدہ کی حالت میں تین مرتبہ سبحان ربی الاعلیٰ کہے اور یہ ادنیٰ مقدار ہے کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب تم سے کوئی سجدہ کرے تو اپنے سجدہ میں تین مرتبہ سبحان ربی الاعلیٰ کہے اور یہ کتر ہے یعنی کمال جمع کی ادنیٰ مقدار ہے۔ اور مستحب کہ رکوع اور سجدہ میں تین مرتبہ سبحان ربی الاعلیٰ کہے اور اگر امام ہو تو ایسے طور پر پڑھائے کہ مقتدی اکتا جائیں تاکہ نفرت کا سبب نہ بنے پھر رکوع اور سجود کی تسبیحات کہنا درست ہے کیونکہ نص ان دونوں کو شامل ہے کہ ان کی تسبیحات کو پس نص پر زیادتی نہیں کی جائے گی۔

تشریح..... امام قدوری نے کہا کہ سجدہ کی حالت میں تین مرتبہ سبحان ربی الاعلیٰ کہے اور تین بار کہنا کم سے کم درجہ ہے چنانچہ نے لکھا ہے کہ اس کا ترک کرنا یا کمی کرنا مکروہ ہے۔ اس کی دلیل حضور ﷺ کا ارشاد اذ اسجد احدکم فليقل فی سجودہ سبحان ربی الاعلیٰ ثلاثا ہے۔

اور رکوع اور سجدہ میں تین مرتبہ سبحان ربی الاعلیٰ کہنا مستحب ہے بشرطیکہ طاق عدد پر ختم کرے۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ رکوع اور سجدہ کی تسبیحات کو طاق عدد پر ختم کرتے تھے۔ اور حدیث مشہور ان الله وتر يحب الوتر سے بھی استدلال کیا گیا ہے۔ صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ اگر خود امام ہو تو تین مرتبہ سبحان ربی الاعلیٰ کہنا مستحب ہے اور ان کے دلوں میں نفرت اور ناگواری پیدا ہو جائے۔ واضح ہو کہ رکوع اور سجدہ کی تسبیحات سنت ہے کیونکہ نص یعنی وارکعوا وسجدوا رکوع اور سجدہ کو شامل ہے ان کی تسبیحات شامل نہیں ہے۔ اس لئے ثابت ہوا کہ تسبیحات رکوع و سجود فرض نہیں ہیں۔

لیکن اشکال ہوگا کہ فرض نہ ہونے سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ سنت ہو بلکہ ممکن ہے کہ واجب ہو اور آنحضرت ﷺ کے وجوب پر دو دلیلیں موجود ہیں۔ اول یہ کہ رکوع اور سجود کی تسبیحات پر حضور ﷺ نے مواظبت فرمائی ہے جو دلیل وجوب ہے دوم یہ کہ رکوع کی تسبیحات کے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا اجعلوها اور سجدہ کی تسبیحات کے بارے میں فرمایا فليقل۔ اور یہ امر کے صیغے ہیں اور امر کا موجب وجوب ہے لہذا ان دونوں کی تسبیحات کو واجب قرار دینا چاہئے تھا جو اب اعرابی کو تعلیم دیتے وقت حضور ﷺ نے اس کو بیان نہیں کیا تھا۔ اس لئے معلوم ہوا کہ تسبیحات رکوع اور سجود کا حکم بطور وجوب نہیں بلکہ بطور استحباب ہے۔

عورت کے لئے سجدہ کا طریقہ

والمرأة تنخفض في سجودها وتلذق بطنها بفخذيها لان ذلك استر لها

ترجمہ..... اور عورت اپنے سجدہ میں پست ہو جائے اور اپنے پیٹ کو اپنی رانوں سے ملائے کیونکہ ایسا کرنا اس کے حق میں زیادہ پردہ ہے۔

تشریح..... اس عبارت میں عورت کے سجدہ کی کیفیت کا بیان ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ عورت سجدہ کرتے وقت پست ہو جائے یعنی زمین سے قریب تر ہو جائے اور پیٹ کو رانوں سے ملا دے۔ دلیل یہ ہے کہ اس کیفیت کے ساتھ سجدہ کرنے میں عورت کے حق میں زیادہ ستر ہے ورنہ خالیکہ عورت کے حق میں ستر ہی مطلوب ہے۔

سجدہ سے اٹھ کر دوسرے سجدہ میں جانے کا طریقہ، جلسہ کا حکم، اقوال فقہاء و دلائل

قال ثم يرفع رأسه، ويكبر لما روينا، فاذا اطمأن جالسا كبر وسجد لقوله عليه السلام في حديث الاعرابي ثم ارفع رأسك حتى تستوي جالسا ولولم يستو جالسا وكبر وسجد اخرى اجزاء عند أبي حنيفة ومحمد وقد ذكرناه وتكلموا في مقدار الرفع والاصح انه اذا كان الى السجود اقرب لا يجوز لانه يعد ساجدا وان كان الى الجلوس اقرب جاز لانه يعد جالسا فتحقق الثانية

ترجمہ..... کہا کہ پھر اپنا سر اٹھائے اور تکبیر کہے۔ اس حدیث کی وجہ سے جو ہم روایت کر چکے۔ پھر جب اطمینان سے بیٹھ جائے تو تکبیر کہے اور سجدہ کرے کیونکہ حدیث اعرابی میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا پھر اپنا سر اٹھا یہاں تک کہ تو سیدھا بیٹھ جائے۔ اور اگر سیدھا نہیں بیٹھا اور تکبیر کہے کر دوسرا سجدہ کیا تو ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک اس کو کافی ہو گیا اور ہم اس کو ذکر کر چکے ہیں۔ اور سر اٹھانے کی مقدار میں کام کیا ہے اور صبح یہ ہے کہ جب سجدہ سے قریب تر ہو تو جائز نہیں ہے اس لئے کہ وہ سجدہ ہی میں شمار ہوگا۔ اور اگر وہ بیٹھک سے زیادہ قریب ہے تو جائز ہے کیونکہ وہ بیٹھا شمار ہوگا پس دوسرا سجدہ متحقق ہو جائیگا۔

تشریح..... اس عبارت میں دوسرے سجدہ کی کیفیت کا بیان ہے چنانچہ فرمایا کہ سجدہ اولیٰ سے سر اٹھاتے ہوئے تکبیر کہے دلیل وہ روایت ہے جو سابقہ گزری چکی یعنی ان النبی ﷺ کان یکبر عند کل خفض و رفع پھر جب اطمینان کے ساتھ بیٹھ گیا تو تکبیر کہتے ہوئے دوسرے سجدہ میں چلا جائے۔

دلیل یہ ہے کہ اعرابی کو نماز کی تعلیم دیتے ہوئے حضور ﷺ نے فرمایا ثم ارفع رأسك حتى تستوي جالسا یعنی پھر اپنا سر اٹھا یہاں تک کہ سیدھا بیٹھ جائے۔ اور اگر نمازی پہلے سجدہ سے اٹھ کر سیدھا نہیں بیٹھا اور تکبیر کہے کر دوسرا سجدہ کیا تو طرفین کے نزدیک کافی ہو گیا۔ اس کی تفصیل مع الاختلاف تعدیل ارکان کے ذیل میں گزری چکی ہے۔

صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ مشائخ کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ دوسرا سجدہ معتبر ہونے کے لئے پہلے سجدہ سے کس قدر سر اٹھانا ضروری ہے۔

بعض فقہاء نے کہا کہ جب پیشانی زمین سے ہٹ گئی اور پھر سجدہ میں چلا گیا تو دونوں سجدے ادا ہو گئے۔ حسن بن زیاد نے کہا کہ جب اس نے زمین سے اپنا سر اتنی مقدار اٹھایا کہ وہاں سے ہوا گذر جائے تو اس صورت میں دونوں سجدے ادا ہو جائیں گے۔ حسن بن زیاد کا قول پہلے قول سے قریب ہے۔

محمد بن سلمہ کہتے ہیں کہ اگر اتنی مقدار سر اٹھایا کہ دیکھنے والا یہ سمجھے کہ اس نے دوسرا سجدہ کرنے کے لئے اپنا سر اٹھایا تو دونوں سجدے ادا ہو جائیں گے ورنہ ایک سجدہ ادا ہوگا۔

امام قدوریؒ نے کہا کہ جس پر لفظ رفع (سر اٹھانا) بولا جائے اس قدر سر اٹھانا معتبر ہے۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ اصح قول یہ ہے کہ اگر اتنا اٹھائے کہ بہ نسبت بیٹھک کے سجدہ سے زیادہ قریب ہے تو دوسرا سجدہ جائز نہیں ہوگا کیونکہ وہ ابھی تک پہلے سجدہ ہی میں شمار ہوگا اور اگر اس قدر اٹھا کر بیٹھک سے زیادہ قریب ہے تو دوسرا سجدہ جائز ہے کیونکہ وہ اس صورت میں بیٹھا ہوا شمار ہوگا لہذا دوسرا سجدہ متحقق ہو جائے گا۔

رہی یہ بات کہ ہر رکعت میں ایک رکوع اور دو سجدے کیوں ہیں تو اس بارے میں اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ تو قیفی چیز ہے عقل اور قیاس کو اس میں کوئی دخل نہیں۔

اور بعض حضرات نے یہ حکمت ذکر کی کہ دو سجدے شیطان کو ذلیل کرنے کے لئے ہیں اس لئے کہ تخلیق آدم کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کو حکم دیا تھا کہ وہ آدم کو سجدہ کرے لیکن اس نے آدم کو سجدہ نہیں کیا لہذا ہم شیطان کو رسوا اور ذلیل کرنے کے لئے دو سجدے کرتے ہیں جو سہو میں حضور ﷺ نے اسی طرف اشارہ کیا چنانچہ فرمایا ہما تر غیما لشیطان یعنی سہو کے دونوں سجدے شیطان کو ذلیل کرنے کے لئے ہیں۔

اور بعض نے کہا کہ پہلے سجدہ میں اس طرف اشارہ کیا گیا کہ انسان مٹی سے پیدا کیا گیا ہے اور دوسرے میں یہ اشارہ ہے کہ اسی میں لوٹا دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا منہا خلقناکم و فیہا نعیدکم و اللہ اعلم۔

سجدہ سے قیام کی طرف جانے کا طریقہ

قال فاذا اطمأن ساجدا کبر وقد ذکرناہ و استوی قائما علی صدور قدمیہ ولا یقعہ ولا یعتمد بیدیہ علی الارض وقال الشافعی یجلس جلسۃ خفیفة ثم ینھض معتمد اعلی الارض لان النبی علیہ السلام فعل ذلک ولما حدیث ابی ہریرۃ ان النبی علیہ السلام کان ینھض فی الصلوٰۃ علی صدور قدمیہ و مارواہ محمول علی حالۃ الکبر ولان هذه قعدة استراحة والصلوة ما وضعت لها

ترجمہ..... کہا کہ پھر جب سجدے کی حالت میں اطمینان کر لے تو تکبیر کہے اور ہم اس کو ذکر کر چکے۔ اور سیدھا کھڑا ہو جائے اپنے پنجوں کے بل اور نہ بیٹھے اور نہ ٹیک لگائے اپنے ہاتھوں کے ساتھ زمین پر اور امام شافعیؒ نے کہا کہ خفیف سی بیٹھک بیٹھ لے۔ پھر زمین پر ٹیک دیتے ہوئے کھڑا ہو اس لئے کہ حضور ﷺ نے ایسا کیا ہے اور ہماری دلیل حدیث ابو ہریرہؓ ہے کہ حضور ﷺ نماز میں اپنے پنجوں کے بل اترتے تھے اور وہ حدیث جس کو امام شافعیؒ نے روایت کیا ہے وہ بڑھاپے کی حالت پر محمول ہے اور اس لئے کہ یہ قعدۃ استراحت ہے۔

نماز استراحت کے واسطے وضع نہیں کی گئی ہے۔

تشریح..... فرمایا کہ جب سجدہ کی حالت میں اطمینان کر لے تو کھڑا ہونے کے لئے تکبیر کہے۔ دلیل سابق میں گذر چکی یعنی ان النبی ﷺ کان یکسر عند کل خفض و رفع صاحب عنایہ نے لکھا کہ مصنف گو اپنی عادت کے مطابق سابق میں مذکور حدیث کی طرف اشارہ کرنے کے لئے مارد وینا کہنا چاہئے تھا لیکن ہو سکتا ہے کہ گذشتہ مسئلہ میں اسی حدیث کی طرف اشارہ کرنے کے لئے لهما روینا کہا تھا اور اب یہاں اس لمار وینا کی طرف و قد ذکرنا سے اشارہ کیا گیا ہو۔

امام قدوری نے کہا کہ سجدہ ثانیہ سے فراغت کے بعد اپنے پنجوں کے بل سیدھا کھڑا ہو جائے۔ نہ بیٹھے اور نہ اپنے ہاتھوں سے زمین پر ٹیک لگائے اگر غدر نہ ہو تو یہ مستحب ہے۔ حضرت امام شافعی نے کہا کہ ہلکا سا جلد کرے پھر زمین پر سہارا دے کراٹھ جائے۔

امام شافعی کی دلیل مالک بن الحویرث کی حدیث ہے ان النبی ﷺ کان اذا رفع رأسه من السجود قعد ثم نهض یعنی حضور ﷺ جب اپنا سر سجدہ سے اٹھاتے تو بیٹھ جاتے پھر اٹھتے ہماری دلیل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے۔ ان النبی ﷺ کان ينهض في الصلوة على صدر قدميه یعنی حضور ﷺ نماز میں اپنے پنجوں کے بل اٹھتے تھے۔

اور امام شافعی سے مروی ہے قال کان عمر و علی و اصحاب النبی ﷺ ينهضون في الصلوة على صدور اقدمهم امام شافعی کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور اصحاب رسول اللہ ﷺ نماز کے اندر اپنے قدموں کے بل اٹھتے تھے۔ اور رہی وہ حدیث جس کو امام شافعی کے استدلال میں پیش کیا گیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث بزحایہ کی حالت پر معمول ہے یعنی لڑھاپے کے زمانے میں آپ نے ایسا کیا ہے ہماری طرف سے عقلی دلیل یہ ہے کہ یہ بیٹھنا استراحت کے لئے ہے اور نماز استراحت اور آرام کے لئے وضع نہیں کی گئی اس لئے یہ قعدہ نہ کرے۔

دوسری رکعت مکمل کرنے کی کیفیت

ويفعل في الركعة الثانية مثل ما فعل في الركعة الأولى لأنه تكرر الأركان إلا أنه لا يستفتح ولا يتعوذ لأنهما لم بشرعا إلا مرة واحدة

ترجمہ..... اور دوسری رکعت میں اسی کی مثل کرے جو پہلی رکعت میں کیا کیونکہ وہ ارکان کا تکرار ہے مگر یہ کہ سبحانک اللہم اور اعوذ باللہ نہ پڑھے اس لئے کہ یہ دونوں صرف ایک بار شروع ہوئے۔

تشریح..... رکعت ادنیٰ سے فراغت کے بعد نماز پڑھنے والا رکعت ثانیہ پڑھے گا اور رکعت ثانیہ میں وہ سب کام کرے گا جو رکعت اولیٰ میں کیا ہے۔ دلیل یہ ہے کہ رکعت ثانیہ میں ارکان کا تکرار ہے اور تکرار اول کے اعادہ کا تقاضا کرتا ہے۔ اس لئے کہا گیا کہ رکعت ثانیہ میں اسی کے مثل کرے جو پہلی رکعت میں کیا ہے ہاں اتنا فرق ضرور ہے کہ دوسری رکعت میں نہ سبحانک اللہم پڑھے اور نہ اعوذ باللہ پڑھے کیونکہ یہ دونوں باتیں ایک ہی مرتبہ شروع ہوئیں ہیں اس لئے کہ جن حضرات صحابہؓ نے حضور ﷺ کی نماز کو روایت کیا ہے انہوں نے ان چیزوں کو صرف ایک مرتبہ روایت کیا ہے۔

رفع یدین کا حکم، اقوال فقہاء و دلائل

ولا یرفع یدیه الا فی التکبیرۃ الاولى خلافا للشافعی فی الرکوع و فی الرفع منه لقوله علیه السلام: لا ترفع یدیک الا یدی الای فی سبع مواطن تکبیرۃ الافتتاح و تکبیرۃ القنوت و تکبیرات العیدین و ذکر الأربع فی العیدین و الذی یروی من الرفع محمول علی الابتداء کذا نقل عن ابن النزیب

ترجمہ..... اور اپنے ہاتھ نہ اٹھائے مگر تکبیر تحریمہ میں امام شافعی کا اختلاف ہے رکوع میں جانے اور اس سے سر اٹھانے میں کبھی حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہاتھ نہ اٹھائے جائیں مگر سات جگہوں میں تکبیر اولیٰ تکبیر قنوت تکبیرات عیدین اور چار رکوع میں ذکر کیا۔ اور حدیث رفع یدین میں روایت کی جاتی ہے وہ ابتداء پر محمول ہے اسی طرح ابن زبیر سے منقول ہے۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ سوائے تکبیر تحریمہ کے کسی تکبیر میں ہاتھ نہ اٹھائے۔ امام شافعی نے کہا کہ تکبیر تحریمہ کے علاوہ اور دو تکبیروں میں ہاتھ اٹھائے ایک رکوع میں جاتے وقت، دوم رکوع سے سر اٹھاتے وقت، امام شافعی کی دلیل ابن عمر کی حدیث ہے ان السببی کہ یرفع یدیه عند الرکوع وعند رفع الرأس من الرکوع ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے کہ حضور ﷺ اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے تھے رکوع کرتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت ہماری دلیل ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث لا ترفع الایدی الا فی سبع مواطن الحدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہاتھ نہ اٹھائے جائیں مگر سات جگہوں میں

- (۱) تکبیر تحریمہ میں،
- (۲) تکبیر قنوت میں،
- (۳) تکبیرات عیدین میں،
- (۴) تکبیر عرفات میں،
- (۵) تکبیرات جہرتین میں،
- (۶) تکبیر صفا و مروہ میں،
- (۷) تکبیر استلام میں،

حدیث ابن عمر کو ابتداءً اسلام پر محمول کیا جائے گا یعنی ابتداءً اسلام میں رفع یدین کا حکم تھا پھر منسوخ ہو گیا۔

یوں ہی عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے۔ چنانچہ ابن زبیر سے مروی ہے

انه رأى رجلا يصلى فى المسجد الحرام يرفع يديه فى الصلاة عند الرکوع وعند رفع الرأس من الرکوع فلما فرغ من صلاته قال له لا تفعل فان هذا شئ فعله رسول الله ﷺ ثم تركه

یعنی ابن زبیر نے دیکھا کہ ایک آدمی مسجد حرام میں نماز پڑھتا ہے اور نماز میں رکوع کے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتا ہے پس جب وہ اپنی نماز سے فارغ ہو گیا تو ابن زبیر نے اس سے کہا کہ یہ مٹ کر کیونکہ یہ ایسی چیز ہے جس کو حضور ﷺ نے کیا پھر اس کو ترک کر دیا۔

فوائد..... شارحین ہدایہ (عنا، فتح القدر، کفایہ) نے اس مسئلہ میں ایک دلچسپ حکایت ذکر کی ہے وہ یہ کہ ایک مرتبہ مسجد حرام میں امام اوزاعیؒ کی حضرت امام ابو حنیفہؒ سے ملاقات ہو گئی۔ اور امام اوزاعیؒ نے کہا کہ کیا بات ہے اہل عراق رکوع کرتے وقت اور رکوع سے سر

اٹھاتے وقت اپنے ہاتھ نہیں اٹھاتے حالانکہ مجھ کو زہری عن سالم عن ابن عمر یہ حدیث پہنچی ہے کہ حضور ﷺ ان موقعوں پر اپنے ہاتھ اٹھاتے تھے۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا حدیثی حماد عن ابراہیم عن علقمہ عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی ﷺ کان یرفع یدیه عند تکبیرۃ الافتتاح ثم لا یعود یعنی حضور ﷺ تکبیر تحریمہ کے وقت اپنے ہاتھ اٹھاتے تھے پھر اماؤ نہیں کرتے تھے۔

امام اوزاعی نے کہا امام ابوحنیفہ پر حیرت ہے میں حدیث بیان کر رہا ہوں حدیث زہری عن سالم عن ابن عمر اور وہ حدیث بیان کر رہے ہیں حدیث حماد عن ابراہیم عن علقمہ عن ابن مسعود حاصل یہ کہ اوزاعی نے علو اسناد کا لحاظ کرتے ہوئے حدیث ابن عمر کو ترجیح دی۔ حضرت امام اعظم نے فرمایا۔ اما حماد فکان افقہ من الزہری و ابراہیم کان افقہ من سالم ولولا سبق ابن عمر لقلت بان علقمہ افقہ منہ اما عبد اللہ فعبد اللہ یعنی حماد زہری کے مقابلہ میں بڑے فقیہ ہیں اور ابراہیم سالم سے افقہ ہیں اور اگر ابن عمر کو تقدم زمانی حاصل نہ ہوتا تو میں کہتا کہ علقمہ بڑے فقیہ ہیں ابن عمر کے مقابلہ میں اور رہے عبد اللہ تو وہ عبد اللہ ہیں یعنی ان کی تو نظیر ہی نہیں حاصل یہ کہ امام ابوحنیفہ نے فقہ روایات کا اعتبار کرتے ہوئے ابن مسعود کی روایت کو ترجیح دی۔

اس واقعہ سے اتنی بات ثابت ہوگئی کہ رفع یدین کے سلسلہ میں حدیث ابن عمر اور عبد اللہ بن مسعود کی حدیث باہم متعارض ہیں اور ان دونوں حدیثوں میں آپ کا فعل بیان کیا گیا ہے پس تعارض کی وجہ سے دونوں ساقط ہو جائیں گی اور حضور ﷺ کے قول "لا ترفع الایدی الا فی سبع مواطن الحدیث کی طرف رجوع کیا جائے گا درآئیکہ یہ حدیث مشہور ہے علاوہ ازیں ابن عمر کی حدیث ساقط ہے کیونکہ مجاہد نے کہا صلیت خلف ابن عمر سنتین فلم ارہ یرفع یدیه الا لافتتاح الصلاۃ۔ مجاہد نے کہا کہ میں نے دو سال ابن عمر کے پیچھے نماز پڑھی ہے لیکن سوائے تکبیر تحریمہ کے کبھی ان کو ہاتھ اٹھاتے ہوئے نہیں دیکھا اور قاعدہ ہے کہ راوی جب اپنی روایت کے خلاف عمل کرے تو اس کی روایت ساقط ہو جاتی ہے۔ (نور الانوار) جمیل عفی عنہ

قعدہ میں بیٹھنے کی ہیئت

و اذا رفع رأسه من السجدة الثانية في الركعة الثانية افترش رجاله اليسرى فجلس عليها ونصب اليمنى نصبا ووجه اصابعه نحو القبلة هكذا وصفت عائشة قعود رسول الله ﷺ في الصلوة ووضع يديه على فخذه وبسط اصابعه وتشهد ويروى ذلك في حديث وانل ولان فيه توجيه اصابع يديه الى القبلة وان كانت امرأة جلست على يتيها اليسرى واخرجت رجليها من الجانب الايمن لانه أستر لها

ترجمہ۔ اور جب دوسری رکعت کے دوسرے سجدے سے اپنا سر اٹھائے تو اپنا بائیں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھے اور دایاں بائیں کھڑا رکھے۔ اور اپنی انگلیوں کو قبلہ کی جانب متوجہ کرے۔ اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نماز میں رسول اللہ ﷺ کا بیٹھنا بیان فرمایا ہے اور اپنے دونوں ہاتھ دونوں رانوں پر رکھے۔ اور اپنے ہاتھوں کی انگلیاں بچھا دے اور تشہد پڑھے یہ حدیث واکل میں روایت کیا جاتا ہے اور اس لئے کہ اس میں ہاتھوں کی انگلیوں کا قبلہ کی طرف متوجہ کرنا پایا جاتا ہے اور اگر وہ عورت ہو تو وہ اپنے بائیں چوڑے پر بیٹھے اور اپنے دونوں پاؤں دائیں جانب نکال دے کیونکہ یہ صورت عورت کے لئے زیادہ سہا تر ہے۔

اس عبارت میں قعدہ کی کیفیت کا بیان ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ جب دوسری رکعت کے دوسرے سجدے سے اپنا سر اٹھایا جائے اور دایاں گھڑا کرے۔ اور دونوں پیروں کی انگلیاں قبلہ کی طرف متوجہ کرے۔

دلیل یہ ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور ﷺ کا نماز میں بیٹھنا اسی کیفیت کے ساتھ بیان کیا ہے اپنے دونوں ہاتھ دونوں رانوں پر رکھے اور انگلیاں بچھا دے۔ یعنی جس حال پر ہیں چھوڑ دے باہم نہ ملائے اور ہاتھوں سے پکڑنے کی دلیل یہ ہے کہ حضرت وائل بن حجر کی حدیث میں اسی کیفیت کے ساتھ روایت کیا گیا ہے اور عقلی دلیل یہ ہے کہ اس وقت ہاتھوں کی انگلیوں کا قبلہ رخ متوجہ کرنا حاصل ہو جاتا ہے اور جہاں تک ہر عضو کو قبلہ رخ متوجہ کرنا ممکن ہو سکتا ہے۔

صاحب عنایہ نے لکھا ہے کہ امام محمد نے حضور ﷺ کی ایک حدیث بیان کی ہے جس میں یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ شہادت کی انگلی اشارہ کرتے تھے لہذا ہم بھی اسی طرح کریں گے اور یہی قول ابوحنیفہ کا ہے اور ہمارا ہے۔ اور اس اشارہ کی تفصیل یہ ہے کہ دائیں ہاتھ اور بصر کو بند کرے اور وسطیٰ اور انگوٹھے کا حلقہ بنائے اور شہادت کی انگلی سے اشارہ کرے۔ امام حلوائی سے مروی ہے کہ تشہد میں لا الہ کے وقت اپنی شہادت کی انگلی گھڑی کرے اور الا اللہ کے وقت پست کر دے تاکہ انگلی گھڑی کرنا غیر اللہ سے نفی اور پست کر کے لئے اثبات ہو جائے۔

اور عورت کے بیٹھنے کی کیفیت یہ ہے کہ وہ اپنے بائیں سر میں پر بیٹھ جائے اور دونوں پاؤں دائیں طرف نکال دے کیونکہ یہ وضع عورت کے لئے زیادہ پردہ پوش ہے۔

تشہد ابن مسعود

والتشهد التحیات لله والصلوات والطیبات السلام علیک ایہا النبی..... الی اخرہ، وهذا تشهد عبد اللہ مسعود فانہ قال اخذ رسول اللہ ﷺ بیدی و علمنی التمشہد كما كان یعلمنی سورۃ من القرآن وقال التحیات لله الی اخرہ والأخذ بھذا اولی من الاخذ بتشهد ابن عباس وهو قوله التحیات المبارکات الصلوات الطیبات لله سلام علیک ایہا النبی ورحمة اللہ وبرکاتہ سلام علینا الی اخرہ لان فیہ الامر والالتمس والالف واللام وهما للاستغراق و زیادة الواو وهی لتجدید الکلام كما فی التقسیم وتاکید التعلیم

ترجمہ..... اور تشهد التحیات لله والصلوات والطیبات السلام علیک ایہا النبی..... الخ اور یہ تشهد عبد اللہ بن مسعود کا ہے اس لئے کہ ابن مسعود نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھ کو تشهد کی اس طرح تعلیم دی جس طرح قرآن کی کسی سورت کی تفسیر دیا کرتے تھے اور فرمایا کہ کہہ التحیات لله..... الی اخرہ اور اس تشهد کا لینا اولیٰ ہے بہ نسبت ابن عباس کے تشهد کے اور وہ یہ ہے التحیات المبارکات الصلوات الطیبات لله سلام علیک ایہا النبی ورحمة اللہ وبرکاتہ سلام علینا..... الخ کیونکہ اس تشهد کے پڑھنے میں صیغہ امر وارد ہوا ہے اور امر کا کتر درجہ استحباب ہے۔ اور الف اور لام وہ دونوں استغراق کے ہیں اور واؤ کی زیادتی اور وہ تجدید کلام کے لئے ہے جیسے قسم میں اور تعلیم کی تاکید ہے۔

تشریح..... اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ قعدہ اولیٰ میں صحیح قول کی بنا پر تشہد پڑھنا واجب ہے۔ اور تشہد کی الفاظ میں صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اختلاف کیا ہے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تشہد ہے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تشہد ہے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا تشہد ہے اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تشہد ہے۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا تشہد ہے اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا تشہد ہے۔ اور ان کے علاوہ دوسرے صحابہ سے بھی تشہد منقول ہے علماء احناف نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے تشہد کو اختیار کیا ہے اور امام شافعی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے تشہد کو اختیار کیا ہے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا تشہد یہ ہے،

التحيات المباركات الصلوات الطيبات لله سلام عليك ايها النبي ورحمة الله وبركاته سلام علينا
وعلى عباد الله الصالحين اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمد ارسل الله
اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا تشہد یہ ہے،

التحيات لله والصلوات والطيبات السلام عليك ايها النبي ورحمة الله وبركاته السلام علينا و
عباد الله الصالحين اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمد اعبدته ورسوله
ام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے تشہد کو اختیار کرنا چند وجوہ سے اولیٰ ہے،

(۱) ابن عباس کے تشہد میں کلمہ مبارکات زیادہ ہے جو ابن مسعود کے تشہد میں نہیں ہے۔

(۲) ابن عباس کا تشہد قرآن پاک کے موافق ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تَحِيَّۃً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبَارَكَةٌ طَيِّبَةٌ

(۳) ابن عباس نے لفظ سلام بغیر الف لام کے ذکر کیا اور قرآن پاک میں بھی اکثر تسلیمات بغیر الف لام کے مذکور ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طَبْتُمْ قَالُوا سَلَامًا قَالَ سَلَامٌ وَسَلَامٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ اور اشرف کلام وہ جی شمار ہوتا ہے جو قرآن کے موافق ہو۔

(۴) ابن عباس کا تشہد ابن مسعود کی خبر سے مؤخر ہے کیوں کہ ابن عباس صغیر اسن اور ابن مسعود شیوخ میں سے تھے اور یہ بات ظاہر ہے کہ مؤخر مقدم کے لئے ناسخ ہوتا ہے علماء احناف نے کہا کہ ابن مسعود کے تشہد کو اختیار کرنا بھی چند وجوہ سے اولیٰ ہے،

۱۔ ابن مسعود کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھ کو تشہد کی تعلیم دی اور فرمایا قل التحیات لله اس حدیث میں حضور ﷺ کا قول قل امر کا صیغہ ہے اور امر کا کتر درجہ استجاب ہے۔

۲۔ السلام عليك الف لام کے ساتھ مفید استغراق ہے۔

۳۔ والصلوات واو کے ساتھ تجدد کلام کے لئے ہے

۴۔ حضور ﷺ کا ہاتھ پکڑنا اور سورت قرآن کی طرح تعلیم دینا مفید تاکید ہے

۵۔ التحیات صلوٰۃ اور غیر صلوٰۃ سب کو عام ہے لیکن جب ابن عباس کے تشہد میں الصلوات بغیر واؤ کے کہا تو یہ تخصیص ہوگئی اور اس التحیات سے مراد فقط صلوات ہوئیں اور جب والصلوات واؤ کے ساتھ کہا جیسا کہ ابن مسعود کے تشہد میں ہے تو اول یعنی التحیات عام رہا اور چونکہ کلمہ عام سے ثا کرنا مبلغ ہے اس لئے یہی اولیٰ ہوگا۔

۶۔ علامۃ المؤمنین نے کہا کہ ابن مسعودؓ کا تشہد اسناد کے اعتبار سے احسن ہے۔

۷۔ عام صحابہؓ نے بھی ابن مسعودؓ کے تشہد کو اختیار کیا ہے چنانچہ مروی ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منبر رسول اللہ ﷺ پر ابن مسعودؓ کے تشہد کی تعلیم دی۔ اسی طرح سلمان فارسیؓ، جابر اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے

۸۔ ابن مسعودؓ کا تشہد لفظ عبیدہ پر مشتمل ہے کیونکہ ابن مسعودؓ کے تشہد میں ہے واشہد ان محمد عبیدہ ورسولہ اور لفظ عبدہ کے ساتھ ہے۔ حال پر دلالت کرتا ہے کیونکہ واقعہ معراج جس کے ذریعہ آپ کے اعلیٰ مرتبہ کو بیان کیا گیا ہے اس میں آپ کو عبد کے ساتھ ہی فرمایا چنانچہ ارشاد ہے سبحان الذی اسرى بعدہ

۹۔ ابن مسعودؓ کا تشہد ضبط کے اعتبار سے بھی احسن ہے چنانچہ امام محمدؒ سے مروی ہے،

انہ قال اخذ ابو يوسف رحمۃ اللہ علیہ بیدی و علمنی التشہد وقال اخذ ابو حنیفۃ رحمۃ اللہ علیہ بیدی فعلمنی التشہد وقال ابو حنیفۃ رحمۃ اللہ علیہ حماد بیدی فعلمنی التشہد وقال حماد اخذ ابراہیم بیدی فعلمنی التشہد وقال ابراہیم اخذ علقمۃ بیدی و علمنی التشہد وقال علقمۃ اخذ ابن مسعودؓ بیدی و علمنی التشہد قال ابن مسعودؓ اخذ رسول اللہ ﷺ بیدی و علمنی التشہد وقال رسول اللہ ﷺ اخذ جبریل علیہ السلام بیدی فعلمنی التشہد۔

یعنی امام محمدؒ نے کہا کہ ابو یوسفؒ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھ کو تشہد کی تعلیم دی اور ابو یوسفؒ نے کہا کہ ابو حنیفہؒ نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھ کو تشہد کی تعلیم دی اور ابو حنیفہؒ نے کہا کہ حمادؒ نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھ کو تشہد کی تعلیم دی اور حمادؒ نے کہا کہ ابراہیمؒ نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھ کو تشہد کی تعلیم دی اور ابراہیمؒ نے کہا کہ علقمہؒ نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھ کو تشہد کی تعلیم دی اور علقمہؒ نے کہا کہ ابن مسعودؓ نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھ کو تشہد کی تعلیم دی اور ابن مسعودؓ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھ کو تشہد کی تعلیم دی اور رسول اللہ ﷺ نے کہا کہ جبرائیلؑ نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھ کو تشہد کی تعلیم دی۔

امام شافعیؒ کی وجوہ اولویت کا جواب یہ ہے کہ اگر کسی کلمہ کی زیادتی مرتج ہے تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا تشہد اولیٰ ہوگا کیونکہ اس میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کی زیادتی ہے اور ابن مسعودؓ کے تشہد میں واو اور الف لام اور لفظ عبیدہ زائد ہے لہذا ابن مسعودؓ کا تشہد اولیٰ ہوگا۔ دوسری وجہ اولویت کا جواب یہ ہے کہ قرآن کے موافق ہونا مرتج نہیں ہے اس لئے کہ قعدہ میں قرآن پڑھنا مکروہ ہے پس قرأت قرآن کی موافقت کیسے مستحب ہوگی۔ تیسری وجہ کا جواب یہ ہے کہ لفظ سلام جس طرح بغیر الف لام کے قرآن میں آیا ہے اسی طرح الف لام کے ساتھ بھی مذکور ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا والسلام علی یوم و ولدت والسلام علی من اتبع الہدی۔ چوتھی وجہ کا جواب یہ ہے کہ تشہد کے بارے میں حدیث ابن عباسؓ مؤخر ہے ایسا نہیں ہے بلکہ ابن مسعودؓ کی حدیث مؤخر ہے چنانچہ امام کرخیؒ سے مروی ہے کہ ابن مسعودؓ نے کہا کہ ابتداء اسلام میں التحیات الطہرات المبارکات الزاکبات کہا کرتے تھے اس سے معلوم ہوا کہ ابن مسعودؓ کی خبر ابن عباسؓ کی خبر سے مؤخر ہے۔

فوائد..... التحیات کے معنی عبادات قولیہ، صلوات، عبادات بدنیہ، الطبیات عبادات مالیہ، السلام علیک یہ اس سلام کی حکایت ہے جو شب معراج میں حضور ﷺ کی تین چیزوں کے ساتھ شفاء کرنے کے جواب میں فرمایا تھا۔ چنانچہ السلام التحیات کے مقابلہ میں اور رحمت صلوات

یعنی حضور ﷺ ظہر اور عصر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ اور سورت پڑھتے تھے اور آخر کی دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ پڑھا کرتے تھے صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ یہ بیان افضل ہے یعنی آخر کی دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ پڑھنا افضل اور مستحب ہے چنانچہ اگر آخر کی دو رکعتوں میں قرأت فاتحہ اور تسبیح دونوں کو ترک کر دیا تو کوئی حرج نہیں اور اس پر سجدہ سہو بھی واجب نہیں ہوگا لیکن قرأت افضل یہی صحیح روایت ہے۔

حسن بن زیاد نے امام اعظم سے ایک روایت یہ بھی نقل کی ہے کہ آخرین میں سورۃ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے چنانچہ اگر سہو ترک کرے تو اس پر سجدہ سہو لازم ہوگا۔ دلیل یہ ہے کہ اخسریں میں قیام مقصود ہے لہذا اس کو ذکر اور قرأت دونوں سے خالی رکھنا مکروہ ہے جبکہ رکوع اور سجود کو ذکر سے خالی رکھنا مکروہ ہے۔ اور قول صحیح کی دلیل یہ ہے کہ قرأت صرف پہلی دو رکعتوں میں فرض ہے ان شاء اللہ اس تفصیل بعد میں آئے گی فانظر وانی معکم من المنتظرین۔

قعدۃ اخیرہ قعدۃ اولیٰ کی مانند ہے

وجلس فی الأخیرۃ کما جلس فی الأولیٰ لما روینا من حدیث وائل وعائشۃ ولأنہا أشق علی البدن فکأن اولیٰ من التورک الذی یمیل إلیہ مالک والذی یروی أنه علیہ السلام قعد متورکاً کما ضعفہ الطحاوی یحمل علی حالۃ الکبیر

ترجمہ..... اور قعدۃ اخیرہ میں اسی طرح بیٹھے جس طرح قعدۃ اولیٰ میں بیٹھا تھا اس حدیث کی وجہ سے جو ہم روایت کر چکے یعنی حدیث وائل بن حجر اور عائشہ اور اس لئے کہ یہ بیٹیت بدن پر زیادہ شاق ہے پس یہ بیٹیت اولیٰ ہوگی بہ نسبت اس تورک کے جس کی طرف امام مالک میلان کرتے ہیں اور وہ حدیث جو تورک میں روایت کی جاتی ہے حضور ﷺ متورک کا بیٹھے اس کو امام طحاوی نے ضعیف کہا ہے یا محمود کیا جاوے بزرگی کی حالت پر۔

تشریح..... فرمایا کہ قعدۃ اخیرہ میں اسی بیٹیت پر بیٹھے جس بیٹیت پر قعدۃ اولیٰ میں بیٹھا تھا اور امام مالک نے کہا دونوں قعدوں میں متورک بیٹھنا مسنون ہے اور تورک یہ ہے کہ کولے پر بیٹھ کر دونوں پاؤں دائیں طرف نکالے جیسے عورتیں بیٹھا کرتی ہیں۔ حضرت امام مالک نے حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ ان النبی ﷺ قعد متورکاً۔ اور ہماری دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم وائل بن حجر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما سے روایت کر چکے چنانچہ اس بیٹھنے کے بعض حالات کا بیان تو حدیث وائل میں تھا اور بیٹیت یعنی بائیں پاؤں بچھ اور دایاں کھڑا رکھنا حدیث عائشہ میں گذرا اور دوسری دلیل یہ ہے کہ اس بیٹیت کے ساتھ بیٹھنا بدن پر زیادہ شاق ہے اور عبادت میں فرج پر جو زیادہ شاق ہو وہ افضل ہے اس لئے ہم نے کہا کہ اس بیٹیت کے ساتھ بیٹھنا افضل ہے۔ رہی وہ حدیث جس میں حضور ﷺ کا سہو بیٹھنا مروی ہے تو اس کو امام طحاوی نے ضعیف کہا ہے کیونکہ یہ حدیث عبد الحمید ابن جعفر کے طریق سے مروی ہے اور عبد الحمید بن عزم ناقلین حدیث کے نزدیک ضعیف ہیں صاحب ہدایہ نے کہا کہ اگر اس حدیث کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو جواب یہ ہوگا کہ اس تورک کے بیٹھک کو بزرگی کی حالت پر محمود کیا جائے گا یعنی سن شریف جب بڑا ہو گیا تھا تو آپ نے بیٹیت اختیار کی۔

تشہد کی شرعی حیثیت، اقوال فقہاء و دلائل

ويتشهد وهو واجب عندنا صلى على النبي عليه السلام وهو ليس بفريضة عندنا خلافا للشافعي فيهما لقوله عليه السلام اذا قلت هذا او فعلت فقد تمت صلاتك ان شئت ان تقوم فقم و ان شئت ان تقعد فاقعد والصلوة على النبي عليه السلام خارج الصلوة واجبة اما مرة واحدة كما قاله الكرخي او كلما ذكر النبي عليه السلام كما اختاره الطحاوي فكفينا مؤنة الامر والفرض المروى في التشهد هو التقدير

ترجمہ..... اور تشہد پڑھے اور یہ ہمارے نزدیک واجب ہے اور حضور ﷺ پر درود بھیجے اور یہ ہمارے نزدیک فرض نہیں ہے اور امام شافعی نے دونوں میں اختلاف کیا ہے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب تو نے یہ کہا یا یہ کیا تو تیری نماز پوری ہوگئی۔ اگر تو کھڑا ہونا چاہے تو کھڑا ہو جا اور اگر بیٹھنا چاہے تو بیٹھ جا۔ اور حضور ﷺ پر درود بھیجنا نماز سے باہر واجب ہے یا تو ایک مرتبہ جیسا کہ امام کرخی نے کہا ہے یا ہر بار واجب ہے جب حضور ﷺ کا ذکر کیا جائے جیسا کہ امام طحاوی نے اختیار کیا ہے پس امر کا بار عظیم ہم پر سے کفایت کیا گیا اور فرض جو تشہد کے حق میں مروی ہے وہ تقدیر کے معنی میں ہے۔

تشریح..... قعدۃ اخیرہ میں تشہد پڑھنا ہمارے نزدیک واجب ہے اور درود شریف پڑھنا فرض نہیں بلکہ مسنون ہے۔ اور امام شافعی کے نزدیک تشہد پڑھنا اور حضور ﷺ پر درود بھیجنا دونوں فرض ہیں۔

قرأت تشہد کے فرض ہونے پر امام شافعی نے حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے استدلال کیا ہے انہ قال کنا نقول قبل ان يفترض التشهد السلام على الله السلام على جبريل وميكائيل فقال النبي صلى الله عليه وسلم قولوا التحيات لله الخ لآخر میں فرمایا اذا قلت هذا او فعلت هذا فقد تحت صلواتك اس حدیث سے تین طریقوں سے استدلال کیا گیا ہے اول یہ کہ حضور ﷺ نے فرمایا قبل ان يفترض التشهد یعنی تشہد پر فرض کا اطلاق کیا پس اس سے ثابت ہوا کہ تشہد فرض ہے دوم یہ کہ آپ نے فرمایا قولوا التحيات لله، اور قولوا امر کا صیغہ ہے اور امر وجوب کے لئے آتا ہے پس معلوم ہوا کہ التحیات کا پڑھنا واجب ہے اور امام شافعی کے نزدیک واجب اور فرض دونوں ایک ہیں اس لئے جب التحیات کا پڑھنا واجب ہو تو فرض بھی ہوگا۔ سوم کہ حضور ﷺ نے نماز کا پورا ہونا معلق کیا ہے اس سے ثابت ہوا کہ نماز بغیر تشہد کے پوری نہیں ہوتی اور جس کے بغیر نماز پوری نہ ہو وہ فرض ہوتا ہے پس معلوم ہوا کہ تشہد کا پڑھنا فرض ہے۔

ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ قبل ان يفترض التشهد میں فرض کے لغوی معنی مراد ہیں یعنی تقدیر اللہ تعالیٰ نے فرمایا فنصف ما فرضتہم یعنی قدر تم اب مطلب یہ ہوگا کہ تشہد مقدر ہونے سے پہلے ہم یہ کہا کرتے تھے والسلام على الله الخ پس اب تشہد پر فرض کا اطلاق کرنا لازم نہیں آیا۔

دوسرے طریقہ استدلال کا جواب یہ ہے کہ یہاں صیغہ امر تعلیم و تلقین کے لئے ہے لہذا اس سے فرضیت ثابت نہیں ہوگی۔

تیسرے طریقہ استدلال کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں نماز کا پورا ہونا قرأت تشہد اور قعدۃ اخیرہ ان دونوں میں سے ایک پر معلق کیا گیا ہے اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ نماز کا پورا ہونا قعدۃ اخیرہ پر معلق ہے کیونکہ اگر قعدۃ اخیرہ چھوڑ دیا تو نماز نہیں ہوگی پس جب نماز کا پورا

ہونا قعدہ اخیرہ پر معلق ہو گیا تو قرأت تشہد پر معلق نہیں ہو گا تا کہ تخیر متحقق ہو جائے۔

امام شافعیؒ نے درود شریف کے فرض ہونے پر باری تعالیٰ کے قول یا ایہنا الذین امنوا صلوا علیہ سے استدلال کیا ہے۔ بایں طور صلوا امر کا صیغہ ہے اور امر کا موجب وجوب ہے اور خارج صلوا درود پڑھنا واجب نہیں پس ثابت ہوا کہ نماز کے اندر درود پڑھنا واجب ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔ لا صلوة لمن لم یصل علی فی صلواتہ یعنی جس شخص نے اپنی نماز میں میرا درود نہیں بھیجا اس کی نماز نہیں ہوئی۔ اور ظاہر ہے کہ نماز کا نہ ہونا ترک فرض کی وجہ سے ہوتا ہے نہ کہ ترک سنت کی وجہ سے پس ثابت ہوا درود پڑھنا فرض ہے۔

صلوٰۃ علی النبی کے فرض نہ ہونے پر ہمارے علماء نے ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے اس طور پر ابن مسعودؓ کو تشہد کی تعلیم دینے کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا اذا قلت هذا او فعلت هذا فقد تمت صلوتک یعنی حضور ﷺ نے نماز پورا ہونا قرأت تشہد اور قعدہ اخیرہ ان دونوں میں سے ایک پر معلق کیا ہے پس جس شخص نے صلوٰۃ علی النبی پر معلق کیا اس نے نقص کیا حدیث ابن مسعودؓ کی مخالفت کی۔

اور امام شافعیؒ کا یہ کہنا کہ نماز سے باہر درود بھیجنا واجب نہیں ہمیں یہ بات تسلیم نہیں کیونکہ امام کرخیؒ نے ذکر کیا کہ زندگی میں ایک حضور ﷺ پر نماز سے باہر درود بھیجنا واجب ہے اس لئے کہ صلوا امر کا صیغہ ہے اور امر تکرار کا تقاضا نہیں کرتا۔ اور امام طحاویؒ نے فرمایا کہ جب بھی حضور ﷺ کا ذکر کرے یا آپ کا ذکر سے تو درود بھیجنا واجب ہے لیکن بار بار درود بھیجنا اس لئے واجب نہیں کہ امر تکرار کا تقاضا ہے بلکہ اس لئے کہ درود کا وجوب سبب تکرار کے ساتھ متعلق ہے اور وہ سبب متکرر ذکر نہیں ہے پس تکرار ذکر سے درود مکرر ہو گیا۔ جیسا کہ اوقات کے تکرار سے نماز کا وجوب مکرر ہو جاتا ہے بہر حال جب نماز سے باہر درود بھیجنا واجب ہو گیا تو صلوا علیہ صیغہ امر پر عمل ہو گیا اور نماز کے اندر درود کے واجب ہونے کو ثابت کرنے کی چنداں ضرورت نہیں رہی۔

امام شافعیؒ کی پیش کردہ حدیث لا صلوة لمن لم یصل الخ کا جواب یہ ہے کہ حدیث نفی کمال پر محمول ہے یعنی بغیر درود کے نماز کامل نہیں ہوتی جیسا کہ لا صلوة لجمار المسجد الا فی المسجد میں نفی کمال پر محمول ہے اور اس پر قرینہ یہ ہے کہ حضور ﷺ نے جب اعرابی کو فرائض نماز کی تعلیم دی۔ تو اس وقت آپ نے صلوة علی النبی کا ذکر نہیں کیا اگر صلوة علی النبی فرض ہوتا تو آپ اس کو ضرور ذکر فرماتے۔

فوائد..... رہی یہ بات کہ آپ پر کسی کیفیت کے ساتھ درود بھیجے تو اس بارے میں عیسیٰ بن ابانؒ نے کتاب الحج علی اہل المدینہ میں ذکر کیا کہ امام سے صلوة النبی کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ یہ کہئے اللہم صلی علی محمد وعلی ال محمد کما صلیت علی ابراہیم وعلی ال ابراہیم انک حمید مجید صاحب کفایہ نے لکھا کہ یہ درود کعب بن عجرہؓ کی حدیث کے موافق ہے۔

حضرت علیؓ ابن عباسؓ اور جابر رضی اللہ عنہم نے حضور ﷺ سے کہا کہ ہم کو آپ پر سلام بھیجنے کا طریقہ تو معلوم ہے لیکن درود کس طرح بھیجیں پس آپ ﷺ نے فرمایا یوں کہو اللہم صلی علی محمد وعلی ال محمد وبارک علی محمد وعلی ال محمد

وارحم محمد او آل محمد، كما صليت وباركت وترحمت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم في العالمين انك حميد مجيد۔

ماثورہ ومنتقلہ دعاؤں کے پڑھنے کا حکم

قال ودعا بما يشبه الفاظ القرآن والادعية المأثورة لما روينا من حديث ابن مسعود قال له النبي عليه السلام ثم اختر من الدعاء اطيبها و اعجبها اليك و يبدأ بالصلاة على النبي عليه السلام ليكون اقرب الى الاجابة

ترجمہ۔ مصنف نے کہا اور دعا کرے ایسے الفاظ کے ساتھ جو الفاظ قرآن اور ماثورہ دعاؤں کے مشابہ ہوں اس حدیث کی وجہ سے جو ہم نے روایت کی یعنی حدیث ابن مسعود کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ پھر اختیار کر جو دعا تجھ کو زیادہ پاکیزہ اور پسندیدہ ہو اور حضور ﷺ پر درود کے ساتھ شروع کرے تاکہ قبولیت سے اقرب ہو۔

تشریح۔ مسئلہ قعدہ اخیرہ میں صلوٰۃ علی النبی کے بعد عربی زبان میں دعا کرے کیونکہ نماز میں سوائے عربی زبان کے دوسری زبان میں دعا کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ پھر واضح ہو کہ دعا کر کے الفاظ قرآن پاک کے الفاظ کے مشابہ ہو مثلاً باری تعالیٰ کا قول قل رب اغفر لی ولوالدی وللمن دخل بیتی مؤمنا وللمؤمنین والمؤمنات یوم یقوم الحساب رب اجعلنی مقیم الصلوٰۃ ومن ذریتی ربنا اغفر لنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان الایۃ ربنا ظلمنا انفسنا الایۃ ربنا انک من تدخل النار فقد اخزیتہ الایۃ یا ان دعاؤں کے مشابہ ہو جو دعائیں حضور ﷺ سے مروی ہیں مثلاً حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہ قال لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علمنی یا رسول اللہ دعاء ادعوبہ فی صلوٰتی فقال قل اللهم انی ظلمت نفسی ظلما کثیرا فانه لا یغفر الذنوب الا انت اغفر لی مغفرة من عندک انک انت الغفور الرحیم حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ لان الفاظ کے ساتھ دعاء کرتے تھے کہ اللهم انی اسئلك من الخیر کلها ما علمت منه وما لم اعلم و اعوذ بک من الشر کلہ ما علمت وما لم اعلم؛ دلیل حدیث ابن مسعود یہ ہے یعنی اذا کان اخر الصلوٰۃ دعا لنفسه بما شاء پھر اس حدیث کے اخیر میں ہے کہ حضور ﷺ نے ابن مسعود سے کہا تھا تم اختر من الدعاء اعجبہ و اطیبہ الیک، اعجبہ اور اطیبہ میں ضمیر مذکر سنن کی روایت کے موافق ہے لیکن ہدایہ کے بعض نسخوں میں اعجبہا و اطیبہا ہے مگر یہ صحیح نہیں ہے اور اگر ضمیر مؤنث کے ساتھ صحیح قرار دیا جائے تو دعوات یا کلمات کے ساتھ تاویل کی جائے گی۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ پہلے حضور پر درود بھیجے پھر دعاء کرے تاکہ قبولیت سے اقرب ہو۔ دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ کے حق میں دعا ضرور قبول ہوگی اور کریم سے یہ بات بعید ہے کہ بعض دعا کو قبول کرے اور بعض کو قبول نہ کرے پس وہ پوری ہی دعا کو قبول کرے گا۔

لوگوں کی کلام کے مشابہ ادعیہ سے اجتناب کرے

ولا يدعو بما يشبه كلام الناس تحرزا عن الفساد و لهذا يأتي بالمأثور المحفوظ وما لا يستحيل سوا له من العباد كقولہ اللهم زوجنی فلانة يشبه كلامهم وما يستحيل كقولہ اللهم اغفر لی لیس من كلامهم وقوله اللهم ارزقنی من قبیل الاول لاستعمالها فيما بین العباد يقال رزق الامر الحش

ترجمہ..... اور ایسے الفاظ کے ساتھ دعا نہ کرے جو لوگوں کے کلام سے مشابہ ہوں۔ فساد نماز سے بچنے کی وجہ سے اور اسی وجہ سے ماثورہ دعاؤں کو جو محفوظ ہیں پڑھے اور جس چیز کا مانگنا بندوں سے مجال نہ ہو جیسے اس کا قول اللّٰہم زوجنی فلانۃ کلام الناس کے ہے اور جس چیز کا مانگنا مجال ہو جیسے اس کا قول اللّٰہم اغفر لی تو یہ کلام الناس سے نہیں ہے۔ اور مصلیٰ کا کہنا اللّٰہم ارزقنی قسم اول ہے کیونکہ یہ کلام لوگوں میں باہم مستعمل ہے (چنانچہ) کہا جاتا ہے رزق الامیر الجیش امیر نے لشکر کو رزق دیا۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ صلوٰۃ علی النبی کے بعد ایسے الفاظ کے ساتھ دعا نہ کرے جو لوگوں کے کلام سے مشابہ ہوں تاکہ نماز کا اور کلام الناس کے متصل ہے فاسد ہونے سے محفوظ رہ سکے اسی وجہ سے کہا گیا کہ نمازی کو چاہئے کہ وہ ماثورہ دعائیں پڑھے۔

کلام الناس کے مشابہ دعا مفسد صلوٰۃ ہے: یہ بات واضح رہے کہ تشہد کے بعد اگر ایسے الفاظ کے ساتھ دعا کی جو کلام الناس کے مشابہ ہوں تو اس سے پوری نماز فاسد نہیں ہوگی کیونکہ تشہد کے بعد اگر حقیقۃً کلام الناس پایا جائے تو نماز فاسد نہیں ہوتی۔ بس کلام الناس کے مشابہ کلام ہو تو بدرجہ اولیٰ نماز فاسد نہیں ہوگی۔ یہ حکم صاحبین کے نزدیک تو ظاہر ہے اور اسی طرح امام صاحب کے نزدیک فاسد نہیں ہوگی اس لئے کہ کلام الناس مصلیٰ کی طرف سے خروج صیغہ ہے لہذا اس سے اس کی نماز پوری ہو جائے گی اور وہ دعا جو تشہد بعد کلام الناس سے مشابہ الفاظ کے ساتھ کی گئی ہے وہ نماز سے باہر ہوگی نہ یہ کہ نماز کو فاسد کرنے والی ہوگی۔ (عنایہ)

کلام الناس کے مشابہ ہونے کا مفہوم: اب رہی یہ بات کہ کون سی دعاء کلام الناس سے مشابہت رکھتی ہے اور کون سی دعا الناس سے مشابہت نہیں رکھتی تو اس کے بارے میں فرمایا کہ جس چیز کا بندوں سے مانگنا مجال نہ ہو جیسے کہا کہ اللّٰہم زوجنی فلانۃ کلام الناس کے مشابہ ہے۔ اور جس کا بندوں سے مانگنا مجال ہو جیسے کہا کہ اللّٰہم اغفر لی تو یہ کلام الناس کے مشابہ نہیں ہے اور مصلیٰ نے کہا کہ اللّٰہم ارزقنی (الہی رزق دے) تو یہ از قسم اول ہے یعنی کلام الناس کے مشابہ ہے یہی صحیح ہے دلیل یہ ہے کہ یہ لوگوں میں باہم مستعمل ہے چنانچہ کہا جاتا ہے رزق الامیر الجیش امیر نے لشکر کو رزق دیا۔

دائیں بائیں سلام پھیرنا، سلام میں نیت کس کی کرے

ثم یسلم عن یمینہ فیقول السلام علیکم ورحمۃ اللہ وعن یسارۃ مثل ذلک لما روی ابن مسعود ان اللہ علیہ السلام کان یسلم عن یمینہ حتی یری بیاض خدہ الایمن وعن یسارہ حتی یری بیاض خدہ الایمہ ونوی بالتسلیم الاولیٰ من علی یمینہ من الرجال والنساء والحفظۃ كذلك فی الثانیۃ، لان الاعمال بالیمن ولا ینوی النساء فی زماننا ولا من لا شرکت لہ فی صلاتہ هو الصحیح لان الخطاب حظ الحاضر

ترجمہ..... پھر اپنی دائیں طرف سلام پھیرے پھر کہے السلام علیکم ورحمۃ اللہ اور اپنی بائیں طرف اسی کے مثل کیونکہ ابن مسعود نے روایت کی کہ حضور ﷺ اپنی دائیں طرف سلام پھیرتے تھے حتیٰ کہ آپ کے دائیں رخسار کی سفیدی دیکھی جاتی تھی۔ اور بائیں جانب یہاں تک کہ آپ کے بائیں رخسار کی سفیدی دیکھی جاتی تھی اور پہلے سلام سے ان کی نیت کرے جو اس کے دائیں جانب ہوں خواہ مرد ہوں یا عورت اور ملائکہ حفظہ اور اسی طرح دوسرے سلام میں کیونکہ اعمال کا دائرہ نیتوں پر ہے اور ہمارے زمانے میں (امام) عورتوں کی نیت نہ کرنا نہ ایسے شخص کی نیت کرے جس کو اس کی نماز میں شرکت نہیں۔ یہی قول صحیح ہے کیونکہ خطاب حاضرین کا حصہ ہے۔

تشریح۔ اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ تشہد صلوٰۃ علی النبی اور دعاء کے بعد دونوں طرف سلام پھیرے پہلے دائیں طرف پھر بائیں طرف اور سلام کے الفاظ یہ ہیں السلام علیکم ورحمۃ اللہ یعنی تم پر سلام اور اللہ کی رحمت ہو جو ہر علماء اور کبار صحابہ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کا یہی مذہب ہے دلیل حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یسلم عن یمینہ حتی یری بیاض خدہ الایمن وعن یسارہ حتی یری بیاض خدہ الایسر حضرت امام مالکؒ نے کہا کہ صرف سامنے کی جانب ایک سلام ہے اور استدلال میں پیش کیا کہ حضرت عائشہ اور سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہما نے روایت کی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم فعل کذلک یعنی حضور اقدس ﷺ نے روایت کی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم فعل کذلک یعنی حضور اقدس ﷺ نے ایسا ہی کیا ہے یعنی نماز سے نکلنے کے لئے ایک۔ م کیا۔

ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ کبار صحابہ کے قول کو اختیار کرنا اولیٰ ہے بہ نسبت امام مالکؒ کے قول کے۔ اور رہا حضرت عائشہ اور سہل بن سعد الساعدی کا ایک سلام روایت کرنا تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا عورتوں کی صف میں رہتی تھیں اور سہل بچوں کی صف میں پس ممکن ہے کہ ان دونوں نے دوسرا سلام نہ سنا ہو۔ درنحالیکہ مروی ہے کہ حضور ﷺ کا دوسرا سلام بہ نسبت اول کے پست آواز سے ہوتا تھا پس اس احتمال کے ہوتے ہوئے حدیث عائشہ اور سہل قابل استدلال نہیں ہوگی۔

مصنفؒ نے کہا کہ پہلا سلام پھیرتے وقت ان لوگوں کی نیت کرے جو اس کے دائیں جانب ہیں خواہ مرد ہوں خواہ عورتیں اور ملائکہ حفظہ کی نیت کرے اور اسی طرح بائیں طرف سلام پھیرتے وقت ان کی نیت کرے جو اس کی بائیں طرف ہیں۔ دلیل یہ ہے کہ اعمال کا مدار نیت پر ہے جیسا کہ حدیث میں ہے صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ ہمارے زمانے میں عورتوں کی نیت نہ کرے کیونکہ اس زمانہ میں عورتوں کا جماعت میں حاضر ہونا باجماع متاخرین متروک ہے۔ اور جو مسلمان نماز میں شریک نہیں ان کی بھی نیت نہ کرے۔ یہی صحیح قول ہے اور حاکم شہید نے کہا کہ تمام مردوں اور عورتوں کی نیت کرے خواہ نماز میں شریک ہوں یا شریک نہ ہوں تاکہ سلام تشہد یعنی السلام علینا وعلیٰ عباد اللہ الصالحین کے موافق ہو جائے اور قول صحیح کی دلیل یہ ہے کہ سلام تحیہ خطاب ہے اور خطاب حاضرین کا حصہ ہے اس لئے جو لوگ نماز میں شریک نہیں ان کو یہ سلام شامل نہیں ہوگا۔ اس کے برعکس سلام تشہد کہ وہ تحیۃ عامہ ہے اللہ کے تمام نیک بندوں کو خواہ حاضر ہوں خواہ غائب ہوں چنانچہ حضور ﷺ نے فرمایا اذا قال المصلی السلام علینا وعلیٰ عباد اللہ الصالحین اصاب کل عبد صالح من اهل السماء و الارض یعنی نمازی جب السلام علینا وعلیٰ عباد اللہ الصالحین کہتا ہے تو وہ سماء اور اہل ارض میں سے اللہ کے ہر نیک بندے کو پہنچتا ہے۔

مقتدی سلام میں امام کی نیت بھی کرے گا یا نہیں، اقوال فقہاء

ولابد للمقتدی من نية امامه، فان كان الامام من الجانب الایمن او الایسر نواه فيهم وان كان بحذانه نواه فی الاولیٰ عند ابی یوسف ترجیحاً للجانب الایمن و عند محمد وهو رواية عن ابی حنیفة نواه فیہما لانه ذو حظ من الجانبین

ترجمہ۔ اور مقتدی کے لئے امام کی نیت کرنا بھی ضروری ہے پس اگر دائیں طرف ہو یا بائیں طرف تو ان میں اس کو

امام مقتدی کے مقابل ہو تو ابو یوسف کے نزدیک مقتدی پہلے سلام میں امام کی نیت کرے دائیں جانب کو ترجیح دینے کی وجہ سے اور کے نزدیک اور یہی روایت ہے ابو حنیفہ سے کہ مقتدی دونوں سلام میں امام کی نیت کرے۔ کیونکہ امام دونوں جانب سے حصہ والا ہے۔ تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ سلام پھیرتے وقت مقتدی کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے امام کی نیت کرے امام اگر دائیں طرف ہے تو طرف سلام میں نیت کرے اور بائیں طرف ہے تو اس طرف کے سلام میں امام کی نیت کرے۔ اور اگر مقتدی ٹھیک امام کے پیچھے محاذی ہو تو اس صورت میں امام ابو یوسف کا مذہب یہ ہے کہ مقتدی دائیں طرف کے سلام میں امام کی نیت کرے اور امام محمد کا مذہب ہے کہ دونوں طرف کے سلام میں امام کی نیت کرے یہی ایک روایت امام ابو حنیفہ سے ہے امام ابو یوسف نے دائیں جانب کو ترجیح دیا کیونکہ شریعت میں تیامن ہی معتبر ہے اور امام محمد کی دلیل یہ ہے کہ محاذی (مقابل) دونوں طرف سے حصہ پانے والا ہوتا ہے اس لئے دونوں طرف کے سلام میں امام کی نیت کر لی جائے تو بہتر ہے دوسری بات یہ ہے کہ تعارض کے وقت اگر جمع کرنا ممکن ہو تو ترجیح کی رجوع نہیں کیا جاتا اس لئے بھی امام محمد نے کہا کہ دونوں طرف کے سلام میں نیت کرے۔

منفرد سلام میں کس کی نیت کرے

والمفرد ینوی الحفظۃ لا غیر لانہ لیس معہ سواہم

ترجمہ..... اور منفرد ملائکہ حفظ کی نیت کرے فقط کیونکہ منفرد کے ساتھ سوائے حفظ کے کوئی نہیں ہے۔
تشریح..... مسئلہ اور دلیل واضح ہے۔

امام سلام میں ملائکہ اور مقتدیوں دونوں کی نیت کرے

والامام ینوی بالتسلیمتین ہو الصحیح ولاینوی فی الملائکۃ عددا محصورا لان الاخبار فی عددهم اختلفت فاشبه الايمان بالانبياء عليهم السلام ثم اصابة لفظۃ السلام واجبة عندنا وليس بفرض خا للشافعی ہو يتمسک بقوله عليه السلام تحريمها التكبير و تحليلها التسليم ولنا ما روينا من حديث مسعود و التخيير ينافي الفريضة والوجوب الا انا اثبتنا الوجوب بما رواه احتياطا و بمثله لا يثبت الفرض والله اعلم

ترجمہ..... اور امام دونوں سلاموں میں نیت کرے۔ یہی صحیح ہے اور ملائکہ میں معین عدد کی نیت نہ کرے کیونکہ اخبار واحادیث ملائکہ تعداد میں مختلف ہیں پس یہ مسئلہ انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانے کے مشابہ ہو گیا پھر ہمارے نزدیک لفظ السلام ادا کرنا واجب ہے اور نہیں ہے اس میں امام شافعی کا اختلاف ہے امام شافعی حضور ﷺ کے قول تحريمها التكبير و تحليلها التسليم سے استدلال کرتے ہیں اور ہماری دلیل وہ ہے جو ہم نے حدیث ابن مسعود روایت کی ہے اور اختیار دنیا فرضیت اور وجوب کے منافی ہے۔ مگر ہم نے امام شافعی کی روایت کردہ حدیث کی وجہ سے احتیاطاً وجوب کو ثابت کیا اور اس جیسی حدیث سے فرضیت ثابت نہیں ہے واللہ اعلم

تشریح..... مسئلہ امام اپنے دونوں سلام میں ملائکہ حفظ اور قوم دونوں کی نیت کرے۔ یہی صحیح قول ہے بعض نے کہا کہ امام نیت کرے

نہیں ہے اور بعض نے کہا کہ ایک اسلام کے اندر نیت کرنا کافی ہے۔ صاحب ہدایہ نے کہا کہ ملائکہ میں کسی عدد معین کی نیت نہ کرے بلکہ مطلقاً ملائکہ کی نیت کرے کیونکہ ملائکہ حفظ کی تعداد میں اثنا و احادیث مختلف وارد ہوئی ہیں۔ چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے انہ قال مع کل مؤمن حسمة من الحفظۃ و احد من یمینہ یکتب الحسنات و اخر عن یسارہ یکتب السینات و اخر امامہ یلقنہ الخیرات و اخر ورائہ یدفع عنہ المکارہ و اخر عند ناصیئہ یکتب ما یصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم یرسلہ الی الرسول عنیہ السلام۔ ابن عباس نے کہا کہ ہر مومن کے ساتھ پانچ ملائکہ حفظ رہتے ہیں ایک دائیں طرف جو نیکیاں لکھتا ہے، دوسرا بائیں طرف جو برائیاں لکھتا ہے، تیسرا اس کے آگے رہتا ہے جو اس کو نیکیوں کی تلقین کرتا ہے، چوتھا اس کے پیچھے جو اس سے مکارہ اور ناگوار چیزوں کو دور کرتا ہے، پانچواں اس کی پیشانی کے پاس رہتا ہے جو اس کو لکھ لیتا ہے جو حضور ﷺ پر درود بھیجا جاتا ہے اور اس کو اللہ کے رسول تک پہنچا دیتا ہے ایک روایت میں ہے مع کل مؤمن ستون ملائکہ اور ایک میں ہے مائة وستون پس جب ملائکہ حفظ کی تعداد متعین نہیں تو بغیر متعین کئے ان کی نیت کرے۔ اور یہ مسئلہ انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانے کے مشابہ ہو گیا یعنی کوئی عدد معین کئے بغیر تمام انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانا ضروری ہے۔

نماز سے لفظ سلام کے ساتھ نکلنا واجب ہے: واضح ہو کہ ہمارے نزدیک لفظ سلام ادا کرنا واجب ہے فرض نہیں اور امام شافعی کے نزدیک لفظ سلام کہنا رکن اور فرض ہے امام شافعی کی دلیل حضور ﷺ کا قول نہ حریمہا التکبیر و تحلیلہا التسلیم ہے وجہ استدلال یہ ہے کہ جس طرح بغیر تکبیر کے نماز میں دخول صحیح نہیں اسی طرح بغیر سلام کے نماز سے نکلنا صحیح نہیں ہے اور سابق میں گذر چکا کہ تکبیر تحریمہ فرض ہے لہذا نماز سے نکلنے کے لئے سلام کہنا بھی فرض ہوگا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے جب عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تشہد کی تعلیم دی تو آپ ﷺ نے ابن مسعود سے کہا تھا اذا قلت هذا او فعلت هذا فقد تمت صلوٰۃ تک فان شئت ان تقوم فقم وان شئت ان تقعد فاقعد، اس حدیث سے اس طور پر استدلال ہوگا کہ اللہ کے برحق نبی ﷺ نے سلام سے نماز پوری ہونے کا حکم لگایا ہے اور اس کو بیٹھنے اور کھڑا ہونے کے درمیان اختیار دیا ہے اور اختیار دینا کسی چیز کے فرض ہونے اور واجب ہونے کے منافی ہے پس ثابت ہوا کہ مقتدر تشہد کے بعد سلام وغیرہ کوئی چیز فرض نہیں ہے لیکن اگر کوئی اعتراض کرے کہ اختیار دینا تو وجوب کے بھی منافی ہے لہذا سلام کہنا واجب بھی نہ ہونا چاہئے تھا حالانکہ علماء احناف و جوب تسلیم کے قائل ہیں۔

جواب ہم نے وجوب کو احتیاطاً اس حدیث کی وجہ سے ثابت کیا ہے جس کو امام شافعی نے روایت کیا یعنی نہ حریمہا التکبیر الحدیث اور یہ حدیث خبر واحد ہے اور خبر واحد سے وجوب تو ثابت ہو جاتا ہے مگر فرضیت ثابت نہیں ہوتی۔ واللہ اعلم، جمیل احمد عفی عنہ۔

فصل فی القراءۃ

ترجمہ..... (یہ) فصل قرأت کے (احکام کے بیان) میں ہے۔

تشریح..... مصنف علیہ الرحمۃ جب نماز کی صفت اس کی کیفیت اس کے ارکان، فرائض، واجبات اور اس کی سنتوں کے بیان سے فارغ ہو گئے تو اب اس فصل میں قرأت کے احکام ذکر کریں گے دراصل لیکہ قرأت بھی نماز کے ارکان میں سے ہے۔ دوسرے ارکان کی نسبت

چونکہ قرأت کے احکام بکثرت ہیں اس لئے احکام قرأت کو علیحدہ فصل میں ذکر کیا گیا۔

جہری قرأت کن نمازوں میں ہوگی، منفرد کے لئے جہر کا حکم

ويصحجر بالقراءة في الفجر والر كعتين الاوليين من المغرب والعشاء ان كان اما ما ويخفي في الاخرين
هو المتوارث وان كان منفردا فهو مخير ان شاء جهر واسمع نفسه لانه امام في حق نفسه وان شاء
لانه ليس خلفه من يسمعه والافضل هو الجهر ليكون الاداء على هياة الجماعة

ترجمہ۔ کہا کہ فجر میں اور مغرب اور عشاء کی پہلی دو رکعتوں میں قرأت کے ساتھ جہر کرے اگر امام ہو اور باقی میں اخفاء کرے
متوارث ہے اور اگر تنہا نماز پڑھے والا ہو تو اس کو اختیار ہے جی چاہے جہر کرے اور اپنی ذات کو سنائے کیونکہ وہ اپنی ذات کے قرآن پڑھ
ہے اور اگر چاہے اخفاء کرے کیونکہ اس کے پیچھے کوئی نہیں ہے جس کو سنائے گا اور افضل جہر ہے تاکہ منفرد کا ادا کرنا جماعت کی ہیئت
تشریح۔ مصنف نے کہا کہ مصلیٰ اگر امام ہو تو فجر کی دونوں رکعتوں اور مغرب اور عشاء کی پہلی دو رکعتوں میں قرأت کے ساتھ
واجب ہے اور باقی رکعتوں میں یعنی مغرب کی تیسری رکعت اور عشاء کی بعد والی دو رکعتوں میں اخفاء کرنا واجب ہے یہی حضور
اور تابعین سے منقول ہے۔

پھر جہری نماز میں جہر کرنا اور سری نماز میں اخفاء کرنا واجب ہے اور وجوب سنت سے ثابت ہے چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی
عنه سے روایت ہے انه قال في كل صلوة يقرأ فما اسمعنا رسول الله صلى الله عليه وسلم اسمعناكم وما اخفي
احسبنا عليكم یعنی ہر نماز میں قرأت قرآن کی جاتی ہے پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں ہم کو سنایا ہم نے تم کو سنایا اور
ہم پر مخفی رکھا ہم نے تم پر مخفی رکھا۔

حاصل یہ کہ جن نمازوں میں رسول اللہ نے جہر کیا۔ اور ہم کو سنایا ان میں ہم نے جہر کیا اور تم کو سنایا اور جن نمازوں میں آ
خفاء کیا ان میں ہم نے بھی اخفاء کیا پس معلوم ہوا کہ جہری نمازوں میں جہر اور سری نمازوں میں اخفاء سنت سے ثابت ہے اور
اجماع بھی دلیل ہے کیونکہ حضور کے عہد مبارک سے لے کر آج تک جہری نمازوں میں جہر پر اور سری نمازوں میں اخفاء پر پورا
کا اجماع ہے اور دلیل عقلی یہ ہے کہ قرأت نماز کے ارکان میں سے ایک رکن ہے جس طرح تمام ارکان کا اظہار ضروری ہے
قرأت کا اظہار بھی ضروری ہوگا یہی وجہ ہے کہ ابتداء اسلام میں حضور تمام نمازوں میں قرأت بالجہر فرماتے تھے۔ اور مشرکین
قرآن سن کر آپ کو ایذا پہنچاتے اور بیہودہ بکتے۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی وَلَا تَجْهَرُوا بِالصَّلَاةِ وَلَا تَخَافُوا
آپ نہ تمام نمازوں میں جہر فرمائیں اور نہ تمام نمازوں میں اخفاء کریں وابتغ بينن ذلك سبيلا بلکہ ان دونوں کے درمیان
اختیار رکھتے یعنی رات کی نمازوں میں جہر فرمائیے اور دن کی نمازوں میں اخفاء رکھتے پس اس کے بعد سے آپ نے ظہر اور عصر کی
اخفاء کرنا شروع کیا۔ اس لئے کہ ان دونوں وقتوں میں کفار ایذا رسانی کے درپے رہتے تھے۔

اور چونکہ کفار مغرب کے وقت کھانے میں مشغول رہتے اور عشاء اور فجر کے وقت خواب غفلت میں پڑے رہتے تھے اس
اوقات میں آپ نے جہر فرمایا۔ اور جمعہ اور عیدین کی نمازوں میں اس لئے جہر فرمایا کہ یہ نمازیں مدینہ منورہ میں قائم ہوئیں اور

کفار کو ایذا پہنچانے کی قوت نہیں تھی۔ اور یہ عذر یعنی کفار کا ایذا پہنچانا اگرچہ مسلمانوں کی کثرت کی وجہ سے زائل ہو گیا لیکن سری نمازوں میں اخفاء کا حکم باقی ہے کیونکہ بقاء حکم بقاء سبب سے مستغنی ہوتا ہے۔ جیسے طواف کے اندر رمل کا حکم باقی ہے اگرچہ سبب باقی نہیں رہا اور اگر مجلس تنہا پڑھنے والا ہو تو اس کو اختیار ہے جی چاہے جہر کرے اور اپنی ذات کو سنائے۔ کیونکہ وہ اپنی ذات کے حق میں امام ہے۔ اور جی پائے تو اخفاء کرے کیونکہ اس کے ساتھ کوئی ایسا شخص نہیں ہے جس کو سنا دے اور رب اللہ جل شانہ تو وہ ہر خفی اور جلی کو سنتا ہے۔ حاصل یہ کہ منفرد پڑھنا جہر واجب ہے اور نہ اخفاء، البتہ جہر کرنا افضل ہے تاکہ منفرہ کی نماز جماعت کی عینیت پر واقع ہو۔

سری قراءت کن نمازوں میں ہوگی، امام مالک کا نقطہ نظر

ويخفيها الامام في الظهر والعصر وان كان بعرفة لقوله عليه السلام صلوة النهار عجماء اي ليست فيها قراءة مسموعة وفي عرفة خلاف لمالك والحجة عليه مارويناہ

ترجمہ..... اور امام ظہر اور عصر میں اخفاء کرے اگرچہ عرفہ میں ہو اس لئے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ دن کی نماز گونگی ہے یعنی دن کی نمازوں میں ایسی قرأت نہیں جو سنی جائے۔ اور مقام عرفہ میں امام مالک کا خلاف ہے۔ اور امام مالک کے خلاف حجت وہ حدیث ہے جو ہم نے روایت کی۔

تشریح..... ظہر اور عصر کی نماز میں امام پر اخفاء کرنا یعنی آہستہ قرأت کرنا واجب ہے پس جب جماعت کی حالت میں جو موجب جہر ہے اخفاء کرنا واجب ہے تو منفرہ پر بدرجہ اولیٰ ظہر اور عصر میں اخفاء واجب ہوگا۔ دلیل حضور ﷺ کا قول صلوة النهار عجماء ہے یعنی دن کی نمازوں میں ایسی قرأت نہیں جو سنی جائے۔

حاصل یہ ہے کہ دن کی نمازوں میں قرأت تو ہے مگر بالسر ہے نہ کہ بالجہر، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس حدیث کی تفسیر یہ ہے لاقراءة فی ہاتین الصلوتین یعنی دن کی دونوں نمازوں میں قرأت نہیں ہے نہ بالجہر اور نہ بالسر لیکن ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ تفسیر صحیح نہیں اور عدم صحت پر دلیل یہ ہے کہ ایک مرتبہ خباب بن ارت رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا ہم عرفتم قراءة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی صلاة الظهر والعصر قال باضطراب لحینته، یعنی تم نے کس طرح پہنچانا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر اور عصر کی نماز میں قرأت کرتے تھے خباب بن ارت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ آپ ﷺ کی ریش مبارک کی جنبش سے۔ اور حضرت ابوقادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یسمعنا الاية والايتين فی الظهر احبانا فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کو ظہر کی نماز میں کبھی کبھار ایک یا دو آیتیں سنا دیا کرتے تھے پس معلوم ہوا کہ دن کی نمازوں میں قرأت بالسر ہے ہمارے نزدیک ظہر اور عصر کی نماز میں علی الاطلاق اخفاء واجب ہے۔ یہ نمازیں مقام عرفہ میں پڑھی جائیں یا اس کے علاوہ میں۔ لیکن امام مالک نے کہا کہ مقام عرفہ میں ان دونوں نمازوں میں جہر واجب ہے امام مالک کی دلیل یہ ہے کہ عرفہ میں ایک مجمع کثیر کے ساتھ نماز ادا کی جاتی ہے لہذا جمعہ پر قیاس کرتے ہوئے یہاں بھی جہر کرے گا۔ مگر امام مالک کے خلاف وہ حدیث حجت ہوگی جس کو ہم روایت کر چکے ہیں یعنی صلاة النهار عجماء۔

امام جمعہ اور عیدین میں جہر اقرأت کرے، دن اور رات کے نوافل میں جہر کا حکم

و یجہر فی الجمعة والعیدین لورود النقل المستفیض بالجہر وفی التطوع بالنہار یخافت وفی اللیل اعتبارا بالفرض فی حق المنفرد وهذا لانہ مکمل لہ فیکون تبعاً

ترجمہ..... اور امام جمعہ اور عیدین میں جہر کرے گا۔ کیونکہ جہر کے ساتھ نقل مشہور وارد ہے اور دن کی نفل میں اخفاء کرے اور رات میں اختیار ہے منفرد کے حق میں فرض پر قیاس کرتے ہوئے۔ اور یہ اس لئے کہ نفل فرض کو مکمل کرنے والا ہے تو نفل فرض کے تابع ہوگا۔ تشریح..... مسئلہ جمعہ اور عیدین کی نماز میں بھی امام پر جہر واجب ہے۔ دلیل احادیث مشہورہ ہیں چنانچہ بخاری کے علاوہ محدثین جماعت نے روایت کیا ہے انہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یقرأ فی العیدین ویوم الجمعة تسبیح اسم ربک الاعلی اتاک حدیث الغاشیة اور مسلم کی تریات ہے عن ابی واقد اللیثی سألتی عمر ما کان یقرأ بہ رسول اللہ صلی اللہ وسلم فی الاضحی والفقیر فقال کان یقرأ بق والقران المجید واقتربت الساعة یعنی ابواقد سے مروی ہے کہ عمر نے سوال کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عید الاضحی اور عید الفطر کی نماز میں کیا پڑھتے تھے فرمایا سورہ ق اور سورہ اقتربت الساعة روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ جمعہ اور عیدین میں جہر فرماتے تھے۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ دن کے نفل میں اخفاء واجب ہے اور رات کے نفل میں اختیار ہے جہر کرے یا اخفاء کرے اور دلیل یہ نفل پڑھنے والے کو قیاس کیا گیا ہے مفروض منفرد پر یعنی تنہا فرض نماز ادا کرنے والے پر یعنی جیسے فرض میں منفرد کا حکم ہے کہ دن کے نفل میں وجوب اخفاء کرے گا اور رات کی نمازوں میں اس کو اختیار ہے جی چاہے جہر کرے اور جی چاہے اخفاء کرے اور اس قیاس وجہ یہ ہے کہ نفل فرض کی تکمیل کرنے والا ہوتا ہے لہذا نفل فرض کے تابع ہوگا۔ اور رات کے فرضوں میں منفرد کو اختیار ہے کہ جہر کرے یا اخفاء کرے اسی طرح رات کے نفلوں میں بھی اختیار ہے۔ اور چونکہ دن کے فرضوں میں اخفاء متعین ہے لہذا دن کے نفلوں میں بھی متعین ہوگا۔

جہری نماز کی قضا میں بھی جہر اقرأت ہوگی

ومن فاتته العشاء فصلاھا بعد طلوع الشمس ان ام فیھا جہر كما فعل رسول اللہ ﷺ حین قضی الفجر من لیلۃ التعریس بجماعة وان کان وحده خافت حتما ولا یتخیر هو الصحیح لان الجہر یختص اما بالجمود حتما أو بالوقت فی حق المنفرد علی وجه التخییر ولم یوجد احدهما

ترجمہ..... اور جس مرد کی عشاء فوت ہوگئی۔ پھر طلوع آفتاب کے بعد اس کو قضاء کیا تو اگر قضا میں امامت کی تو جہر کرے جیسے اللہ ﷺ نے کیا تھا جب کہ لیلۃ التعریس کی صبح کو (دن نکلے) فجر کی نماز کو جماعت کے ساتھ قضا فرمایا تھا اور اگر تنہا ہو تو وجوب اخفاء کرے۔ اور اس کو اختیار نہیں۔ یہی صحیح ہے کیونکہ جہر کرنا مختص ہے یا تو باجماعت ہو (کہ اس وقت جہر) واجب ہے یا وقت کے اندر ہو تو منفرد۔ مراعات حق میں بطور اختیار ہے اور ان دونوں میں سے کوئی نہیں پایا گیا۔

تشریح... مسئلہ اگر کسی شخص کی عشاء یا مغرب اور فجر کی نماز فوت ہوگئی پھر اس کو آفتاب طلوع ہونے کے بعد قضا کیا تو اس کی دو صورتیں ہیں یا تو باجماعت قضا کرے گیا یا تنہا اگر جماعت کے ساتھ قضا کی ہے تو جبر کرے اور دلیل یہ ہے کہ لیلۃ التعریس کے موقع پر جب آپ نے فجر کی نماز کو باجماعت قضا کیا تو آپ نے جہر فرمایا تھا۔

حضور ﷺ نے قضا نماز میں قرأت بالجہر فرمائی: مختصر واقعہ یہ ہے کہ سفر جہاد سے واپسی میں صحابہ کی درخواست پر آپ صبح لشکر اترے اور حضرت بلالؓ نے جاگنے کی ذمہ داری لی مگر سو گئے اور اس وقت جاگے کہ ان پر دھوپ آئی پس حضور ﷺ نے وہاں سے کوچ کا حکم دیا اور آگے بڑھ کر جب آفتاب ایک نیزہ بلند ہوا تو اتر کر وضو کیا اور مؤذن کو اذان کا حکم دیا پھر دو رکعتیں پڑھیں یعنی سنت فجر پھر نماز کی اقامت کہی گئی پھر نماز فجر پڑھی جیسے روز پڑھا کرتے تھے اور ظاہر ہے کہ آپ ﷺ فجر کی نماز میں بالجہر قرأت کرتے تھے پس ثابت ہوا کہ آپ ﷺ نے لیلۃ التعریس کے موقع پر فجر کی نماز کو قرأت بالجہر کے ساتھ قضا کیا۔

تنہا جہری نماز کی قضا کرتے وقت اخفاء واجب ہے: اور اگر مذکورہ قضا نماز تنہا پڑھے تو اخفاء واجب ہے اور اس کو جہر اور اخفاء کے درمیان اختیار نہیں ہے۔ یہی قول صحیح ہے شمس الائمہ السنحسی اور فخر الاسلام وغیرہ نے کہا کہ جہر افضل ہے۔ دلیل یہ ہے کہ قضا ادا کے موافق ہوتی ہے اور رات کی نمازوں میں ادا منفرد کے حق میں اختیار ہے کہ جہر کرے یا اخفاء کرے اور جہر افضل ہے پس ایسے ہی قضا میں ہوگا۔ قول صحیح کی دلیل یہ ہے کہ جب جہر کرنا دو صورتوں میں مختص ہے ایک یہ کہ نماز باجماعت ہو دوم یہ کہ نماز وقت کے اندر ہو پہلی صورت میں جہر واجب ہے اور دوسری صورت میں منفرد کے حق میں بطور اختیار کے ہے۔ حاصل یہ ہے کہ جہر اور اخفاء شرعی تو قیف پر موقوف ہے اور ہم نے شریعت میں جہر دو طریقوں سے پایا ایک تو جہر واجب یہ اس وقت ہے کہ جماعت سے جہری نماز پڑھے خواہ ادا ہو یا قضا ہو اور دوم جہر مخیر یہ اس وقت ہے جب کہ منفرد وقت کے اندر جہری نماز پڑھے۔ اور یہاں جب کہ منفرد طلوع آفتاب کے بعد جہری نماز پڑھتا ہے تو دونوں باتوں میں سے کوئی بات نہیں پائی گئی یعنی نہ جماعت ہے اور نہ وقت اس لئے اس صورت میں نہ جہر واجب ہوگا اور نہ جہر مخیر بلکہ اخفاء واجب ہوگا۔ جلیل احمد غنی عنہ

عشاء کی پہلی دو رکعت میں سورت ملائی فاتحہ نہیں پڑھی یا فاتحہ پڑھی اور سورت ساتھ

نہیں ملائی تو اس کے لئے کیا حکم ہے

ومن قرأ فی العشاء فی الاولین السورة ولم یقرأ بفاتحة الكتاب لم یعد فی الاخرین وان قرأ الفاتحة ولم یزد علیها قرأ فی الاخرین الفاتحة والسورة وجهر و هذا عند ابی حنیفة و محمد و قال ابو یوسف لا یقضی واحدة منهما لان الواجب اذا فات عن وفته لا یقضی الا بدلیل ولهما وهو الفرق بین الوجهین ان قراءة الفاتحة شرعت علی وجه یترتب علیها السورة فلو قضاها فی الاخرین یترتب الفاتحة علی السورة وهذا خلاف الموضوع بخلاف ما اذا ترک السورة لانه امکن قضاؤها علی الوجه المشروع ثم ذکرهنا ما يدل علی الوجوب وفی الاصل بلفظة الاستحباب لانها ان كانت مؤخره فغیر موصولة بالفاتحة فلم یمکن مراعاة موضوعها من کل وجه

ترجمہ... اور جس نے عشاء کی پہلی دو رکعتوں میں سورت پڑھی اور سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی تو بعد کی دو رکعتوں میں فاتحہ کا اعادہ نہ کرے اور اگر اس

نے فاتحہ پڑھی اور اس پر زیادہ نہیں کیا تو بعد کی دو رکعتوں میں فاتحہ اور سورت دونوں پڑھے اور جہر کرے۔ اور یہ امام ابوحنیفہ اور ثمالی نے اور امام ابو یوسف نے کہا کہ دونوں میں سے کسی کی قضاء نہ کرے اس لئے کہ واجب جب اپنے وقت سے فوت ہو گیا تو بغیر اس کے اس کی قضاء نہیں کی جاتی۔ اور طرفین کی دلیل اور وہی دونوں صورتوں میں فرق بھی ہے کہ فاتحہ کا پڑھنا ایسے طور پر شروع ہوں سورت اس پر مرتب ہو پس اگر فاتحہ کی بعد کی دو رکعتوں میں قضاء کی تو سورت پر فاتحہ مرتب ہو جائے گی اور یہ خلاف موضوع ہے اس برخلاف جب (اولیین) میں سورت کو چھوڑا ہے کیونکہ سورت کی قضاء کرنا مشروع طریقہ پر ممکن ہے پھر یہاں وہ لفظ ذکر کیا جو درجہ دلالت کرتا ہے اور مبسوط میں لفظ استحباب کے ساتھ ہے اس لئے کہ صورت اگر مؤخر ہے تو وہ فاتحہ کے ساتھ متصل نہ رہی پس اس موضوع کی رعایت من کل وجہ ممکن نہیں ہے۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے عشاء کی پہلی دو رکعت میں سورت پڑھی مگر سورہ فاتحہ نہیں پڑھی۔ تو یہ شخص آخری دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ کی قضاء نہیں کرے گا اور اگر پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ پڑھی مگر سورہ فاتحہ کے بعد کچھ اور نہیں پڑھا تو آخری دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ اور سورت دونوں پڑھے اور دونوں کے ساتھ جہر کرے۔ یہ مذکورہ حکم طرفین کے نزدیک ہے۔ اور امام ابو یوسف فرمایا کہ سورہ فاتحہ اور سورت دونوں میں سے کسی کی قضاء نہ کرے۔

اور دلیل یہ ہے کہ سورہ فاتحہ اور سورت ان دونوں میں سے ہر ایک واجب ہے (یہی وجہ ہے کہ اگر ان دونوں میں سے کسی ایک کو ترک کر دیا تو سجدہ ہو واجب ہوگا خواہ شفع ثانی میں اس کی قضاء کرے یا قضاء نہ کرے) اور واجب جب اپنے وقت سے فوت ہو جائے اس کی قضاء نہیں کی جاتی الا یہ کہ کوئی دلیل قضاء پائی جائے اور دلیل قضاء یہاں موجود نہیں اس لئے ان دونوں کی قضاء بھی نہیں ہوگی دلیل اس لئے موجود نہیں کہ قضاء کہتے ہیں مالہ مشروعاً کو ماعلیہ کی طرف پھیر دینا یعنی شریعت نے اس کے لئے جو حق مشروع کیا تھا اس کی طرف پھیر دینا جو اس پر واجب ہے اور یہاں حال یہ ہے کہ آخر کی دو رکعتوں میں سورت مشروع نہیں ہوئی پس جب آخری دو رکعتوں میں سورت اس کا حق بن کر مشروع نہیں ہوئی تو پہلی دو رکعتوں میں فوت شدہ سورت کی آخری دو رکعت میں قضاء نہیں کر سکتا۔

طرفین کی دلیل اور یہی دونوں صورتوں میں وجہ فرق بھی ہے کہ فاتحہ کا پڑھنا ایسے طور پر مشروع ہوا ہے کہ سورت اس پر مرتب ہو فاتحہ ایسے طور پر پڑھے کہ اس کے بعد میں سورت پڑھے پس پہلی صورت میں جب سورت پڑھی اور سورہ فاتحہ نہیں پڑھی اگر آخرین میں فاتحہ کی قضاء کی تو سورہ فاتحہ سورت پر مرتب ہوگی یعنی صورت پہلے پڑھی گئی اور سورہ فاتحہ بعد میں اور یہ حالت موضوع شرع کے خلاف کیونکہ پہلے فاتحہ پھر سورت پڑھنا مشروع ہے۔ اور یہاں برعکس ہو گیا اس لئے کہ اس صورت میں فاتحہ قضاء کرنے کا حکم نہیں دیا۔

دوسری صورت یعنی جب اولیین میں فاتحہ پڑھی اور سورت نہیں پڑھی تو آخرین میں قضاء کرے گا کیونکہ اس صورت میں مشروع طریقہ پر قضاء کرنا ممکن ہے اس لئے کہ مشروع طریقہ یہ ہے کہ فاتحہ کے بعد سورت ہو اور وہ یہاں موجود ہے۔

صاحب عنایہ نے امام ابو یوسف کے قول کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ ہمیں یہ بات تسلیم نہیں کہ آخرین میں سورت غیر مشروع کیونکہ فخر الاسلام نے شرح جامع صغیر میں فرمایا کہ آخرین میں سورت کا پڑھنا مندوب ہے اسی وجہ سے اگر آخرین میں سورت پڑھا سجدہ ہو واجب نہیں ہوگا۔

عبارت کا اختلاف۔ ہم ذکرنا ہلہنا سے عبارتوں کا اختلاف ذکر کیا گیا ہے چنانچہ فرمایا کہ جامع صغیر کی عبارت میں ایسا لفظ مذکور ہے جو آخر کی دو رکعتوں میں سورت کی قضاء کے وجوب پر دلالت کرتا ہے کیونکہ جامع صغیر میں کہا قسوافی الاخرین اور یہ بمنزلہ امر کے ہے۔ اور امر وجوب پر دلالت کرتا ہے پس جامع صغیر کی عبارت سے معلوم ہوا کہ آخرین میں سورت کی قضاء کرنا واجب ہے۔ اور دلیل وہ ہے جو گذشتہ سطور میں گذری ہے اور مبسوط میں لفظ استخباب کے ساتھ مذکور ہے اس لئے کہ مبسوط کی عبارت یہ ہے کہ اذا ترک السورۃ فی الاولین احب الی ان یقضیہا اور ظاہر ہے کہ لفظ احب استخباب پر دلالت کرتا ہے پس مبسوط کی عبارت سے ظاہر ہوا کہ اگر اولین میں سورت کو ترک کر دیا تو آخرین میں اس کی قضاء کرنا مستحب ہے واجب نہیں ہے اور دلیل استخباب یہ ہے کہ سورت بلاشبہ فاتحہ سے مؤخر ہوگی لیکن فاتحہ اولیٰ کے ساتھ متصل نہیں رہی اس لئے کہ فاتحہ اولیٰ اور سورت کے درمیان فاتحہ ثانیہ (وہ فاتحہ جس کا آخرین میں پڑھنا افضل ہے) کا فصل واقع ہو گیا لہذا من کل وجہ موضوع سورت کی رعایت کرنا ممکن نہ رہا اس لئے مبسوط میں کہا گیا کہ سورت کی قضاء کرنا مستحب ہے نہ کہ واجب۔

فاتحہ اور سورت جہر اپڑھے

و یجہر بہما هو الصحیح لان الجمع بین الجہر و المخافتۃ فی رکعۃ واحده شیع و تغیر النقل و هو الفاتحۃ اولیٰ

ترجمہ۔ اور سورت اور فاتحہ دونوں کا جہر کرے۔ یہی صحیح ہے کیونکہ جہر اور اخفاء کا ایک رکعت میں جمع کرنا برا ہے۔ اور نقل کا متغیر کرنا اور وہ فاتحہ ہے اولیٰ ہے۔

تشریح۔ مسئلہ یہ ہے کہ جب آخرین میں سورت کی قضاء کرے گا تو سورہ فاتحہ اور سورت دونوں کے ساتھ جہر کرے یہی صحیح قول ہے۔ ابن تیمیہ نے امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف سے روایت کی ہے کہ صرف سورت کے ساتھ جہر کرے اور بشام نے امام محمد سے روایت کی کہ بالکل جہر نہ کرے نہ فاتحہ کے ساتھ نہ سورت کے ساتھ۔ بشام کی روایت کی وجہ یہ ہے کہ جہر اور اخفاء دونوں کو ایک رکعت میں جمع کرنا شنیع اور برا ہے اور سورت کا متغیر کرنا یعنی بجائے جہر کے سورت کو باسر پڑھنا اولیٰ ہے کیونکہ فاتحہ اپنے محل میں بھی ہے اور سورت پر مقدم بھی ہے اس لئے فاتحہ اصل ہوئی اور سورت اس کے تابع ہوئی آخرین میں فاتحہ کا حق یہ ہے کہ اس کے ساتھ اخفاء کیا جائے پس اس کے تابع ہو کر سورت کے ساتھ بھی اخفاء کیا جائے گا۔

روایت ابن ساعد کی وجہ یہ ہے کہ آخرین میں فاتحہ کا پڑھنا اداء ہے اور سورت کا پڑھنا قضاء ہے اور ادا اپنے محل کے مطابق ہوتا ہے اور قضاء حسب الفوات ہوتی ہے پس چونکہ سورت صفت جہر کے ساتھ فوت ہوئی ہے اس لئے اس کی قضاء صفت جہر کے ساتھ ہوگی اور فاتحہ چونکہ اپنے محل میں ہے اس لئے فاتحہ میں اس کی صفت کی رعایت کی جائے گی اور فاتحہ کی صفت آخرین میں اخفاء ہے اس لئے فاتحہ کے ساتھ اخفاء ہوگا۔ رہی یہ بات کہ جہر اور اخفاء کا ایک رکعت میں جمع ہونا لازم آیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ قضاء اپنے مقام کے ساتھ لاحق ہوتی ہے پس سورت اگرچہ آخرین میں پڑھی گئی مگر محسوب اولین میں ہوگی۔ اس وجہ سے تقدیراً ایک رکعت میں جہر اور اخفاء کا جمع کرنا لازم نہیں آئے گا۔

اور قول صحیح کی دلیل یہ ہے کہ ایک رکعت میں جہر اور اخفاء کو جمع کرنا تو شرعاً مذموم ہے اب دو ہی صورتیں ہیں یا تو دونوں میں اخفاء

کرے جیسا کہ امام محمدؒ سے ہشام نے روایت کی ہے اور یادوں کے ساتھ جہر کرے پہلی صورت میں اقویٰ کو ادنیٰ کے تابع کرنا لازم ہے جو کسی طرح مناسب نہیں ہے کیونکہ سورت کا بالجہر پڑھنا واجب تھا اور آخر کی رکعتوں میں فاتحہ کا بالا خفاء پڑھنا سنت ہے بلکہ نظر درجہ میں ہے پس فاتحہ جو سنت ہے اس کی صفت یعنی خفاء کی رعایت کے پیش نظر سورت جو واجب ہے اس کی صفت یعنی جہر کو مستثنیٰ اقویٰ کو ادنیٰ کے تابع بنانا ہے جو کسی طرح بھی مناسب نہیں اس لئے یہ صورت درست نہیں ہے اب دوسری صورت باقی رہی یعنی دونوں بالجہر پڑھنا سو اس میں کوئی قباحت نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں واجب (سورت) کی صفت (جہر) کی وجہ سے نفل (فاتحہ) کی صفت (خفاء) کو بدلنا پڑتا ہے اور یہ اولیٰ ہے اس لئے کہ اس صورت میں ادنیٰ اقویٰ کے تابع ہوگا۔

جہر اور خفاء کی تعریف

ثم المخافته ان يسمع نفسه والجهر ان يسمع غيره وهذا عند الفقيه ابى جعفر الهندوانى لان مجرد حركه اللسان لا يسمى قراءة بدون الصوت وقال الكرخى ادنى الجهر ان يسمع نفسه وادنى المخافته تصحیح الحروف لان القراءة فعل اللسان دون الصماخ وفي لفظ الكتاب اشارة الى هذا وعلى هذا الاصل كل ما يتعلق بالنطق كالطلاق والعناق والاستثناء وغير ذلك

ترجمہ..... پھر خفاء کا پڑھنا یہ ہے کہ اپنے آپ کو سنائے اور جہر یہ ہے کہ دوسرے کو سنائے اور یہ فقیہ ابو جعفر ہندوانی کے نزدیک ہے کیونکہ بغیر آواز کے محض زبان کی حرکت کا نام قرأت نہیں کہلاتا۔ اور امام کرخی نے کہا کہ جہر کا کتر مرتبہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو سنائے اور خفاء کتر مرتبہ یہ ہے کہ حروف صحیح نکلیں۔ کیونکہ قرأت تو زبان کا فعل ہے نہ کہ کان کا۔ اور لفظ کتاب میں بھی اسی طرف اشارہ ہے۔ اور اصل پر ہر وہ امر ہے جو نطق سے متعلق ہو جیسے طلاق آزاد کرنا استثناء اور ان کے علاوہ۔

تشریح..... اس عبارت میں جہر اور خفاء کی تعریف کی گئی ہے۔ صاحب عنایہ کے بیان کے مطابق حاصل یہ ہے کہ کلمات کے اجزاء زبان پر مستعمل ہیں ان کی دو قسمیں ہیں کلام اور قرأت کیونکہ اس سے مخاطب کو نسبت کا فائدہ پہنچانا مقصود ہوگا یا نہیں اگر اول ہے تو کلام ہوگا ورنہ قرأت ہے پھر ان دونوں میں سے ہر ایک کی دو دو قسمیں ہیں جہر اور مخافتت لیکن ان دونوں کے درمیان حد فاضل ہے ہمارے علماء کا اختلاف ہے چنانچہ فقیہ ابو جعفر ہندوانی نے کہا کہ خفاء (آہستہ پڑھنا) یہ ہے کہ اپنے آپ کو سنادے اور اگر اس سے کتر مرتبہ ہے تو اس کو جہر اور دندنہ کہتے ہیں نہ یہ کہ کلام ہے اور نہ قرأت اور جہر یہ ہے کہ دوسرے کو سنادے یعنی اتنی آواز سے پڑھے کہ قریب کا آدمی سن لے۔ دلیل یہ ہے کہ بغیر آواز کے خالی زبان کی حرکت کا نام قرأت نہیں نہ لغت اور نہ عرفاً۔

امام کرخی نے کہا کہ جہر کا کتر درجہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو سنائے اور خفاء کا کتر درجہ یہ ہے کہ حروف صحیح نکلیں کیونکہ قرأت زبان کا فعل ہے نہ کان کا۔

اعتراض: خفاء کی اس تعریف پر اعتراض ہو سکتا ہے کہ کتابت کے ساتھ صحیح حروف پایا جاتا ہے مگر ادانہ ہونے کی وجہ سے اس قرأت نہیں کہا جاتا پس معلوم ہوا کہ قرأت کے لئے فقط صحیح حروف کافی نہیں۔ بلکہ آواز کا ہونا بھی ضروری ہے۔

جواب: مطلقاً صحیح حروف قرأت نہیں بلکہ زبان سے صحیح حروف قرأت ہے اسی وجہ سے امام کرخی نے کہا کہ قرأت زبان کا فعل ہے نہ

کہ کان کا، صاحب ہدایہ نے کہا کہ قدوریؒ کی عبارت میں بھی امام کرخیؒ کے قول کی طرف اشارہ موجود ہے کیونکہ اول فصل میں مذکور ہے فہو مخیر ان شاء جہر و اسمع بفسہ وان شاء خافت، صاحب ہدایہ نے کہا کہ یہی اختلاف ہر اس چیز میں ہے جس کا تعلق نطق کے ساتھ ہے جیسے طلاق، عتاق اور استثناء وغیرہ مثلاً اگر کسی نے اپنی بیوری سے انت طالق یا غلام سے انت حر کہا اور کہنے والے نے بذات خود نہیں سنا تو امام کرخیؒ کے نزدیک طلاق اور عتاق واقع ہو جائیں گے اور ہندوانی کے نزدیک واقع نہیں ہوں گے۔ اسی طرح اگر ان دونوں کے ساتھ جہر کیا اور استثناء کا ایسے طور پر اہتاء کیا کہ خود بھی نہیں سن سکا تو امام کرخیؒ کے نزدیک طلاق اور عتاق واقع نہیں ہوں گے۔ اور استثناء معتبر ہوگا اور ہندوانی کے نزدیک دونوں فی الحال واقع ہو جائیں گے اور استثناء معتبر نہیں ہوگا۔ اسی اختلاف پر زیچہ پر تسمیہ اور جو بجدہ تلاوت ہے۔

کم سے کم قرأت کی وہ مقدار جس سے نماز درست ہو جائے، اقوال فقہاء و دلائل

والدنی ما یجزی من القراءۃ فی الصلوٰۃ ایۃ عند ابی حنیفۃ وقال ثلاث آیات قصار او ایۃ طویلۃ لانہ لایسی قارئاً بدونہ فاشبہ قراءۃ مادون الآیۃ ولہ قولہ تعالیٰ فاقراء واما تیسر من القرآن من غیر فصل الا ان مادون الآیۃ خارج والآیۃ لیست فی معنہ

ترجمہ..... اور قرأت کی ادنی مقدار جو نماز میں کفایت کر جاتی ہے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ایک آیت ہے اور صاحبینؒ نے کہا کہ تین چھوٹی آیتیں یا ایک بڑی آیت ہے کیونکہ اس سے کم قرأت کرنے والا نہیں کہلائے گا پس یہ مادون الآیۃ کی قرأت کے مشابہ ہو گیا اور امام صاحبؒ کی دلیل باری تعالیٰ کا قول فاقراء واما تیسر من القرآن بغیر کسی تفصیل کے ہے۔ مگر یہ کہ ایک آیت سے کم خارج ہے اور پوری آیت اس کے معنی میں نہیں ہے۔

تشریح..... نماز کے اندر قرأت حالت حضر میں ہوگی یا سفر میں پس اگر حضر میں ہے تو اس کی تین قسمیں ہیں (۱) ما یجوز بہ الصلوٰۃ یعنی جس کے ساتھ جو از صلوٰۃ متعلق ہوتا ہے اس کے بغیر نماز نہیں ہوگی۔ (۲) جس کے ساتھ حد کراہت سے نکل جاتا ہے۔ (۳) جس کے ساتھ حد استحباب میں داخل ہو جائے گا۔ اور اگر سفر میں ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں نمازی عجلت میں ہو گیا حالت امن اور قرار میں۔

اس عبارت میں ما یجوز بہ ال صلوٰۃ کی مقدار کو بیان کیا گیا ہے خواہ حضر میں ہو یا سفر میں چنانچہ فرمایا کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قرأت کی ادنی مقدار جس سے نماز جائز ہو جائے گی ایک آیت ہے پس اگر آیت دو کلموں یا زیادہ پر مشتمل ہو تو باتفاق مشائخ نماز جائز ہو جائے گی۔ جیسے باری تعالیٰ کا قول فَاقْتُلْ کَیْفَ قَدَّرْتُمْ نَظَرَ، اور اگر ایک ہی کلمہ ہے جیسے مُذْهَبًا مَتَانًا یا ایک حرف ہے جیسے ص ان فی تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک کافی ہو جائے گی اور بعض کے نزدیک کافی نہیں ہوگی۔ صاحبینؒ نے کہا کہ ما یجوز بہ ال صلوٰۃ کی مقدار چھوٹی تین آیتیں ہیں یا بڑی ایک آیت جیسے آیۃ الکرسی اور آیت بدایت صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ چھوٹی تین آیات یا بڑی ایک آیت سے کم پڑھنے والے کو عرف عام میں قاری قرآن نہیں کہا جاتا پس اس کی قرأت مادون الآیۃ کی قرأت کے مشابہ نہ ہوگی اور مادون الآیۃ نماز کے لئے کافی نہیں لہذا چھوٹی تین آیات یا بڑی ایک آیت سے کم کی قرأت بھی کافی نہیں ہوگی۔

صاحبینؒ کی دلیل کا حاصل یہ ہے کہ ایک آیت اگرچہ حقیقتہً قرآن ہے مگر عرف میں چھوٹی تین آیات یا بڑی ایک آیت پر قرآن کا اطلاق

کیا جاتا ہے اس لئے اسی کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

الآیۃ: امام ابوحنیفہ کی دلیل باری تعالیٰ کا قول فافقرۃ واما تیسر من القرآن ہے اس طور پر ایک مطلق ہے اس میں آیت
الآیۃ کی کوئی تفصیل نہیں ہے لہذا جس طرح مافوق الآیۃ جو از صلہ کے لئے کافی ہے اسی طرح ایک آیت بھی کافی ہے اور وجہ اس
کہ آیت واحد حقیقتاً بھی قرآن ہے اور حکماً ابھی حقیقتاً قرآن ہونا تو ظاہر ہے اور حکماً اس لئے ہے کہ ایک آیت کی قرأت حائضہ
پر حرام ہے پس آیت واحد من القرآن کے اطلاق میں داخل ہوگی۔ لیکن اس پر اشکال ہوگا وہ یہ کہ اگر فاقسرۃ واما تیسر
من القرآن مطلق ہے اور اس میں کوئی تفصیل نہیں تو جس طرح ایک آیت نماز جائز ہونے کے لئے کافی ہے اسی طرح ایک آیت سے
ساتھ بھی نماز جائز ہونی چاہئے تھی اس لئے کہ اطلاق دونوں کو شامل ہے حالانکہ مادون الآیۃ کے ساتھ نماز جائز نہیں ہوتی پس آیت
ایک آیت کے ساتھ بھی نماز جائز نہ ہونی چاہئے حالانکہ امام صاحب جو از کے قائل ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مادون الآیۃ
من القرآن کے اطلاق میں داخل نہیں ہے کیونکہ مطلق جب بولا جاتا ہے تو اس سے اس کا فرد کامل مراد ہوتا ہے اور قرآن کا فرد
بے جو حقیقتاً بھی قرآن ہو اور حکماً بھی قرآن ہو مادون الآیۃ اگرچہ حقیقتاً قرآن ہے لیکن حکماً قرآن نہیں ہے اس لئے کہ مادون
کی قرأت جزی اور حائضہ کے لئے جائز ہے پس مادون الآیۃ بالاجمال فافقرۃ واما تیسر من القرآن کے تحت داخل نہیں ہوگا۔
اور اگر کوئی یہ کہے کہ جب مادون الآیۃ من القرآن کے اطلاق کے تحت داخل نہیں تو آیت کو بھی اسی کے ساتھ لایا
جائے۔ تو اس کا جواب صاحب ہدایہ نے یہ دیا کہ آیت مادون الآیۃ کے معنی میں نہیں ہے اس وجہ سے آیت مادون الآیۃ کے ساتھ
نہیں ہوگی۔

حالت سفر کی نماز میں قرأت کا حکم

وفی السفر یقرأ فاتحۃ الكتاب وای سورة شاء لما روی ان النبی علیہ السلام قرأ فی صلوٰۃ الفجر فی
بالمعوذتین ولان للسفر اثر فی اسقاط شطر الصلوٰۃ فلان یؤثر فی تخفیف القراءة اولی وهذا اذا کان
عجلۃ من السیر وان کان فی امانۃ وقرار یقرأ فی الفجر نحو سورة البروج وان شقت لانه یمکنہ مرعاة
مع التخفیف

ترجمہ..... اور سفر میں فاتحہ الكتاب اور جو سورت چاہے پڑھے کیونکہ روایت ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے سفر میں فجر کی نماز میں معوذتین
قرأت کی۔ اور اس لئے کہ سفر کو آدمی نماز ساقط کرنے میں داخل ہے پس تخفیف قرأت میں بدرجہ اولیٰ داخل ہوگا۔ اور یہ حکم اس وقت
جب کہ روانگی کی جلدی ہو اور اگر حالت امن اور حالت قرار میں ہو تو فجر میں سورۃ بروج اور سورۃ وان شقت کے مانند پڑھے کیونکہ تخفیف
ساتھ اس کو سنت کی رعایت کرنا ممکن ہے۔

تشریح..... اس عبارت میں مصنف نے حالت سفر کی نماز میں قرأت کا ذکر کیا ہے چنانچہ فرمایا کہ سفر کی حالت میں قرأت مسنونہ یہ ہے
سورۃ فاتحہ اور جو سورت چاہے پڑھے اگر چھوٹی سورت پڑھی تب بھی سنت ادا ہو جائے گی کیونکہ روایت ہے کہ حضور ﷺ نے سفر کی حالت
نماز فجر میں قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھی ہے یہ حدیث ابو داؤد اور نسائی نے عقلم بن عامر رضی اللہ

سے روایت کی ہے اور اس کے آخر میں ہے فلما نزل لصلاة الصبح صلى بهما صلاة الصبح للناس یعنی جب حضور ﷺ نماز صبح کے لئے اترے تو لوگوں کو انہیں دونوں سورتوں کے ساتھ نماز پڑھانی۔

تفلی دلیل یہ ہے کہ نصف نماز سابقہ کرنے میں سفر کو بہت بڑا دخل ہے پس جب سفر کو نصف نماز سابقہ کرنے میں دخل ہے تو قرأت کو تخفیف میں بدرجہ اولیٰ دخل ہوگا۔

حاصل یہ ہے کہ جب سفر کی وجہ سے اصل نماز میں کچھ کمی ہوگئی تو اس کے نصف یعنی قرأت میں بدرجہ اولیٰ کمی ہوگی۔ صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ اس قدر تخفیف اس وقت ہے جب یہ شخص غلبت میں ہو اور اسرا من اور قرآن کی حالت میں ہے مثلاً کسی منزل پر ٹھہرے اور ارادہ یہ ہے کہ اطمینان سے ٹھہر کر روانہ ہوگا تو ایسی صورت میں فجر کی نماز میں والسماء ذات البروج اور اذا السماء انشقت پڑھے کیونکہ اس صورت میں تخفیف بھی ہوگئی اور سنت کی رعایت بھی ہوگئی۔

حالتِ حضر میں فجر کی نماز میں قرأت کی مقدار

وبفرا في الحضر في الفجر في الركعتين باربعين اية او خمسين اية سوى فاتحة الكتاب ويروى من اربعين الى ستين ومن ستين الى مائة وبكل ذلك ورد الاثر ووجه التوفيق انه يقرأ بالاربعين مائة وبالکسالى اربعين وبالاولوساط مابين خمسين الى ستين وقيل ينظر الى طول الليالي وقصرها والى كثرة الاشغال وقلتها

ترجمہ۔ اور حالتِ حضر میں فجر کی دونوں رکعتوں میں چالیس یا پچاس آیتیں پڑھے علاوہ سورہ فاتحہ کے اور روایت کیا جاتا ہے کہ چالیس سے ساٹھ تک اور ساٹھ سے سو تک اور ہر ایک پر اثر وارد ہے اور توفیق کی وجہ یہ ہے کہ رغبت کرنے والے مقتدیوں کے ساتھ سو آیت پڑھے اور کسٹل کرنے والوں کے ساتھ چالیس پڑھے اوسط درجہ والوں کے ساتھ پچاس سے ساٹھ تک پڑھے۔ اور کہا گیا کہ راتوں کی درازی اور کمی کو دیکھے اور اشغال کی کثرت اور قلت کو دیکھے۔

تشریح۔ مسئلہ یہ ہے کہ حضر کی حالت میں فجر کی دونوں رکعتوں میں علاوہ سورہ فاتحہ کے چالیس آیات پڑھے یا پچاس آیتیں پڑھے تین برکت میں ہیں یا پچیس آیتیں پڑھے اور ایک روایت میں چالیس سے ساٹھ تک اور ایک میں ساٹھ سے سو تک ہے۔ صاحب ہدایہ نے کہا کہ ان میں سے ہر ایک پر اثر وارد ہوا ہے چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ ان النبی ﷺ قرأ فی الفجر يوم الجمعة الم تنزیل السجدة وهل اتى على الانسان یعنی حضور ﷺ نے جمعہ کے دن فجر کی نماز میں الم تنزیل السجدة اور اهل اتى على الانسان پڑھی ہے پہلی سورت میں تیس آیتیں ہیں اور دوسری میں اکتیس آیتیں ہیں صحیح مسلم میں جابر بن سمرہ کی حدیث ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یقرأ فی الفجر بقی اور ابو ہریرہ سے مروی ہے۔ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرأ فی الفجر مابين الستين الى مائة اية۔

مختلف روایات میں وجہ توفیق: صاحب ہدایہ نے کہا ان تمام روایات میں وجہ توفیق یہ ہے کہ مقتدی اگر قرأت سننے کی رغبت رکھتے ہوں تو سو آیات تک پڑھے اور اگر کابل اور ست لوگ ہوں تو چالیس آیتیں پڑھے اور اگر اوسط درجہ کے لوگ ہوں تو پچاس آیتیں پڑھے۔ بعض کا ہے کہ راتوں کے دراز اور کوتاہ ہونے میں نظر رکھے یعنی سردی کی راتوں میں زیادہ قرأت کرے اور گرمی کی راتوں میں کم قرأت کرے اور امام کو

چاہئے کہ وہ اپنے مقتدیوں کے اشتغال کی زیادتی اور کمی کا بھی لحاظ رکھے یعنی مقتدی اگر زیادہ مشغول ہوں تو مختصر قرأت کرے اور فارغ ہوں تو زیادہ آیات پڑھے۔

ظہر کی نماز میں قرأت کی مقدار

قال وفي الظهر مثل ذلك لاستوائها في سعة الوقت و قال في الاصل او دونه لانه وقت الاشتغال فينبغي عنه تحرزا عن الملل

ترجمہ..... اور ظہر کی نماز میں اسی کے مثل پڑھے اس لئے کہ دونوں گنجائش وقت میں برابر ہیں امام محمدؒ نے مبسوط میں کہا ہے۔ یا فجر پڑھے کیونکہ ظہر کا وقت کاموں میں مشغول ہونے کا وقت ہے اس لئے فجر سے کمی کر دی جائے اکتاہٹ سے بچاؤ کے پیش نظر۔
تشریح..... ظہر کی نماز میں اس کے مثل پڑھے جو قرأت فجر میں مذکور ہوئی۔ کیونکہ وسعت وقت میں دونوں برابر ہیں اور مروی ہے حضور ﷺ ظہر کی نماز میں الم السجدة پڑھتے تھے۔ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور ﷺ نے ظہر کی نماز میں سجدہ تلاوت پس ہم نے گمان کیا کہ آپ نے الم تنزیل السجدة پڑھی اور ہم پہلے روایت کر چکے کہ حضور ﷺ فجر کی پہلی رکعت میں الم تنزیل السجدة اور دوسری رکعت میں هل اتی علی الانسان پڑھتے تھے پس ثابت ہو گیا کہ آپ نے ظہر میں وہی پڑھا جو آپ فجر کی رکعتوں میں پڑھا کرتے تھے۔ امام محمدؒ نے مبسوط میں کہا کہ ”او دونہ“ یعنی ظہر کی نماز میں فجر کی نماز کے مقابلے میں کم قرأت کرے کیونکہ ظہر کا وقت مشغولیت کا وقت ہے اس لئے قرأت کم کرے تاکہ لوگوں میں اکتاہٹ پیدا نہ ہو جائے۔ اور ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ انہ علیہ السلام کان یقرأ فی الظهر قدر ثلاثین آیۃ و هو نحو سورۃ الملک یعنی حضور ﷺ نماز میں آیات کی مقدار پڑھتے تھے اور وہ سورۃ ملک کے مانند ہے۔

عصر اور عشاء میں اوساط مفصل کی قرأت مغرب میں قصار مفصل کی قرأت

والعصر والعشاء سواء یقرأ فیہما باوساط المفصل و فی المغرب دون ذلك یقرأ فیہا بقصار المفصل والاصل فیہ کتاب عمر السی ابی موسی الاشعری ان اقرأ فی الفجر والظهر بطوال المفصل و فی العصر والعشاء باوساط المفصل و فی المغرب بقصار المفصل ولان مبني المغرب علی العجلۃ والتخفیف الیقین والعصر والعشاء یتحب فیہا التأخیر وقد یقعان بالتطویل فی وقت غیر مستحب فیوقت فیہا بالاوساط

ترجمہ..... اور عصر اور عشاء دونوں برابر ہیں ان دونوں میں اوساط مفصل پڑھے اور مغرب میں اس سے کم، مغرب کی نماز میں قصار مفصل پڑھے اور اصل اس بارے میں ابو موسی اشعری کی طرف حضرت عمرؓ کا فرمان ہے کہ ظہر اور فجر میں طوال مفصل پڑھو اور عصر اور عشاء میں اوساط مفصل اور مغرب میں قصار مفصل اور اس لئے کہ مغرب کی بنیاد جلدی پر ہے اور جلد کے مناسب تخفیف ہے اور عصر اور عشاء میں تاخیر مستحب ہے اور تطویل سے کبھی یہ دونوں وقت غیر مستحب میں واقع ہو جائیں گی۔ پس ان دونوں میں اوساط مفصل کے ساتھ تحدید کی جائے گی۔
تشریح..... صاحب قدوریؒ نے کہا کہ وسعت وقت میں عصر اور عشاء دونوں برابر ہیں لہذا ان دونوں میں اوساط مفصل کے ساتھ قرآن

کرے۔ دلیل جابر بن سمرہ کی روایت ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یقرأ فی الرکعتین الاولیین من العصور السماء ذات البروج والسماء والطارق یعنی حضور ﷺ عصر کی پہلی دو رکعت میں والسماء ذات البروج اور والسماء والطارق پڑھا کرتے تھے۔ اور دوسری دلیل معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے ان قومہ شکوا الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تطویل قرائتہ فی العشاء فقال له النبی صلی اللہ علیہ وسلم افتان انت یا معاذ این انت من سبح اسم ربک الاعلی والشمس وضحہا یعنی معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی قوم نے حضور ﷺ سے شکایت کی کہ معاذ عشاء کی نماز میں تطویل قرأت کرتے ہیں تو حضور ﷺ نے معاذ! سے کہا کہ اے معاذ کیا تو لوگوں کو بتلائے فتنہ کرنا چاہتا ہے کہاں ہے تو سبح اسم ربک الاعلی اور والشمس وضحہا سے یعنی تو ان سورتوں کو کیوں نہیں پڑھتا بہر حال یہ دونوں روایتیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ عصر اور عشاء میں اوساط مفصل میں سے قرأت کرنا مستحب اور اولیٰ ہے۔

اور مغرب کی نماز میں قصار مفصل کے ساتھ قرأت کرے اور دلیل یہ روایت ہے انہ علیہ السلام قرأ فی صلاة المغرب بالمعوذتین یعنی حضور ﷺ نے مغرب کی نماز میں معوذتین کی قرأت کی ہے۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ تمام نمازوں کی مستحب قرأت کے بارے میں اصل وہ فرمان ہے جو خلیفہ ثانی امیر المؤمنین سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے نام بھیجا تھا۔ ان اقرأ فی الفجر والظہر بطوال المفصل وفی العصر والعشاء باوساط المفصل وفی المغرب بقصار المفصل یعنی ظہر اور فجر میں طوال مفصل میں سے پڑھ اور عصر اور عشاء میں اوساط مفصل اور مغرب میں قصار مفصل پڑھ۔

عقلی دلیل یہ ہے کہ مغرب کا مبنی عجلت اور جلدی پر ہے اور عجلت کے مناسب تخفیف ہے۔ اور عصر اور عشاء میں تاخیر مستحب ہے پس اگر ان میں طویل قرأت شروع کر دی گئی تو یہ دونوں نمازیں غیر مستحب وقت میں واقع ہوں گی۔ اس لئے ان دونوں نمازوں میں اوساط مفصل کا تعین کیا گیا۔

نوٹ۔ طوال مفصل سورہ حجرات سے سورہ والسماء ذات البروج تک ہے اور اوساط مفصل سورہ بروج سے سورہ لم یکن تک ہے اور لم یکن سے آخر تک قصار مفصل ہے۔

بعض حضرات فقہاء کی رائے یہ ہے کہ سورہ حجرات سے سورہ بھس تک طوال مفصل ہے اور شکوٰۃ سے والضحیٰ تک اوساط مفصل اور والضحیٰ سے آخر تک قصار مفصل ہے۔ جمیل احمد عفی عنہ

فجر کی پہلی رکعت دوسری رکعت کی نسبت لمبی ہو

ویطیل الرکعة الاولى من الفجر علی الثانية اعانة للناس علی ادراک الجماعات

ترجمہ..... اور فجر کی رکعت اولیٰ کو رکعت ثانیہ پر طول دے تاکہ لوگ جماعت کو پا سکیں۔

تشریح..... مسئلہ فجر کی پہلی رکعت کو دوسری پر طول دے یعنی پہلی رکعت میں قرأت زیادہ کرے اور دوسری رکعت میں اس کی بہ نسبت کم

قرأت کرے کیونکہ حضور کے زمانے سے آج تک یہی طریقہ چلا آ رہا ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ پوری نماز پالینے پر لوگوں کی مدد بھی ہے۔
جائے گی۔

ظہر کی دو رکعتیں برابر ہوں یا کم زیادہ..... اقوال فقہاء

قال ورکعتا الظہر سواء وهذا عند ابی حنیفۃ و ابی یوسف و قال محمد اجب الی ان یطیل الرکعة الاولی علی الثانیۃ فی الصلوٰۃ کلہا لما روی ان النبی علیہ السلام کان یطیل الرکعة الاولی علی غیرہا فی الصلوٰۃ کلہا ولہما ان الرکعتین استویا فی استحقاق القراءۃ فیستویان فی المقدار بخلاف الفجر لان وقت نوم وغفلة والحديث محمول علی الاطالة من حیث الثناء والتعوذ والتسمیۃ ولامعتبر بالریادة والنقصان بما دون ثلاث آیات لعدم امکان الاحتراز عند من غیر حرج

ترجمہ..... اور ظہر کی دونوں رکعتیں برابر ہیں۔ اور یہ ابوحنیفہ اور ابو یوسف کے نزدیک ہے اور امام محمد نے کہا کہ مجھے یہ زیادہ محبوب ہے کہ تمام نمازوں میں پہلی رکعت کو دوسری رکعت پر طویل دے کیونکہ روایت کیا گیا ہے کہ حضور ﷺ تمام نمازوں میں پہلی رکعت کو دوسری رکعت پر طویل دیا کرتے تھے اور شیخین کی دلیل یہ ہے کہ دونوں رکعتیں استحقاق قرأت میں برابر ہیں لہذا مقدار میں بھی برابر ہوں گی۔ اس کے برخلاف فجر ہے کیونکہ فجر کا وقت نیند اور غفلت کا وقت ہے۔ اور حدیث ثناء، تعوذ اور تسمیہ کے اعتبار سے طویل دینے پر محمول ہوگی۔ اور تین آیات سے کم مقدار میں زیادتی اور کمی کا کچھ اعتبار نہیں ہے کیونکہ بغیر حرج کے اس سے بچنا ممکن نہیں ہے۔

تشریح..... ما قبل کے مسئلہ میں کہا کہ فجر کی نماز میں بالاتفاق رکعت اولیٰ کو رکعت ثانیہ پر طویل دیا جائے گا لیکن اس کے علاوہ دوسری نمازوں میں شیخین کا مذہب یہ ہے کہ دونوں رکعت برابر ہوں گی۔ پہلی رکعت کو دوسری رکعت سے طویل نہ کرے اور امام محمد نے کہا کہ تمام نمازوں میں رکعت اولیٰ کو رکعت ثانیہ پر طویل دینا مستحب ہے۔

امام محمد کی دلیل ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یطیل الرکعة الاولیٰ علی غیرہا فی الصلوٰۃ کلہا اور شیخین کی دلیل یہ ہے کہ استحقاق قرأت میں دونوں رکعتیں برابر ہیں کیونکہ دونوں رکعتوں میں قرأت رکن ہے پس جب استحقاق قرأت میں دونوں برابر ہیں تو مقدار میں بھی دونوں برابر ہوں گی برخلاف فجر کی نماز کے کیونکہ فجر کا وقت غیر اختیاری طور پر نیند اور غفلت کا ہے لہذا پوری نماز میں لوگوں کو شریک کرنے کے لئے پہلی رکعت کو طویل کر دیا جائے گا۔

حدیث ابو قتادہ کا جواب یہ ہے کہ پہلی رکعت اس لئے طویل ہوتی تھی کہ اس میں سبحانک اللہم، اعوذ باللہ اور بسم اللہ پڑھا جاتا ہے جو دوسری رکعت میں نہیں پڑھا جاتا۔ اور باحق قرأت تو اس میں دونوں رکعتیں برابر رہتی ہیں۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ تین آیات سے کم مقدار میں زیادتی اور کمی معتبر نہیں ہے یعنی اگر ایک رکعت میں تین آیات سے زیادہ پڑھیں بہ نسبت دوسری رکعت کے تو یہ زیادتی معتبر ہوگی اور اگر ایک یا دو آیتیں ہوں تو ان کا اعتبار ساقط ہے کیونکہ اس سے احتراز کرنا بغیر حرج کے ممکن نہیں ہے۔ اور حرج کو شریعت اسلام نے اٹھایا ہے لہذا اتنی کمی زیادتی کا اعتبار بھی اٹھایا گیا ہے اور صحیح روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے مغرب کی نماز میں قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھی ہے۔ حالانکہ قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھی ہے۔ حالانکہ قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھی ہے۔

بعض آیات اور قیل اعدو ذر برب الناس میں چھ آیتیں ہیں۔ یعنی سورۃ والناس میں یہ نسبت سورۃ فلق کے ایک آیت زیادہ ہے۔

قرأت کے لئے سورت معین کرنے کا حکم

ولیس فی شیء من الصلوات قراءۃ سورۃ بعینہا لایجوز غیرہا لا طلاق ماتلونا ویکرہ ان یوقت بشیء من قرآن لشیء من الصلوات لما فیہ من ہجر الباقی وایہام التفضیل

ترجمہ..... کسی نماز میں سورت معینہ کا پڑھنا نہیں ہے کہ اس کے سوا جائز نہ ہو اس آیت کے مطلق ہونے کے وجہ سے جو ہم نے تلاوت کی ہے اور کسی نماز کے لئے قرآن میں سے کسی چیز کا متعین کرنا بھی مکروہ ہے کیونکہ اس میں باقی قرآن کا چھوڑنا لازم آتا ہے۔ اور تفضیل کا ہم پر لانا (لازم آتا ہے)۔

ترغیب..... مسئلہ یہ ہے کہ کسی نماز میں کسی متعینہ سورت کے پڑھنے کو ایسے طور پر متعین کرنا کہ اس کے علاوہ کے ساتھ نماز جائز نہیں ہوگی۔ دست نہیں ہے دلیل باری تعالیٰ کا قول فاسقرء واما تیسر من القرآن کا مطلق ہونا ہے۔ اور اطلاق کا تقاضہ یہ ہے کہ کوئی سورت متعین نہ ہو اور کسی نماز کے لئے کسی سورت یا آیت کا متعین کر لینا مکروہ ہے۔ کیونکہ اس میں ایک تو باقی قرآن کا چھوڑنا لازم آئے گا۔ دوم یہ کہ تفضیل کا وہم پیدا ہوگا کہ یہ سورت قرآن کی دوسری سورتوں سے افضل ہے حالانکہ افضلیت میں پورا قرآن برابر ہے۔

قرأت خلف الامام کی شرعی حیثیت..... اقوال فقہاء و دلائل

لا یقرأ المؤمن خلف الامام خلافاً للشافعی فی الفاتحة له ان القراءۃ رکن من الارکان فی شتر کان فیہ ولنا لولہ علیہ السلام من کان له امام فقراءۃ الامام له قراءۃ وعلیہ اجماع الصحابۃ وھو رکن مشترک بینھما لکن حظ المقتدی الانصات والاستماع قال علیہ السلام واذ اقرأ فانصتوا ویستحسن علی سبیل الاحتیاط لما یروى عن محمد ویکرہ عندھما لما فیہ من الوعد

ترجمہ۔ اور مقتدی امام کے پیچھے قرأت نہ کرے امام شافعی فاتحہ میں مخالف ہیں۔ امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ قرأت ارکان میں سے ہے لہذا اس میں امام و مقتدی دونوں شریک ہوں گے۔ اور ہماری دلیل حضور ﷺ کا یہ قول ہے کہ جس مقتدی کا امام ہو تو امام کی قرأت اس کی قرأت ہے اور اسی پر صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے اور یہ قرأت ایسا رکن ہے جو امام و مقتدی کے درمیان مشترک ہے لہذا مقتدی کا حصہ خاموش رہنا ہے اور کان لگا کر سننا ہے حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔ اور (مقتدی کا یہ قول ہے) بطور احتیاط مستحسن ہے اس قول میں جو امام محمد سے مروی ہے اور شیخین کے نزدیک مکروہ ہے کیونکہ مقتدی کے پڑھنے میں وہم وارد ہوئی ہے۔

ترغیب۔ امام قدوری نے احناف کا مسلک نقل کرتے ہوئے کہا کہ مقتدی امام کے پیچھے بالکل قرأت نہ کرے۔ نہ فاتحہ کی اور نہ سورت کی خواہ نماز جبری ہو یا سری ہو۔ امام شافعی کا سورۃ فاتحہ میں اختلاف ہے یعنی مقتدی پر امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنا واجب ہے امام شافعی کا قول قید یہ ہے کہ مقتدی پر سری نماز اور جن رکعتوں میں جبر نہیں ان میں فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے یہی امام مالک کا قول ہے

امام شافعی کا قول جدید اور صحیح مذہب یہ ہے کہ مقتدی پر ہر نماز میں فاتحہ پڑھنا واجب ہے نماز خواہ جہری ہو یا سری ہو۔

امام شافعی کی عقلی دلیل یہ ہے کہ قرأت ایک رکن ہے اور تمام ارکان میں امام اور مقتدی دونوں شریک ہیں مثلاً قیام رکوع، سجود میں دونوں شریک ہیں لہذا قرأت میں بھی دونوں شریک ہوں گے۔ اور نقلی دلیل ابو عبادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے فرمایا کہ صل بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الصبح فنقلت علیہ القرائۃ فلما انصرف قال انی لاراکم تقرئون خلف امامنا قلنا اجل قال لاتفعلوا ذلک الابفاتحۃ الكتاب فانہ لاصلوٰۃ لمن لم یقرأھا یعنی حضور ﷺ نے ہم کو صبح کی نماز پڑھانے پر پڑھنا بھاری ہو گیا پس جب آپ نے سلام پھیرا تو فرمایا کہ میں تم کو دیکھتا ہوں کہ تم اپنے امام کے پیچھے پڑھتے ہو ہم نے کہا آپ نے فرمایا کہ یہ مت کرو مگر فاتحہ کے ساتھ کیونکہ جو فاتحہ نہیں پڑھتا اس کی نماز نہیں ہوتی۔

ہماری دلیل آنحضرت ﷺ کا ارشاد من کان لہ امام فقراء الامام لہ قراءۃ ہے وجہ استدلال یہ ہے کہ امام کی قرأت مقتدی کے لئے کافی ہوگئی پس جب مقتدی کی طرف سے حکماً قرأت پائی گئی تو اب مقتدی دوبارہ قرأت نہیں کرے گا۔ ورنہ مقتدی کا دوبارہ قرأت کرنا لازم آئے گا حالانکہ نماز میں دوبارہ قرأت کرنا مشروع نہیں ہوا ہے۔

عدم قرأت خلف الامام پر اکثر صحابہ کا اجماع ہے: صاحب ہدایہ نے کہا کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اجماع بھی ہے کہ مقتدی امام کے پیچھے قرأت نہ کرے۔ لیکن اس پر یہ شبہ ہوگا کہ بعض حضرات صحابہ قرأت فاتحہ خلف الامام کے وجوب کے ہیں جیسے عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ یہاں اکثر صحابہ کا اجماع مراد ہے۔ چنانچہ اسی ۸۰ کبار صحابہ نے قرأت فاتحہ خلف الامام کا انکار کیا ہے۔ امام شافعی نے کہا کہ میں نے ستر بدری صحابہ کو قرأت خلف الامام سے منع کرتے ہوئے پایا۔ مگر ستر یا کی تعداد اکثر صحابہ کی تعداد نہیں ہے۔ اس لئے اس کو اکثر صحابہ کا اجماع کہنا درست نہیں ہوگا۔

بعض حضرات نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ مجتہدین صحابہ اور کبار صحابہ کا اجماع مراد ہے کبار صحابہ اور مجتہدین صحابہ یہ ہیں (۱) الصدیق (۲) عمر بن الخطاب (۳) عثمان بن عفان (۴) علی ابن ابی طالب (۵) عبدالرحمن بن عوف (۶) سعد بن ابی وقاص (۷) عبداللہ بن مسعود (۸) عبداللہ بن عمر (۹) عبداللہ ابن عباس (۱۰) زید بن ثابت رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

ایک احتمال یہ بھی ہے کہ جو حضرات قرأت فاتحہ خلف الامام کے قائل ہیں ان کا رجوع ثابت ہو تو اس صورت میں اجماع قائم جائے گا۔ اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ جب ان کبار صحابہ سے نہی ثابت ہے اور ان کے خلاف کسی صحابی کا رد ثابت نہیں حالانکہ ان وقت صحابہ کی بہت بڑی تعداد موجود تھی تو اجماع سکوتی ہو گیا۔

رہا امام شافعی کا یہ کہنا کہ قرأت امام اور مقتدی کے درمیان رکن مشترک ہے تو ہمیں یہ تسلیم ہے لیکن مقتدی کا حصہ خاموش رہنا اور کان لگا کر سننا ہے حضور ﷺ نے فرمایا اذا قرء فانصتوا جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔ اور باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اذا قرء القصر ان فاستمعوا للہ وانصتوا یعنی جب قرآن پڑھا جائے تو تم کان لگا کر سنو اور خاموش رہو اور یہ آیت نماز کے بارے میں نازل ہوئی ہے کیونکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے ان اصحاب رسول اللہ ﷺ قرءوا خلفہ فخلطوا علیہ القراءۃ فسننوا یعنی رسول اللہ ﷺ کے صحابہ نے حضور ﷺ کے پیچھے قرأت کی پس آپ ﷺ پر قرأت خلط ملط ہوگئی تو یہ آیت نازل ہوئی۔

اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہ صلی اللہ علیہ وسلم قال انما جعل الامام لیؤتم بہ فاذا کبر فکبروا واذقرا فانصتوا، یعنی امام تو اسی واسطے قرار دیا گیا کہ اس کی اقتداء کی جائے پس جب وہ تکبیر کہے تو تم تکبیر کہو اور جب وہ قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔

امام محمدؒ سے ایک روایت: امام محمدؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ احتیاطاً قرأت فاتحہ خلف الامام مستحسن ہے کیونکہ عبادہ بن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سابق میں گذر چکی ہے کہ لا تفعلوا ذلک الا بفساحۃ الكتاب فانه لا صلوة لمن لم یقر اھا اور شیخین کے نزدیک قرأت خلف الامام مکروہ ہے کیونکہ قرأت خلف الامام کے بارے میں وعید آئی ہے چنانچہ مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا من قرأ خلف الامام ففی فیہ جمرۃ وقال قد خطا السنۃ یعنی جس شخص نے امام کے پیچھے قرأت کی تو اس کے منہ میں انگارہ ہے اور کہا کہ اس نے خلاف سنت کیا۔ اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے انہ قال من قرأ خلف الامام فسدت صلاتہ یعنی جس نے امام کے پیچھے قرأت کی اس کی نماز فاسد ہوگی۔ اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے قال لیت فی فم الذی یقرأ خلف الامام حجرا وغیر ذلک عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جو شخص امام کے پیچھے قرأت کرتا ہے کاش اس کے منہ میں پتھر ہوتا۔

امام کی قرأت کے وقت مقتدی کے لئے حکم

وبستمع وینصت وان قرأ الامام آية الترغيب والترهيب لان الاستماع والانصات فرض بالنص والقراءة و سوال الجنة والتعود من النار كل ذلك محل به وكذلك في الخطبة وكذلك ان صلى على النبي عليه السلام لفريضة الاستماع الا ان يقرأ الخطيب قوله تعالى يا ايها الذين امنوا صلوا عليه الاية فيصلى السامع في نفسه واختلفوا في النائي عن المنبر والاحوط هو السكوت اقامة لفرض الانصات. والله اعلم بالصواب

ترجمہ..... اور مقتدی کان لگا کر سنے اور خاموش رہے اگرچہ امام ترغیب کی آیت پڑھے یا ترہیب کی۔ کیونکہ کان لگا کر سننا اور خاموش رہنا نص قرآنی سے فرض ہے اور قرأت کرنا اور جنت مانگنا اور آگ سے پناہ مانگنا یہ سب نخل ہیں اور یوں ہی خطبہ میں بھی اور یوں ہی اگر امام (خطیب) حضور ﷺ پر درود بھیجے کیونکہ خطبہ سننا فرض ہے مگر یہ کہ خطیب باری تعالیٰ کا قول بنا یہاں الذین امنوا صلوا علیہ الا یہ پڑھے تو اس آیت کا سننے والا اپنے دل میں درود پڑھے۔ اور جو شخص منبر سے دور ہو اس کے بارے میں اختلاف ہے اور سکوت ہی احوط ہے فرض انصات کو قائم کرنے کے واسطے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ امام جب قرأت کرے تو مقتدی کان لگا کر سنے اور خاموش رہے اگرچہ امام آیت ترغیب یا ترہیب پڑھے۔ دلیل یہ ہے کہ کان لگا کر سننا اور خاموش رہنا نص قرآن اِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا سے ثابت ہے۔ اور امام کے پیچھے قرأت کرنا، جنت کا سوال کرنا اور دوزخ سے پناہ مانگنا یہ سب چیزیں استماع اور انصات میں خلل پیدا کرتی ہیں اس لئے ان میں سے کوئی کام نہ کرے۔

دہی یہ بات کہ امام یا منفرد جنت کا سوال یا دوزخ سے پناہ مانگ سکتا ہے کہ نہیں تو اس بارے میں کتاب میں کوئی حکم مذکور نہیں ہے۔ البتہ صاحب عنایہ نے لکھا ہے کہ امام یہ کام نہ فرض نماز میں ادا کرے اور نہ نفل نماز میں کیونکہ یہ نہ حضور ﷺ سے منقول ہے اور نہ آپ کے بعد

ائمہ سے منقول ہے۔ دوسری دلیل ہے کہ امام کا اس طرح دعائیں مانگنا مقتدیوں پر تطویل صلوٰۃ کا باعث ہوگا اور یہ مکروہ ہے اس لئے کہ امام یہ کام نہ کرے۔ اسی طرح منفرہ بھی جب فرض نماز پڑھتا ہو تو یہ دعائیں درمیان نماز نہ مانگیں کیونکہ حضور ﷺ سے منقول نہیں اور نہ آپ کے بعد ائمہ سے منقول ہے اور اگر نفل نماز پڑھتا ہے تو سوال جنت اور تعوذ من النار کی دعائیں مانگنا بہتر ہے اس لئے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ اللیل فما مر بایۃ فیہا ذکر الجنة الا وقف وسأل اللہ الجنة فما مر بایۃ فیہا ذکر النار الا وقف وتعوذ باللہ من النار فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رات کی نماز پڑھی تو کسی آیت ذکر جنت پر گزرنہ ہوا مگر آپ نے خہر کر جنت کو مانگا اور کسی آیت ذکر جہنم پر گزرنہ ہوا مگر یہ کہ آپ نے ٹھہر کر جہنم سے پناہ مانگی۔

خطبہ کے دوران نبی علیہ السلام پر درود کا حکم: اسی طرح اگر خطیب خطبہ میں ہو تو قوم خطبہ کان لگا کر سننے اور خاموش رہے۔ کیونکہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من قال لصاحبه و الامام یخطب انصت ففدا لغاو من لغافلا صلاة له حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے دوران خطبہ اپنے ساتھی سے کہا کہ خاموش رہو تو نے لغو کیا اور جس نے لغو کیا اس کی نماز نہیں ہوئی اسی طرح اگر امام اپنے خطبہ میں نبی علیہ السلام پر درود پڑھے تو بھی قوم خاموش رہے اور کان لگا کر سنے۔ دلیل یہ ہے کہ صلوٰۃ علی النبی فرض نہیں اور خطبہ کا سننا فرض ہے لہذا غیر فرض کی وجہ سے فرض ترک نہیں کیا جائے گا ہاں البتہ اگر خطیب نے دوران خطبہ یہ آیت پڑھی **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا** تو اس آیت کا سننے والا اپنے دل میں درود پڑھے۔

حاصل یہ کہ خطبہ کے درمیان درود پڑھنا ممنوع ہے۔ مگر جب کہ خطیب یہ آیت پڑھے۔ دلیل یہ ہے کہ خطیب نے اللہ تعالیٰ سے حکایت کی کہ وہ صلوٰۃ علی النبی کرتا ہے اور ملائکہ سے حکایت کی کہ وہ بھی درود پڑھتے ہیں اور اس کی حکایت کی کہ اللہ تعالیٰ نے درود پڑھنے کا حکم دیا ہے اور حال یہ کہ وہ خود بھی اس کے ساتھ مشغول ہے تو قوم پر بھی واجب ہے کہ وہ درود کے ساتھ مشغول ہو جائے تاکہ وہ چیز متحقق ہو جائے جس کا ان سے مطالبہ کیا گیا ہے۔

یہ حکم اس وقت ہے جب کہ یہ منبر سے قریب ہو اور اگر کوئی شخص منبر سے دور ہو تو اس کے حق میں اختلاف ہے یعنی اگر منبر سے اس قدر دور ہو کہ خطبہ نہیں سن پاتا تو ایسی صورت میں قرأت قرآن اولیٰ ہے یا خاموش رہنا اولیٰ ہے؟ تو اس بارے میں محمد بن سلمہ سے روایت ہے کہ خاموش رہنا اولیٰ ہے اسی کو امام کرخی نے اختیار کیا اور یہی مصنف کا مذہب مختار ہے۔ دلیل یہ ہے کہ قرأت قرآن کے وقت سننا اور خاموش رہنا دو فرض تھے پس اگر دوری کی وجہ سے سننا ممکن نہیں رہا تو دوسرا فرض خاموش رہنا ممکن ہے لہذا اسی کو قائم رکھے اور امام فضلی نے کہا کہ قرأت قرآن اولیٰ ہے۔ اور دلیل یہ ہے کہ خاموش رہنے کا حکم اس لئے تھا تاکہ قرآن سن کر تدبر کرے پس سننا فوت ہو گیا تو قرأت قرآن کرے تاکہ قرآن پڑھنے کا ثواب حاصل ہو جائے۔ جمیل احمد منی۔

باب الامامة

(یہ) باب امامت کے (احکام کے بیان میں) ہے

جماعت کی شرعی حیثیت

الجماعة سنة مؤكدة لقوله عليه السلام الجماعة من سنن الهدى لا يتخلف عنها الا مسافق

ترجمہ... جماعت سنت مؤکدہ ہے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جماعت سنن ہدی میں سے ہے اس سے نہیں بچھڑے گا مگر مسافق۔

تشریح مصنف علیہ الرحمۃ نے سابق میں امام کے افعال کا ذکر کیا ہے یعنی وجوب جہر اور وجوب انشاء اور تحدید قرأت اور مقتدی کے افعال کو ذکر کیا یعنی وجوب استماع اور انصات کو اب یہاں سے مشروعیت امامت کی صفت کا بیان ہے چنانچہ سب سے پہلے مستحق امامت کا ذکر کیا اس کے بعد امامت کے خواص کا بیان ہے۔

جماعت سنت مؤکدہ ہے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جماعت سنن ہدی میں سے ہے اس سے منافق ہی بچھڑے رہتا ہے۔ سنت کی دو قسمیں ہیں ایک سنت ہدی، دو سنت زائد سنت ہدی وہ ہے جس پر نبی کریم ﷺ نے بطریق عبادت مواظبت فرمائی مگر کبھی کبھار ترک کے ساتھ اس کا ترک کرنا ضلالت ہے اور یہ شعائر اسلام میں سے ہے۔ اور سنت زائد وہ ہے جس کو آنحضرت ﷺ نے بطریق عادت کیا ہو اس کے ترک کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ جیسے تہجد کی نماز بہر حال جماعت سنت مؤکدہ ہے بغیر عذر کے اس کا ترک کرنا جائز نہیں حتیٰ کہ اگر اہل شہر نے جماعت کو ترک کر دیا تو ان کو اقامت جماعت کا حکم دیا جائے گا۔ اگر انہوں نے اس پر عمل کیا فبما ورن ان سے قتال کرنا حلال ہوگا۔

جماعت کے سنت مؤکدہ ہونے کی تائید ان احادیث سے بھی ہوتی ہے جو جماعت کی فضیلت میں وارد ہوئی ہیں۔ چنانچہ حضور ﷺ کا ارشاد صلاة الجماعة افضل من صلوة احدکم وحده وجمعة وعشرون درجة یعنی جماعت سے نماز پر ہستا بہ نسبت تبا نماز پر ہنے کے پچیس درجہ افضل ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ۲۷ درجہ افضل ہے۔

امام ابو داؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے ابی بن کعب کی حدیث روایت کی صلوة الرجل مع الرجل مع الرجل ازکی من صلواته وحده و صلوة الرجل مع الرجلین ازکی من صلواته مع رجل و ما زاد فهو احب الی اللہ تعالیٰ یعنی دو مردوں کا جماعت سے نماز پر ہنا افضل ہے اور تین کی جماعت دو کی جماعت سے بہتر ہے اور جو زائد ہو اللہ کو زیادہ پسند ہے۔ حضرت امام محمد نے غیر روایت اصول میں ذکر کیا کہ جماعت واجب ہے۔ احناف میں سے عامۃ المشائخ اس کے قائل ہیں۔ دلیل حضور ﷺ کا یہ قول ہے لقد هممت ان امر بالمؤمنین فیؤذون ثم امرت جلا فیصلی بالناس ثم انطلق برجال معہم حزم الحطب الی قوم یتخلفون عن الصلوة فاحرق علیہم بیوتہم بالنار، رواہ الشیخان یعنی حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ میں نے ارادہ کیا کہ مؤذن کو حکم دوں کہ وہ اذان پڑھے پھر ایک مرد کو حکم دوں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے پھر کچھ لوگوں کو لے کر جن کے ساتھ لکڑیوں کے گٹھڑوں کی طرح ایسی قوم کی طرف چلوں جو نماز سے پیچھے رہ جاتی ہے پھر آگ سے ان کے گھروں کو جلا دوں اس حدیث میں بالکل نماز کا ترک کرنا مرد نہیں بلکہ جماعت کا

ترک کرنا مراد ہے۔

امام احمد بن حنبل اور داؤد ظاہری کہتے ہیں کہ جماعت فرض عین ہے یہ حضرات لاصلوٰۃ لاجار المسجد الا فی المسجد سے استدلال کرتے ہیں یعنی مسجد کے پڑوس میں رہنے والے کی نماز سوائے مسجد کے ادا نہیں ہوتی ہے۔

ہماری طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں صلوٰۃ کاملہ کی نفی کی گئی ہے جیسے لا صلوة اللعبد الا بق ولأ للمراة الناشئة میں نماز کاملہ کی نفی کی گئی ہے امام کرخی امام طحاوی اور اکثر اصحاب شافعی کے نزدیک جماعت فرض کفایہ ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ مقصود فرض شعائر اسلام کا اظہار ہے اور یہ مقصود بعض کے فعل سے حاصل ہو جاتا ہے۔ مگر یہ استدلال انتہائی کمزور ہے کیونکہ حضور ﷺ کے عہد مبارک میں مسجد میں جماعت ہوتی تھی اس کے باوجود آپ ﷺ نے تارکین جماعت کے لئے سخت وعید فرمائی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب جمیل احمد

منصب امامت کا سب سے زیادہ کون حقدار ہے؟

و اولی الناس بالامامة اعلمهم بالسنة وعن ابی یوسف اقرؤهم لان القراء ة لا یبد منها والحاجة الی العلم اذا نابت نائبة و نحن نقول القراء ة مفتقر الیها ل رکن واحد والعلم لسائر الارکان

ترجمہ..... اور جو شخص جماعت والوں میں سے سنت کا زیادہ عالم ہو وہ امامت کے لئے اولی ہے اور ابو یوسف سے مروی ہے کہ ان میں جو اقرء ہو وہ اولی ہے کیونکہ قرأت نماز کے لئے ضروری ہے اور علم کی حاجت اس وقت ہے جب کوئی واقعہ پیش آئے۔ اور ہم کہتے ہیں کہ قرأت کی جانب احتیاج ایک رکن کے لئے ہے اور علم کی احتیاج تمام ارکان کے لئے ہے۔

تشریح..... امامت کا سب سے زیادہ مستحق وہ شخص ہے جو سنت کا زیادہ جاننے والا ہو یعنی ان احکام شرعیہ کا جاننے والا ہو جو نماز کے ساتھ متعلق ہیں مثلاً نماز کی شرطیں، نماز کے ارکان، نماز کی سنتیں اور اس کے آداب بشرطیکہ مایجوز بہ ال صلوة قرأت پر قدرت رکھتا ہو۔

امام ابو یوسف سے ایک روایت یہ ہے کہ امامت کا زیادہ مستحق وہ ہوگا جو قرأت قرآن میں سب سے اچھا ہوگا بشرطیکہ بقدر ضرورت علم رکھتا ہو امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے کہ قرأت نماز کا ایک ایسا رکن ہے جس کے بغیر چارہ نہیں ہے اور علم کی ضرورت اس وقت پیش آئے گی جب کہ کوئی عارض مفسد پیش آئے تاکہ علم کے ذریعہ نماز کو درست کر سکے اور عارض نماز کے اندر کبھی پیش آتا ہے اور کبھی پیش نہیں آتا۔ پس معلوم ہوا کہ قرأت کا علم زیادہ ضروری ہے بہ نسبت علم بالسنتہ کے اس لئے اقرء کو علم بالسنتہ پر مقدم کیا گیا۔ لیکن ہم طرفین کی طرف سے جواب یہ

دیں گے کہ قرأت کی جانب احتیاج فقط ایک رکن کے لئے ہے اور علم کی طرف احتیاج تمام ارکان کے لئے ہے کیونکہ نماز کو فاسد کرنے والی چیزوں کی معرفت بھی علم کے ذریعہ ہوگی اور نماز کو درست کرنے والی چیزوں کی معرفت بھی علم کے ذریعہ ہوگی پس ثابت ہوا کہ علم کی ضرورت بہ نسبت قرأت کے زیادہ ہے اس لئے علم بالسنتہ کو اقرء پر ترجیح دی گئی۔ طرفین کے قول کی تائید حاکم کی روایت سے بھی ہوتی ہے حضور ﷺ

نے فرمایا یوم القوم اقدمهم هجرة فان كانوا فی الهجرة سواء فافقههم فی الدین فان كانوا فی الفقه سواء فافقههم للقرآن (شرح نقایہ) یعنی قوم کی امامت وہ کرے جو ہجرت میں مقدم ہو پس اگر ہجرت میں سب برابر ہوں تو افقہ فی الدین امامت کرے اور اگر فقہ میں سب برابر ہوں تو اقرء للقرآن امامت کرے۔ اس حدیث میں افقہ فی الدین یعنی علم کو اقرء پر مقدم کیا گیا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے ان الذین جمعوا القرآن علی عهد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اربعة

کُلہم من الانصار ابی بن کعب و معاذ بن جبل و زید بن ثابت و ابو ذید فہؤلاء اکثر قراءۃ من ابی بکر رضی اللہ عنہ حتی قال صلی اللہ علیہ وسلم اقراءکم ابی یعنی عہد رسالت میں چار شخص جامع قرآن تھے اور چاروں کا تعلق انصار سے تھا ابی بن کعب معاذ بن جبل زید بن ثابت اور ابو زید رضوان اللہ علیہم اجمعین پس یہ چاروں بہ نسبت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قراءۃ قرآن کے زیادہ جاننے والے ہیں مگر اس کے باوجود حضور ﷺ نے امامت کے لئے صدیق اکبرؐ کو بڑھایا پس معلوم ہوا کہ جب اقرء اور علم میں تعارض ہو جائے تو علم کو مقدم کیا جائے گا نہ کہ اقرء کو۔

اعلم بالسنة میں سب برابر ہوں تو کون مستحق امامت ہے؟

فان تساووا فاقروہم لقوله عليه السلام يوم القوم اقرأهم لكتاب الله فان كانوا سواء فاعلمهم بالسنة واقروہم كان اعلمهم لانهم كانوا يتلقونه بأحكامه فقدم في الحديث ولا كذلك في زماننا فقد منا الاعلم

ترجمہ..... پھر اگر سب علم میں برابر ہوں تو ان میں جو بہتر قاری ہے وہ اولیٰ ہے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ قوم کی امامت وہ کرے جو کتاب اللہ کا بہتر قاری ہو پھر اگر یہ سب برابر ہوں تو ان میں سے سنت کا زیادہ جاننے والا امامت کرے اور صحابہ میں جو اقرء تھا وہ علم بھی تھا کیونکہ وہ حضرات قرآن کو مع احکام کے سیکھتے تھے اس لئے حدیث میں اقرء کو مقدم کر دیا گیا اور ہمارے زمانے میں ایسا نہیں ہے اس لئے ہم نے علم کو مقدم کیا۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے اگر علم بالسنة میں تمام اہل جماعت برابر ہوں تو اب ان میں سے جو بہتر قاری ہو وہ اولیٰ ہوگا دلیل حضور ﷺ کا قول يوم القوم اقرأهم لكتاب الله فان كانوا سواء فاعلمهم بالسنة اس حدیث سے وجہ استدلال ظاہر ہے لیکن دو طریقہ سے اعتراض واقع ہوگا۔ اول یہ کہ يوم القوم امر کے معنی میں ہے اور امر وجوب کے لئے آتا ہے پس جو ترتیب حدیث میں مذکور ہے وہ واجب الرعايت ہونے پر علم کو مقدم کرنا حالانکہ ایسا نہیں اس لئے کہ ترتیب مذکور بیان افضلیت کے لئے ہے نہ کہ بیان جواز کے لئے۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اس حدیث سے استدلال مدعی کے خلاف ہے حالانکہ مدعی علم بالسنة کی تقدیم ہے اور حدیث دلالت کرتی ہے انما لکتاب اللہ کی تقدیم پر لہذا اس حدیث کو استدلال میں پیش کرنا کیسے درست ہوگا۔

اعتراض اول کا جواب یہ ہے کہ یہ يوم القوم امر کے معنی میں نہیں ہے بلکہ صیغۂ اخبار ہے بیان مشروعیت کے لئے۔ اور یہ حقیقت ہے اور قائمہ ہے کہ جب تک حقیقت پر عمل کرنا ممکن ہو تو مجاز کی طرف رجوع نہیں کیا جاتا اس لئے یہاں مجاز کی طرف رجوع نہیں کیا جائے گا اور یہ صیغۂ امر کے معنی میں نہیں ہوگا۔

دوسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ صحابہؓ میں جو اقرء تھا وہ علم بھی تھا کیونکہ اس زمانے میں لوگ قرآن کو اس کے احکام کے ساتھ لیکھتے تھے چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپؓ نے بارہ سال میں سورہ بقرہ یاد کی تھی۔ ظاہر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس قدر طویل مدت میں سورہ بقرہ کا یاد کرنا اس کے احکام کے ساتھ ہوگا پس چونکہ عہد صحابہؓ میں جو اقرء ہوتا تھا وہ علم بھی ہوتا تھا اس لئے حدیث میں اقرء کو علم پر مقدم کیا گیا ہے اور ہمارے زمانے میں چونکہ ایسا نہیں ہے اس لئے ہم نے علم کو اقرء پر مقدم کیا ہے۔

علم اور قرأت میں سب برابر ہوں تو کون مستحق امامت ہے؟

فان تساوا و افاورعہم لقولہ علیہ السلام من صلی خلف عالم تقی فکانما صلی خلف

ترجمہ..... پھر اگر علم اور قرأت میں برابر ہوں تو ان میں اور ع اولی ہے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس نے عالم تقی کے پیچھے نماز پڑھی۔
گویا اس نے نبی کے پیچھے نماز پڑھی۔

تشریح..... ورع اور تقویٰ میں فرق یہ ہے کہ ورع کہتے ہیں شہادت سے پرہیز کرنا اور تقویٰ کہتے ہیں محرمات سے بچنے کو۔
مسئلہ یہ ہے کہ اگر تمام اہل جماعت علم اور قرأت میں برابر ہوں تو ان میں اور ع اولی ہے۔ دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے
صلی خلف عالم تقی فکانما صلی خلف نبی اس حدیث کے بارے میں ملا علی قاری نے کہا کہ یہ حدیث موضوع ہے۔

علم، قرأت، تقویٰ میں سب برابر ہوں تو کون مستحق امامت ہے؟

فان تساوا و فاسنہم لقولہ علیہ السلام لابنی ابی ملیکہ و لیؤ مکما اکبر کما سنا و لان فی تقدیمہ تکثیر الجماعۃ

ترجمہ..... پھر اگر امور مذکورہ میں سب برابر ہوں تو جوان میں سے ازراہ عمر بڑا ہو وہ اولی ہے کیونکہ حضور ﷺ نے ابو ملیکہ کے
صاحبزادوں سے فرمایا کہ تم دونوں میں سے بڑا امامت کرے اور اس لئے کہ بزرگ کو مقدم کرنے میں جماعت کی زیادتی ہوگی۔

تشریح..... مسئلہ اگر مذکورہ چیزوں میں اہل جماعت سب برابر ہیں تو ان میں ازراہ عمر جو بڑا ہو وہ امامت کے لئے زیادہ مناسب ہے
دلیل حضور ﷺ کا ابو ملیکہ کے دونوں بیٹوں سے ولیؤ مکما اکبر کما سنا فرمانا ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ بڑے بزرگ کو
کرنے میں جماعت کی زیادتی ہے اور سابق میں گذر چکا کہ جماعت کی زیادتی اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسند ہے اور حدیث میں فرمایا میں نے
یوقر کبیرنا فلیس منا اور جب اس کو اپنا امام بنا لیا تو یہ اس کی توقیر کی بے ادبی نہیں رہی۔

مصنف ہدایہ نے یہ نہیں کہا کہ اگر سب عمر میں برابر ہوں حالانکہ ان کے علاوہ نے ذکر کیا کہ اگر سب عمر میں برابر ہوں تو ان میں
اخلاق والا اولی ہے کیونکہ حدیث شریف میں فرمایا گیا کہ خیار کم احسنکم اخلاقاً اور اگر اخلاق میں سب برابر ہوں تو ان میں
زیادہ خوبصورت ہو اولی بالامامت ہوگا۔

حاصل یہ ہے کہ امامت کا سب سے زیادہ مستحق وہ ہوگا جو قرأت، علم، صلاح، نسب، اخلاق، خوبصورتی سب چیزوں کے اندر
افضل ہو کیونکہ اس میں

حضور ﷺ کا اقتداء ہے اس لئے کہ آپ ﷺ نے تادم حیات امامت فرمائی کیونکہ مذکورہ اوصاف کے ساتھ حضور ﷺ تمام انسانوں
سابق تھے ثم الافضل فالافضل۔ جمیل احمد۔

غلام، دیہاتی، فاسق اور تابعین کی امامت کا حکم

ويكره تقديم العبد لانه لا يتفرغ للتعلم والاعرابي لان الغالب فيهم الجهل والفاسق لانه لا يهتم لامر دينه والاعمى لانه لا يتوقى النجاسة وولد الزناء لانه ليس له اب يشفقه فيغلب عليه الجهل ولان تقديم هؤلاء لسفير الجماعة فيكره وان تقدموا جاز لقوله عليه السلام صلوا خلف كل بر وفاجر

ترجمہ..... اور غلام کو آگے کرنا مکروہ ہے کیونکہ وہ سیکھنے کے لئے فراغت نہیں پاتا ہے اور اعرابی کا کیونکہ اعراب میں جہالت غالب ہے اور فاسق کا کیونکہ فاسق اپنے امر دین کے لئے اہتمام نہیں کرتا۔ اور اندھے کا کیونکہ وہ نجاست سے بچاؤ نہیں رکھتا اور ولد الزنا کا کیونکہ اس کا کوئی باپ نہیں جو اس پر شفقت کرے پس اس پر جہل غالب ہوگا اور اس لئے کہ ان لوگوں کو آگے کرنے میں جماعت کو نفرت دلاتا ہے اس لئے مکروہ ہے اور اگر یہ لوگ آگے بڑھ گئے تو جائز ہے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہر نیلو کار اور بدکار کے پیچھے نماز پڑھ لیں۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ غلام کو امامت کے لئے آگے بڑھانا مکروہ ہے اگرچہ وہ آزاد کر دیا گیا ہو یعنی اگر آزاد کردہ غلام اور اصلی آزاد جمع ہو گئے تو اصلی آزاد مستحق امامت ہوگا۔ دلیل یہ ہے کہ غلام نماز کے احکام سیکھنے کے لئے فراغت نہیں پاتا اس لئے اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔ امام شافعی نے کہا کہ اگر آزاد اور غلام دونوں قرأت علم اور ورع میں برابر ہوں تو آزاد کو غلام پر ترجیح نہیں دی جائے گی کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے اسمعوا واطيعوا ولو امر عليكم عبد حبشي اجده سنوا واطاعت کرو اگرچہ تم پر حبشی غلام امیر بنا دیا گیا ہو۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ ابو سعید مولیٰ اسید سے روایت ہے انہ قال دعوتہ رهطامن اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم لہم ابوذر فحضرت الصلوٰۃ فقد مونی وانا یومئذ عبد یعنی ابو سعید کہتے ہیں کہ میں نے اصحاب نبی ﷺ میں سے ایک جماعت کی دعوت کی ان میں ابوذر بھی تھے پس نماز کا وقت آ گیا تو امامت کے لئے مجھے آگے بڑھایا اور میں اس زمانے میں غلام تھا۔ یہ واقعہ دلالت کرتا ہے کہ غلام کو آگے بڑھانا مکروہ نہیں ہے۔

ہماری طرف سے پہلی حدیث کا جواب یہ ہے کہ غلام کو آگے بڑھانا تقلیل جماعت کا سبب بنے گا کیونکہ لوگ اس کی متابعت کرنے سے ناک منہ چڑھائیں گے اور جو چیز تقلیل جماعت کا سبب ہو وہ مکروہ ہے اور حدیث میں امارت مراد ہے نہ کہ امامت اور ابو سعید کی حدیث کا جواب یہ ہے کہ صحابہ نے ابو سعید کو صاحب خانہ ہونے کی وجہ سے آگے بڑھایا کیونکہ صاحب خانہ اہق بالامامت ہوتا ہے۔ اعرابی (گنوار) کو بھی امامت کے لئے آگے بڑھانا مکروہ ہے کیونکہ ان میں جہالت کا غلبہ ہوتا ہے نیز حضور ﷺ کا قول الا لا یؤمن امرؤ رجلا ولا اعرابی خبر دار نہ عورت مرد کی امامت کرے اور نہ اعرابی۔

اور فاسق کو بھی آگے بڑھانا مکروہ ہے کیونکہ وہ دین کے معاملے میں اہتمام نہیں کرتا۔ امام مالک نے فرمایا کہ اس کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے۔ کیونکہ جب اس کی طرف سے امور دینیہ میں خیانت ظاہر ہوگئی تو وہ نماز جیسے اہم امور میں بھی امین نہیں ہوگا لیکن ہماری طرف سے وہ اب یہ ہے کہ عبد اللہ بن عمر انس بن مالک اور ان کے علاوہ دوسرے صحابہ اور تابعین نے حجاج بن یوسف رئیس الفساق کے پیچھے نماز پڑھی ہے۔

امامت کے لئے نابینا کو آگے بڑھانا بھی مکروہ ہے کیونکہ وہ اندھا ہونے کی وجہ سے نجاست سے بچاؤ نہیں رکھتا اور ولد الزنا کو بھی

آگے بڑھانا مکروہ ہے کیونکہ اس کا کوئی باپ نہیں جو اس پر شفقت کرے، اس کو ادب سکھائے اور اس کو تعلیم دے۔

صاحب ہدایہ نے مشترکہ دلیل کے طور پر کہا کہ ان لوگوں کو آگے بڑھانے میں اہل جماعت کو نفرت دلانا ہے اس لئے ان کو آگے بڑھانا مکروہ ہے ہاں اگر یہ لوگ خود آگے بڑھ گئے تو نماز جائز ہو جائے گی کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے صلوا خلف کل برو قاجب استدلال یہ ہے کہ مذکورہ لوگوں میں سے ہر ایک نیک ہو گا یا فاجر پس اس کے پیچھے ہر حال میں نماز جائز ہے۔

امامت کے لئے کن امور کی رعایت کا خیال رکھنا ضروری ہے

ولا يطول الامام بهم الصلوة لقوله عليه السلام من ام قوما فليصل بهم صلوة اضعفهم فان فيهم المرء والكبير وذا الحاجة

ترجمہ..... اور امام مقتدی کے ساتھ نماز کو طول نہ دے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا جو شخص کسی قوم کا امام بنا تو ان کو نماز پڑھائے ان میں سب سے ضعیف کی اس لئے کہ ان میں بیمار بھی ہیں بوڑھے بھی، ضرورت مند بھی۔

تشریح..... مسئلہ امام لوگوں کو لمبی نماز نہ پڑھائے۔ دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس نے قوم کی امامت کی وہ ان کو ان میں اضعف کی نماز پڑھائے کیونکہ مقتدیوں میں بیمار بھی ہیں، بوڑھے بھی ہیں اور ضرورت مند بھی ہیں اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما حدیث بھی مستدل ہے جبکہ معاذ نے اپنی قوم کو لمبی نماز پڑھائی تو قوم کے لوگوں نے حضور ﷺ سے شکایت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا افتنان انت يا معاذ یہ حدیث سابق میں گذر چکی ہے اور یہ بات بطریق صحت ثابت ہے کہ ایک روز حضور ﷺ نے فجر کی نماز میں تین کی قرأت کی جب آپ نماز سے فارغ ہو گئے تو صحابہ نے عرض کیا کہ اللہ کے رسول اللہ آج آپ نے بڑا اختصار کیا تو فرمایا کہ کے رونے کی وجہ سے مجھے خوف ہوا کہ اس کی مال قنتہ میں نہ پڑ جائے اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امام کے لئے اپنی قوم کے حال رعایت کرنا مناسب ہے۔

عورتوں کی تنہا جماعت کا حکم

ويكره للنساء ان يصلين وحدهن الجماعة لانها لا تخلو عن ارتكاب محرم وهو قيام الامام وسط الصلاة فيكره كالعراة وان فعلن قامت الامام وسطهن لان عائشة فعلت كذلك وحمل فعلها الجماعة على اتباع الاسلام ولان في التقديم زيادة الكشف

ترجمہ..... اور عورتوں کے لئے تنہا جماعت سے نماز پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ عورتوں کی جماعت ارتکاب حرام سے خالی نہیں ہے اور وہ امام وسط صف میں کھڑا ہوتا ہے پس یہ فعل مکروہ ہو گا جیسے ننگے مردوں کا حکم ہے اور اگر عورتوں نے جماعت کی تو امام ان کے بیچ میں کھڑے کیونکہ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایسا ہی کیا اور ام المؤمنین کا فعل جماعت ابتداء اسلام پر معمول کیا گیا اور اس وجہ سے کفار بڑھنے میں کشف عورت زیادہ ہے۔

تشریح..... مسئلہ عورتوں کے لئے تنہا جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے کیونکہ عورتوں کی جماعت فعل حرام (مکروہ)

ارتکاب سے خالی نہیں اس لئے کہ ان کی امام اقتداء کرنے والی عورتوں سے آگے کھڑی ہوگی یا ان کے درمیان میں کھڑی ہوگی۔ پہلی صورت میں کشف عورت زیادہ ہے درالحالیکہ یہ مکروہ ہے اور دوسری صورت میں امام کا اپنے مقام کو چھوڑنا لازم آتا ہے حالانکہ یہ بھی مکروہ ہے اور جماعت سنت ہے اور قاعدہ ہے کہ بہ نسبت ارتکاب مکروہ کے سنت کو ترک کرنا اولیٰ ہے اس لئے عورتوں کے حق میں جماعت کی سنت کو ترک کر دیا گیا اور عورتوں کا حال ننگوں کے حال کے مانند ہو گیا یعنی جس طرح ننگوں کی جماعت مکروہ ہے اسی طرح عورتوں کی جماعت مکروہ ہے۔

صاحب قدری نے کہا کہ اگر کراہت تحریمی کے باوجود عورتوں نے جماعت کی تو عورتوں کی امام ان کے بیچ میں کھڑی ہوگی کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایسا ہی کیا لیکن اب اشکال یہ ہوگا کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جماعت کے ساتھ نماز پڑھی ہے تو پھر مکروہ تحریمی کیوں ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ام المؤمنین کا یہ فعل ابتداء اسلام پر محمول کیا جائے گا، مگر اس جواب پر اشکال ہے وہ یہ کہ نبوت کے بعد آنحضرت ﷺ نے تیرہ سال مکہ المکرمہ میں قیام فرمایا پھر مدینہ منورہ میں حضرت عائشہ سے چھ سال کی عمر میں نکاح کیا پھر جب نو برس کی ہوئیں تو ان کو زفاف میں لیا یعنی عائشہ کی رخصتی ہوئی اور آپ کی حیات میں ۹ برس رہیں پس حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا امامت کرنا بالغ ہونے کے بعد ہوا ہوگا تو اس صورت میں یہ ابتداء اسلام کا فعل کہاں سے ہوگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ابتداء اسلام پر محمول کرنے سے مراد یہ ہے کہ عورتوں کی جماعت کا حکم منسوخ ہے۔

ایک مقتدی ہو تو امام کے دائیں جانب کھڑا ہو

من صلی مع واحد اقامہ عن یمینہ لحدیث ابن عباسؓ فانہ علیہ السلام صلی بہ واقامہ عن یمینہ ولا یتاخر عن الامام وعن محمد انه یضع اصابعہ عند عقب الامام والاول هو الظاهر وان صلی خلفہ اوفی یسارہ جاز وهو مسیء لانه خالف السنۃ

ترجمہ۔۔۔ اور جو شخص ایک شخص کے ساتھ نماز پڑھے تو اس کو اپنے دائیں کھڑا کرے۔ دلیل ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث ہے کیونکہ حضور ﷺ نے ان کو نماز پڑھائی اور ان کو اپنے دائیں طرف کھڑا کیا اور مقتدی امام سے پیچھے نہ رہے اور امام محمد سے مروی ہے کہ مقتدی اپنی انگلیوں کو امام کی ایڑی کے برابر رکھے اور اول ہی ظاہر ہے اور اگر اس ایک مقتدی نے امام کے پیچھے یا بائیں طرف نماز پڑھی تو بھی جائز ہے اور وہ گنہگار ہے کیونکہ اس نے سنت کے خلاف کیا۔

تشریح۔۔۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر ایک مرد ایک مرد مقتدی کے ساتھ نماز پڑھے تو اس مقتدی کو اپنے دائیں کھڑا کرے۔ دلیل حدیث ابن عباس ہے۔ پوری حدیث یہ ہے بت عند خالتي میمونہ لاراقب صلوة النبی صلی اللہ علیہ وسلم باللیل فانتبہ فقال نامت العیون وغابت النجوم وبقی الحی القیوم ثم قرء اخر سورة ال عمران ان فی خلق السموات والارض واختلاف اللیل والنهار..... الی اخرها ثم قام الی شن معلق فتوضأ وافتتح فقامت ووضأت ووقفت علی یسارہ واخذ باذنی وادارنی خلفہ حتی اقامنی عن یمینہ. (متفق علیہ) یعنی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا کہ میں اپنی خالہ میمونہ کے یہاں رات سویا ہوا کہ میں نبی کریم ﷺ کی رات کی نماز کو دیکھوں پس آنحضرت ﷺ نے اٹھ کر کہا آنکھیں سو گئیں اور ستارے ڈوب گئے اور حی قیوم

باقی ہے پھر آپ نے سورہ آل عمران کی آخری آیتیں ان فی خلق السموات والارض واختلاف الليل والنهار سے آخر تک پڑھا پھر آپ نے ایک لٹکے ہوئے مشکیزہ سے پانی لے کر وضو کیا اور نماز شروع کی پس میں نے بھی اٹھ کر وضو کیا اور میں آپ کی بائیں طرف کھڑا ہو گیا پس آپ نے میرا کان پکڑ کر مجھے اپنے پیچھے سے گھمایا یہاں تک کہ مجھ کو اپنی دائیں طرف کھڑا کیا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر امام کے ساتھ ایک مقتدی ہو تو اس کو دائیں طرف کھڑا کرنا مختار ہے۔ ظاہر الروایہ میں ہے کہ مقتدی واحد امام کے پیچھے کھڑا ہو۔ اور امام محمد سے مروی ہے کہ مقتدی اپنی انگلیوں کو امام کی ایڑی کے برابر رکھے۔ اور اول ظاہر ہے۔ اور اگر ایک مقتدی نے اس کے پیچھے یا بائیں نماز پڑھی تب بھی جائز ہے یعنی نماز فاسد نہ ہوگی البتہ گنہگار ہوگا کیونکہ اس نے سنت کے خلاف عمل کیا۔

دو مقتدی ہوں تو امام مقدم ہو جائے

وان امّ اثنتين تقدم عليهما وعن ابى يوسف يتوسطهما ونقل ذلك عن عبد الله بن مسعود ولنا انه عليه السلام تقدم على انس واليتم حين صلى بهما فهذا للافضلية والاثر دليل الاباحة

ترجمہ..... اور اگر دو مردوں کی امامت کی تو امام دونوں پر مقدم ہو۔ اور ابو یوسف سے مروی ہے کہ امام دونوں کے بیچ میں کھڑا ہو۔ اور ابن مسعود سے منقول ہے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ انس اور یتیم سے آگے کھڑے ہوئے جب کہ دونوں کے ساتھ نماز پڑھی پس یہ افضلیت کے لئے ہے اور اثر مباح ہونے کی دلیل ہے۔

تشریح..... اور اگر امام کے علاوہ دو مقتدی ہوں تو امام ان دونوں سے آگے کھڑا ہو اور امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ امام ان دونوں کے درمیان میں کھڑا ہو اور درمیان میں کھڑا ہونا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے چنانچہ روایت کیا گیا کہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے علقمہ اور اسود کو نماز پڑھائی اور ابن مسعود دونوں کے درمیان کھڑے ہوئے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ جب حضور ﷺ انس اور یتیم کو نماز پڑھائی تو آپ ﷺ ان دونوں سے آگے کھڑے ہوئے پس آنحضرت ﷺ کا آگے کھڑا ہونا افضلیت کی دلیل ہے اور ابن مسعود کا اثر مباح ہونے کی دلیل ہے۔

ابراہیم نخعی نے کہا کہ ابن مسعود سے روایت کی گئی کہ جگہ کے تنگ ہونے کی وجہ سے ایسا کیا گیا پس اب ابن مسعود کے اثر سے اباحت بھی ثابت نہیں ہوگی۔

مردوں کے لئے عورت اور بچے کی اقتداء کا حکم

ولا يجوز للرجال ان يقتدوا بامرأة او صبى اما المرأة فلقوله عليه السلام اخروهن من حيث اخرهن الله فلا يجوز تقديمها واما الصبى فلانه متفل فلا يجوز اقتداء المفترض به وفي التراويح و السنن المطلقة جواز مشائخ بلخ ولم يجوز مشائخنا و منهم من حقق الخلاف فى النقل المطلق بين ابى يوسف و بين محمد والمختار انه لا يجوز فى الصلوات كلها لان نقل الصبى دون نقل البالغ حيث لا يلزمه القضاء بالافساد بالاجماع ولا ينسى القوي على الضعيف بخلاف المظنون لانه مجتهد فيه فاعتبر العارض عندما بخلاف اقتداء الصبى بالصبى لان الصلوة متحدة

ترجمہ..... مردوں کو جائز نہیں کہ وہ عورت یا بچہ کی اقتداء کریں بہر حال عورت تو اس لئے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ عورتوں کو مؤخر کرو جہاں ان کو اللہ نے مؤخر کیا پس عورت کا مقدم کرنا جائز نہیں ہے اور بہر حال بچہ تو اس لئے کہ وہ نفل پر ہنسنے والا ہے لہذا مفترض کو اس کی اقتداء کرنا جائز نہیں ہے اور تراویح اور سنن مطلقہ میں مشائخ بلخ نے اس کو جائز رکھا اور ہمارے مشائخ نے اس کو جائز قرار نہیں دیا۔

اور ہمارے مشائخ میں سے بعض نے ابو یوسف اور امام محمد کے درمیان نفل مطلق کی صورت میں اختلاف محقق کیا۔ اور مختار یہ ہے کہ یہ تمام نمازوں میں جائز نہیں ہے کیونکہ بچہ کا نفل بالغ سے کمتر ہے اس لئے کہ نفل فاسد کر دینے سے بالاجماع بچہ پر قضاء لازم نہیں آتی اور نہیں بنا کی جاتی ہے قوی کی ضعیف پر برخلاف نماز مظنون کے کیونکہ وہ مجتہد فیہ ہے پس اعتبار کیا گیا عارض معدوم برخلاف بچہ کا اقتداء کرنا بچہ کے ساتھ کیونکہ نماز متحد ہے۔

تشریح..... مسئلہ مردوں کے لئے نہ عورت کی اقتداء جائز ہے اور نہ بچہ کی عورت کی اقتداء جائز نہ ہونا تو اس لئے ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا اخر وھن من حیث اخرھن اللہ وجہ استدلال یہ ہے کہ لفظ حیث سے مراد مکان ہے اور جس مکان میں عورتوں کی تاخیر واجب ہو ما وہ مکان صلوة کے کوئی مکان نہیں ہے پس ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو مکان صلوة میں مؤخر کیا ہے یعنی اس کو مردوں کے لئے امام بننے کا حق نہیں دیا ہے۔

اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ حیث بتعلیل کے لئے ہے اب ترجمہ یہ ہوگا کہ عورتوں کو مؤخر کرو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو مؤخر کیا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کو شہادت و راجعت و سلطنت اور تمام والایات میں مؤخر کیا ہے پس جب اللہ تعالیٰ نے عورت کو مؤخر کیا تو اس کو مقدم کرنا یعنی امام بنانا بھی جائز نہیں ہوگا۔

رہا بچہ کی امامت کا بیان تو اس کی امامت اس لئے جائز نہیں کہ وہ نفل ادا کرنے والا ہے لہذا فرض ادا کرنے کے لئے اس کی اقتداء جائز نہیں ہوگی یعنی بالغ کی فرض نماز اس کے پیچھے جائز نہ ہوگی۔ صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ تراویح اور سنن مطلقہ میں اختلاف ہے۔ مشائخ فقہ کے قول کے مطابق تراویح اور سنن مطلقہ میں نابالغ بچہ کی اقتداء کرنا جائز ہے اور ہمارے مشائخ یعنی مشائخ ماوراء النہر نے اس کو جائز کیا ہے۔ سنن مطلقہ سے مراد وہ سنن روایت ہیں جو فرائض سے پہلے اور فرائض کے بعد شروع ہوئیں ہیں۔ ایک روایت کے مطابق یہی نماز بھی سنت ہے۔ اور تراویح، کسوف، خسوف اور استسقاء کی نماز بھی صاحبین کے نزدیک سنت ہے۔

حاصل یہ ہے کہ سنت نمازوں میں اگر نابالغ بچہ نے امامت کی تو مشائخ بلخ کے نزدیک بالغ مردوں کے لئے اس کی اقتداء کرنا جائز ہے اور ماوراء النہر یعنی نجار اور سمرقند کے علماء و مشائخ نے اس کو جائز کہا ہے۔ مشائخ بلخ نے مظنونہ نماز پر قیاس کیا ہے۔ مظنونہ نماز یہ ہے کہ ایک شخص نے یہ خیال کیا کہ اس کے ذمہ نماز واجب ہے پس اس نے اس گمان کے ساتھ وہ نماز ادا کرنی شروع کر دی پھر درمیان میں کوئی مفید پیش آ گیا اور نماز ٹوٹ گئی پھر معلوم ہوا کہ اس کے ذمہ واجب نہ تھی تو اب شروع کرنے کی وجہ سے اس کا قضاء کرنا واجب ہے یا نہیں؟ تو اس کے بارے میں ائمہ ثلاثہ کے نزدیک حکم یہ ہے کہ قضاء واجب نہیں ہے البتہ امام زعفران کے نزدیک قضاء واجب ہے۔ پھر اگر نفل ادا کرنے والا بالغ آدمی مظنونہ نماز ادا کرنے والے کی اقتداء کرے تو جائز ہے۔

اب مشائخ بلخ کے قیاس کا حاصل یہ ہوگا کہ نفل نماز شروع کرنے سے واجب ہو جاتی ہے اور مظنونہ نماز واجب نہیں ہوتی ہے پس

جب نفل پڑھنے والا مظنون نماز ادا کرنے والے کی اقتداء کر سکتا ہے تو ایسے ہی نفل ادا کرنے والا بچہ کی اقتداء کر سکتا ہے۔

اور ہمارے مشائخ میں سے بعض نے نفل مطلق کی صورت میں امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے درمیان اختلاف بیان کیا ہے چنانچہ امام ابو یوسفؒ نے کہا کہ نفل مطلق میں بھی بالغ مرد کا بچہ کی اقتداء کرنا جائز نہیں ہے اور امام محمدؒ نے اس کو جائز قرار دیا ہے۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ بالغ مرد کا بچہ کی اقتداء کرنا کسی بھی نماز میں جائز نہیں ہے خواہ نفل مطلق ہو یا موقت ہو۔ یہی ماوراء النہر کے مشائخ کا مذہب ہے اس مذہب مختار کی دلیل یہ ہے کہ بچہ کی نفل نماز بالغ کی نفل نماز سے کمتر اور ادنیٰ ہے کیونکہ بالاتفاق اگر بچہ نفل نماز شروع کر کے فاسد کر دے تو اس پر اس کی قضاء واجب نہیں ہوتی اور اگر بالغ نفل نماز فاسد کر دے تو اس کے ذمہ قضاء کرنا واجب ہے اور قاعدہ ہے کہ قوی کی بناضعیف پر نہیں کی جاتی اس لئے بالغ کے نفل کی بناء بچے کے نفل پر نہیں کی جائے گی۔

بسخلاف المظنون سے مشائخ بالغ کے قیاس کا جواب ہے۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ بالغ کا بچہ کی اقتداء کرنے کو ظان کی اقتداء پر پیاس کرنا فاسد ہے کیونکہ نماز مظنون مختلف فیہ ہے، چنانچہ امام زفرؒ کے نزدیک فاسد کرنے کی صورت میں ظان پر قضاء کرنا واجب ہے اور بچہ کی نماز کہ اس کی قضاء بالا جماع واجب نہیں ہے۔ نیز طفولیت (بچپن) ایسا امر ہے جو بالغ ہونے تک بہر حال باقی رہے گا۔ پس بالغ کی نماز اس کی نماز سے متحد نہ ہوگی۔ کیونکہ فاسد کر دینے کی صورت میں بالغ پر قضاء واجب ہوتی ہے اور نابالغ پر قضاء واجب نہیں ہوتی۔ اس کے برخلاف مظنون کہ ظن ایک عارضی چیز ہے۔ لہذا اس کو معدوم معتبر کیا گیا پس اب اگر نفل پڑھنے والے نے مظنون نماز پڑھنے والے امام کے پیچھے اقتداء کی تو دونوں کی نماز متحد ہو سکتی ہے بالخصوص امام زفرؒ کے نزدیک کیونکہ فساد کی صورت میں دونوں پر قضاء واجب ہو جاتی ہے۔

حاصل یہ کہ بالغ اور نابالغ کی نماز غیر متحد ہے اور بالغ اور ظان کی نماز متحد ہے بالخصوص امام زفرؒ کے نزدیک پس اس فرق کے ہوتے ہوئے اقتداء بالغ بالصبی کو اقتداء بالظان پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ اس کے برخلاف نابالغ کا نابالغ کی اقتداء کرنا جائز ہے کیونکہ دونوں کی نماز متحد ہے اس لئے کہ دونوں میں سے کسی پر قضاء واجب نہیں ہے پس یہ ضعیف کی بناضعیف پر ہوگی۔

صفوں کی ترتیب کیسے ہوگی؟

و یصف الرجال ثم الصبيان ثم النساء لقوله عليه السلام ليليني منكم ألو الاحلام والنهي ولان المحاذاة مفسدة فيؤخرون

ترجمہ..... اور صف باندھیں مرد پھر بچے پھر عورتیں، کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ قریب رہیں مجھ سے تم میں سے بالغ مرد، اور اس لئے کہ عورت کی محاذات مفسد نماز ہے اس لئے عورتیں مؤخر کی جائیں۔

تشریح..... اس عبارت میں امام کے پیچھے کھڑے ہونے کی ترتیب کا بیان ہے، چنانچہ فرمایا کہ امام کے پیچھے سب سے پہلے مرد گھڑ ہوں پھر ان کے پیچھے بچے کھڑے ہوں اور ان کے پیچھے عورتیں کھڑی ہوں۔ دلیل حضور ﷺ کا یہ قول ہے لیلینی منکم اولو الاحلام والنہی، یصل امر کا صیغہ ہے ولسی سے ماخوذ ہے جس کے معنی قریب ہونے کے ہیں۔ احلام حکم بالضم کی جمع ہے حلم وہ چیز جو سونے والا دیکھتا ہے لیکن اس کا غالب استعمال خواب کی دلالت بلوغ کی چیز میں ہے اور نہی نہیۃ کی جمع ہے، معنی عقل، ہیں، اب حدیث کا مظلوم

یوں کہ تم میں سے مجھ سے قریب وہ لوگ رہیں جو عاقل بالغ ہوں۔

لیکن اگر کوئی یہ کہے کہ یہ حدیث مردوں کو بچوں پر مقدم کرنا تو ثابت کرتی ہے مگر عورتوں پر بچوں کی تقدیم ثابت نہیں کرتی، تو اس کا جواب یہ ہے احتمال رجولیت کی وجہ سے بچے مردوں کے تابع ہیں اور تابع متبوع کے بعد ہوتا ہے لہذا بچے مردوں کے بعد ہوں گے اور عورتوں سے مقدم ہوں گے اور جواب میں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ عورتوں پر بچوں کی تقدیم حضور ﷺ کے فعل سے ثابت ہے کیونکہ حضور ﷺ نے ایک برزخمی عورت کو یتیم نامی بالغ کے پیچھے کھڑا کیا تھا۔ زیادہ بہتر استدلال اس حدیث سے ہو سکتا ہے جس کو امام احمد نے اپنی مسند میں ابومالک اشعری سے تخریج کیا ہے روایت کے الفاظ یہ ہیں انہ قال یا معشر الاشرار اجتمعوا واجتمعوا نساء کم و انباء کم حتی اریکم صلاة رسول اللہ ﷺ فاجتمعوا وجمعوا انباء ہم و نساء ہم ثم تو ضاوارہم کیف یتوضأ ثم تقدم فصف الرجال فی ادنی الصف و صف الولدان خلفهم و صف النساء خلف الصبيان، یعنی ابومالک اشعری نے کہا کہ اے اشعری قبیلہ کے لوگو! تم خود بھی جمع ہو جاؤ اور اپنی عورتوں کو جمع کر لو یہاں تک کہ میں تم کو..... رسول اللہ ﷺ کی نماز دکھلاؤں پس وہ خود بھی جمع ہو گئے اور اپنے بیٹوں اور عورتوں کو بھی جمع کیا پھر وضو کیا اور ان کو دکھلایا کہ آپ کس طرح وضو کرتے تھے۔ پھر ابومالک آگے بڑھے پھر مردوں کی صف باندھی، اور لڑکوں کی ان کے پیچھے اور عورتوں کی صف بچوں کے پیچھے بنائی۔

مقلی دلیل یہ ہے کہ عورت کی محاذات مرد سے مفسد نماز ہے۔ اس لئے عورتیں مؤخر کی جائیں گی۔

مسئلہ محاذات

وان حاذتہ امرأة و ہما مشترکان فی صلوة واحدة، فسدت صلاتہ ان نوى الامام امامتہا والقیاس ان لا یفسد وهو قول الشافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اعتبارا بصلاتہا حیث لا یفسد وجہ الاستحسان مارویناہ وانہ من المشاہیر وهو المحاطب بہ دونہا فیكون هو التارک لفرض المقام ففسد صلاتہ دون صلاتہا کالما یوم اذا تقدم علی الامام

ترجمہ۔ اور اگر کوئی عورت مرد سے محاذی ہوگی اور حال یہ ہے کہ دونوں ایک نماز میں شریک ہیں تو مرد کی نماز فاسد ہو جائے گی بشرطیکہ امام نے اس عورت کی امامت کی نیت کی ہو اور قیاس یہ ہے کہ مرد کی نماز فاسد نہ ہو اور یہی امام شافعی کا قول ہے عورت کی نماز پر قیاس کرتے ہوئے کیونکہ عورت کی نماز فاسد نہیں ہوتی۔ اور وجہ استحسان وہ حدیث ہے جو ہم روایت کر چکے۔ اور حدیث احادیث مشہورہ میں سے ہے اور مرد ہی اس حکم کا مخاطب ہے نہ کہ عورت پس مرد ہی مقام مفروض کا ترک کرنے والا ہوگا لہذا اسی کی نماز فاسد ہوگی نہ کہ عورت کی نماز۔ جیسے مقتدی جب وہ امام سے آگے ہو جائے۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی عورت کسی مرد سے محاذی ہوگی در انحالیکہ مرد اور عورت دونوں ایک نماز میں مشترک ہیں اور امام نے اس عورت کی امامت کی نیت بھی کی ہے تو ایسی صورت میں مرد کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ مرد کی نماز بھی فاسد نہ ہو۔ اور یہی امام شافعی کا قول ہے۔ امام شافعی نے مرد کی نماز کو عورت کی نماز پر قیاس کیا ہے یعنی محاذات کی وجہ سے عورت کی نماز بالاتفاق فاسد نہیں ہوگی لہذا مرد کی نماز بھی فاسد نہ ہوگی اور قیاس کی وجہ یہ ہے کہ محاذات ایسا فعل ہے کہ جانہین سے متحقق ہوتا ہے پس

جب محاذات عورت کی نماز کے لئے مفسد نہیں ہے تو مرد کی نماز کے لئے بھی مفسد نہیں ہوگا۔ وجہ استحسان وہ حدیث ہے جو ہم سابقہ روایت کر چکے۔ عبد اللہ بن مسعود کی حدیث ان رسول اللہ ﷺ قال اخروهن من حیث اخرهن اللہ، اس حدیث میں مردوں کو دیا گیا کہ وہ عورتوں کو نماز میں پیچھے رکھیں پس جب عورت اس کے محاذی ہوگئی تو گویا مرد نے اپنا فرض مقام ترک کر دیا کیونکہ ایسی نماز جس کے اندر دونوں شریک ہوں عورت کو مؤخر کرنا مرد پر فرض ہے۔ اور یہ بات مسلم ہے کہ جس نے فرض ترک کیا اس کی نماز فاسد ہو جائے گی نہ کہ دوسرے کی، اس لئے ہم نے کہا کہ محاذات کی وجہ سے مرد کی نماز فاسد ہوگی نہ عورت کی۔

اور اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ خبر واحد ہے اور خبر واحد سے فرضیت ثابت نہیں ہوتی تو اس کا جواب صاحب ہدایہ نے انہما المشاہیر کہہ کر دیا ہے یعنی یہ حدیث احادیث مشہورہ میں ہے جو قطعی الدلالت ہوتی ہے اور حدیث مشہورہ سے فرضیت ثابت ہو جاتی ہے لہذا اب کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔

وہوالمخاطب سے قیاس کا جواب ہے جواب کا حاصل یہ ہے کہ عورت کی نماز فاسد نہ ہونے سے مرد کی نماز فاسد نہ ہونا لازم آتا۔ کیونکہ حضور ﷺ کے قول اخروهن کا مخاطب مرد ہے نہ کہ عورت پس تارک فرض مرد ہوا نہ کہ عورت اس لئے صرف مرد کی نماز فاسد ہوگی عورت کی نماز فاسد نہیں ہوگی۔ جیسے مقتدی جب وہ امام سے آگے ہو جائے اور اپنا فرض مقام چھوڑ دے تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اسی طرح جب عورت کے ساتھ اپنا فرض مقام چھوڑے گا تو اس کی نماز بھی فاسد ہو جائے گی۔

فواند..... محاذات مفسدہ یہ ہے کہ نماز کے اندر عورت کا قدم مرد کے کسی عضو کے محاذی اور مقابل ہو جائے۔

امام نے محاذی عورت کی امامت کی نیت نہ کی ہو تو اس کا حکم

وان لم یسوا امامتها لم تضربہ ولا تجوز صلاتها لان الاشتراک دونها لایثبت عندنا خلافا لرفر الاثری ان یلزمہ الترتیب فی المقام فیوقوف علی التزامہ کالاتقاء وانما یشرط نية الامامة اذا ایتممت محاذیة وان لم یکن یجنبها رجل ففیہ روایتان والفرق علی احدھما ان الفساد فی الاول لازم وفی الثانی محض ترجمہ..... اور اگر امام نے عورت کا امام ہونے کی نیت نہیں کی تو عورت کی محاذات مرد کے لئے مفسد نہ ہوگی اور عورت کی نماز جائز نہ ہوگی کیونکہ اشتراک بغیر امامت کی نیت کے ہمارے نزدیک ثابت نہ ہوگا، برخلاف قول زفر کے کیا تم نہیں دیکھتے کہ امام پر لازم ہے ترحیب ہر ایک کے کھڑے ہونے کے مقام کا تو یہ بات امام کے لازم کرنے پر موقوف رہے گی۔ جیسے اقتداء کا حال ہے اور امامت کی نیت ہی وقت شرط ہے جب کہ عورت نے محاذی ہو کر اقتداء کی ہو اور اگر عورت کے پہلو میں کوئی مرد نہ ہو تو اس میں دو روایتیں ہیں۔ اور فرق یہ دونوں روایتوں میں سے ایک پر یہ ہے کہ فساد نماز اول میں لازم ہے اور دوسری صورت میں فساد کا احتمال ہے۔

تشریح..... اس عبارت میں ایک صورت کو بیان کیا گیا ہے جب کہ امام نے محاذیہ عورت کے امام ہونے کی نیت نہ کی ہو یعنی یہ نیت نہیں کی کہ میں اس عورت کا امام ہوں تو اس صورت میں عورت کی محاذات مرد کو کچھ مفسد نہ ہوگی اور اس عورت کی نماز بھی جائز نہ ہوگی۔ پہلے یہ ہے کہ ہمارے نزدیک بغیر نیت کے اشتراک فی الصلوٰۃ ثابت نہیں ہوتا اگرچہ امام زفر کے نزدیک بغیر نیت بھی اشتراک ثابت ہو جاتا ہے کیونکہ امام زفر کے نزدیک عورت جب مرد کی نماز میں داخل ہوگئی تو مرد کی نماز کے فاسد ہونے کے لئے عورت کا امام ہونے کی نیت

www.Bhali.Info

شرط نہیں ہے اس لئے کہ مرد مردوں اور عورتوں دونوں کی امامت کر سکتا ہے۔

پھر واضح ہو کہ مرد کا اس امام مرد کی اقتداء کرنا بغیر نیت امامت کے صحیح ہے یعنی اگر امام نے یہ نیت نہیں کی کہ میں اس کا امام ہوں تب بھی مرد اس امام کی اقتداء کر سکتا ہے پس اسی طرح بغیر نیت امامت کے عورت کا اقتداء کرنا بھی صحیح ہوگا پس ثابت ہوا کہ مرد کی نماز کے فساد کے لئے عورت کے امام ہونے کی نیت کرنا شرط نہیں ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک بغیر امام کے اشتراک ثابت نہیں ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حدیث ”اخر وھن“ کی وجہ سے مقتدیوں کو بالترتیب کھڑا کرنے کی ذمہ داری امام پر ہے یعنی ترتیب مقام امام پر لازم ہے اور جس شخص پر کوئی چیز لازم ہو وہ اس کے لازم کرنے پر موقوف ہوتی ہے یعنی اگر لازم کرے گا تو لازم ہوگی ورنہ نہیں۔ جیسے اقتداء کا حال ہے کہ مقتدی کا اقتداء کرنے کی نیت کرنا شرط ہے اس لئے کہ اسی نیت اقتداء سے وہ اپنی نماز کو امام کی ضمانت میں دے گا تاکہ امام کی کسی حرکت سے نماز میں نقص و ضرر پیدا ہو تو مقتدی کے قبول کرنے اور اس کی رضامندی سے اس پر لازم آئے۔ اسی طرح امام کا عورتوں کی امامت کی نیت کرنا شرط ہے تاکہ عورتوں کی جانب سے اگر کوئی ضرر ہو تو وہ امام کا قبول کیا ہوا ہو۔

شمس الائمہ السنحسی نے بغیر نیت امامت کے امام کی نماز کا فاسد نہ ہونے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ اگر بغیر نیت امامت کے عورت کی اقتداء صحیح قرار دیدی جائے تو ہر عورت من چاہے طریقہ پر مرد کی نماز فاسد کر دینے پر قادر ہوگی اس طرح پر کہ مرد کی اقتداء کر کے پہلو میں کھڑی ہو جائے اور ظاہر ہے کہ اس میں مرد کا ضرر ہے اس وجہ سے مرد کے لئے نیت امامت کو شرط قرار دیا گیا تاکہ یہ ضرر مرد کی رضامندی سے اس پر لازم آئے۔

والما یشتروا نیتہ الاہامۃ، یہاں سے صاحب ہدایہ نے کہا کہ امام کا امامت کی نیت کرنا اسی وقت شرط ہے جب کہ عورت امام کی نماز یہ ہو کہ اس کی مقتدی بنے، یعنی محاذات کی وجہ سے امام کی نماز جب ہی فاسد ہوگی جبکہ عورت نے اس کے محاذی ہو کر اقتداء کی ہو اور امام نے اس کی امامت کی بھی نیت کی ہو اور اگر عورت امام کے پیچھے کھڑی ہوئی تو اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ یہ عورت کسی مرد مقتدی سے محاذی بن کر کھڑی ہوئی۔ دوم یہ کہ کسی مرد مقتدی کے محاذی بن کر کھڑی نہیں ہوئی۔ یعنی اس کے پہلو میں کوئی مرد نہیں ہے۔ اگر یہ صورت مرد مقتدی کے محاذی ہو کر کھڑی ہوئی تو صحیح یہ ہے کہ بغیر امامت کی نیت یہ عورت مقتدیہ نہیں ہوگی۔

اور اگر عورت کے پہلو میں کوئی مرد نہ ہو یعنی اس کا محاذی کوئی مرد نہ ہو تو اس میں دو روایتیں ہیں۔ ایک روایت میں امامت کی نیت کرنا امام کے لئے شرط ہے اور ایک روایت میں شرط نہیں ہے۔ دونوں..... روایتوں کی وجہ یہ ہے کہ اس صورت میں بالفصل تو عورت محاذی نہیں ہے لہذا اس کی ذات سے کوئی فساد بھی نہیں ہے البتہ اس بات کا احتمال ہے کہ وہ آگے بڑھ کر محاذی ہو جائے پس اگر اس احتمال کا اعتبار کیا جائے تو نیت امامت شرط ہوگی تاکہ فساد نماز اس کے التزام کرنے سے ہو اور اگر یہ احتمال ملحوظ نہ ہو تو نیت شرط نہیں ہوگی۔

دہی یہ بات کہ ان دونوں روایتوں میں سے نیت شرط ہونے کی روایت اور اول صورت میں کیا فرق ہے تو اس کا جواب دیا کہ اول صورت میں یعنی جب کہ عورت کسی مرد کے محاذی کھڑی ہوئی ہو فساد بالفعل واقع ہے اور دوسری صورت میں فساد کا امکان ہے یعنی جب کہ عورت امام کے پیچھے کھڑی ہوئی اور اس کے پہلو میں کوئی مرد نہ ہو۔ تو اس صورت میں فساد کا احتمال ہے کہ وہ آگے بڑھ کر مرد کے محاذی ہو جائے پس اس احتمال کو واقع پر قیاس کر کے نیت شرط کی گئی حتیٰ کہ اگر اعتبار نہ کریں تو نیت شرط نہیں۔ جیسا کہ دوسری روایت

ملا۔ بدرالدین یعنی شارح ہدایہ نے لکھا ہے کہ فاضل مصنف کے پیش کردہ صورت اول اور دوسری روایت (عدم اشتراط نیت) کے درمیان فرق کرنا ہے پس اب فرق یہ ہوگا کہ صورت اول میں چونکہ فساد نماز لازم ہے اس لئے نیت شرط ہے تاکہ فساد نماز کے التزام سے ہو اور دوسری صورت میں فساد چونکہ محتمل ہے اس لئے نیت کی شرط نہیں لگائی گئی۔

محاذات کی شرائط

من شرائط المحاذاة ان تكون الصلوة مشتركة وان تكون مطلقة وان تكون المرأة من اهل الشهوة وان يكون بينهما حائل لانها عرفت مفسدة بالنص بخلاف القياس فيراعى جميع ماورد به النص

ترجمہ..... اور محاذات مفسدہ کی شرطوں میں سے یہ ہے کہ نماز مشترک ہو اور یہ کہ نماز مطلقہ ہو، اور یہ کہ عورت اہل شہوت سے ہو اور یہ کہ عورت کہ درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو کیونکہ محاذات کا مفسدہ ہونا خلاف قیاس نص سے معلوم ہوا ہے پس ان تمام امور کی رعایت کی جائے گی جن کے ساتھ نص وارد ہوئی ہے۔

تشریح..... اس عبارت میں محاذات مفسدہ کی چند شرطیں ذکر کی گئی ہیں۔ اول یہ کہ دونوں کی نماز تحریمہ اور اداء کے اندر مشترک ہو۔ تحریمہ میں مشترک ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دونوں کے تحریمہ کی بناء امام کے تحریمہ پر ہو یا ان دونوں میں ایک نے دوسرے کا تحریمہ پر بناء کی ہو یا اس طور کہ عورت اور مرد میں سے ایک امام اور دوسرا مقتدی ہو۔ اور اداء میں اشتراک کا مطلب یہ ہے کہ جو نماز وہ دونوں ادا کریں گے اس میں ان دونوں کے لئے کوئی امام ہو حقیقتاً یا حکماً مثلاً ایک مرد اور عورت نے تیسری رکعت میں امام بن اقتداء کی پھر ان دونوں کو حدت ہو تو وہ دونوں گئے پھر آکر پڑھنے لگے اور عورت اس کی محاذی ہو گئی۔ پس اگر عورت امام کی تیسری اور چوتھی رکعات میں محاذی ہوئی جو ان دونوں کی پہلی اور دوسری ہے تو مرد کی نماز اس محاذات کی وجہ سے فاسد ہو جائے گی کیونکہ تیسری اور چوتھی رکعات میں تحریمہ اور اداء دونوں اعتبار سے اشتراک ہے اشتراک فی التحریمہ تو اس لئے ہے کہ دونوں کے تحریمہ کی بناء امام کے تحریمہ پر ہے اور اشتراک فی الاداء اس لئے ہے کہ تیسری اور چوتھی رکعت میں دونوں کے لئے ایک امام ہے اگرچہ حکماً۔ اس لئے ہے کہ جب یہ دونوں وضو کے لئے گئے تھے تو امام اپنی نماز پوری کر چکا تھا پس تیسری اور چوتھی رکعت میں یہ دونوں لاچار ہوں گے اور لاحق کے لئے اگرچہ حقیقتاً امام نہیں ہوگا مگر حکماً امام ہوتا ہے۔

اور اگر بعد کی دونوں رکعتیں پڑھ کر اپنی تیسری اور چوتھی (جو درحقیقت ان کی پہلی اور دوسری ہے) میں جا کر محاذی نبی تو مرد کی نماز فاسد نہ ہوگی کیونکہ پہلی اور دوسری رکعت میں یہ دونوں مسبوق ہیں اور مسبوق جب اپنی فوت شدہ رکعتوں کو پڑھتا ہے تو اس کے لئے حقیقتاً امام ہوتا ہے اور نہ حکماً امام ہوتا ہے پس ان دونوں رکعتوں میں شرکت فی التحریمہ اگرچہ موجود ہے مگر شرکت فی الاداء موجود نہیں۔ اس لئے اس صورت میں محاذات مفسدہ نماز نہیں ہوگی۔

دوسری شرط یہ ہے کہ نماز مطلقہ (رکوع سجدہ والی) ہو اگرچہ کسی عذر سے اس کو اشارہ سے ادا کرتے ہوں چنانچہ نماز جنازہ میں محاذات مفسدہ نہیں ہے۔

تیسری شرط یہ ہے کہ عورت شہوات (قابل شہوت) ہو خواہ یہ عورت باندی ہو یا آزاد خواہ بیوی ہو یا ماں یا بہن وغیرہ محرم ہو۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ دونوں کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو مثلاً ستون یا کوئی اور چیز یا اتنی جگہ خالی ہو کہ اس میں ایک مرد کھڑا ہو جائے۔
ان مذکورہ شرطوں کی دلیل یہ ہے کہ محاذات کا منفس نماز ہونا خلاف قیاس نص یعنی احر و ہن من حیث احر ہن اللہ سے معلوم ہوا ہے ہذا ان تمام امور کی رعایت رکھی جائے گی جن کے ساتھ نص وارد ہوئی۔

صاحب عنایہ نے اس استدلال کو مسترد کیا ہے چنانچہ فرمایا کہ اس حدیث میں نماز ہی کا ذکر نہیں ہے چنانچہ کہ ان قیود کا ذکر ہو لیکن نص حضرات نے ان قیود کو ثابت کرنے کے لئے بڑے تکلفات سے کام لیا ہے اس کے لئے علامہ الہند مولانا عبدالحی کا حاشیہ بہاریہ ملاحظہ کیجئے۔

عورتوں کے لئے جماعت کی نماز میں شرکت کا حکم

یسکرہ لہن حضور الجماعات، یعنی الشواب منہن لسا فیہ من خوف الفتنة

ترجمہ..... اور عورتوں کے لئے جماعتوں میں حاضر ہونا مکروہ ہے مراد جوان عورتیں ہیں کیونکہ ان کی حاضری میں تفتنہ کا خوف ہے۔
شرح..... جوان عورتوں کو جماعتوں میں حاضر ہونا مکروہ ہے۔ امام شافعی نے کہا کہ عورتوں کا مسجد کی طرف نکلنا مباح ہے امام شافعی کی دلیل حضور ﷺ کا قول لا تمنعوا آماء اللہ مساجد اللہ ہے یعنی اللہ کی لونڈیوں کو اللہ کی مساجد سے مت روکو اور ایک روایت میں ہے اذا التذات احدکم امراتہ الی المسجد فلا یمنعہا یعنی جب تم میں سے کسی سے اس کی بیوی مسجد میں جانے کی اجازت مانگے تو اس کو منع نہ کرے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ جوان عورتوں کی حاضری میں فتنہ کا خوف ہے اس لئے ان کو مسجد میں حاضر ہونے سے روکا جائے گا۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عورتوں کو مسجد کی طرف نکلنے سے منع کیا تو عورتوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے شکایت کی تو ام المؤمنینؓ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اگر اس حالت کا علم ہو جاتا جس کا عمر کو ہے تو آپ بالکل اجازت نہ دیتے ایک روایت میں ہے کہ ام المؤمنینؓ نے فرمایا حضور ﷺ اب جیسی نمازی حالت دیکھتے تو جیسے بنو اسرائیل کی عورتیں ممنوع ہوئیں تم بھی منع کی جاتیں۔

ہمارے مذہب کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس کو ابن عبد البر نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے ایہا الناس انہوا نساء کم عن لبس الزینتہ والتبحتر فی المساجد فان بنی اسرائیل لم یلعنوا حتی لبست نساء ہم الزینتہ وتبحتر وافی المساجد یعنی اے لوگو! اپنی عورتوں کو مسجدوں میں زینت اور تکبر کا لباس پہننے سے منع کرو کیونکہ بنو اسرائیل ملعون نہیں ہوئے یہاں تک کہ ان کی عورتوں نے مساجد میں زینت اور فخر و غرور کا لباس پہنا چونکہ ہمارے اس زمانے میں فساد کا غلبہ ہے اس لئے غیر مزین عورتوں کو بھی منع کیا گیا ہے۔

بوڑھی عورتوں کے لئے جماعت میں شرکت کا حکم..... اقوال فقہاء

ولا یاس للعجوز ان تخرج فی الفجر والمغرب والعشاء وهذا عند ابی حنیفہ و قالوا یخرجن فی الصلوات کلہا

لانہ لا فتنۃ لقلۃ الرغبۃ فلا یکرہ کما فی العید ولہ ان فرط الشبق حامل فتنۃ غیر ان الفساق انتشارہ فی الظہر والعصر والجمعة اما فی الفجر والعشاء ہم نائمون و فی المغرب بالطعام مشغولون والجمعة متسعة فیمکنہا الاعتزال عن الرجال فلا یکرہ

ترجمہ..... اور بوڑھی عورت کے لئے کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ وہ فجر، مغرب اور عشاء میں نکلے اور یہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے صاحبین نے کہا کہ بوڑھی عورتیں تمام نمازوں میں نکلیں کیونکہ (بوڑھی عورتوں میں) رغبت کی کمی کی وجہ سے کوئی فتنہ نہیں ہے پس اگر نہیں ہوگا جیسے عید میں اور امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ شدت شہوت باعث جماع ہے پس فتنہ واقع ہوگا۔ مگر یہ کہ فساق ظہر، عصر اور فجر میں پھیلے رہتے ہیں اور فجر اور عشاء میں سوتے رہتے ہیں اور مغرب کے وقت کھانے میں لگے رہتے ہیں جنگل وسیع ہوتا ہے پس میدان میں عورتوں کے لئے مردوں سے الگ رہنا ممکن ہے اس لئے (عید میں) نکلنا مکروہ نہیں ہے۔

تشریح..... حضرت امام ابوحنیفہؒ نے بوڑھی عورتوں کو ظہر اور عصر کے وقت میں نکلنے سے منع کیا ہے البتہ فجر عشاء اور مغرب کے وقت کی اجازت دی ہے اور صاحبین نے بوڑھی عورتوں کو تمام نمازوں میں نکلنے کی اجازت دی ہے۔ صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ بوڑھی عورت کی طرف میلان طبع کم ہونے کی وجہ سے کوئی فتنہ نہیں ہے اس لئے ان کا نکلنا بھی مکروہ نہیں ہے جیسا کہ عید میں نکلنا بالاتفاق جائز ہے یہ بات کہ عید میں نکلنا عید کی نماز کے لئے یا بغیر نماز کے سوا اس بارے میں امام ابوحنیفہؒ سے دو روایتیں ہیں ایک روایت جس کو حسن روایت کیا ہے کہ بوڑھی عورتیں نماز عید کے لئے نکلیں اور آخری صف میں کھڑی ہو کر مردوں کے ساتھ نماز پڑھیں کیونکہ عورتیں مردوں کے تابع ہو کر اہل جماعت میں سے ہیں۔

دوسری روایت جس کو معلیٰ نے ابو یوسفؒ سے اور ابو یوسفؒ نے امام ابوحنیفہؒ سے روایت کیا ہے کہ عید میں بوڑھی عورتوں کا نکلنا جماعت کے لئے ہے یعنی ایک طرف کھڑی ہو جائیں اور مردوں کے ساتھ نماز نہ پڑھیں کیونکہ بطریق صحت یہ بات ثابت ہے حضور ﷺ نے حیض والی عورتوں کو عید کے لئے نکلنے کا حکم دیا حالانکہ وہ اہل نماز میں سے نہیں تھیں پس معلوم ہوا کہ عید میں نکلنا نماز عید کے لئے نہیں ہے بلکہ مجمع کو زیادہ کرنے کے لئے ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ شدت شہوت باعث جماع ہے لہذا بوڑھی عورتوں کے نکلنے میں بھی فتنہ واقع ہوگا۔ ہاں اتنی بات ہے کہ فساق لوگ ظہر اور عصر اور جمعہ کے اوقات میں پھرتے رہتے ہیں اس لئے ان اوقات میں بوڑھی عورتیں نہ نکلیں رہا فجر اور عشاء کے وقت میں تو وہ سوتے رہتے ہیں اور مغرب کے وقت کھانے میں مشغول ہوتے ہیں پس معلوم ہوا کہ ان تینوں اوقات میں فساقوں سے امن ہے اس لئے ان تینوں اوقات میں بوڑھی عورتوں کو نماز کے لئے نکلنے کی اجازت دی گئی ہے۔

صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ صاحبین کا عید میں نکلنے پر قیاس درست نہیں کیونکہ عید کی نماز بالعموم جنگل میں ہوتی ہے اور جنگل وسیع ہے پس وسیع میدان میں بوڑھی عورتوں کا مردوں سے ایک طرف ہونا ممکن ہے اس لئے اس کا عید میں نکلنا مکروہ نہیں ہے۔

فوائد۔ آج کل چونکہ فساد عام ہے اس لئے تمام نمازوں میں بوڑھی عورتوں کا نکلنا مکروہ ہے۔ (عمانیہ)

طاہرہ کے لئے مستحاضہ کی اقتداء کا حکم

قال ولا يصلي الطاهر خلف من هو في معنى المستحاضة ولا الطاهرة خلف المستحاضة لان الصحيح
القول حالاً من المعذور والشئ لا يتضمن ما هو فوقه والامام ضامن بمعنى تضمن صلواته صلوة المقتدى

ترجمہ..... اور پاک مرد اس شخص کے پیچھے نماز نہ پڑھے جو مستحاضہ کے حکم میں ہے اور نہ پاک عورت مستحاضہ کے پیچھے نماز پڑھے کیونکہ
تدرست کا حال بہ نسبت معذور کے اقویٰ ہے اور شے اپنے سے مافوق کو متضمن نہیں ہوتی حالانکہ امام ضامن ہے ابابن معنی کہ امام کی نماز
مقتدی کی نماز کو متضمن ہے۔

تشریح..... مستحاضہ اور جو مستحاضہ کے حکم میں ہے فقہا کی اصطلاح میں اس کو معذور کہتے ہیں پس اب صورت مسئلہ یہ ہوگی کہ پاک مرد
معذور مرد کے پیچھے نماز نہ پڑھے اور نہ پاک عورت مستحاضہ عورت کے پیچھے پڑھے۔

دلیل سے پہلے یہ بات ذہن نشین کر لیجئے کہ اس طرح تمام مسائل کی اصل حضور ﷺ کا قول الامام ضامن ہے اور حدیث کے معنی
یہ ہیں کہ امام کی نماز مقتدی کی نماز کو متضمن ہے یہ معنی نہیں کہ امام مقتدی کی نماز کا ذمہ دار یعنی مکلف ہے دوسری بات کہ شے اپنے سے کمتر کو
متضمن ہوتی ہے یا اپنے ہم مثل کو لیکن اپنے سے مافوق کو متضمن نہیں ہوتی۔

اب دلیل کا حاصل یہ ہے کہ صورت مذکورہ میں مقتدی چونکہ پاک اور غیر معذور ہے اور امام معذور کے حکم میں ہے اس لئے مقتدی کی
نماز کا حال امام کی نماز سے اقویٰ اور ارفع ہے اور امام کی نماز کا حال کمتر اور ادنیٰ ہے اور چونکہ کمتر اور اضعف اقویٰ کو متضمن نہیں ہوتا اس
لئے امام کی نماز مقتدی کی نماز کو متضمن نہیں ہوگی حالانکہ امام کی نماز مقتدی کی نماز کو متضمن ہوتی ہے اس لئے پاک اور غیر معذور مرد کا
معذور کی اقتداء کرنا جائز نہیں ہے۔

اس طرح پاک عورت کی نماز مستحاضہ کے پیچھے درست نہیں ہوگی کیونکہ مستحاضہ کی نماز کا حال مقتدی عورت کی نماز کے حال سے ناقص
ہے۔

قاری کے لئے اُمی اور کپڑے پہننے والے کے لئے ننگے کی اقتداء کا حکم

ولا يصلي القارى خلف الامى ولا المكتسى خلف العارى لِقْوَةِ حالها

ترجمہ..... اور قاری اُمی کے پیچھے نہ پڑھے اور نہ کپڑا پہننے والا ننگے کے پیچھے پڑھے کیونکہ قاری اور مكتسى کا حال بہ نسبت اُمی اور ننگے کے
اقویٰ ہے۔

تشریح..... مسئلہ اور اس کی دلیل واضح ہے۔

متوضئین کے لئے متمیم کی اقتداء کا حکم..... اقوال فقہاء

ويجوز ان يوم المتمم المتوضئين وهذا عند ابى حنيفة وابى يوسف وقال محمد لا يجوز لانه طهارة

ضرورية والطهارة بالماء اصلية ولهما انه طهارة مطلقة و لهذا لا يتقدر بقدر

ترجمہ..... اور تیمم کرنے والے کے لئے وضو والوں کی امامت کرنا جائز ہے اور یہ ابو حنیفہ اور ابو یوسف کے نزدیک ہے اور امام محمد کہہ جائز نہیں کیونکہ تیمم تو طہارت ضروریہ ہے اور پانی کے ساتھ طہارت کرنا اصلی ہے اور شیخین کی دلیل یہ ہے کہ تیمم طہارت مطلقہ ہے وہ قدر حاجت تک مقدر نہیں۔

تشریح..... اس بارے میں اختلاف ہے کہ متوضی تیمم کی اقتداء کر سکتا ہے یا نہیں شیخین نے اس کو جائز قرار دیا ہے اور امام محمد کے قائل ہیں۔

امام محمد کی دلیل یہ ہے کہ تیمم طہارت ضروریہ ہے اور طہارت بالماء طہارت اصلیہ ہے اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ طہارت اصلیہ پر مشتمل ہے اس کا حال اقویٰ ہے بہ نسبت اس کے حال کے جو طہارت ضروریہ پر مشتمل ہو پس معلوم ہوا کہ مقتدی امام کے حال سے اقویٰ ہے اور یہ امر مسلم ہے کہ ادنیٰ حال والا شخص اقویٰ اور ارفع حال والے کی امامت نہیں کر سکتا۔ اس لئے ہم کہ تیمم کے لئے متوضیٰ کی امامت کرنا جائز نہیں ہے۔

شیخین کی دلیل یہ ہے کہ تیمم طہارت مطلقہ غیر موقتہ ہے یعنی تیمم مطلقاً طہارت ہے مستحاضہ کی طہارت کی طرح موقتہ نہیں ہے جب ہے کہ تیمم قدر حاجت کے ساتھ مقدر نہیں ہے بلکہ دس سال تک بھی اگر پانی دستیاب نہ ہو یا اس کے استعمال پر قدرت نہ ہو مشروع رہے گا پس جب تیمم طہارت مطلقہ ہوا تو تیمم اور متوضیٰ دونوں کا حال یکساں ہوا اور جب دونوں کا حال یکساں ہے تو دوسرے کی امامت کر سکتا ہے۔

غاسلین کے لئے ماح کی اقتداء کا حکم

ويؤم المساح الغاسلين لان الخف مانع سراية الحدث الى القدم وماحل بالخف يزيله المسح بخاف المستحاضة لان الحدث لم يعتبر زواله شرعاً مع قيامه حفا

ترجمہ..... اور مسح کرنے والا دھونے والوں کی امامت کر سکتا ہے کیونکہ موزہ حدث کو قدم تک سرایت کرنے سے روکنے والا ہے اور موزہ میں حلول کر گیا اس کو موزہ دور کر دے گا برخلاف مستحاضہ کے کیونکہ حدث ایسی چیز ہے جس کا زوال شرعاً معتبر نہیں ہے باوجود حدث حقیقہ موجود ہے۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ موزوں پر مسح کرنے والا پاؤں دھونے والوں کی امامت کر سکتا ہے دلیل یہ ہے کہ صاحب خف اپنے پاؤں دھو کر موزے پہنے ہیں اور موزہ قدم تک حدث کو سرایت کرنے سے منع کرتا ہے تو یہ شخص پیروں کا دھونے والا باقی رہا۔ حدث موزہ میں حلول کر گیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ جو کچھ موزہ میں حلول کر گیا اس کو مسح دور کر دیتا ہے اس لئے موزہ والے کی امامت دھونے کے مثل باقی ہے۔

اس کے برخلاف مستحاضہ عورت ہے یعنی جس کے پیچھے معذور ہونے کی وجہ سے اقتداء جائز نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ معذور کا حدث درحقیقت قائم ہے پس حدث موجود ہونے کے باوجود شریعت نے اس کو معذور رکھا ہے ایسا نہیں کہ حدث کو زائل قرار دیا ہو پس یونکہ معذور کے ساتھ حقیقتہ حدث قائم ہے اس لئے غیر معذور کے واسطے معذور کی اقتداء کرنا جائز نہیں ہے۔

قائم کے لئے قاعد کی اقتداء کا حکم

ووصلی القائم خلف القاعد و قال محمد لا يجوز وهو القياس لقوة حال القائم ونحن تركناه بالنص وهو ما روي ان النبي عليه السلام صلى اخر صلاته قاعدا والقوم خلفه قيام

ترجمہ..... اور کھڑے ہونے والا بیٹھنے والے کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے اور امام محمد نے کہا کہ جائز نہیں ہے اور یہی قیاس ہے کیونکہ قائم کا حال قوی ہے اور ہم نے قیاس کو نص کی وجہ سے چھوڑ دیا اور نص وہ حدیث ہے جو روایت کی گئی کہ حضور ﷺ نے اپنی آخری نماز بیٹھ کر پڑھی اور تو آپ کے پیچھے کھڑی تھی۔

تشریح..... مسئلہ قائم قاعد کی اقتداء کر سکتا ہے۔ امام محمد نے کہا کہ قائم کے لئے قاعد کی اقتداء کرنا جائز نہیں ہے۔ یہی مقتضائے قیاس ہے کیونکہ قائم کا حال قاعد سے قوی ہے پس جس طرح تندرست کے لئے اس مریض کی اقتداء جائز نہیں جو اشارے سے نماز پڑھتا ہے یونکہ تندرست کا حال اس مریض سے قوی ہے اسی طرح قائم کے لئے قاعد کی اقتداء کرنا جائز نہیں ہوگا۔ لیکن ہم نے اس قیاس کو نص کی وجہ سے ترک کر دیا۔ نص سے مراد یہ حدیث ہے کہ حضور ﷺ جب مرض وفات میں مبتلا ہو گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ابو بکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں یہ سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ تم اللہ کے رسول اللہ ﷺ سے عرض کرو کہ ابو بکر قیاس القاعد آدمی ہیں جب آپ کی جگہ مصلی پر کھڑے ہوں گے تو اپنے اوپر قابو نہیں پاسکیں گے اس لئے کسی اور کو نماز پڑھانے کے لئے فرمادیں۔ عائشہ نے یہ بات دوبارہ کہی تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ انتن صواحبات یوسف ابو بکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں پس جب صدیق اکبر نے نماز شروع کی تو آپ ﷺ نے مرض میں افاقہ محسوس کیا پھر حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے ساتھ سہارا لے کر مسجد تشریف لائے پس جوں ہی ابو بکر نے آپ ﷺ کی آمد کی آہٹ محسوس کی تو پیچھے ہٹ گئے اور حضور ﷺ آگے بڑھے اور بیٹھ کر نماز پڑھی اور ابو بکر آپ ﷺ کی نماز کے ساتھ نماز پڑھتے اور لوگ ابو بکر کی نماز کے ساتھ نماز پڑھتے۔ مراد یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بیٹھ کر امامت فرمائی اور ابو بکر آپ ﷺ کی تکبیر کی آواز سن کر تکبیر کہتے اور لوگ ابو بکر کی تکبیر سن کر تکبیر کہتے تھے یہ حضور ﷺ کی آخری نماز ہے جس میں آپ ﷺ نے امامت فرمائی۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والوں کے لئے بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کی اقتداء کرنا جائز ہے۔

مؤمی کے لئے مؤمی کی اقتداء کا حکم

ووصلی المؤمنی خلف مثله لاستوائیہما فی الحال الا ان یؤمی المؤمن قاعد او الامام مضطجعا لان القعود معتبر فیثبت بہ القوة

ترجمہ..... اور نماز پڑھنے اشارہ کرنے والا اپنے مثل اشارہ کرنے والے کے پیچھے کیونکہ حالت میں دونوں برابر ہیں مگر یہ کہ مقتدی کی اشارہ کرے اور امامت لیٹ کر کیونکہ قعود تو معتبر ہے پس اس کے ساتھ قوت ثابت ہوگی۔

تشریح..... مسئلہ اشارے سے نماز پڑھنے والا اپنے ہم مثل اشارے سے نماز پڑھنے والے کی اقتداء کر سکتا ہے اگرچہ امام پیٹھ کر اشارہ کرتا ہو اور مقتدی کھڑا ہو کر اشارہ کرے۔ کیونکہ کھڑے ہو کر اشارے کے ساتھ نماز پڑھنے کی صورت میں قیام رکن نہیں رہتا بلکہ اس ترک کرنا اولیٰ ہوتا ہے پس یہ قیام عدم قیام کے حکم میں ہے۔

حاصل دلیل یہ ہے کہ امام اور مقتدی حالت میں دونوں مساوی ہیں لہذا ایک کا دوسرے کی اقتداء کرنا جائز ہوگا۔

ہاں اگر مقتدی پیٹھ کر اشارہ کرتا ہو اور امام لیٹ کر تو اس صورت میں اقتداء جائز نہیں ہے کیونکہ یہ قعود تو معتبر رکن ہے۔ اور معتبر رکن کی دلیل یہ ہے کہ اگر کسی کو پیٹھ کر اشارہ کرنے کی قدرت ہو تو لیٹ کر اشارہ کے ساتھ نفل نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔ پس معلوم ہوا کہ امام معتبر رکن ہے اور جب قعود معتبر رکن ہے تو اس کے ساتھ مقتدی کے حال سے قوت ثابت ہوگی جو امام کے لئے ثابت نہیں ہے۔ اور مقتدی اقویٰ حال والے کے لئے غیر اقویٰ حال والے کی اقتداء جائز نہیں ہے اس لئے پیٹھ کر اشارہ کرنے والے کے لئے لیٹ کر اشارہ کرنے والے کی اقتداء جائز نہیں ہے۔

راکع اور ساجد کے لئے مؤمی کی اقتداء کا حکم

و لا یصلی الذی یرکع و یسجد خلف المؤمنی لان حال المقتدی اقویٰ و فیہ خلاف

ترجمہ..... اور رکوع اور سجدہ کرنے والا اقتداء نہ کرے اشارہ کرنے والے کے پیچھے کیونکہ مقتدی کی حالت اقویٰ ہے اور اس میں امام کا اختلاف ہے۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ رکوع اور سجدہ کے ساتھ نماز پڑھنے والا اشارہ کرنے والے کے پیچھے نماز نہ پڑھے۔ امام زفر نے کہا کہ اشارہ کرنے والا رکوع سجدہ کر نیوالے کی امامت کر سکتا ہے۔ امام زفر کی دلیل یہ ہے کہ اشارے کے ساتھ نماز پڑھنے والے سے رکوع اور سجدہ بالبدل ساقط ہو گئے یعنی رکوع اور سجدہ اگرچہ ساقط ہو گئے لیکن ان کا بدل یعنی اشارہ موجود ہے اور بدل کے ساتھ ادا کرنا ایسا ہے جیسے اشارہ کے ساتھ ادا کرنا یہی وجہ ہے کہ متین متوضیعیں کی امامت کر سکتا ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ اس مسئلہ میں مقتدی کا حال اقویٰ ہے اور امام کا اضعف اور سابق میں یہ اصول گذر چکا ہے کہ اضعف حال اقویٰ حال والے کی امامت نہیں کر سکتا۔ رہا یہ کہ اشارہ رکوع اور سجدہ کا بدل ہے سو ہمیں یہ بات تسلیم نہیں کیونکہ اشارہ رکوع اور سجدہ کا بدل ہے اور بعض شئی شئی کا بدل نہیں ہوتا۔

مفترض کے لئے متغفل کی اقتداء کا حکم

و لا یصلی المفترض خلف المتغفل لان الاقتداء بناء و وصف الفرضية معلوم فی حق الامام فلا یتحقق البناء علی المعدوم

ترجمہ..... اور فرض ادا کرنے والا نقل ادا کرنے والے کے پیچھے نہ پڑھے کیونکہ اقتداء کرنا بنا ہے حالانکہ امام کے حق میں فرضیت کا وصف لازم ہے پس بنا کرنا معدوم پر متحقق نہ ہوگا۔

تشریح..... مفترض کے لئے متفصل کے اقتداء کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ اقتداء نام ہے بنا کرنا اور بنا امر وجودی ہے نہ کہ امر عدلی اور بنا امر وجودی اس لئے ہے کہ بنا نام ہے ایک شخص کا دوسرے شخص کی متابعت کرنا اس کے افعال میں مع ان کی صفات کے اور یہ بات ظاہر ہے کہ متابعت مفہوم وجودی ہے نہ کہ مفہوم سلبی اور امر وجودی کی بنا امر عدلی پر صحیح نہیں ہے پس چونکہ مسئلہ مذکورہ میں وصف فرضیت امام کے حق میں معدوم ہے اس لئے بنا کرنا متحقق نہیں ہوگا اور جب بنا کرنا متحقق نہیں ہو تو اقتداء کرنا بھی صحیح نہیں ہوگا۔

ایک فرض والے کے لئے دوسرے فرض والے کے پیچھے، نماز کا حکم

قال ولا من یصلی فرضا خلف من یصلی فرضا آخر لان الاقتداء شركة وموافقة فلا بد من الاتحاد وعند المسامحة یصح فی جمیع ذلك لان الاقتداء عندہ اداء علی سبیل الموافقة وعندنا معنی التضمن مراعی

ترجمہ..... اور نہ اقتداء کرے وہ شخص جو فرض پڑھتا ہے پیچھے اس شخص کے جو دوسرا فرض پڑھتا ہے کیونکہ اقتداء تو شرکت اور موافقت کا نام ہے اس لئے اتحاد ضروری ہے اور امام شافعی کے نزدیک ان سب صورتوں میں اقتداء صحیح ہے کیونکہ امام شافعی کے نزدیک اقتداء علی سبیل الموافقت ادا کرنے کا نام ہے اور ہمارے نزدیک تضمن کے معنی ملحوظ ہیں۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک فرض ادا کرنے والا دوسرا فرض ادا کرنے والے کی اقتداء نہ کرے مثلاً ظہر کی نماز پڑھنے والے کی اقتداء امر کی نماز پڑھنے والے کے پیچھے جائز نہیں ہے۔ دلیل یہ ہے کہ اقتداء نام ہے تحریمہ کے اندر شرکت اور افعال بدینہ کے اندر موافقت کا۔ اور شرکت میں موافقت اسی وقت ہو سکتی ہے جبکہ دونوں کے تحریمہ اور افعال میں اتحاد ہو اور چونکہ مذکورہ صورت میں اتحاد نہیں ہے لہذا اقتداء بھی درست نہیں ہوگی۔

امام شافعی کے نزدیک مذکورہ تمام صورتوں میں اقتداء درست نہیں ہے یعنی رکوع سجدہ کرنے والا اشارہ کرنے والے کی اقتداء کر سکتا ہے ہر طرح مفترض متفصل کی اور ایک فرض ادا کرنے والا دوسرا فرض ادا کرنے والے کی اقتداء کر سکتا ہے۔ امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ اقتداء علی سبیل الموافقت ارکان کے ادا کرنے کا نام ہے یعنی صرف اعمال میں موافقت ہو پس گویا ان کے نزدیک ہر شخص اپنی نماز میں ملتا ہے اور جماعت صرف اسی قدر ہے کہ افعال جو ہر ایک ادا کرتا ہے وہ ایک ساتھ ادا کریں پس اس دلیل سے معلوم ہوا کہ شوافع کے نزدیک صرف افعال کے اندر موافقت ضروری ہے شرکت فی التحریمہ ضروری نہیں ہے اور جب شرکت فی التحریمہ ضروری نہیں تو ایک فرض ادا کرنے والا دوسرا فرض ادا کرنے والے کی اقتداء کر سکتا ہے اور ہمارے نزدیک موافقت کے ساتھ تضمن کے معنی بھی ملحوظ ہیں یعنی امام کی نماز مقتدی کی نماز کو تضمن ہوتی ہے حتیٰ کہ امام کی نماز فاسد ہونے سے مقتدی کی نماز بھی فاسد ہو جائے گی اور امام کی نماز کے صحیح ہونے سے مقتدی کی نماز درست ہو جائے گی۔ ضمانت امام کی دلیل حدیث ابو ہریرہ الامام ضامن ہے۔

حاصل یہ کہ ہمارے نزدیک جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا ایسا ہے جیسے کوئی شخص کچھ لوگوں کی دعوت کرے اور کھانے کا نظم بھی خود کرے تو گویا داعی مدعو حضرات کے کھانے کا ضامن ہو گیا۔ اور امام شافعی کے نزدیک جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا ایسا ہے جیسے کچھ لوگ

اپنے اپنے گھر سے کھانا لاکر کسی ایک آدمی کے دسترخوان پر جمع ہو کر تناول کر لیں۔ تو گویا ان کے صرف کھانا ہونے میں نہ ہوتے۔
کوئی کسی کا ذمہ دار اور ضامن نہیں ہوا۔

امام شافعی کا استدلال اس مسئلہ میں کہ مفترض کی نماز متفصل کے پیچھے جائز ہے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے
معاذا کان یصلی العشاء مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم یرجع فیصلیہا بقومہ فی نبی سلمة فکان صلاة
فرضا وصلا تہ نفلًا یعنی معاذ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھتے تھے پھر واپس جا کر نبی سلمہ میں اپنی قوم کو پڑھنے
پس معاذ کی قوم کی نماز فرض ہوتی اور معاذ کی نماز نفل ہوتی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مفترض کی نماز متفصل کے پیچھے جائز ہے۔
ہماری طرف سے جواب یہ ہوگا کہ ہو سکتا ہے کہ معاذ یہ نیت نفل حضور ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتے ہوں اور اپنی قوم کو فرض پڑھنے
ہوں۔ پس اس احتمال کے ساتھ امام شافعی کا استدلال درست نہیں ہوگا۔ ہماری طرف سے یہ بھی جواب ہے کہ اگر مفترض کا
اقتداء کرنا جائز ہوتا تو صلوة خوف میں یہ طریقہ مشروع نہ ہوتا کہ آدمی نماز ایک طائفہ کو پڑھائے اور آدمی دوسرے طائفہ کو بلکہ
پوری پوری نماز پڑھادی جاتی چنانچہ یہ بات ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے ایک زمانہ کے بعد دو گروہوں
نماز آدمی آدمی پڑھائی اور درمیان میں ہر گروہ کو نماز کے منافی افعال کرنے پڑے پس اگر مفترض کے لئے متفصل کی اقتداء کرنا جائز
تو آپ ﷺ ہر گروہ کو پوری نماز پڑھادیتے آدمی آدمی نہ پڑھاتے۔

متفصل کے لئے مفترض کی اقتداء کا حکم

ویصلی المتفصل خلف المفترض لان الحاجة فی حقه الی اصل الصلوة وهو موجود فی حق الامام فی
الباء

ترجمہ..... اور نماز پڑھے متفصل مفترض کے پیچھے کیونکہ متفصل کو اصل نماز کی حاجت ہے اور وہ امام کے حق میں موجود ہے پس
محقق ہو جائے گا۔

تشریح..... نفل ادا کرنے والا فرض ادا کرنے والے کی اقتداء کر سکتا ہے۔ دلیل یہ ہے کہ متفصل کے حق میں صرف اصل نماز کی حاجت
ہے اور اصل نماز امام کے حق میں بھی موجود ہے اس لئے متفصل کا مفترض کے پیچھے بنا کرنا محقق ہو جائے گا وجہ اس کی یہ ہے کہ نفل
درست ہونے کے لئے مطلق نیت کافی ہے اور مطلق نیت پر فرض بھی مشتمل ہے اس لئے اقتداء صحیح ہے۔

ایک شخص نے امام کی اقتداء کی پھر معلوم ہوا امام محدث ہے، اس کے لئے کیا حکم ہے

ومن اقتدی بامام ثم علم ان امامه محدث اعاد لقوله علیہ السلام من ام قومًا ثم ظہر انه كان محللاً
اعاد صلاته واعاد واوفیه خلاف الشافعی بناء علی ما تقدم ونحن نعتبر معنی التضامن وذلك فی
والفساد

ترجمہ..... اور جس نے کسی امام کی اقتداء کی پھر علم ہوا کہ اس کا امام محدث ہے تو نماز کا اعادہ کرے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ

کسی قوم کی امامت کی پھر ظاہر ہوا کہ وہ محدث یا جنبی تھا تو اپنی نماز کا اعادہ کرے اور لوگ اپنی نمازیں اعادہ کریں اور اس میں امام شافعی کا اختلاف ہے اس پر بناء کرتے ہوئے جو سابق میں گذر چکا ہے اور ہم تضمن کے معنی کا اعتبار کرتے ہیں اور تضمن جواز اور فساد میں ہے۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے امام کی اقتداء کی پھر مقتدی کو علم ہوا کہ اس کا امام محدث ہے تو یہ شخص اپنی نماز کا اعادہ کرے گا اور اگر اقتداء کرنے سے پہلے ہی امام کا محدث ہونا معلوم ہو گیا تو بالا جماع اقتداء کرنا جائز نہیں ہے۔ امام شافعی نے کہا کہ اگر اقتداء کرنے کے بعد امام کا محدث ہونا معلوم ہو تو مقتدی پر اپنی نماز کا اعادہ واجب نہیں ہے۔ امام شافعی کی دلیل سابق میں گذر چکی کہ ان کے نزدیک علی سبیل الموافقت افعال ادا کرنے کا نام اقتداء ہے یعنی امام اور مقتدی میں سے ہر ایک کی نماز علیحدہ علیحدہ ہے امام کی نماز مقتدی کی نماز کو تضمن نہیں ہے اس لئے امام کی نماز فاسد ہونے سے مقتدی کی نماز فاسد نہیں ہوگی بلکہ مقتدی کی نماز صحیح ہو جائے گی اگرچہ محدث کی وجہ سے امام کی نماز فاسد ہوگئی۔ لیکن ہماری طرف سے جواب یہ ہوگا کہ ہمارے نزدیک تضمن کے معنی معتبر ہیں۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ حضور ﷺ کا قول الامام خصامن دو حال سے خالی نہیں یا تو اس سے مراد یہ ہے کہ امام اپنی تباہ نماز کا خصامن ہے اور یا یہ کہ اپنی قوم کی نماز کا خصامن ہے پہلی صورت میں کوئی فائدہ نہیں ہے کیونکہ ہر آدمی اپنی نماز کا خصامن ہوتا ہے البتہ دوسری صورت صحیح ہے پھر اب اس کی بھی دو صورتیں ہیں کیونکہ امام اپنی قوم کی نماز کا یا تو جو با اور اداء خصامن ہوگا صحیح اور فساد خصامن ہوگا۔ جو با اور اداء خصامن ہونا تو بالا جماع مراد نہیں بس متعین ہو گیا کہ صحت اور فساد کے اعتبار سے خصامن ہونا مراد ہے یعنی امام کی نماز کے صحیح ہونے سے مقتدی کی نماز صحیح ہو جائے گی اور امام کی نماز فاسد ہونے سے مقتدی کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

ہماری دلیل یہ حدیث ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی باصحابہ ثم تذکر جنابة فاعادھا و قال من ام قوما ثم ظہر انہ کان محدثا اور جنبا اعاد صلواتہ واعادوا یعنی حضور ﷺ نے اپنے صحابہ ﷺ کو نماز پڑھائی پھر آپ کو اپنا جنبی ہونا یاد آ گیا تو آپ نے نماز کا اعادہ کیا اور فرمایا کہ جس نے کسی قوم کی امامت کی پھر ظاہر ہو گیا کہ وہ محدث تھا یا جنبی تو وہ اپنی نماز کا اعادہ کرے اور مقتدی لوگ بھی اعادہ کریں۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ امام کی نماز فاسد ہونے سے مقتدی کی نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

علامہ ابن الہمام نے احناف کی تائید میں حضرت جعفر سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فعل روایت کیا ہے ان علیا رضی اللہ عنہ صلی بالناس وهو جنب او علی غیر وضوء فاعاد و امر ہم ان یعیدوا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو بحالت جنابت یا بغیر وضو نماز پڑھائی پھر نماز کا اعادہ کیا اور لوگوں کو بھی اعادہ کرنے کا حکم کیا اس سے بھی معلوم ہوا کہ مقتدی کی نماز امام کی نماز کے فاسد ہونے سے فاسد ہو جاتی ہے۔

قراء اور امیوں کے لئے امی کی اقتداء کا حکم

و اذا صلی امی بقوم یقرؤن و بقوم امیین فصلا تہم فاسدة عند ابی حنیفة و قال صلوۃ الامام ومن لم یقرأ تامۃ لانه معذور ام قوما معذورین فصار کما اذا ام العاری عراة ولا بسین وله ان الامام ترک فرض القراءۃ مع القدرة علیہا لنفسه صلواتہ وهذا لانه لو اقتدی بالقاری تکون قراءتہ قراءۃ قلبہ بخلاف تلک المسالۃ و امثالہا لان

الموجود فی حق الامام لایکون موجودا فی حق المقتدی

ترجمہ..... اور اگر امی نے قاریوں کی ایک قوم اور امیوں کی ایک قوم کو نماز پڑھائی تو ابوحنیفہؒ کے نزدیک ان سب کی نماز فاسد ہے۔ صحابینؓ نے کہا کہ امام کی نماز اور جو شخص قاری نہیں ہے ان کی نماز پوری ہے کیونکہ ایک معذور آدمی نے ایک معذور قوم کی امامت پس ایسا ہو گیا جیسے امامت کی ننگے ننگوں اور ستر ڈھکے ہوؤں کی۔ اور امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ امام نے قدرت علی القرأت کے باوجود فرض قرأت ترک کر دیا (ابذا) امام کی نماز فاسد ہو جائے گی اور یہ بات اس لئے ہے کہ اگر امی مذکور کسی قاری مقتدی کی اقتداء کرے تو قاری کی قرأت اس کی قرأت ہو جاتی۔ بخلاف اس مسئلے کے اور اس کے مثل مسائل کے کیونکہ جو بات امام کے حق میں موجود ہے مقتدی کے حق میں موجود نہ ہوگی۔

تشریح..... امی ان پڑھ منسوب الی الام یعنی جیسا اس کو اس کی ماں نے جنتا تھا ویسا ہی ہے اور کتاب اللہ حدیث اور زبان عرب میں جہاں بھی یہ لفظ آیا ہے اس سے مراد وہ شخص ہے جو لکھنے اور پڑھنے پر قدرت نہ رکھتا ہو۔ جو شخص قرآن کی ایک آیت پڑھ سکتا ہو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وہ امی ہونے سے خارج ہوگا اور صحابینؓ کے نزدیک جو تین آیات یا ایک بڑی آیت پڑھنے پر قادر ہو وہ امی ہونے سے خارج ہوگا۔ (عنایہ)

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر امی نے امیوں اور قاریوں کو نماز پڑھائی تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ان سب کو نماز فاسد ہوگی۔ صحابین کا قول یہ ہے کہ امام اور غیر قاریوں کی نماز پوری ہو جائے گی اور جو مقتدی قرأت پر قادر ہیں ان کی نماز نہیں ہوگی۔ صحابین کی دلیل یہ ہے کہ ایک معذور امی نے ایک معذور قوم کی امامت کی ہے اور یہ بالاتفاق صحیح ہے پس یہ ایسا ہو گیا جیسے ایک ننگے آدمی نے ننگوں اور ستر ڈھکے ہوؤں کی امامت کی ہو اس صورت میں بالاتفاق ننگے امام اور ننگے مقتدیوں کی نماز جائز ہے اور ستر ڈھکے ہوؤں کی امامت ہے اسی طرح یہاں بھی امی امام اور امی مقتدیوں کی نماز جائز اور قاریوں کی فاسد ہوگی۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص قدرت علی القرأت کے باوجود فرض قرأت ترک کر دے تو اس کی نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ چونکہ اس مسئلہ میں بھی امام یعنی امی نے قرأت پر قدرت ہونے کے باوجود فرض قرأت ترک کر دی ہے۔ اس لئے امام کی نماز فاسد ہوگی اور جب امام کی نماز فاسد ہوگی تو سب کی نماز فاسد ہوگی کیونکہ امام کی نماز مقتدی کی نماز کو صحت و فساد کے اعتبار سے متضمن ہوتی ہے۔ یہ بات کہ امام امی نے قدرت علی القرأت کے باوجود فرض قرأت کس طرح ترک کیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر امی امام کی قاری مقتدی کی اقتداء کر لیتا تو قاری کی قرأت اس کی قرأت ہو جاتی۔ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے من کان له امام فقراء الامام قراءا لہ اور یہ اقتداء کر لینا اس کے اختیار میں تھا تو اپنے اختیار سے چھوڑ دی ورنہ قاری کی قرأت امی کی قرأت ہو جاتی۔

اس کے برخلاف ننگے اور ستر ڈھکے ہوؤں کا مسئلہ ہے اور اس کے مثل مسائل ہیں مثلاً گونگے آدمی نے گونگوں اور قاریوں کی امامت یا اشارہ کرنے والے نے چند اشارہ کرنے والوں اور کچھ قدرت علی الركوع والسجود کی امامت کی۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ان مسائل میں جوہر امام کے واسطے حاصل ہے وہ مقتدی کے لئے موجود نہ ہو سکے گی یعنی اگر ستر ڈھکے ہوئے شخص نے امامت کی تو مقتدی کے حق میں شریعت نے یہ حکم نہیں دیا کہ مقتدی کا ستر ڈھک گیا یا امام کے رکوع اور سجدہ ادا کرنے سے مقتدی کا رکوع اور سجدہ ادا ہو گیا پس اس فرق کے ساتھ

ایک کا دوسرے پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔

قاری اور امی کے لئے الگ الگ نماز پڑھنے کا حکم

ولو كان يصلي الامى وحده والقارى وحده جاز هو الصحيح، لانه لم يظهر منهما رغبة فى الجماعة

ترجمہ..... اور اگر امی تنہا نماز پڑھتا ہے اور قاری تنہا پڑھتا ہے تو جائز ہے یہی صحیح ہے کیونکہ ان دونوں سے جماعت کرنے کی رغبت ظاہر نہیں ہوتی۔

تشریح..... مسئلہ اگر امی اور قاری علیحدہ علیحدہ نماز پڑھیں تو یہ جائز ہے اور یہی حکم صحیح ہے۔ اور امام مالک کا قول یہ ہے کہ اس صورت میں امی کی نماز جائز نہ ہوگی امام مالک کی دلیل یہ ہے کہ اس مسئلہ میں بھی امی قرأت پر قادر ہے اس طور پر کہ اگر امی قاری کے پیچھے اقتدا کرتا تو امی کے لئے بھی قرأت حاصل ہو جاتی۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ امی اور قاری دونوں کی طرف سے جماعت کرنے کی رغبت ظاہر نہیں ہوتی جب جماعت کی رغبت نہیں پائی گئی تو اب امی کا قدر علی القراءت ہونا بھی ظاہر نہیں ہوگا۔ بلکہ اس کو عاجزی خیال کیا جائے گا۔

امام نے دو رکعتیں پڑھائیں پھر آخری دو میں امی کو مقدم کر دیا تو کیا حکم ہے

فان قرأ الامام فى الاولين ثم قدم فى الاخيرين اما فسدت صلاتهم وقال زفر لا تفسد لتأدى فرض القراءة ولسان كل ركعة صلوة فلا تحلى عن القراءة اما تحقيقا او تقديرا ولا تقدير فى حق الامى لانعدام الاهلية وكذا على هذا لو قدمه فى التشهد والله تعالى اعلم بالصواب

ترجمہ..... پس اگر امام نے اول کی دونوں رکعتوں میں قرأت کر دی پھر آخر میں کیواسطے ایک امی کو آگے بڑھا دیا (خلیفہ کر دیا) تو مقتدیوں کی نماز فاسد ہو جائے گی اور امام زفر نے کہا کہ فاسد نہیں ہوگی کیونکہ فرض قرأت ادا ہو گیا۔ اول ہماری دلیل یہ ہے کہ ہر رکعت حقیقہ نماز ہے پس قرأت سے خالی نہ ہوگی۔ (خواہ قرأت) تحقیقا ہو یا تقدیرا ہو اور امی کے حق میں قرأت کا مقدر کرنا بھی نہیں ہے کیونکہ اس میں اہلیت ہی نہیں ہے اور یوں ہی اسی پر ہے اگر امام نے امی کو تشہد میں خلیفہ کر دیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ امام نے اول کی دونوں رکعتوں میں قرأت کر دی پھر امام کو حدت ہو گیا اور اس نے بعد والی دو رکعتوں یا ثلث میں ایک رکعت کے واسطے کسی امی کو خلیفہ کر دیا تو سب مقتدیوں کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ امام زفر کا مذہب یہ ہے کہ فاسد نہیں ہوگی۔ یہی ایک روایت امام ابو یوسف سے ہے۔ امام زفر کی دلیل یہ ہے کہ فرض قرأت تو ادا ہو گیا اور اخیر میں قرأت فرض نہیں ہے بلکہ سنون ہے اس وجہ سے اخیر میں کے واسطے خلیفہ بنانے میں قاری اور امی دونوں برابر ہیں لہذا آخر کی دو رکعتوں میں امی کو خلیفہ کرنے میں کسی کی نماز فاسد نہیں ہوگی۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ ہر رکعت حقیقہ نماز ہے اس لئے کوئی رکعت قرأت سے خالی نہ ہوگی خواہ قرأت تحقیقا ہو یا تقدیرا ہو چنانچہ قرأت اولین میں تحقیقا ہے اور اخیر میں میں تقدیرا کیونکہ حدیث رسول سے معلوم ہوتا ہے کہ اولین کی قرأت ہی اخیر میں کی قرأت ہے اور

امی کے حق میں ان دونوں میں سے کوئی موجود نہیں ہے امی کے حق میں تحقیقاً قرأت کا نہ ہونا تو ظاہر ہے اور تقدیر اس لئے موجود نہیں کہ اس میں اہلیت ہی نہیں ہے اور مقدر کرنا اور اسی جگہ معتبر ہوتا ہے جہاں اس کی تحقیق ممکن ہو پس چونکہ امی کے حق میں تحقیقاً قرأت موجود نہیں ہے اس لئے اس کے حق میں مقدر کرنا بھی ممکن نہیں ہوگا۔

اسی طرح اگر تشہد میں مقدر تشہد بیٹھنے سے پہلے امی کو خلیفہ کر دیا تو امام زفر کے نزدیک نماز فاسد نہیں ہوگی اور ہمارے نزدیک فاسد ہو جائے گی۔ اور اگر مقدر تشہد بیٹھنے کے بعد خلیفہ کیا تو امام صاحب کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی اور صاحبین کے نزدیک فاسد نہیں ہوگی اور بعض فقہاء نے کہا کہ تینوں حضرات کے نزدیک فاسد نہیں ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

باب الحدت فی الصلوٰۃ

ترجمہ..... (یہ) باب نماز کے اندر حدت پیش آنے کے (احکام کے بیان) میں ہے۔

تشریح..... مصنف نے سابق میں مفرد الصلوٰۃ عوارض سے سلامتی کے احکام کا ذکر کیا ہے اب اس باب میں ان عوارض کو ذکر کریں گے جو نماز کو عارض ہو کر نماز کو فاسد کر دیتے ہیں چونکہ احکام سلامت اصل میں اور اصل اولیٰ بالتقدم ہوتا ہے اس لئے احکام سلامت کو مقدم ذکر کیا گیا ہے۔

امام کو نماز میں حدت لاحق ہو جائے تو کیا کرے..... بناء کا حکم

و من سبقہ الحدت فی الصلوٰۃ انصرف فان کان اماماً استخلف و ترضاً و بنی و القیاس ان یستقبل و هو قول الشافعی لان الحدیث ینافیہا و المشی و الانحراف یفسد انہا فاشبه الحدت العمد و لنا قولہ علیہ السلام من قاء او رعف او امدی فی صلاتہ فلینصرف و لیتوضأ و لیبین علی صلاتہ ما لم یتکلم و قال علیہ السلام انما اصلی احدکم فقاء او رعف فلیضع یدہ علی فمہ و لیلقدم من لم یسبق بشیء و البلوی فیما یسبق دونہ یتعمدہ فلا یدحق بہ

ترجمہ..... جس شخص کو نماز میں حدت سبقت کر جائے وہ پھر جائے پس اگر یہ شخص امام ہو تو اپنا خلیفہ کر دے اور خود وضو کرے اور بنا کرے۔ اور قیاس یہ تھا کہ وہ از سر نو پڑھے اور یہی امام شافعی کا قول ہے کیونکہ حدت تو نماز کے منافی ہے اور چلنا اور قبلہ سے منحرف ہونا دونوں نماز کو فاسد کرتے ہیں پس یہ حدت مشابہ ہو گیا حدت عمد کے۔ اور ہماری دلیل آنحضرت ﷺ کا یہ قول ہے کہ جس کو تھے ہوئی تکسیر پھوٹی یا ندی نکل پڑی نماز میں تو وہ پھر جائے اور وضو کر کے اپنی نماز پر بناء کرے جب تک کلام نہ کیا ہو اور حضور ﷺ نے فرمایا کہ بیت تم میں سے کوئی نماز پڑھے پھرتے ہو جائے یا تکسیر پھوٹ جائے تو چاہئے اپنے منہ پر اپنا ہاتھ رکھ لے اور غیر مسبوق کو خلیفہ کر دے اور اتنا بناو ایسی حدت میں ہے جو بے اختیار سبقت کرے نہ اس میں جس کو عمدہ کرے پس عمدہ بے اختیاری کے ساتھ لاحق نہ ہوگا۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو نماز کے اندر حدت پیش آ گیا یعنی غیر اختیاری حدت پیش آیا جسکو حدت سماوی کہا جا سکتا ہے ایسی صورت میں فی الفور بلا کسی توقف کے پھر جائے فی الفور نماز سے پھر جانے کا حکم اس لئے دیا ہے کہ حدت کے بعد اگر ایک ساعت

ظہر رہا تو یہ شخص نماز کا ایک جزء حدث کے ساتھ ادا کرنے والا ہوگا۔ اور حدث کے ساتھ نماز ادا کرنا جائز نہیں ہے۔ پس نماز کا جو جزء حدث کے ساتھ مقارن ہو کر ادا ہوا وہ فاسد ہوگا۔ اور چونکہ فساد جز مستلزم ہے فساد کل کو اس لئے پوری نماز فاسد ہو جائے گی اور فساد جزء فساد کل کو اس لئے مستلزم ہے کہ فساد متجزی نہیں ہوتا۔

یادوں کہہ لیجئے کہ جب نماز کا ایک جزء فاسد ہو گیا تو باقی نماز بھی فاسد ہو جائے گی کیونکہ صلاۃ واحده صحتہ اور فساد متجزی نہیں ہوتی۔

اب یہ شخص جس کو حدث ہوا اگر امام ہو تو مقتدیوں میں سے کسی کو اپنا خلیفہ کر دے اور خلیفہ بنانے کی صورت یہ ہے کہ اس کا کپڑا پکڑ کر محراب تک کھینچ کر لے جائے۔ اور خود وضو کر کے بنا کر لے جائے یعنی اس نماز کو وضو کے بعد پورا کرے۔

اور قیاس یہ ہے کہ از سر نو نماز پڑھے یہی امام شافعی کا قول ہے اور امام مالکؒ بھی اسی کے قائل ہیں۔ امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ حدث نماز کے منافی ہے کیونکہ نماز طہارت کو مستلزم ہے۔ اور حدث طہارت کے منافی ہے اور لازم کا منافی ملزوم کے منافی ہوتا ہے پس ثابت ہوا کہ حدث طہارت کے واسطے سے نماز کے منافی ہے اور قاعدہ ہے کہ شے اپنے منافی کے ساتھ باقی نہیں رہتی لہذا نماز حدث کے ساتھ باقی نہیں رہے گی اور جب حدث کے ساتھ نماز باقی نہیں رہی تو از سر نو پڑھنا واجب اور لازم ہوگا۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ بنا کرنے کی صورت میں نماز کے دوران وضو کے لئے چلنا اور قبلہ سے منحرف ہونا لازم آتا ہے اور یہ دونوں فعل نماز کو فاسد کرتے ہیں اور قاعدہ ہے کہ جو چیز نماز کو فاسد کر دے نماز اس کے ساتھ باقی نہیں رہتی۔ جیسا کہ حدث عمد کے ساتھ نماز باقی نہیں رہتی پس ثابت ہوا کہ مشی اور انحراف عن القبلة کے ساتھ نماز باقی نہیں رہے گی۔ اور جب نماز باقی نہ رہی تو اس کا اعادہ کرنا ضروری ہوا۔

حاصل یہ ہے کہ غیر اختیاری حدث حدث عمد کے مشابہ ہے اور حدث عمد میں بالاتفاق بناء جائز نہیں ہے۔ لہذا اس حدث میں بھی بناء جائز نہیں ہوگی بلکہ استیناف (از سر نو پڑھنا) ضروری اور لا بدی ہوگا۔

ہماری دلیل یہ حدیث ہے من قاء اور عف او امدی فی صلاتہ فلینصرف ولیتو ضاؤ لیین علی صلاتہ ما لم یتکلم بہات کے ترجمہ کے عنوان کے تحت اس حدیث کا ترجمہ گزر چکا ہے۔

دوسری دلیل حضور ﷺ کا یہ قول ہے اذا صلی احدکم فقاء اور عف فلیضع یدہ علی فمہ ولیقدم من لم یسبق بشئی یعنی جب تم میں کوئی نماز پڑھے پس اس نے قے کی یا تکبیر پھوٹی تو اپنے منہ پر اپنا ہاتھ رکھ لے اور غیر مسبوق یعنی مدرک کو آگے بڑھائے یعنی خلیفہ کر دے۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مدرک کو خلیفہ مقرر کرے نہ کہ مسبوق کو کیونکہ اگر مسبوق کو خلیفہ مقرر کیا گیا تو سلام پھیرنے سے پہلے وہ کسی مدرک کو اپنا خلیفہ مقرر کرے گا تا کہ مدرک سلام کے ساتھ لوگوں کی نماز پوری کر دے اور امام مسبوق اپنی نماز پوری کرے پس مسبوق کو خلیفہ مقرر کرنے میں تکرار استخلاف لازم آتا ہے۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ ابتداء ہی سے غیر مسبوق یعنی مدرک کو خلیفہ مقرر کیا جائے تا کہ تکرار استخلاف کی قباحت سے نجات حاصل ہو جائے۔

بہر حال حدیث مذکور سے جواز بناء کا ثبوت اس طور پر ہوگا کہ حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔ ولیسن علی صلوٰۃ اور امر کا

اوپنی مرتبہ اباحت ہے اس لئے بنا انکا مباح ہونا ثابت ہوگا لیکن یہاں ایک اشکال ہوگا۔ وہ یہ کہ حدیث میں، لیتو وضو صیغہ امر و جہ کے لئے ہے۔ لہذا ولین علی صلا تہ، بھی مفید و جوب کے لئے ہونا چاہئے۔ حالانکہ فقہاء احناف و جوب کے قائل نہیں ہیں۔ جو یہ ہے کہ ہمارے نزدیک قرآن فی النظم قرآن فی الحکم کو واجب نہیں کرتا اس لئے یہ اعتراض لغو ہے۔

علاوہ ازیں خلفاء راشدین اور فقہاء صحابہ (عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، انس بن مالک، سلمان فارسی رضی عنہم) نے اسی بات پر اجماع کیا ہے جس کے ہم قائل ہیں یعنی جواز بنا پر نہ کہ وجوب بنا پر اور اجماع کی وجہ سے قیاس متر وک کر دینا ہے لہذا ولین علی صلا تہ کو، ولیتو ضا پر قیاس نہیں کیا جائے گا۔

دوسری حدیث میں صرف استخفاف کا بیان ہے اور حضور کا قول من لم یسبق بشیٰ افضلیت کا بیان ہے کیونکہ مدرک (مسبق) یہ نسبت مسبوق کے نماز پوری کرانے پر زیادہ قادر ہے لہذا مسبوق کو غلیظ بنا نا خیانت ہوگا۔

و البسوی فیما یسبق الخ سے امام شافعی کے قیاس کا جواب ہے جو اب کا حاصل یہ ہے کہ حدیث سابق یعنی غیر اختیاری حدیث حدث مد پر قیاس کرنا درست نہیں کیونکہ ان دونوں کے درمیان فرق موجود ہے۔ اس لئے کہ غیر اختیاری حدیث میں ابتداء ہے کیونکہ وہ اس کے فعل کے حاصل ہوتا ہے لہذا اس کو معذور قرار دینا جائز ہوگا۔ اس کے برخلاف حدیث حدث مد کہ اس میں یہ بات نہیں ہے پس اس قیاس کے ہوتے ہوئے قیاس کرنا کس طرح درست ہوگا۔

استیناف افضل ہے

والاستیناف افضل تحرز عن شبهة الخلاف و قيل المنفرد يستقبل والامام والمقتدی یبني صيانة لفضيلة الجماعة

ترجمہ..... اور از سر نو پڑھنا افضل ہے تاکہ اختلاف کے شبہ سے احتراز ہو جائے۔ اور کہا گیا کہ منفرد استیناف کرے اور امام اور مقتدی کریں تاکہ جماعت کی فضیلت محفوظ رہے۔

تشریح..... صاحب قدوری نے کہا کہ مسئلہ مذکور میں اگرچہ بنا کرنا جائز ہے لیکن از سر نو پڑھنا افضل ہے تاکہ شبہ خلاف سے احتراز جائے۔ اور اگر کوئی یہ کہے کہ استیناف کے اندر ابطال عمل ہے تو ہم جواب دیں گے کہ بلاشبہ ابطال عمل ہے مگر اکمال کے لئے اور ابطال عمل محمود ہے نہ کہ مذموم بعض مشائخ نے کہا کہ منفرد کو نئے سرے سے پڑھنا افضل ہے اور امام اور مقتدی کو بنا کرنا افضل ہے تاکہ جماعت کی فضیلت محفوظ رہے اور بعض حضرات نے کہا کہ اگر امام اور مقتدی کو دوسری جماعت مل سکتی ہو تو استیناف افضل ہے اور اگر نہیں مل سکتی ہو تو بنا افضل ہے۔

منفرد کو نماز میں حدیث لاحق ہو جائے تو کیسے مکمل کرے

و المنفرد ان شاء اتم فی منزله، وان شاء عادالی مکانه، و المقتدی یعود الی مکانه الا ان یکون امامه قد فرغ او لایکون بینہما حائل

ترجمہ..... اور منفرد اگر چاہے تو اسی جگہ نماز پوری کر دے اور اگر چاہے تو اپنی جگہ لوٹ آئے اور اگر مقتدی اپنی جگہ لوٹ آئے مگر یہ کہ اس کا امام فارغ ہو چکا ہو یا ان دونوں کے درمیان کوئی حائل نہ ہو۔

تشریح..... فرمایا کہ منفرد کو اختیار ہے کہ اگر چاہے تو بنا کر کے وہیں نماز پوری کرے جہاں وضو کیا ہے کیونکہ اس میں تفہیل مشی ہے اور اگر چاہے اپنی جگہ لوٹ آئے پوری نماز ایک جگہ ادا کرنے والا ہو جائے قول اول ہمارے بعض مشائخ کا ہے اور قول ثانی شمس الائمہ السمرنی اور شیخ الاسلام خواہر زادہ کا ہے۔

اور مقتدی اپنی جگہ لوٹ کر نماز پوری کرے گا اگرچہ یہ مقتدی امام محدث ہو جس نے خلیفہ کو دیا مقتدی کے لئے یہ حکم واجب اور لازم ہے لیکن دو صورتیں اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ (۱) یہ کہ اس کا امام فارغ ہو چکا ہو۔ (۲) یہ کہ اس کے اور امام کے درمیان کوئی مانع اقتداء چیز حائل نہ ہو یعنی مقتدی نے جہاں وضو کیا وہاں سے امام کے ساتھ اقتداء کرنے میں کوئی چیز درمیان میں حائل نہ ہو جو مانع اقتداء ہے جیسے چوڑا راستہ بڑا دریا، بغیر کھڑکیوں کی بلند دیوار ان دونوں صورتوں میں مقتدی اگر مقام وضو ہی میں نماز پوری کرنا چاہتے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

وہ شخص جس نے بحالت نماز گمان کیا کہ وہ محدث ہو گیا ہے وہ اپنی جگہ سے پھر گیا

پھر اسے معلوم ہوا کہ وہ محدث نہیں تو اس کے لئے کیا حکم ہے

ومن ظن انه احدث فخرج من المسجد ثم علم انه لم يحدث استقبال الصلوٰۃ وان لم یکن خرج من المسجد یصلی ما بقی والقیاس فیہما الاستقبال وهو رواۃ عن محمد لوجود الانصراف من غیر عذر وجہ الاستحسان انه انصرف علی قصد الاصلاح الاثری انه لو تحقق ما توہمه بنی علی صلاتہ فالحق قصد الاصلاح بحقیقته مالم یختلف المكان بالخروج

ترجمہ..... اور جس نے گمان کیا کہ اس وقت محدث ہو گیا پس وہ مسجد سے خارج ہو گیا پھر معلوم ہوا کہ محدث نہیں ہوا تھا تو وہ از سر نو نماز پڑھے اور اگر وہ مسجد سے باہر نہ ہوا ہو تو باقی نماز پڑھ لے اور قیاس دونوں صورتوں میں یہی ہے کہ از سر نو پڑھے اور یہی امام محمد سے مروی ہے کیونکہ قبلہ سے منہ پھیرنا بغیر عذر کے پایا گیا۔ اور وجہ استحسان یہ ہے کہ یہ شخص اصلاح کے ارادے سے پھر اٹھا۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اگر وہ نفل ہوتا جو اس نے وہم کیا تھا تو وہ اپنی نماز پر بناء کرتا پس اصلاح کے قصد کو حقیقی اصلاح کے ساتھ لاحق کیا گیا جب تک کہ مسجد سے نکل جانے کی وجہ سے جگہ نہ بدلے۔

تشریح..... مسئلہ ایک شخص کو بحالت نماز یہ گمان ہوا کہ اس کو محدث ہو گیا پس وہ اپنی نماز کی جگہ سے پھر گیا پھر اس کو معلوم ہوا کہ محدث نہیں ہوا تھا تو اب دیکھا جائے کہ اس کا قبلہ کی طرف سے پھر نماز کی اصلاح کے ارادے سے تھا یا نماز کو چھوڑنے کے ارادے سے تھا۔ اگر ثانی ہے تو اس کو بنا کر نماز نہیں ہوگا خواہ مسجد سے نکلا ہو۔ یا نہ نکلا ہو اور اگر اول ہے تو اس کی بھی دو صورتیں ہیں کیونکہ مسجد سے خروج پایا گیا ہوگا یا نہیں۔ اگر مسجد سے نکلنا پایا گیا تو اس وقت میں از سر نو نماز پڑھے بنا کر نماز نہیں ہوگا اور اگر مسجد سے نہیں نکلا تو وہ اپنی باقی نماز پوری کرے از سر نو پڑھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں (خواہ مسجد سے نکلا ہو یا نہ نکلا ہو) قیاس کا تقاضہ یہی ہے کہ از سر نو نماز پڑھے بنا کرے۔ یہی امام محمد سے روایت ہے۔ دلیل قیاس یہ ہے کہ بغیر کسی عذر کے قبلہ سے منہ پھیرنا پایا گیا اور ظاہر ہے بلا عذر قبلہ رخ ہونا احراف مفسد صلاۃ ہوتا ہے اس لئے ان دونوں صورتوں میں بلا عذر احراف عن اقبلہ کی وجہ سے نماز فاسد ہو جائے گی اور فساد نماز صورت میں نماز کا اعادہ واجب ہوتا ہے نہ کہ بناء اس لئے ان دونوں صورتوں میں نماز کا اعادہ واجب ہوگا یعنی از سر نو پڑھنا لازم ہوگا۔ وجہ استحسان یہ ہے کہ یہ شخص اصلاح نماز کے ارادے سے پھر اٹھا اس لئے یہ پھر نماز مفسد نماز نہیں ہوگا۔ چنانچہ اگر وہ متحقق ہو جائے اس نے تو ہم کیا تھا یعنی حدیث واقعی ہوتا تو وہ اپنی نماز پر بناء کرتا پس اصلاح کے ارادے کو حقیقت اصلاح کے ساتھ لاحق کر دیا گیا شریعت اسلام میں ایسا ثابت بھی ہے چنانچہ اگر کفار نے مسلمان قیدیوں کو اپنے لئے ڈھال بنا لیا تو مسلمانوں کے لئے ان کی طرف سے چلانا جائز ہے لیکن شرط یہ ہے کہ مسلمان تیر اندازوں کا ارادہ دہمی السی الکفار کا ہو نہ کہ مسلمان قیدیوں کی طرف تیر چلانے کا۔ ہدایہ نے کہا کہ اصلاح کے ارادے کو حقیقت اصلاح کے ساتھ اسی وقت لاحق کیا جائے گا جبکہ مسجد سے نکلنے کے باعث مکان نہ بدلا ہو کہ مکان اور جگہ کا بدلنا تحریم کو باطل کرتا ہے اور جب تک جگہ متحد ہے تحریم باقی ہے۔

امام نے حدیث گمان کر کے کسی کو خلیفہ بنا دیا پھر ظاہر ہوا کہ حدیث نہیں ہو اتھا تو اس کی نماز کا کیا حکم ہے

وان كان استخلف فسدت لانه عمل كثير من غير عذر ولهذا بخلاف اذا ظن انه افتتح على غير وضوء فانصرف ثم علم انه على وضوء حيث تفسد وان لم يخرج لان الانصراف على سبيل الرضا الا ترى ان لو تحقق ماتوهمه يستقبله فهذا هو الحرف ومكان الصفوف في الصحراء له حكم المسجد ولو تقدم فدا فالحد السترة وان لم تكن فمقدار الصفوف خلفه وان كان منفردا فموضع سجوده من كل جانب

ترجمہ..... اور اگر متوہم نے کسی کو خلیفہ بنایا تو نماز فاسد ہو جائے گی کیونکہ یہ بلا عذر عمل کثیر ہے اور یہ اس کے برخلاف ہے کہ اس نے گمان کیا کہ اس نے بغیر وضو نماز شروع کی ہے پس اس نے رخ پھیرا۔ پھر معلوم ہوا کہ وہ وضو پڑھے تو نماز فاسد ہو گئی اگرچہ وہ مسجد سے خارج نہ ہوا ہو کیونکہ یہ پھر نا بطور فرض ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اگر وہ بات واقع میں متحقق ہوتی جس کا اس نے گمان کیا تھا تو از سر نو پڑھتا۔ پس یہی اصل ہے اور صحراء میں صفوں کی جگہ کے لئے مسجد کا حکم ہے اور اگر وہ آگے کی طرف بڑھا ہو تو حد سترہ ہے۔ اور اگر آگے سترہ نہ ہو تو پیچھے کی صفوں کی مقدار اور اگر گمان کرنے والا نمازی منفرد ہو تو حد اس کا مقام مجدد ہے ہر طرف سے۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ اگر اس حدیث کے گمان کرنے والے نے کسی کو خلیفہ بنایا پھر ظاہر ہوا کہ حدیث نہیں ہو اتھا تو اس کی نماز کا کیا حکم لگے گا اگرچہ وہ مسجد سے نہ نکلا ہو دلیل یہ ہے کہ خلیفہ بنانا عمل کثیر ہے اور بلا عذر عمل کثیر مفسد نماز ہوتا ہے اس لئے اس صورت میں اس کی نماز فاسد ہو جائے گی ہاں اگر قوم نے خلیفہ بنا لیا تو امام کے علاوہ ان کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور اگر مصلیٰ کا گمان حدیث متعلق ہو تو عمل استخلاف مفسد نہیں ہوگا کیونکہ اس صورت میں عذر موجود ہے پس خلیفہ بنانا خروج من المسجد کے مانند ہے یعنی خروج من المسجد کی اصلاح کے ارادے سے ہے اور عذر بھی موجود ہے تو خروج من المسجد مفسد صلوٰۃ نہیں ہوگا اسی طرح اگر خلیفہ بنانا اصلاح نماز کے ارادے سے ہے اور عذر بھی موجود ہے تو خلیفہ بنانا بھی مفسد نماز نہیں ہوگا۔

صاحب ہدایہ یہ کہتے ہیں کہ اصلاح نماز کے ارادے سے پھرنا اس کے برخلاف ہے کہ اس نے گمان کیا کہ اس نے بغیر وضو نماز شروع کی ہے پھر وضو کے ارادے سے اس نے رخ پھیرا پھر معلوم ہوا کہ وہ با وضو ہے اور گمان غلط تھا تو اس صورت میں اس کی نماز فاسد ہوگئی۔ اگرچہ وہ مسجد سے باہر نہ نکلا ہو کیونکہ یہ پھرنا بطور رخصت ہے یعنی نماز کو چھوڑنے کے طور پر پھرنا کہ اصلاح نماز کے طور پر چنانچہ اگر اس کا یہ وضو نا متحقق ہو جاتا تو یہ از سر نو نماز پڑھتا۔ پس ضابطہ اور اصل یہی ہے کہ اگر انصراف بقصد اصلاح ہو تو نماز فاسد نہیں ہوگی بشرطیکہ بروج من المسجد اور استخلاف نہ پایا گیا ہو اور اگر انصراف اعراض اور رخصت کے ارادے سے ہو تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

ومکان الصفوف الخ سے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ اگر یہ بات مسجد میں پیش نہ آئی ہو بلکہ نماز صبح اور میدان میں پڑھی اور پھر گمان رخصت پیش آ گیا تو صفوں کی جگہ کے واسطے مسجد کا حکم ہے یعنی حدت کا گمان کرنے والا اگر پیچھے کی جانب گیا اور صفوں سے تجاوز کر گیا پھر صوم ہوا کہ حدت نہیں ہوا تھا تو اس کو بناء کرنا جائز نہیں ہوگا اور اسی طرح اگر دائیں جانب یا بائیں جانب صفوں سے تجاوز کر گیا تو بناء کرنا جائز نہیں ہوگا اور اگر صفوں سے تجاوز نہیں کیا تو بناء کر سکتا ہے۔

اور اگر وہ آگے کی طرف بڑھا ہو اور آگے سترہ بھی ہو تو حد سترہ ہے حتیٰ کہ اگر سترہ سے تجاوز کر گیا تو نماز فاسد ہوگئی اور اگر آگے سترہ سے زیادہ پیچھے کی صفوں کی مقدار حد ہوگی مثلاً اگر پیچھے صفیں پانچ گز تک ہوں تو آگے کی حد بھی پانچ گز ہے کہ اس سے تجاوز میں نماز فاسد ہو جائے گی۔

اور اگر گمان حدت کرنے والا منفرد ہو تو اس کی حد مقام تجدد ہوگی اور یہ حد ہر طرف سے شمار ہوگی حتیٰ کہ دائیں یا بائیں پیچھے منفرد کے لئے بقدر حد ہے۔

مصلى دوران نماز مجنون یا مختلم یا مدہوش ہو گیا، نماز کا حکم

لا جنّ او اغمی علیہ استقبال لانه یندر وجود هذه العوارض فلم یکن فی معنی ما ورد بہ من وكذلك اذا قهقهه لانه بمنزلة الکلام وهو قاطع

ترجمہ..... اور اگر مصلى مجنون ہو گیا یا سوکر اس کو احتلام ہو گیا۔ یا اس پر بے ہوشی طاری ہوگئی تو نماز کو نئے سرے سے پڑھے کیونکہ ایسے ارش کا وجود نادر ہوتا ہے تو یہ عوارض ماورد بہ النص کے معنی میں نہیں ہوں گے اور یوں ہی اگر اس نے قہقہہ مار دیا کیونکہ قہقہہ بمنزلہ کلام لئے اور کلام نماز کا قاطع ہے۔

ترجمہ..... مسئلہ یہ ہے کہ اگر مصلى مجنون ہو گیا خواہ امام ہو یا مقتدی یا منفرد ہو۔ یا بحالت نماز سو گیا اور احتلام ہو گیا یا اس پر بے ہوشی پڑی ہوگئی تو وہ از سر نو نماز پڑھے۔

دلیل یہ ہے کہ نماز میں ان عوارض کا پایا جانا نادر ہے لہذا یہ عوارض ان عوارض کے معنی میں نہیں ہوں گے جن کے ساتھ نص وارد ہوئی یعنی حضور کا قول من قاء اور عف فی صلاتہ..... الخ حاصل یہ کہ حدت غیر نادر الوجود (رتق، تقي، نکسیر) میں بناء جائز ہے اور حدت نادر الوجود میں بناء جائز نہیں ہے۔ اور اسی طرح اگر اس نے قہقہہ مار دیا تو بھی بناء جائز نہیں بلکہ نماز از سر نو پڑھے کیونکہ فعل قہقہہ بمنزلہ کلام کے ہے اور کلام قاطع نماز ہے کیونکہ حضور نے فرمایا الم یتکلم یعنی جب تک کلام نہیں کیا تو بناء کر سکتا ہے اور اگر کلام کر لیا تو بناء۔

جائز نہیں ہے۔

امام قرأت سے عاجز ہو گیا اس حالت میں دوسرے کو اس نے آگے بڑھا دیا
خلیفہ بنانے کا حکم، اقوال فقہاء

وان حصر الامام عن القراءة فقدم غيره اجزاهم عند ابى حنيفة وقال لا يجزيهم لانه يندر وجوده فانه
الجنابة ولنه ان الاستخلاف بعله العجز وهو هنا الزم والعجز عن القراءة غير نادر فلا يلحق بالجنابة

ترجمہ..... اور اگر امام قرأت سے بند ہو گیا پس اس نے دوسرے کو آگے کر دیا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک لوگوں کو کافی ہے اور صاحبین
کہا کہ ان کو یہ کافی نہیں ہے کیونکہ ایسا واقعہ نادر الوجود ہے پس جنابت کے ساتھ مشابہ ہو گیا۔ اور امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ خلیفہ
عجز کی وجہ سے ہوتا ہے اور وہ یہاں خوب لازم ہے اور عجز عن القراءة غیر نادر الوجود ہے لہذا جنابت کے ساتھ اس کو لاحق نہیں کیا جائے
تشریح..... حصہ (حاد اور صاد کے ساتھ) سینہ کا تنگ ہونا، عاجز عن الکلام ہونا، صاحب عنایہ نے لکھا ہے کہ جو شخص کسی چیز سے اس قدر
ممنوع ہو گیا کہ اب اس پر قادر نہیں رہا تو اس کے بارے میں کہا جائے گا قد حصر عنه چنانچہ امام کو جس قدر قرآن یاد تھا اس کے
سارے کو فراموش کر دینے کی وجہ سے قرأت کرنے سے عاجز ہو گیا تو کہا جائے گا کہ وہ قرأت سے رک گیا پس اگر اس نے مقتدیوں
سے کسی کو خلیفہ بنا دیا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک جائز ہوگا۔ اور یہی امام محمد کا قول ہے اور صاحبین نے کہا کہ یہ جائز نہیں ہے۔ صاحبین
دلیل یہ ہے کہ حصر عن القراءة نادر الوجود ہے جیسے کہ نماز کے اندر جنبی ہونا نادر الوجود ہے پس جنابت کی طرح یہ بھی ماورد بہ الت
(من قضاء اور عفو) کے معنی میں نہیں ہوگا اور جب ماورد بہ النص کے معنی میں نہیں ہے تو جس طرح جنابت کی صورت میں
پراحتنا ضروری ہے اس طرح حصر عن القراءة کی صورت میں بھی از سر نو نماز پڑھنا ضروری ہوگا اور خلیفہ بنانا درست نہیں ہوگا۔

امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ حدیث پیش آنے کی صورت میں خلیفہ کرنا جائز ہے کیونکہ اس صورت میں امام نماز پوری کرنے
عاجز ہو گیا اور یہاں یعنی حصر عن القراءة کی صورت میں عجز زیادہ لازم ہے کیونکہ محدث کے لئے تو یہ بھی احتمال ہے کہ مسجد میں پانی
ہو اور وہ بغیر خلیفہ بنائے اپنی نماز پوری کرے لیکن جو شخص پورے محفوظ قرآن کو بھول گیا وہ نماز پوری کرنے پر قادر ہی نہیں رہا لہذا
دو بارہ یاد کرے اور دیکھے۔ پس جب حدیث کی صورت میں خلیفہ کرنا جائز ہے۔ درانحالیکہ اس صورت میں عجز کم ہے تو حصر عن القراءة
کی صورت میں بدرجہ اولیٰ خلیفہ کرنا جائز ہوگا۔ کیونکہ اس صورت میں عجز زیادہ لازم ہے۔ (عنایہ)

والعجز عن القرات سے صاحبین کے قول کا جواب ہے۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ عجز عن القرات نادر الوجود نہیں بلکہ نادر
الوجود ہے اور جنابت نادر الوجود ہے پس ایک غیر نادر الوجود چیز کو نادر الوجود چیز کے ساتھ لاحق کرنا کیسے درست ہوگا۔

امام فرض قرأت کرنے کے بعد عاجز آجائے تو خلیفہ بنانے کا حکم

ولو قرأ مقدار ما تجوز به الصلوٰۃ لايجوز بالاجماع لعدم الحاجة الى الاستخلاف

ترجمہ..... اور اگر اس نے اس قدر قرأت کر لی جس سے نماز جائز ہو جاتی ہے تو خلیفہ کرنا بالاجماع جائز نہیں ہے کیونکہ خلیفہ

واجب نہیں ہے۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ اگر امام مایہ جوز بہ ال صلوٰۃ قرأت کر چکا یعنی امام صاحب کے نزدیک ایک آیت اور صاحبین کے نزدیک تین آیتیں قرأت کر چکا پھر قرأت کرنے سے عاجز ہو گیا تو اس کو خلیفہ کرنا جائز نہیں ہے اور اگر اس نے کسی کو خلیفہ کر دیا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ یہ حکم بالاجماع ہے۔ دلیل یہ ہے کہ جب مایہ جوز بہ ال صلوٰۃ قرآن کی قرأت کر لی تو اب خلیفہ بنانے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہی اور یہ بات ظاہر ہے کہ بلا ضرورت شرعی خلیفہ کرنا درست نہیں ہے۔

تشہد کے بعد حدث لاحق ہو تو نماز مکمل کیسے کرے

وان سبقہ الحدث بعد التشہد ترضاً وسلم لان التسليم واجب فلا بد من التوضی لیاتی بہ ترجمہ..... اور اگر مصلیٰ کو تشہد کے بعد حدث ہو گیا تو وضو کر کے سلام پھیرے کیونکہ سلام پھیرنا واجب ہے پس وضو کرنا ضروری ہوتا ہے کہ سلام پھیرے۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ کسی نمازی کو تشہد کے بعد حدث ہوا تو حکم یہ ہے کہ وہ وضو کرے اور پھر سلام پھیرے کیونکہ تسلیم واجب ہے پس اس وجہ سے وضو کرنا ضروری ہوتا ہے کہ وجوب سلام ادا کرے۔

تشہد کے بعد عمد أحدث لاحق کیا یا کلام کی یا منافی صلوٰۃ عمل کر لیا، کیا نماز مکمل ہو جائے گی؟

وان تعمد الحدث فی هذه الحالة او تکلم او عمل عملاً ینافی الصلوٰۃ، تمت صلوٰۃ لانه تعذر البناء لوجود الفاعل لكن لا اعادۃ علیہ لانه لم یبق علیہ شیء من الارکان

ترجمہ..... اور اگر اس نے اس حالت میں عمد أحدث کر دیا یا کلام کیا یا کوئی ایسا عمل کیا جو منافی صلوٰۃ ہے تو اس کی نماز پوری ہو گئی کیونکہ فاعل پائے جانے کی وجہ سے بناء کرنا معذور ہے لیکن اس پر نماز کا اعادہ نہیں ہے کیونکہ اس پر ارکان میں سے کوئی چیز باقی نہیں رہی۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ اگر تشہد کے بعد مصلیٰ نے عمد أحدث کر دیا یا عمد کلام کیا یا کوئی ایسا کام کیا جو نماز کے منافی ہے تو اس کی نماز باطل ہو گئی۔ دلیل یہ ہے کہ قاطع نماز کے پائے جانے کی وجہ سے بناء کرنا تو معذور ہو گیا لیکن اس پر نماز کا اعادہ بھی نہیں ہے کیونکہ ارکان نماز سے اس پر کوئی چیز باقی نہیں رہی۔ اور رہی تحلیل یعنی خروج بصدعہ سو عمد افضل سے وہ بھی پائی گئی اگرچہ لفظ سلام کے ساتھ تحلیل واجب تھی لیکن اس سے اوپر کے ارکان میں کچھ فساد نہیں ہوتا اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ظاہر حدیث (جس میں تشہد ختم کر کے فرمایا کہ تیرا کھڑا ہونے کو جی چاہے تو تو کھڑا ہو جا) بھی اسی کی مقتضی ہے۔

مقیم نماز میں پانی دیکھ لے تو نماز باطل ہے

فان رأى المقيم الماء فى صلاته بطلت وقد مر من قبل

ترجمہ..... پس اگر مقیم نے اپنی نماز میں پانی دیکھا تو اس کی نماز باطل ہو گئی۔ اور یہ مسئلہ پہلے گذر چکا ہے۔

مسائل اثنا عشرہ

فان رآہ بعد ما قعد قدر التشہد او كان ماسحا فانقضت مدة مسحه او خلع خفيه بعمل يسير او كان فتعلم سورة او عربانا فوجد ثوبا او مؤميا فقد ر على الركوع والسجود او تذكر فائتة عليه قبل هذا احدث الامام القارى فاستخلف اميا او طلعت الشمس فى الفجر او دخل وقت العصر وهو فى الحج او كان ماسحا على الجيرة فسقطت عن برء او كان صاحب عذر فانقطع عذره كالمستحاضة ومن بعد بطلت الصلوٰۃ فى قول بسى حنیفۃ وقالامت صلواته، وقيل الاصل فيه ان الخروج عن الصلوٰۃ بت المصلی فرض عند ابی حنیفۃ و ليس بفرض عندهما فاعتراض هذه العوارض عنده فى هذه الاعراض كاعتراضها فى خلال الصلوٰۃ وعندهما كاعتراضها بعد التسليم لهما ما روينا من حديث ابن مسعود روا لايمكنه أداء صلوٰۃ اخرى الا بالخروج من هذه وما لايتوصل الى الفرض الا به يكون فرضا ومعنى تمت قارىت التمام والاستخلاف ليس بمفسد حتى يجوز فى حق القارى وانما الفساد ضرورة حكم شر وهو عدم صلاحية الامامة

ترجمہ..... اور اگر تیمم نے تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد پانی دیکھا یا موزہ پر مسح کرنے والا تھا پس اس کے مسح کی مدت گزر گئی یا اپنے موزے نکالے خیف عمل کے ساتھ یا امی تھا پس اس نے کوئی سورت سیکھ لی یا ننگا تھا پس اس نے کپڑا یا نیا اشارہ سے رکوع اور سجود والا تھا پھر رکوع اور سجودے پر قادر ہو گیا یا یاد کیا فاسیہ کو جو اس پر اس نماز سے پہلے واجب القضاء ہے یا امام قاری کو حدث ہو اپس اس امی کو خیف بنا دیا یا فجر میں آفتاب طلوع ہو گیا۔ یا داخل ہو گیا عصر کا وقت در انحالیکہ وہ نماز جمعہ میں ہے یا وہ جبرہ پر مسح کرنے والا تھا اچھا ہو کر گر پڑا یا وہ معذور تھا اس کا عذر منقطع ہو گیا جیسے مستحاضہ عورت اور جو شخص اس کے معنی میں ہو تو ابوحنیفہ کے قول کے مطابق نماز باطل ہو گئی۔ اور صاحبین نے فرمایا کہ اس کی نماز پوری ہو گئی۔ کہا گیا ہے کہ اس باب میں اصل یہ ہے کہ نماز سے باہر ہونا مصلی اختیاری فعل سے ابوحنیفہ کے نزدیک فرض ہے اور صاحبین کے نزدیک فرض نہیں ہے۔ پس امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس حالت میں عوارض کا پیش آنا ایسا ہے جیسا کہ درمیان صلوٰۃ ان عوارض کا پیش آنا۔ اور صاحبین کے نزدیک جیسا کہ سلام کے بعد ان عوارض کا پیش آنا ہے۔ کہ نمازی کے لئے دوسری نماز ادا کرنا ممکن نہیں مگر اس نماز سے نکل کر اور جو چیز ایسی ہو کہ اس کے بغیر فرض تک نہ پہنچ سکتا ہو نماز فرض ہوگی۔ اور حضور ﷺ کے قول و تمت کے معنی قارىت التمام کے ہیں اور خلیفہ بنا نا مفسد نہیں ہے یہاں تک کہ قاری کے حق میں ہوگا اور نماز کے فساد کا حکم فقط حکم شرعی کی وجہ سے ہے اور وہ یہ ہے کہ امام میں امامت کی صلاحیت نہیں ہے۔

تشریح..... اس عبارت میں مسائل اثنا عشرہ کا نام ہے یعنی ان بارہ مسائل کا بیان ہے جو تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد پیش آئیں۔

(۱) تیمم کرنے والے مصلی نے مقدار تشہد بیٹھنے کے بعد پانی دیکھا۔

(۲) یا موزوں پر مسح کرنے والا تھا پس مقدار تشہد بیٹھنے کے بعد مدت مسح پوری ہو گئی۔

(۳) یا مقدار تشہد کے بعد عمل قلیل کے ساتھ دونوں موزے نکالے یا دونوں موزوں میں سے کوئی موزہ نکالا اور عمل قلیل سے کہا

اس طرح دیکھتے تھے کہ ہاتھوں کی ضرورت نہ پڑی صرف پاؤں کے اشارے سے کوئی موزہ نکل گیا۔

(۴) یا مصلیٰ امی تھا پھر تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد اس نے کوئی قرآن کی سورت سیکھ لی۔ صاحب عنایہ نے کہا کہ مراد یہ ہے کہ قرآن بھول گیا تھا لیکن مقدار تشہد کے بعد یاد آ گیا مطلب نہیں کہ اس نے سیکھا کیونکہ تعلیم کے لئے تعلیم ضروری ہے اور تعلیم منافی صلاۃ فعل ہے۔ اس سے بالاتفاق پوری ہو جاتی ہے۔ اور بعض نے کہا کہ تعلیم سورت کا مطلب یہ ہے کہ اس نے بغیر اختیار کے سنا اور بغیر کوشش کے اس کو یاد ہو گیا۔

(۵) یا مصلیٰ نیک نماز پڑھتا تھا پس اس نے مقدار تشہد کے بعد کپڑا پالیا۔

(۶) یا مصلیٰ اشارے سے رکوع اور سجدہ کرنے والا تھا پھر وہ مقدار تشہد کے بعد رکوع اور سجدہ پر قادر ہو گیا۔

(۷) یا مصلیٰ کو مقدار تشہد کے بعد قضا نماز یاد آ گئی جو اس پر اس نماز سے پہلے واجب القضاء ہے مثلاً نماز ظہر میں قعدۃ اخیرہ کے بعد یاد آیا کہ فجر کی نماز قضاء ہو گئی تھی حالانکہ ترتیب کی فرضیت سے وہ اول پڑھنی چاہئے تھی۔

(۸) یا مقدار تشہد کے بعد امام قاری کو حدیث ہو اپس اس نے امی کو خلیفہ کر دیا۔

(۹) یا مقدار تشہد کے بعد فجر کی نماز میں آفتاب طلوع ہو گیا۔

(۱۰) یا مقدار تشہد کے بعد عصر کا وقت داخل ہو گیا حالانکہ یہ شخص نماز جمعہ میں ہے۔

(۱۱) یا مصلیٰ جبیرہ پر مسح کئے ہوئے تھا پس مقدار تشہد کے بعد اچھا ہونے سے گر پڑا۔

(۱۲) یا معذور تھا لیکن مقدار تشہد کے بعد اس کا عذر منقطع ہو گیا یعنی وہ عذر ہی جاتا رہا جیسے مستحاضہ عورت یا جو اس کے معنی میں ہو جیسے جس آدمی کو پیشاب جاری ہونے یا نکسیر جاری ہونے کا عذر ہو۔

ان بارہ مسائل میں امام ابوحنیفہ کے نزدیک نماز باطل ہو گئی اور صاحبین نے کہا ان تمام صورتوں میں نماز پوری ہو گئی۔ بعض مشائخ نے کہا کہ اس باب میں اصل یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک نماز سے باہر ہونا مصلیٰ کے اختیاری فعل سے فرض ہے۔ صاحبین کے نزدیک فرض نہیں ہے۔ پس اس اصل کے پیش نظر امام ابوحنیفہ کے نزدیک قعدۃ اخیرہ کے بعد ان عوارض کا پیش آنا جو ہر مسئلہ میں الگ الگ مذکور ہوئے ہیں ایسا ہے جیسے درمیان نماز میں پیش آنا اور چونکہ درمیان نماز ان عوارض کا پیش آنا مفسد نماز ہے اس لئے قعدۃ اخیرہ کے بعد بھی اگر یہ عوارض پیش آ گئے تو نماز باطل ہو جائے گی اور صاحبین کے نزدیک قعدۃ اخیرہ کے بعد ان عوارض کا پیش آنا ایسا ہے جیسے سلام پھیرنے کے بعد پیش آنا اور یہ ظاہر ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد کوئی عارض نماز کو فاسد نہیں کرتا۔ اس لئے قعدۃ اخیرہ کے بعد ان عوارض کے پیش آنے سے نماز فاسد نہیں ہوگی۔

صاحبین کی دلیل عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے حدیث یہ ہے کہ حضور ﷺ نے ابن مسعود سے فرمایا۔ اذ اقلت هذا او فعلت هذا فقد تمت صلاتک ان شئت ان تقوم فقم یعنی جب تو نے یہ کہا یا یہ کیا تو تیری نماز پوری ہو گئی اگر تیرا جی اٹھنے کو چاہے تو تو اٹھ کھڑا ہو اس حدیث سے استدلال اس طور پر ہوگا کہ حضور ﷺ نے نماز پوری ہونے کو تشہد پڑھنے یا تشہد کی مقدار بیٹھنے پر معلق کیا ہے جس شخص نے تمام کو نماز کو تیسری چیز پر معلق کیا اس نے نص کی مخالفت کی۔ حاصل یہ کہ ان مسائل میں قعدۃ اخیرہ کے بعد ان

عوارض کا ذکر ہے اور قعدہ اخیرہ پر نماز پوری ہوگئی پس جب قعدہ اخیرہ پر نماز پوری ہوگئی تو اس کے بعد نماز باطل ہونے کا کیا سوال ہے امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ دوسری نماز کا اس کے وقت میں ادا کرنا فرض ہے اور یہ ممکن نہیں ہوگا کہ جب تک اس موجودہ نماز باہر نہ ہو۔ پس اس موجودہ نماز سے نکلنا دوسری فرض نماز ادا کرنے کا ذریعہ ہے یعنی دوسری فرض نماز ادا کرنا اس موجودہ نماز سے موقوف ہے۔ اور چونکہ فرض کا موقوف علیہ بھی فرض ہوتا ہے اس لئے اس موجودہ نماز سے نکلنا بھی فرض ہوگا یہی وجہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک خروج بصر سے فرض ہے۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ ایک شخص پر نفل واجب ہے اور وہ بغیر کمائی کئے حاصل نہیں ہو سکتا تو اس پر کمائی بھی فرض ہوگا۔ یا مثلاً سجدہ فرض ہے اور یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ رکوع سے منتقل نہ ہو پس یہ منتقل ہونا بھی فرض ہوگا۔ فرض کا موقوف علیہ بھی فرض ہوتا ہے۔

و معنی قولہ تمت الخ سے حدیث ابن مسعود کا جواب ہے۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ حدیث میں تمت صلوٰۃ تک کا قربت التمام کے ہیں یعنی جب تو نے یہ کہہ لیا یا یہ کر لیا تو تیری نماز تمام ہونے کے قریب ہوگئی یہ ایسا ہے جیسا کہ حضور ﷺ کا قول صلوٰۃ وقف بعرفتنہ فقد تم حجہ، یعنی جس نے وقوف عرفہ کیا اس کا حج تام ہو گیا حالانکہ وقوف عرفہ کے بعد ابھی طواف زیارت کا فرض رہتا ہے پس یہاں بھی یہی معنی ہوں گے کہ اس کا حج تمام ہونے کے قریب ہو گیا۔

والاستخلاف لیس بمفسد سے ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ جب امام قاری کو حدیث ہو اور اس نے اپنے خلیفہ کر دیا تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک نماز فاسد نہ ہونی چاہئے کیونکہ خلیفہ کرنا مفسد نماز نہیں ہے چنانچہ اگر قاری محدث کسی قاری کو نماز کر دیتا تو نماز فاسد نہ ہوتی پس اسی طرح یہاں بھی فاسد نہ ہونی چاہئے تھی۔

جواب بلاشبہ خلیفہ کرنا مفسد نماز نہیں ہے اسی وجہ سے قاری کا قاری کو خلیفہ کرنا جائز ہے مگر مذکورہ صورت میں فساد استخلاف کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ امر آخر کی وجہ سے ہے اور وہ امر آخر حکم شرعی کی ضرورت ہے اور امر شرعی کی ضرورت یہ ہے کہ امی جس کو خلیفہ مقرر کیا ہے اس میں امامت کی صلاحیت نہیں ہے پس امام میں صلاحیت امامت نہ ہونے کی وجہ سے نماز فاسد ہوئی ہے نہ کہ اس کو خلیفہ کرنے کی وجہ سے۔

امام کو حالت نماز میں حدیث لاحق ہو تو مسبوق کو خلیفہ بنا جائز البتہ مدرک کو خلیفہ بنانا اولیٰ ہے

ومن اقتدی بالامام بعد ما صلی رکعۃ فاحدث الامام، فقدّمہ اجزاه لوجود المشارکۃ فی التحریمۃ والاولیٰ للامام ان یقدم مدرکاً لانه اقدر علی اتمام صلاتہ ویبغی لهذا المسبوق ان لا یتقدم لعجزہ عن التسلیم

ترجمہ..... اور جس شخص نے امام کے ایک رکعت پڑھنے کے بعد اس کی اقتداء کی پھر امام کو حدیث ہو گیا پس امام نے اسی مسبوق کو خلیفہ کر دیا تو کافی ہے۔ کیونکہ تحریمہ میں مشارکت پائی جاتی ہے اور امام کے لئے اولیٰ یہ تھا کہ کسی مدرک کو آگے کرتا (خلیفہ کرتا) کیونکہ امام کو امام کی نماز پوری کرنے پر زیادہ قدرت ہے اور اس مسبوق کے لئے مناسب ہے کہ وہ آگے نہ بڑھے (یعنی خلافت قبول نہ کرے) اس لئے کہ وہ سلام پھیرنے سے عاجز ہے۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے ایسے امام کی اقتداء کی جو ایک رکعت پڑھ چکا ہے پھر اس امام کو حدیث ہو گیا اور اس نے

مبسوق واپنا خلیفہ کر دیا تو یہ جائز ہے کیونکہ استخفاف کے صحیح ہونے کی شرط تحریمہ کے اندر مشارکت ہے اور مشارکت فی التحریمہ پائی گئی اس لئے خلیفہ کرنا درست ہوگا۔

لیکن اولیٰ یہ ہے کہ امام کسی مدرک کو خلیفہ مقرر کرے کیونکہ مدرک امام کی نماز پوری کرانے پر زیادہ قادر ہے اس لئے کہ اگر مسبوق کو خلیفہ کر دیا گیا تو وہ سلام پھیرنے کے لئے کسی دوسرے کو خلیفہ کرنے کا محتاج ہوگا اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں دوسرے خلیفہ بنانا لازم آئے گا اور ایک بار خلیفہ بنانا بہتر ہے بہ نسبت بار بار خلیفہ بنانے کے۔

صحابہ ہدایہ کہتے ہیں کہ مسبوق کے لئے بھی مناسب یہ ہے کہ وہ آگے نہ بڑھے یعنی خلیفہ ہونا قبول نہ کرے اس لئے کہ وہ سلام پھیرنے سے عاجز ہے ہاں اگر آگے بڑھ گیا تو جائز ہے لیکن خلاف اولیٰ ہے۔

مبسوق خلیفہ بن جائے تو نماز مکمل کہاں سے کرانے

لما تقدم يمتدئ من حيث انتهى اليه الامام بقيامه مقامه و اذا انتهى الى السلام يقدم مدرسا يسلم بهم فلو انه من اتم صلوٰۃ الامام فحققه او احدث متعمدا او تكلم او خرج من المسجد فسدت صلوٰۃ القوم لانه ان السفسد في حقه وجد في خلال الصلوٰۃ و في حقهم بعد تمام اركانها و الامام الاول ان كان فرغ لفسد صلاته و ان لم يفرغ تفسد وهو الاصح

ترجمہ۔ ایسی اگر مسبوق آگے بڑھ گیا تو وہاں سے ابتداء کرے جہاں تک امام پہنچا ہے کیونکہ یہ مسبوق امام کے قائم مقام ہے اور جب یہ مسبوق سلام تک پہنچ گیا تو کسی مدرک کو آگے بڑھا دے جو قوم کے ساتھ سلام پھیرے، پھر اگر مسبوق خلیفہ نے جس وقت امام کی نماز پوری کی تو قبہہ ماریا یا عدم حدث کیا یا کلام کیا یا مسجد سے نکل گیا تو اس کی نماز فاسد ہوگئی اور مقتدیوں کی نماز پوری ہوگئی کیونکہ مفسد مسبوق خلیفہ کے حق میں نماز کے درمیان پایا گیا اور مقتدیوں مدرکوں کے حق میں تمام ارکان پورے ہو جانے کے بعد اور امام اول اگر فارغ ہو گیا تھا اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی اور اگر فارغ نہ ہوا ہو تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی یہی صحیح ہے۔

ترجمہ۔ صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر امام محدث نے مسبوق کو خلیفہ بنایا اور یہ مسبوق آگے بڑھ گیا تو اسی حالت سے شروع کرے جس حالت تک امام پہنچا ہے کیونکہ یہ امام کے قائم مقام ہے اور جب یہ مسبوق امام کی نماز پوری کر کے سلام پھیرنے کے وقت تک پہنچ گیا تو خود پھیرے جائے اور کسی مدرک کو آگے بڑھا دے تاکہ وہ مقتدیوں کے ساتھ سلام پھیر کر ان کی نماز پوری کر دے اور مسبوق (خلیفہ) مدرکوں کے لئے آگے بڑھائے گا کہ مسبوق بذات خود سلام پھیرنے سے عاجز ہے کیونکہ ابھی اس پر ایک رکعت باقی ہے لہذا وہ ایسے شخص سے دعا طلب کرے جو اس پر قادر ہو۔

اور اگر یہ صورت ہوئی کہ مسبوق خلیفہ نے جب امام کی نماز پوری کی تو قبہہ ماریا یا عدم حدث کیا یا کلام کیا یا مسجد سے نکل گیا تو ان صورتوں میں مسبوق خلیفہ کی نماز بذات خود فاسد ہوگئی اسی طرح اگر مقتدیوں میں سے کوئی مسبوق ہو تو اس کی نماز بھی فاسد ہو جائے گی اور مقتدیوں کی نماز پوری ہوگئی بشرطیکہ یہ مقتدی اول سے آخر تک امام کے ساتھ شریک رہے ہوں۔

دیکھیں یہ ہے کہ مفسد نماز مسبوق کے حق میں نماز کے درمیان میں پایا گیا اور مقتدیوں کے حق میں تمام ارکان پورے ہونے کے بعد

پایا گیا اور یہ امر مسلم ہے کہ درمیان نماز مفسد کا پایا جانا نماز کو فاسد کرتا ہے۔ ارکان پورے ہونے کے بعد نماز نہیں فاسد کرتا۔

رہا امام اول تو اس کی دو حالتیں ہیں ایک یہ کہ وہ چھوٹی ہوئی مقتدر خلیفہ کے پیچھے پوری کر کے فارغ ہو گیا ہو۔ دوم یہ کہ انہی نہیں ہوا۔ پہلی حالت میں اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی کیونکہ وہ بھی مد رکوں کے مثل ہو گیا اگرچہ درمیان میں لاحق ہوا تھا اور دوسری میں اس کی نماز فاسد ہو جائے گی جیسا کہ مسبوق کی نماز فاسد ہو جاتی ہے یہی روایت صحیح ہے۔

امام کو حدیث لاحق نہیں ہو اور قدر تشہد بیٹھنے کے بعد قہقہہ لگایا یا عمدہ حدث لاحق کیا تو نماز کا حکم

فان لم يحدث الامام الاول وقعد قدر التشهد ثم قهقهه او احدث متعمدا فسدت صلوٰۃ الذی لم يدرك صلاته عند ابی حنیفہ وقال لا تفسد وان تکلم او خرج من المسجد لم تفسد فی قولهم جميعا لهما ان المقصدی بناء علی صلوٰۃ الامام جوازا و فسادا ولم تفسد صلوٰۃ الامام فكذا صلوٰۃ و صار كالسلام واليه وله ان القهقهة مفسدة للجزء الذي يلاقيه من صلوٰۃ الامام فيفسد مثله من صلوٰۃ المقصدی غير ان الامام يحتاج الى البناء و المسبوق محتاج اليه و البناء علی الفاسد فاسد بخلاف السلام لانه منه و الكلام فی و ينقض وضوء الامام لوجود القهقهة فی حرمة الصلوٰۃ

ترجمہ..... پس اگر امام اول کو حدیث نہیں ہو اور مقتدر تشہد بیٹھ گیا پھر اس نے قہقہہ مار دیا یا عمدہ حدث کر دیا تو اس مقتدی کی نماز ناجائز ہے۔ جس نے امام کی اول نماز نہیں پائی ہے ابوحنیفہ کے نزدیک اور صاحبین نے کہا کہ فاسد نہ ہوگی۔ اور اگر امام نے کلام کر دیا ہے تو نکل گیا تو بالاتفاق نماز فاسد نہیں ہوگی۔ صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ مقتدی کی نماز امام کی نماز پر مبنی ہوتی ہے جواز ابھی اور فساد امام کی نماز فاسد نہیں ہوتی پس یوں ہی مقتدی کی نماز بھی (فاسد نہ ہوگی) اور یہ سلام اور کلام کے مانند ہو گیا، اور ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ قہقہہ اس جزء کو فاسد کرنے والا ہے جو امام کی نماز کے ملحق ہے پس اس کے مثل مقتدی کی نماز سے بھی فاسد ہوگا مگر یہ امام بنا کا حکم اور مسبوق اس کا محتاج ہے اور فاسد جزء پر بناء کرنا فاسد ہوتا ہے برخلاف سلام کے کیونکہ نماز کو پورا کرنے والا ہے اور کلام سلام میں ہے اور امام کا وضو ٹوٹ جائے گا کیونکہ قہقہہ حرمت صلوٰۃ میں پایا گیا۔

تشریح..... عبارت میں امام کو اول کے ساتھ مقید کرنا تساہل ہے کیونکہ اس مسئلہ میں اختلاف نہ ہونے کی وجہ سے امام ثانی نہیں ہے صورت مسئلہ یہ ہوگی کہ امام کو حدیث نہیں ہو بلکہ اس نے تمام رکعتیں پڑھائیں اور تشہد کی مقتدر بھی بیٹھ لیا پھر اس نے قہقہہ مار دیا حدث کر دیا تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک ایسے مقتدی کی نماز فاسد ہو جائے گی جس نے امام کی اول نماز نہیں پائی ہے یعنی مسبوق کی نماز ہو جائے گی۔

مصنف نے مسبوق کی نماز کے فساد کی قید اس لئے ذکر کی کہ مدارک کی نماز بالاتفاق فاسد نہیں ہوتی اور رہی لاحق کی نماز تو ان بارے میں دو روایتیں ہیں۔ ایک فساد کی، دوم عدم فساد کی۔ اور صاحبین نے کہا کہ مسبوق کی نماز بھی فاسد نہیں ہوگی اور اگر مقتدر تشہد کے بعد امام نے کلام کیا یا مسجد سے نکل گیا۔ تو بالاتفاق کسی کی نماز فاسد نہ ہوگی۔

حاصل مسئلہ یہ ہے کہ امام نے مسبوقین اور مدارکین کی امامت کی پس جب امام محل سلام تک پہنچ گیا تو اس نے قہقہہ مار دیا

حدیث کیا تو امام صاحب کے نزدیک مسبوقین کی نماز فاسد ہو جائے گی اور صاحبین کے نزدیک فاسد نہ ہوگی اور اگر محل سلام تک پہنچ کر امام نے کلام کیا یا مسجد سے نکل گیا تو بالاتفاق مسبوقین کی نماز بھی فاسد نہ ہوگی۔

صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ جواز و فساد کے اعتبار سے مقتدی کی نماز امام کی نماز پر مبنی ہوتی ہے جیسا کہ الاہام ضامن (الحدیث) میں بیان ہو چکا ہے۔ اور امام کی نماز فاسد نہیں ہوتی لہذا مقتدی کی نماز بھی فاسد نہیں ہوگی۔ مقتدی خواہ مسبوق ہو یا مدرک یا لاحق اور عمدہ حدیث اور قہقہہ سلام اور کلام کے مانند ہو گیا یعنی جس طرح مقدر تشبہ کے بعد امام کے سلام اور کلام سے مقتدی کی نماز فاسد نہیں ہوتی اسی طرح قہقہہ اور عمدہ حدیث سے بھی نماز فاسد نہ ہوگی۔

امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ امام کی نماز میں سے جس جزء سے متصل قہقہہ واقع ہو اس جزء کو اس نے فاسد کر دیا لہذا اس جزء کے لئے مقتدی کی نماز میں سے بھی فاسد ہوگا۔ کیونکہ مقتدی کی نماز امام کے نماز پر مبنی ہوتی ہے۔ اور جب مقتدی (مسبوق) کی نماز کا ایک جزء فاسد ہو گیا تو اب باقی نماز اس پر بنا نہیں کر سکتا کیونکہ فاسد جزء پر بنا کرنا بھی فاسد ہوتا ہے۔ حاصل یہ کہ مسبوق کی نماز کی بنا ممکن نہ ہوئی اس لئے نماز بھی تمام نہ ہو سکے گی بلکہ مسبوق کی نماز فاسد ہوگی۔

بال اتنی بات ضرور ہے کہ امام کو بنا کرنے کی احتیاج نہیں ہے کیونکہ اس کے ارکان سب پورے ہو چکے اب تو ختم کا وقت ہے اس لئے امام کی نماز پوری ہو چکی۔ اور اسی طرح مدرک مقتدیوں کی بھی پوری ہو چکی۔ اور رہا مسبوق تو وہ بنا کرنے کا محتاج ہے کیونکہ اس کی پوری نماز اول کی باقی ہے اور سابق میں گذر چکا کہ جس جزء پر بنا کرے گا وہ جزء قہقہہ کی وجہ سے فاسد ہے اور فاسد جزء پر بنا کرنا فاسد ہوتا ہے۔ اس لئے مسبوق کے واسطے بنا کرنا ممکن نہ ہوا۔ اور جب بنا کرنا ممکن نہ ہو تو نماز فاسد ہوگئی۔

بخلاف سلام کے کیونکہ سلام نماز کو پورا کرنے والا ہے نماز کو فاسد کرنے والا نہیں ہے اور کلام سلام کے ہم معنی ہے بایں طور پر کے امام در حقیقت قوم کے ساتھ دائیں اور بائیں جانب منہ کر کے کلام کرنا ہے کیونکہ سلام (السلام علیکم) میں کاف خطاب موجود ہے کلام ہونے پر دلالت کرتا ہے بہر حال جب کلام بھی سلام کے ہم معنی ہے تو کلام بھی نماز کو پورا کرنے والا ہوگا نہ کہ فاسد کرنے والا۔ پس اسی طرح سلام کے بعد مسبوق اپنی چھوٹی ہوئی نماز پوری کر سکتا ہے اسی طرح کلام کے بعد بھی پوری کر سکتا ہے۔

صاحب نہایہ نے امام ابو حنیفہ کی دلیل کو اس طرح قلمبند فرمایا ہے کہ حدیث اور قہقہہ دونوں موجبات تحریمہ میں سے نہیں ہیں بلکہ نعمات تحریمہ میں سے ہیں اس لئے یہ دونوں امام کی نماز کا وہ جزء فاسد کر دیں گے جس کے ساتھ متصل ہو کر ہو کر واقع ہوئے ہیں اور بعد امام کی نماز مقتدی کی نماز کو جواز اور فساداً منتظمین ہوتی ہے اس لئے مقتدی کی نماز سے بھی یہ جزء فاسد ہو جائے گا اور مسبوق چونکہ باقی نماز پوری کرنے کے لئے بنا کا محتاج ہے اور فاسد پر بنا کرنا فاسد ہوتا ہے اس لئے ان دونوں صورتوں میں مسبوقین کی نماز فاسد ہو جائے گی اور سلام اور خروج عن المسجد دونوں موجبات تحریمہ میں ہیں۔ سلام تو اس لئے موجب تحریمہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا تھا حللہا للسلیم اور خروج..... اس لئے کہ باری تعالیٰ شانہ نے فرمایا فاذا قضیت الصلوٰۃ فانتشروا فی الارض، پس جب یہ دونوں موجب تحریمہ ہیں تو مفید نماز نہیں ہوں گے بلکہ نماز کو پورا کرنے والے ہوں گے اور جب امام کی نماز پوری ہوگئی کوئی جزء فاسد نہیں ہو تو مسبوق بھی اپنی نماز کی بنا کر سکتا ہے۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ مقدار تشہد کے بعد امام کا قہقہہ علماء ثلاثہ کے نزدیک ناقض وضو ہے۔ امام زفر نے کہا کہ اس صورت میں نہیں ہے۔ امام زفر نے یہ قاعدہ بیان کیا ہے کہ قہقہہ اعادہ صلوٰۃ کو واجب کرتا ہے وہ ناقض وضو ہے اور جو اعادہ صلوٰۃ کو موجب ناقض وضو بھی نہیں ہیں۔ پس چونکہ اس صورت میں امام کا قہقہہ اعادہ نماز کا موجب نہیں ہے اس لیے ناقض وضو بھی نہیں ہوگا۔ دلیل یہ ہے کہ قہقہہ حرمت نماز میں پایا گیا ہے چنانچہ اگر اس حالت میں کوئی سہو ہو جاتا ہے تو اس پر سجدہ سہو واجب ہوتا اور قہقہہ نماز میں پایا جائے وہ ناقض وضو ہوتا ہے اس لئے یہ قہقہہ ناقض وضو ہوگا۔

رکوع اور سجدے میں حدیث لاحق ہو جائے نماز کا حکم

ومن احدث فی رکوعه او سجوده توجهاً وبنی ولا یعتد بالنی احدث فیها لان اتمام الرکن بالانتقال
الحدیث لا یتحقق فلا بد من الاعادة

ترجمہ..... اور جس شخص کو حدیث ہو اس کے رکوع میں یا سجدہ میں تو وضو کرے اور بنا کرے اور نثار کرے اس رکن کو جس میں حدیث ہو کیونکہ رکن کا اتمام اس رکن سے دوسرے رکن کی طرف منتقل ہونے سے ہے۔ اور حدیث کے ساتھ انتقال متحقق نہیں ہوتا اس رکن کا اعادہ ضروری ہے۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ کسی کو رکوع یا سجدہ کی حالت میں حدیث ہو انوار وہ منفرد ہو یا امام یا مقتدی تو اس کو چاہئے کہ وضو کر کے بنا اور جس رکن میں حدیث پیش آیا ہے اس کو شمار نہ کرے۔ دلیل یہ ہے کہ ایک رکن اس وقت مکمل ہوتا ہے جب کہ اس سے دوسرے طرف منتقل ہو جائے اور یہ انتقال فرض ہے اور حدیث کے ساتھ انتقال متحقق نہیں ہوتا کیونکہ منتقل الیہ (جس کی طرف منتقل ہوگا) نماز کا جزء ہے اور حدیث پیش آنے کے بعد نماز کا ایک جزء ادا کرنا بھی مفید ہے اس لئے اس رکن کا اعادہ ضروری ہوگا۔ مثلاً اگر رکوع میں ہو اتھا تو وضو کے بعد آکر رکوع ہی کرے۔

صاحب عنایہ نے لکھا ہے کہ قیاس کا تقاضہ تو یہ تھا کہ جس قدر نماز ادا کی ہے وہ سب فاسد ہو جائے لیکن ہم نے قیاس کو ان حدیث سے ترک کر دیا جو بنا نماز کے سلسلہ میں وارد ہوئی ہے۔ پس مقتضی قیاس اس رکن کا نولٹا اور فاسد ہونا باقی رہا جس میں حدیث لاحق ہو۔

امام کو رکوع سجدے میں حدیث لاحق ہو تو اس نے خلیفہ بنایا، خلیفہ نئے سرے سے رکوع سجدہ کرے
ولو كان اماما فقدم غيره وام المقدم على الركوع لانه يمكنه الاتمام بالالت

ترجمہ..... اور اگر یہ محدث امام تھا پس اس نے دوسرے کو خلیفہ کر دیا تو خلیفہ رکوع کی بیعت پر برابر رہے کیونکہ خلیفہ کو رکوع پورا رکھنے سے ممکن ہے۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ اگر یہ محدث امام تھا جس کو رکوع میں حدیث ہو اتھا پھر امام نے جھکے جھکے پھر کر دوسرے کو خلیفہ کر دیا تو اسے از سر نو رکوع کرنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ رکوع کی مقدار اسی رکوع میں ٹھہرا رہے۔ دلیل یہ ہے کہ جس فعل پر دوام کیا جاتا ہے استدامت (ٹھہرے رہنا) کو از سر نو شروع کرنے کا حکم ہو جاتا ہے پس یہاں بھی خلیفہ کے لئے استدامت سے رکوع پورا کرنا اس لئے کہا گیا کہ وہ رکوع میں بقدر رکوع ٹھہرا رہے۔ از سر نو رکوع کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔

نمازی کو رکوع یا سجدہ میں یاد آیا کہ اس پر رکوع یا سجدہ باقی ہے اس کے لئے کیا حکم ہے

ولو نذکر وهو راکع او ساجد ان علیہ سجدة فینحط من رکوعہ لہا او رفع رأسہ من سجودہ فسجدہا یعد
لرکوع والسجود وهذا بیان الاولی لتقع الافعال مرتبة بالقدر الممكن وان لم یعد اجزأہ لان الترتیب فی
افعال الصلوٰۃ لیس بشرط و لان الانتقال مع الطہارۃ شرط وقد وجد وعن ابی یوسف انه یلزمہ اعادۃ
الرکوع لان القومۃ فرض عندہ

ترجمہ۔ اور اگر مصلی نے یاد کیا اس حالت میں کہ وہ رکوع کرنے والا یا سجدہ کرنے والا ہے اس بات کو کہ اس پر سجدہ باقی ہے پس وہ
کون سے سجدہ قضاء کے واسطے جھکا یا اپنا سر اس سجدہ سے اٹھا کر قضاء کا سجدہ کیا تو رکوع اور سجود کا اعادہ کرے گا۔ اور یہ بیان اولیٰ ہے تاکہ حتی
لامکان افعال ترتیب وارد ہوں۔ اور اگر اس نے رکوع یا سجود کا اعادہ نہ کیا تو بھی اس کو کافی ہے کیونکہ ترتیب نماز کے افعال میں شرط نہیں
ہے اور اس لئے کہ طہارت کے ساتھ منتقل ہونا شرط ہے اور وہ پایا گیا اور ابو یوسف سے روایت ہے کہ مصلیٰ مذکور پر رکوع کا اعادہ لازم ہے
یونکہ ابو یوسف کے نزدیک قومہ فرض ہے۔

تشریح۔ صورت مسئلہ یہ ہے کہ مصلیٰ نے رکوع کی حالت میں یاد کیا کہ اس پر سجدہ باقی ہے یا سجدہ کی حالت میں یاد کیا کہ اس پر
سجدہ باقی ہے خواہ سجدہ تلاوت ہو یا سجدہ نماز ہو۔ پس اگر اس نے رکوع میں یاد کیا اور رکوع ہی سے اس کی قضاء کے واسطے جھک گیا اور سجدہ
قضاء کیا اور اگر سجدہ کی حالت میں اس کو سجدہ قضاء یاد آیا اور اس نے سجدہ موجودہ سے سر اٹھا کر سجدہ قضاء کیا تو جس رکوع یا سجدہ میں یاد
رکے قضاء کا سجدہ کیا ہے اس رکوع اور سجود کا اعادہ کرے۔ اور یہ اعادہ کرنا اولیٰ اور مستحب ہے تاکہ جہاں تک ممکن ہوں افعال ترتیب
کے ساتھ آدھوں۔ یعنی موجودہ رکوع سے سجدہ قضاء مقدم کرنا ممکن ہے۔ اس لئے اس کو مقدم کرنا اولیٰ ہے اور اگر اس نے رکوع اور سجود کا
اعادہ نہیں کیا تب بھی درست ہے کیونکہ جس رکوع اور سجود میں سجدہ قضاء یاد آتا تھا وہ حقیقت میں تو ہو گیا اعادہ صرف ترتیب کے پیش نظر تھا
مگر چونکہ نماز کے افعال میں ترتیب شرط ہے اس لئے ترتیب افعال نہ پائے جانے کی وجہ سے نماز میں کوئی حرج واقع نہیں ہوگا۔ افعال
میں ترتیب شرط نہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ مسبوق اپنی نماز اس جگہ سے شروع کرتا ہے جہاں سے امام کو پاتا ہے پھر امام کے سلام پھرنے
کے بعد اول نماز جو چھوٹی ہوئی ہے اس کو ادا کرتا ہے گویا مسبوق نے آخر نماز کو پہلے ادا کیا اور اول نماز کو بعد میں ادا کیا پس اگر ترتیب شرط
اولیٰ مسبوق کے لئے غدر جماعت کی وجہ سے اس کا ترک کرنا جائز نہ ہوتا۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ رکوع یا سجود جس میں سجدہ قضاء یاد کیا ہے اس سے دوسرے رکن کی طرف طہارت کے ساتھ منتقل ہونا شرط ہے
اب یہ غسل رکوع سے سیدھا سجدہ میں چلا گیا یا سجدہ سے سر اٹھا کر قضاء کے لئے سجدہ کیا تو طہارت کے ساتھ منتقل ہونا پایا گیا لہذا وہ رکوع یا
سجدہ جس میں قضاء کا سجدہ یاد آیا تھا اداء ہو گیا اس کے علاوہ کی چنداں ضرورت نہیں رہی۔

امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ اگر رکوع سے سر اٹھائے بغیر سیدھا سجدہ میں چلا گیا تو اس پر رکوع کا اعادہ لازم ہے۔ دلیل یہ
ہے کہ امام ابو یوسف کے نزدیک قومہ یعنی رکوع سے سر اٹھانا فرض ہے پس جب اس نے رکوع سے سر نہیں اٹھایا بلکہ رکوع سے سیدھا
سجدہ میں چلا گیا تو اس نے فرض چھوڑ دیا اور جب فرض یعنی قومہ ترک کر دیا تو رکوع بھی ادا نہیں ہوا۔ اور جب رکوع اداء نہیں ہوا تو

اس کا اعادہ لازم ہوگا۔

ایک ہی شخص کی امامت کر رہا تھا اور اسے حدت لاحق ہو گیا اور مسجد سے نکل گیا تو مقتدی امام ہے خواہ امام اول نے خلیفہ بنانے کی نیت کی ہو یا نہیں

ومن ام رجلا واحدا فاحداث وخرج من المسجد فالمأموم امام نوبی اولم ینو لما فیہ من صیانة الصلاة تعین الاول لقطع المزاحمة ویتم الاول صلاته مقتدیا بالثانی کما اذا استخلفه حقیقة ولو لم یکن خلفا صبی او امرأة قیل تفسد صلاته لاستخلاف من لا یصلح للامامة وقیل لا تفسد لانه لم یوجد الاستخلاف قصدا و هو لا یصلح للامامة والله اعلم

ترجمہ..... اور جس مرد نے امامت کی کسی ایک مرد کی پھر امام کو حدت ہو اور وہ مسجد سے نکل گیا تو مقتدی امام ہے خواہ امام اول نے خلافت کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو کیونکہ اس میں نماز کی حفاظت ہے اور امام اول کا (کسی کو) متعین کرنا مزاحمت قطع کرنے کے لئے یہاں کوئی مزاحمت نہیں ہے اور امام اول اپنی نماز کو پورا کرے دوسرے کی اقتداء کر کے جیسا کہ جب اس کی حقیقتہً خلیفہ کرتا۔ اور محدث کے پیچھے کوئی نہ ہو اسوائے بچہ کے یا عورت کے تو کہا گیا کہ امام کی نماز فاسد ہو جائے گی کیونکہ اس شخص کو خلیفہ بنایا گیا جو امام کے لائق نہیں ہے اور کہا گیا کہ امام محدث کی نماز فاسد نہ ہوگی کیونکہ قصد خلیفہ کرنا نہیں پایا گیا اور وہ امامت کے لائق نہیں ہے۔ اور تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک مرد نے دوسرے ایک مرد کی امامت کی پھر امام کو حدت ہو گیا اور وہ مسجد سے نکل گیا تو مقتدی ہوگا خواہ امام اول نے اس کی خلافت کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو بشرطیکہ وہ امامت کا اہل ہو۔ عبارت میں ایک احتمال یہ بھی ہے کہ اس نے خلیفہ ہونے کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو۔ دلیل یہ ہے کہ اس صورت میں یعنی مقتدی کے امام متعین ہونے میں مقتدی کی نماز کی نیت ہے اس لئے کہ اگر امام متعین نہ ہو تو امامت کی جگہ امام سے خالی رہے گی اور امامت کی جگہ امام سے خالی ہونا مقتدی کی نماز کو فاسد ہے اس لئے ہم نے کہا کہ صورت مذکورہ میں مقتدی خود بخود امام مقرر ہو جائے گا۔

وتعین الاول سے اعتراض کا جواب ہے۔ اعتراض: یہ ہے کہ تعین (متعین ہونا) بغیر تعین (متعین کئے بغیر) متحقق نہیں ہو سکتا ہے؟ جواب: یہ ہے کہ امام محدث نے مقتدی کو امامت کے لئے متعین نہیں کیا ہے لہذا مقتدی امام کس طرح ہو سکتا ہے؟ حکماً موجود ہوگی۔ اور جب حکماً تعین موجود ہے تو ایسا ہو گیا ہو گیا امام محدث نے اس کو خلیفہ مقرر کیا ہے اب یہ امام محدث اپنی نماز کی اقتداء کر کے پوری کرے جیسے کہ اگر یہ اس کو حقیقتہً خلیفہ کرتا تو اس کی اقتداء کر کے پوری کرتا۔

اور اگر امام محدث کے پیچھے نابالغ بچہ یا عورت کے علاوہ کوئی نہ ہو تو اس بارے میں مشائخ کا اختلاف ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ نماز فاسد ہو جائے گی کیونکہ اس نے اس شخص کو خلیفہ مقرر کیا ہے جو امامت کا اہل نہیں ہے پس جب بچہ یا عورت امامت کے لئے ہو گئی اگرچہ حکماً ہے امام محدث اس کی اقتداء کرنے والا ہوگا۔ اور قاعدہ ہے کہ جو شخص ایسے آدمی کی اقتداء کر کے جو امامت کا اہل ہے اس کی نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ اور بعض مشائخ نے کہا کہ امام محدث کی نماز فاسد نہ ہوگی کیونکہ نماز کا فاسد ہونا تو مقتدی کے خلیفہ

پر موقوف ہے اور وہ یہاں پایا نہیں گیا کیونکہ استخفاف (خلیفہ کرنا) حقیقتہً ہو گیا یا حکماً ہوگا۔ اور یہاں دونوں میں سے کوئی موجود نہیں ہے۔ حقیقتہً تو اس لئے نہیں کہ امام محدث کی طرف سے قصد خلیفہ کرنا نہیں پایا گیا۔ اور حکماً اس لئے نہیں کہ بچہ یا عورت امامت کی صلاحیت نہیں رکھتے۔

پس جب ان دونوں میں امامت کی صلاحیت نہیں تو حکماً خلیفہ بھی نہیں ہو سکتے۔ پس جب نہ حقیقتہً کرنا پایا گیا اور نہ حکماً تو امام محدث کی نماز بھی فاسد نہ ہوگی کیونکہ امام کی نماز کا فاسد ہونا مقتدی کے خلیفہ ہو جانے پر مبنی ہے۔ واللہ علم بالصواب۔ جمیل احمد

باب ما یفسد الصلوٰۃ وما یکرہ فیہا

ترجمہ..... (یہ) باب ان چیزوں کے بیان میں جو نماز کو فاسد کرتی ہیں اور جو نماز میں مکروہ ہیں

تشریح..... گزشتہ باب میں ان عوارض کا ذکر کیا گیا جو نماز میں غیر اختیاری طور پر پیش آتے ہیں اور اس باب میں ان عوارض کا بیان ہے جو نماز میں نمازی کے اختیار سے عارض ہوتے ہیں۔ حاصل یہ کہ گزشتہ باب میں غیر اختیاری عوارض کا بیان تھا اور اس باب میں اختیاری عوارض کا بیان ہے۔

نماز میں کلام کرنے سے خواہ عمداً ہو یا نسیاناً نماز باطل ہوگی یا نہیں، اقوال فقہاء و دلائل

ومن تکلم فی صلوٰتہ عامدا او ساهیا بطلت صلوٰتہ بخلاف الشافعی فی الخطاء والنسیان و مفزعه الحدیث المعروف ولنا قوله علیہ السلام ان صلاتنا ہذہ لا یصلح فیہا شیء من کلام الناس وانما ہی التسیب والتہلیل و قراءۃ القرآن و مارواہ محمود علی رفع الائم بخلاف السلام ساهیا لانہ من الاذکار فیعتبر ذکرنا فی حالۃ النسیان و کلاما فی حالۃ التعمد لما فیہ من کاف الخطاب

ترجمہ..... اور جس شخص نے اپنی نماز میں کلام کیا خواہ عمدہً خواہ سہواً تو اس کی نماز باطل ہوگی خطا اور نسیان کے اندر امام شافعی کا اختلاف ہے اور امام شافعی کا مجاہدیت معروف ہے۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہماری یہ نماز اس میں لوگوں کے کلام سے کچھ لائق نہیں ہے اور یہ تو فقط تسبیح، تہلیل اور قرأت قرآن ہے۔ اور حدیث جس کو امام شافعی نے روایت کیا ہے وہ گناہ دور ہونے پر محمول ہے بخلاف سہواً اسلام کے کیونکہ وہ اذکار نماز میں سے ہے۔ پس سلام کو حالت نسیان میں ذکر اعتبار کیا جائے گا اور حالت عمدہ میں کلام، کیونکہ اس میں کاف خطاب ہے۔

تشریح..... جو کہتے ہیں قوت نذر کہ سے صورت کا زائل ہو جانا اور نسیان قوت حافظہ سے صورت کا زائل ہو جانا ہے۔ یہاں تک کہ کسب ہدیکہ متان ہو اور خطا یہ ہے کہ صورت تو باقی ہے لیکن جب ایک چیز کے تکلم کا ارادہ کیا تو بغیر ارادے کے دوسری چیز زبان سے نکل گئی اس جگہ سہو سے عام معنی مراد ہیں جو تینوں قسموں کو شامل ہوں گے اور چونکہ سہو اور نسیان کے درمیان حکم شرعی میں کوئی فرق نہیں ہے اس لئے مصنف علیہ الرحمۃ نے بھی ان دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا۔

مسئلہ..... اگر کسی شخص نے اپنی نماز میں عمداً یا سہواً کلام کیا تو اس کی نماز باطل ہوگی۔ کلام مفید معنی حرفی آواز کو کہتے ہیں کبھی ایک حرف کافی

ہوتا ہے جیسے ق یعنی بیچ اور اگر ایک حرف بے معنی ہو تو کلام نہیں۔ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک خطا اور نسیان کی صورت میں کلام نماز نہیں ہے بشرطیکہ طویل نہ ہو۔ کیونکہ طویل کالم خطا اور نسیان کے منافی ہے۔ امام شافعیؒ کا مسئلہ حدیث معروفہ رفع عن الخطا والنسیان یعنی میری امت سے خطا اور نسیان کو دور کر دیا گیا۔ وجہ استدلال یہ ہے کہ حکم کی دو قسمیں ہیں۔ دنیوی (مذہب ہونا) اور اخروی (گناہ گار ہونا) تو گویا حضور ﷺ نے فرمایا کہ میری امت سے خطا اور نسیان کا حکم دنیوی اور اخروی دونوں کو ملتا ہے یعنی ان دونوں سے نہ کوئی چیز فاسد ہوگی اور نہ ہی آخرت میں گناہ گار ہوگا۔

صاحب عنایہ نے لکھا ہے کہ وجہ استدلال یہ ہے کہ ان دونوں کی حقیقت تو غیر مرفوع ہے کیونکہ یہ دونوں بین الناس موجود ہیں۔ کالم یعنی مفسد ہونا مرفوع ہوگا۔

ہماری دلیل معاویہ بن الحکم اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے پورہ حدیث اس طرح ہے کہ،

قال صلیت خلف رسول اللہ ﷺ فعضت بعض القوم فقلت یرحمک اللہ فرمائی القوم بابصارہم فقلت واثکل اماہ مالی اراکم تنظرون الی شذرا فضربوا بایدیہم علی افخاذہم فعلم انہم یسکتوننی فلما فرغ النبی ﷺ دعانی فواللہ ما رأیت معلما احسن تعلیما منہ ما کھرنی ولا زجوننی ولکن قال ان صلاتنا ہذہ لا یصلح فیہا شیء من کلام الناس و انما ہی التسیح والتہلیل و قراءۃ القرآن

ترجمہ..... معاویہ بن حکم کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی پس کسی نے چھینکا تو میں نے یہ حسک اللہ پس لوگ مجھ کو اپنی تیز نظروں دیکھنے لگے پس میں نے کہا اس کی اس کو گم کرے مجھے کیا ہو گیا کہ میں تم کو دیکھتا ہوں کہ تم اپنی کڑی نظروں سے دیکھ رہے ہو۔ پس انہوں نے اپنی ران پر اپنا ہاتھ مارا پس میں سمجھ گیا کہ یہ لوگ مجھ کو خاموش کرنا چاہتے ہیں جب حضور ﷺ فارغ ہو گئے تو مجھ کو بلایا بخدا میں نے آپ سے اچھا معلم نہیں دیکھا نہ مجھ کو آپ نے جھڑکا اور نہ مجھ کو ڈانڈا۔ کہ ہماری اس نماز میں لوگوں کے کلام میں سے کوئی چیز لائق نہیں ہے یہ تو فقط تسبیح، تہلیل اور قراءۃ قرآن ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز میں کلام کا نہ ہونا نماز کا حق ہے جس طرح کہ طہارت کا پایا جانا نماز کا حق ہے پس جس طرح حدیث کے ساتھ نماز جائز نہیں ہوتی اسی طرح وجود کلام کے ساتھ بھی جائز نہیں ہوگی امام شافعیؒ کی پیش کردہ حدیث کا جواب یہ ہے کہ رفع عن امتی الخطا والنسیان، رفع اتم پر محمول ہے حاصل یہ ہے کہ حدیث میں حکم آخرت یعنی گناہ بالا جماع مراد ہے دنیوی یعنی مفسد ہونا بھی مراد لیا جائے تو عموم مشترک لازم آئے گا حالانکہ عموم مشترک جائز نہیں ہے "بخلاف السلام" سے امام شافعیؒ قیاس کا جواب ہے۔

قیاس کا حاصل یہ ہے کہ سلام کلام کے مانند ہے کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک قاطع نماز ہے اور سلام کے حق میں نماز کے درمیان تفصیل ہے یعنی سبوا سلام مفسد نہیں اور عمد مفسد ہے پس یہی تفصیل کلام میں بھی ہونی چاہئے تھی یعنی سبوا کلام مفسد ہے عمد اکلام مفسد ہوتا ہے۔

حاصل جواب یہ ہے کہ سلام من کل وجہ کلام کے مانند نہیں ہے کیونکہ سلام تو اذکار نماز سے ہے حتیٰ کہ التعمات میں مذکور ہے۔

عک ایسا النبی الخ اور سلام باری تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے ہے البتہ سلام نے کاف خطاب کی وجہ سے کلام کا حکم لے لیا۔ حاصل یہ ہوا کہ السلام علیک من وجد ذکر ہے اور من وجد کلام ہے پس ہم نے دونوں وجہوں پر عمل کیا اور کہا اگر سلام ناسیا ہے تو وہ اذکار کے ساتھ اذکار ہوگا۔ اور نماز فاسد نہیں ہوگی اور اگر عمدہ ہے تو کلام کے ساتھ لاحق ہو گیا۔ اور نماز فاسد ہو جائے گی۔

نماز میں کراہنا اور رونا خواہ خشیت سے ہو یا تکلیف اور درد سے مفسد صلوٰۃ ہے یا نہیں

فان ان فیہا او تاوۃ او بکی فارفع بکاوہ فان کان من ذکر الجنة او النار لم یقطعہا لانہ یدل علی زیادۃ الخشوع وان کان من وجع او مصیبة قطعہا لان فیہ اظہار الجزع و التأسف فکان من کلام الناس وعن ابی یوسف ان قوله اہ لم یفسد فی الحالین و اوہ یفسد و قیل الاصل عنہ ان الکلمۃ اذا اشتملت علی حرفین و ہما زائدتان او احداهما لا تفسد و ان کانتا اصلیتین تفسد و حروف الزوائد جمعوا فی قولہم "الیوم تنسأ" و هذا لا یقوی لان کلام الناس فی متفاهم العرف یتبع وجود حروف الہجاء و افہام المعنی و یتحقق ذلک فی حروف کلہا زوائد

ترجمہ۔ اور اگر نماز میں کوئی کراہا یا آہ کیا یا رو دیا پس اس کا رونا بلند ہو ایسے اگر یہ جنت یا دوزخ کے ذکر سے ہے تو نماز کو قطع نہیں کرے گا کیونکہ یہ خشوع کی زیادتی پر دلیل ہے اور اگر درد یا مصیبت کی وجہ سے ہے تو نماز کو قطع کر دینا کیونکہ اس میں جزع اور تاسف کا اظہار ہے تو کلام الناس میں سے ہو گیا۔ اور ابو یوسف سے مروی ہے کہ آہ کہنا دونوں حالتوں میں مفسد نہیں ہے اور وہ مفسد ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ ابو یوسف کے نزدیک اصل یہ ہے کہ کلمہ جب دو حرفوں پر مشتمل ہو اور وہ دونوں زائد ہوں۔ یا ان دونوں میں ایک زائد ہو تو نماز فاسد نہیں ہوگی اور اگر دونوں اصلی ہوں تو فاسد ہو جائے گی اور حروف زوائد کو اہل لغت نے اپنے قول الیوم تنسأ میں جمع کیا ہے اور یہ اصل قوی نہیں کیونکہ کلام الناس ہونا عرف کی اصطلاح میں تابع ہوتا ہے حروف ہجاء کے پائے جانے اور معنی سمجھانے کے اور یہ متحقق ہو جاتا ہے ایسے حروف میں کہ وہ سب کے سب زائد ہوں۔

ترجمہ۔ انین ہٹلائے درد کی آواز جسکو اردو میں کراہنا کہتے ہیں اور بعض حضرات نے کہا کہ انین آہ کہنا اور تاوہ او کہنا اور ارتقاع باہ ہے کہ اس سے حروف پیدا ہو جائیں حاصل مسئلہ یہ کہ نماز میں کراہنا یا آہ کہنا یا رونا اس طور پر ہو کہ اس سے حروف پیدا ہو جائیں ان کے ساتھ ہر ایک جنت یا دوزخ کرے ذکر کی وجہ سے ہو گا یا درد یا کسی اور مصیبت کی وجہ سے پس اگر اول ہے یعنی جنت یا دوزخ کے ذکر کی وجہ سے رو یا آہ کہنا تو نماز فاسد نہیں ہوگی کیونکہ یہ خشوع کی زیادتی پر دلیل ہے اور چونکہ نماز میں خشوع ہی مطلوب ہے اس لئے خشوع کی زیادتی مفسد نماز کیسے ہو سکتی ہے۔

دوسری دلیل یہ کہ اگر یہ شخص صراحتاً اللہم انی اسألک الجنة و اعوذ بک من النار کہتا تو نماز فاسد نہ ہوتی پس کتنا یہ کی صورت میں بدرجہ اولیٰ نماز فاسد نہ ہوگی اور اگر ثانی ہے یعنی یہ باتیں درد یا کسی مصیبت کی وجہ سے پیدا ہوئیں تو نماز فاسد ہو جائے گی یہی قول امام مالک اور امام احمد کا ہے کیونکہ اس میں جزع اور تاسف کا اظہار ہے اس وجہ سے یہ کلام الناس میں سے ہو گیا اور کلام الناس مفسد نماز ہے لہذا یہ بھی مفسد نماز ہوگا۔ دوسری بات یہ کہ یہ شخص اگر درد اور مصیبت کا اظہار بصر اہت کرتا مثلاً کہتا انسی مصاب خدا یا

میرے مدد کر میں مصیبت زدہ ہوں تو اس کی نماز فاسد ہو جاتی۔ پس اسی طرح دالۃ اور کنایۃ جزع اور تناسف کے اظہار سے نماز ہو جائے گی۔

دونوں صورتوں پر یہ اثر بھی مستدل ہوگا سئلت عاشتہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا عن الانین فی الصلوٰۃ فقالت ان کا خشیہ اللہ تعالیٰ لا یتفسد صلاتہ وان کان من الالم تفسد وقال علیہ السلام طوبی للکائین فی ال صلوات اللہ تعالیٰ عنہا سے نماز کے اندر کر اپنے اور آہ و بکا کے سلسلہ میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر یہ خشیت خداوندی سے ہے تو نماز فاسد نہیں ہوگی اور اگر درد و الم کی وجہ سے ہے تو نماز فاسد ہو جائے گی اور حضور ﷺ نے فرمایا کہ نماز کے اندر روئے کے لئے خوشخبری ہو۔ امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ آہ (ہمزہ کے تحت اور ہاء کے جزم کے ساتھ) کہنا دونوں حالتوں میں مفسد نماز خواہ جنت یا دوزخ کے ذکر سے ہو یا درد اور مصیبت کی وجہ سے اور اوہ کہنا مفسد ہے۔

بعض حضرات نے کہا کہ امام ابو یوسف کے نزدیک ضابطہ یہ ہے کہ جب کلمہ دو حرفوں پر مشتمل ہو اور وہ دونوں حرف زوائد میں ہوں یا ان میں سے ایک حرف زوائد میں سے ہو تو نماز فاسد نہ ہوگی اور اگر دونوں حرف اصلی ہوں تو نماز فاسد ہو جائے گی وہاں ہے کہ کلام عرب کی بنیاد تین حرفوں پر ہوتی ہے۔ کیونکہ ایک حرف کی ضرورت تو اس لئے پیش آئے گی کہ اس سے ابتداء کی جائے اور ایک کی اس لئے کہ اس پر وقف کیا جائے اور ایک حرف ان دونوں کے درمیان فصل کرنے کے لئے ہوگا پس حرف واحد تو اقل جملہ پر لفظ کلمہ یا کلام کا اطلاق نہیں ہوگا اور دو حرف اگر ان میں سے ایک زائد ہو تو حرف اصلی کی طرف نظر کرتے ہوئے اس کی بنا بھی حرف پر رہے گی اور اگر دو حرف اصلی ہیں تو تین حرف میں سے اکثر پائے گئے اور اکثر کل کے قائم مقام ہوتا ہے لہذا وہ اصلی حرف کلمہ کا تلفظ نماز کو فاسد کر دے گا۔

پس اس ضابطہ کے مطابق آہ کہنا مفسد نماز نہیں ہے کیونکہ یہ کلمہ دو حرفوں (ہمزہ ہاء) پر مشتمل ہے اور دونوں حرف زوائد میں سے ہیں اور اوہ کہنا نماز کو فاسد کر دے گا کیونکہ اس میں دو حرفوں سے زائد حرف ہیں اور دو حرفوں سے زوائد میں ان کے اصلی اور زوائد کلمہ ہونے کی طرف نظر نہیں کی جاتی بلکہ دو حرفوں سے زائد حرفوں پر مشتمل کلمہ مطلقاً نماز کو فاسد کر دے گا خواہ وہ سب کے سب حرفوں میں سے کیوں نہ ہوں۔

فاضل مصنف نے کہا کہ حرف زوائد کو اہل لغت نے اپنے قول الیوم تنساہ میں جمع کر دیا ہو۔ شیخ رضی نے حرف زوائد پر ایک واقعہ نقل کیا ہے واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ ایک شاگرد نے اپنے استاد سے حرف زوائد پوچھا تھا۔ استاد صاحب نے جواب دیا مسئلہ یہاں شاگرد یہ کہا کہ استاد نے ماسبق میں بتائے ہوئے کلام کی طرف اشارہ کیا اور نقل میں نہ میں نے سوال کیا تھا ورنہ استاد نے کچھ جواب دیا تھا اس لئے فوراً اس نے کہا ما سئلت فقط کہ حضرت میں نے آپ کو کبھی پوچھا بھی نہیں۔ پھر استاد نے جواب دیا۔ الیوم تنساہ شاگرد یہ سمجھا کہ "ظاہر ہے اس کے معانی مراد لے رہے ہیں یعنی شاگرد یہ سمجھ کر استاد صاحب میرے قصور حافظہ کو عذر بنا کر "لنا چاہتے ہیں کہ اگر میں تم کو بتاؤں تو آج بھول جاؤ گے اس لئے نے برجستہ کہا واللہ لا انساہ، جب استاد صاحب نے دیکھا کہ شاگرد کے لئے اشارہ نا کافی ہے تو پھر تنبیہ فرمائی اور کہا یا اللہ اجبتک موتین۔

دھندلا یا بقوی الخ سے کہتے ہیں جو اصول امام ابو یوسف کے نزدیک بیان فرمایا ہے۔ وہ قوی نہیں ہے کیونکہ مفسد نماز کا ام الناس ہے اور عرف عام میں کلام الناس ہونا دو باتوں کے تابع۔ اول یہ کہ حروف بجائے جائیں حتیٰ کہ اگر مصلیٰ کی آواز میں کوئی حرف ہی نہ ہو بالاتفاق مفسد نہیں ہے، دوم یہ کہ وہ حروف بجا مفید معنی ہوں حتیٰ کہ اگر وہ حروف مفید معنی نہ ہوں تو مفسد نماز نہ ہوگا۔

اور یہ بات مسلم ہے کہ کلام ہونا اس وقت بھی متحقق ہو جاتا ہے جب کہ اس کے تمام حروف زوائد میں سے ہوں مثلاً کسی نے کہا کہ لے الیوم سالتنمو نیہاء اس جملہ میں مبتداء و خبر کی ترکیب ہے اور اس کلام کے تمام حروف زوائد میں سے ہیں اس کے باوجود مفسد نماز ہے۔ جس معلوم ہوا کہ مطلقاً کلام مفسد نماز ہے حروف زوائد پر مشتمل ہو یا حروف اصلی پر۔ مگر صاحب نہایہ نے جواب میں فرمایا کہ امام ابو یوسف کا کلام دو حرفوں میں ہے یعنی اگر کلام دو حرف زائد پر مشتمل ہو تو وہ مفسد نماز نہیں ہوگا اور اگر دو حرفوں سے زائد حروف پر مشتمل ہو تو وہ دو حرف زوائد میں سے ہوں تو امام ابو یوسف کا قول بھی طرفین کے قول کے مانند ہے یعنی نماز فاسد ہو جائے گی۔

نماز میں کھانا عذر سے ہو یا بغیر عذر کے اسی طرح چھینکنے اور ڈکار لینے کا کیا حکم ہے

ان لنسحح بعذر بان لم یکن مدفوعاً الیہ و حصل بہ الحروف بنبعی ان یفسد عندہما وان کان بعذر لیس عنہ کالعطاس والحشاء اذا حصل بہ حروف

ترجمہ۔ اور اگر مصلیٰ نے تسبیح کیا بغیر عذر کے یا اس طور کو مدفوع الیہ نہ ہو اور اس سے حروف پیدا ہو جائیں تو مناسب یہ ہے کہ طرفین کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے اور تسبیح عذر کی وجہ سے ہو تو یہ معاف ہے جیسے چھینکنے اور ڈکار جب کہ اس سے حروف پیدا ہو جائیں۔
تشریح۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر مصلیٰ نے تسبیح کیا یعنی کھٹکھٹا اور اس کی وجہ سے حروف بھی پیدا ہو گئے مثلاً ا ح (بالتسبیح یا بالضم) کہا تو اس کی صورت میں عذر کی وجہ سے ہوگا یا بغیر عذر کے۔ اگر بغیر عذر کے ہو یعنی اضطراری نہ ہو بلکہ اختیاری ہو تو طرفین کے نزدیک نماز فاسد نہ رہتا ہے اور اگر عذر کی وجہ سے ہے تو یہ معاف ہے یعنی نماز فاسد نہ ہوگی جیسے چھینکنے اور ڈکار سے نماز فاسد نہیں ہوتی اگرچہ اس سے اول بجا ظاہر ہو جائیں۔

نماز میں چھینکنے کا جواب دینا مفسد صلوٰۃ ہے

یسر عطس فقال لہ آخیر حمک اللہ و هو فی الصلوٰۃ فسدت صلوٰتہ لانہ یجری فی مخاطبات الناس لکنان من کلامہم بخلاف ما اذا قال العاطس او السامع الحمد للہ علی ما قالوا لانہ لم یتعارف جو اباً

ترجمہ۔ اور اگر کسی کو چھینکنے آئی پھر اس سے دوسرے نے جو نماز پڑھتا ہے کہا سر حمک اللہ تو اس کی نماز فاسد ہو گئی۔ کیونکہ یہ اس کے مخاطبات میں جاری ہوتا ہے لہذا یہ لوگوں کے کلام سے ہوگا۔ برخلاف اس کے جب چھینکنے والے مصلیٰ یا سننے والے مصلیٰ نے کہا الحمد للہ اس بناء پر جو مشائخ نے کہا کیونکہ الحمد للہ کہنا جواب متعارف نہیں ہے۔

تشریح۔ مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص کو چھینکنے آئی پس دوسرے آدمی نے جو نماز پڑھتا ہے سر حمک اللہ کہا تو اس قائل کی نماز فاسد ہو گئی کیونکہ سر حمک اللہ میں کاف خطاب او ہے اور لوگوں میں یہ بول چال جاری بھی ہے۔ اس لئے یہ کلام الناس کے قبیل سے ہوگا اور

کلام الناس مفسد نماز ہے لہذا یہ بھی مفسد نماز ہوگا۔ اس کے برخلاف اگر چھینکنے والے مصلی نے یا سننے والے مصلی نے الحمد للہ مشائخ کے قول کے مطابق مفسد نماز نہ ہوگا کیونکہ الحمد للہ کہنا عرف میں جواب شمار نہیں ہوتا بلکہ یہ ذکر اللہ ہے اور ذکر اللہ نماز کا کرتا اس وجہ سے کہا گیا کہ الحمد للہ کہنے سے نماز فاسد نہیں ہوگی۔

صاحب عنایہ نے محیط کے حوالہ سے لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ سے ایک روایت یہ ہے کہ چھینکنے والا اپنے دل میں الحمد للہ اپنی زبان کو حرکت نہ دے اگر اس نے اپنی زبان کو حرکت دی تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

نمازی کا اپنے امام کے علاوہ کو لقمہ دینے کا حکم

وان استفتح ففتح علیہ فی صلاتہ تفسد ومعناہ ان یفتح المصلی علی غیر امامہ، لانہ تعلیم و تعلم، فکلام الناس ثم شرط التکرار فی الاصل لانہ لیس من اعمال الصلوٰۃ فیعضی القلیل منه و لم یشتروا الجامع الصغیر لان الکلام بنفیہ قاطع وان قل

ترجمہ..... اور اگر کسی نے لقمہ چاہا پس مصلی نے اپنی نماز میں لقمہ دیا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اس قول کے معنی یہ ہے کہ منہ اپنے امام کے علاوہ دوسرے کو لقمہ دیا۔ کیونکہ یہ سکھانا اور سیکھنا ہے اس لئے یہ کلام الناس سے شمار ہو گیا پھر امام محمد نے مبسوط میں شرط لگائی ہے کیونکہ یہ فعل اعمال صلوٰۃ میں سے نہیں ہے اس لئے اس کا قلیل معاف ہوگا۔ اور جامع صغیر میں یہ شرط نہیں ہے کیونکہ بذات خود مفسد نماز ہے اگرچہ قلیل ہو۔

تشریح..... استفتاح لقمہ طلب کرنا اور مد طلب کرنا اللہ تعالیٰ نے فرمایا استفتحون ای یستسفرون عقلی اعتبار سے استفتاح قسمیں ہیں۔ اس لئے کہ لقمہ لینے والا اور لقمہ دینے والا یا دونوں نماز میں نہیں ہوں گے اور یا دونوں نماز میں ہوں گے یا مستفتح لینے والا نماز میں ہوگا نہ کہ فاتح (لقمہ دینے والا) یا اس کے ابرعکس ہوگا یعنی فاتح (لقمہ دینے والا) نماز میں ہو اور مستفتح (نماز والا) نماز میں نہ ہو۔ پہلی صورت یعنی جب دونوں نماز میں نہ ہوں تو ہماری بحث سے خارج ہے اور دوسری قسم یعنی جب دونوں ہوں تو اس کی دو صورتیں ہیں یا تو دونوں کی نماز متحدہ ہوگی یا اس طور۔ مستفتح یعنی لقمہ لینے والا امام ہو اور فاتح یعنی لقمہ دینے والا ہو۔ یا دونوں کی نماز متحدہ ہوگی پہلی صورت کو اگلی سطروں میں ذکر کریں گے۔ اور دوسری صورت میں یعنی جب دونوں کی نماز متحدہ ان دونوں میں سے ہر ایک کی نماز فاسد ہو جائے گی مستفتح کی بھی اور فاتح کی بھی کیونکہ یہ تعلیم اور تعلم ہے یعنی فاتح نے تعلیم متفتح نے تعلم کیا یعنی سیکھا پس اس تعلیم و تعلم کی وجہ سے یہ کلام الناس سے ہو گیا اور کلام الناس مفسد نماز ہوتا ہے اس لئے یہ دونوں کے لئے مفسد ہوگا۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ امام محمد نے مبسوط میں لکھا ہے کہ اگر لقمہ دینے میں تکرار پایا گیا تو اس کی نماز فاسد ہوگی اور اگر تکرار فاسد نہ ہوگی۔ اور دلیل یہ ذکر کی کہ لقمہ دینا ایک عمل ہے جو اعمال صلوٰۃ میں سے نہیں ہے اور منافی صلوٰۃ عمل اگر کثیر ہو تو مفسد نماز ہے اور اگر قلیل ہو تو مفسد نماز نہیں ہوتا پس ایک بار لقمہ دینا عمل قلیل ہے اور اس سے زائد عمل کثیر ہے اس وجہ سے امام محمد نے کہا کہ لقمہ میں اگر تکرار پایا گیا تو نماز فاسد ہوگی اور نہ نہیں۔

لیکن جامع صغیر میں یہ شرط نہیں ہے کیونکہ لقمہ دینا کلام کرنا ہے اور کلام کرنا بذات خود مفسد نماز ہے اگرچہ قلیل کیوں نہ ہو۔ حاصل یہ کہ لقمہ دینے کو بسوڑ میں فعل شمار کیا ہے اور جامع صغیر میں قول اور کلام شمار کیا ہے اور فعل کثیر مفسد ہوتا ہے قلیل مفسد نہیں ہوتا اور کلام قلیل بھی مفسد ہوتا ہے۔ صاحب ہدایہ نے اگرچہ کسی کو ترجیح نہیں دی لیکن بعض مشائخ نے جامع صغیر کی روایت کو اسح کہا ہے۔

مقتدی کا اپنے امام کو لقمہ دینے کا حکم

ان لفتح علی امامہ لم یکن کلاما استحسانا لانه مضطر الی اصلاح صلاتہ فکان هذا من اعمال صلاتہ
عی وبنوی الفتح علی امامہ دون القراءة هو الصحیح لانه مخصص فیہ و قراءتہ ممنوع عنها

ترجمہ۔ اور اگر مقتدی نے اپنے امام کو لقمہ دینا تو یہ کلام نہ ہوگا (اور یہ حکم) استحسانی ہے کیونکہ مقتدی اپنی نماز درست کرنے کی طرف مجبور ہے اس لئے یہ لقمہ دینا معنی اس کی نماز کے اعمال میں سے ہو گیا اور مقتدی اپنے امام کو لقمہ دینے کی نیت کرے نہ کہ قرأت قرآن کی یہی نیت ہے کیونکہ لقمہ دینا ایسا امر ہے جس کی اجازت دی گئی ہے اور مقتدی کا قرآن پڑھنا ایسا امر ہے کہ اس سے منع کیا گیا ہے۔

تفسیر۔ اس عبارت میں پہلی صورت جس کا گذشتہ مسئلہ میں وعدہ کیا گیا تھا اس کا بیان ہے یعنی اگر مستفتح اور فاتح دونوں کی نماز ٹوٹ جائے تو مستفتح امام فاتح اور مقتدی ہو تو یہ استحسانا کلام نہ ہوگا دلیل استحسان وہ اثر ہے جس کو روایت کیا گیا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرأ فی الصلوٰۃ سورة المؤمنین فترک منها کلمتہ فلما فرغ منها قال صلی اللہ علیہ وسلم لعلکم فیکم ابی بن کعب فقال بلی یا رسول اللہ فقال صلی اللہ علیہ وسلم ہلافتحت فقال ظننت انها نسخت لعل علیہ السلام لو نسخت لانما تکم یعنی رسول اللہ ﷺ نے نماز میں سورۃ مؤمنون پڑھی اور ایک کلمہ چھوڑ دیا پس جب آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے لقمہ کیوں نہیں دیا۔ ابی بن کعب نے کہا کہ میں نے خیال کیا کہ یہ کلمہ منسوخ ہو گیا ہے حضور ﷺ نے فرمایا اگر مؤمن ہوتے تو میں تم کو ضرور خبر کرتا۔ (بخاری) اس اثر سے معلوم ہوا کہ اپنے امام کو لقمہ دینا مفسد نماز نہیں ہے۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اذا استطعتک الامام فاطعمہ یعنی جب امام تجھ سے لقمہ مانگے تو اس کو لقمہ دو۔ (فتح الباری) اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ زمانہ رسول اللہ ﷺ میں اماموں کو لقمہ دیتے تھے۔ (حاکم)

دلیل عقلی یہ ہے کہ مقتدی اپنی نماز درست کرنے کی طرف مجبور ہے لہذا یہ لقمہ دینا معنی اس کی نماز کے اعمال میں سے ہوگا۔ اور نماز کا مانع نہیں ہے اس لئے لقمہ دینا مفسد نہیں ہوگا۔

مشائخ کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ مقتدی اپنے امام کو لقمہ دینے کی نیت کرے یا قرأت قرآن کی نیت کرے بعض نے کہا کہ قرأت اور قرأت کی نیت کرے نہ کہ لقمہ دینے کی۔ صاحب ہدایہ نے کہا کہ صحیح یہ ہے کہ لقمہ دینے کی نیت کرے نہ کہ قرأت قرآن کی کیونکہ مقتدی کو لقمہ دینے کی اجازت دی گئی ہے۔ اور قرأت کرنے سے روکا گیا ہے اس لئے جس چیز کی اجازت اس کو دی گئی ہے اس کو پورا کرنا لازم ہے جس سے اس کو روکا گیا ہے یعنی قرأت کی نیت نہ کرے۔

لقمہ دینے میں جلد بازی سے کام لیا اور امام دوسری آیت کی طرف منتقل ہو گیا تو لقمہ دینے والے کی نماز کا حکم

و لو كان الإمام انتقل الى آية اخرى تفسد صلوة الفاتح، و تفسد صلوة الامام لو اخذ بقوله لوجود التلف و التلقن من غير ضرورة و ينسعى للمقتدى ان لا يعجل بالفتح و للامام ان لا يلجئهم اليه بل يركع اذا اجازته، او ينتقل الى آية اخرى

ترجمہ..... اور اگر امام دوسری آیت کی طرف منتقل ہو گیا تو لقمہ دینے والے کی نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر امام نے اس کے قول سے
تو امام کی نماز بھی فاسد ہو جائے گی کیونکہ مقتدی کا تلقین کرنا اور امام کو اس کا لینا بلا ضرورت کے پایا گیا۔ اور مقتدی کے لئے مناسب یہ ہے
کہ وہ لقمہ دینے میں جلدی نہ کرے اور امام کو چاہئے کہ مقتدیوں کو لقمہ دینے پر مجبور نہ کرے بلکہ رکوع کر دے جبکہ اس کا وقت آ گیا ہے
دوسری آیت کی طرف منتقل ہو جائے۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ امام جس آیت پر انکا تقاضا ہو چکی نہیں بلکہ وہ دوسری آیت پڑھنے لگا۔ پھر مقتدی نے لقمہ دیا تو لقمہ دینے
والے کی نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر امام نے اس کے لقمہ کو لے لیا تو امام کی نماز بھی فاسد ہو جائے گی۔ دلیل یہ ہے کہ مقتدی کی طرف سے
تلقین اور امام کی طرف سے تلقین بلا ضرورت پایا گیا اس لئے استحسان تو رہا نہیں البتہ مقتضائے قیاس یہ کلام مفسد ہو جائے گا۔
یہ خیال رہے کہ یہ بعض مشائخ کا قول ہے جس کو مصنف ہدایہ نے اختیار کیا ہے اور بعض کا قول یہ ہے کہ نہ امام کی نماز فاسد ہوگی اور نہ
مقتدی کی یعنی نہ لقمہ دینے والے کی فاسد ہوگی اور نہ لقمہ لینے والے امام کی فاسد ہوگی کیونکہ سابق میں جو اثران رسول اللہ ﷺ فرمایا
الصلوة سورة المؤمنین گذارا ہے وہ مطلق ہے اور اس کے اطلاق کا تقاضا یہ ہے کہ لقمہ دینے والے اور امام کی نماز کسی حال میں
فاسد نہ ہو۔

صاحب ہدایہ نے امام اور مقتدی دونوں کو ہدایت فرمائی ہے چنانچہ فرمایا کہ مقتدی لقمہ دینے میں جلدی نہ کرے اور امام مقتدیوں کو لقمہ
دینے پر مجبور نہ کرے مثلاً بار بار کسی آیت کو لوٹا تار ہے یا خاموش کھڑا رہ جائے ایسا نہ کرے بلکہ جب مقدار مفروض یعنی امام صاحب
نزدیک ایک آیت اور صاحبین کے نزدیک تین آیات پڑھ چکا تو رکوع کر دے اور بعض حضرات نے قرأت مستحب کا اعتبار کیا ہے
جب قرأت مستحب کر چکا تو رکوع کر دے یا امام دوسری آیت کی طرف منتقل ہو جائے یعنی جس آیت پر انکا ہے اس کو چھوڑ کر دوسری آیت
شروع کر دے حاصل یہ کہ ان کو لقمہ دینے پر مجبور نہ کرے۔

نماز میں کسی کو "لا الہ الا اللہ" کے ساتھ جواب دینے کا حکم

فلو اجاب في الصلوة رجلا بلا الہ الا اللہ فهذا كلام مفسد عند ابی حنیفہ و محمد و قال ابو یوسف لا یكفر
مفسد او هذا الخلاف فیما اذا اراد به جوابه له انه ثناء بصیغته فلا یتغیر بغریمتہ ولہما انه اخرج الکاتب
مخرج الجواب و هو یحتملہ فیجعل جوابا کالتشمیت والاسترجاع علی الخلاف فی الصلوة

ترجمہ۔ پس اگر مصلیٰ نے نماز کے اندر کسی آدمی کو لا الہ الا اللہ کے ساتھ جواب دیدیا تو یہ کلام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک مفسد ہوگا اور یوسف نے کہا کہ مفسد نہیں ہوگا اور یہ اختلاف اس صورت میں ہے کہ مصلیٰ نے اس کلام سے کہنے والے کے جواب کا ارادہ کیا ہو یا نہیں کی دلیل یہ ہے کہ کلام اپنی وضع کے اعتبار سے ثناء الہی ہے پس وہ مصلیٰ کے عزم سے متغیر نہ ہوگا اور طرفین کی دلیل یہ ہے کہ لا الہ الا اللہ کے جواب کے طور پر استعمال ہوا ہے اور یہ جواب کا احتمال بھی رکھتا ہے اس لئے اس کو جواب قرار دیا جائے گا جیسے چھینک کا جواب استرجاع (انا للہ وانا الیہ راجعون) بھی صحیح روایت میں اس اختلاف پر ہے۔

ترجمہ۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر مصلیٰ کے سامنے کسی نے کہا اللہ مع اللہ (یعنی کیا اللہ کے ساتھ اور کوئی معبود ہے؟ تو اس مصلیٰ نے سن کر لا الہ الا اللہ تو اب یہ کلام دو حال سے خالی نہیں ہے یا تو اس سے جواب کا قصد کیا ہوگا اور یا اپنے نماز میں ہونے کی اطلاع کا ارادہ ہوگا اگر ثانی ہے تو اس کا حکم اگلی سطروں میں آئے گا اور اگر اول ہے تو طرفین کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور امام ابو یوسف کے نزدیک نماز فاسد نہیں ہوگی۔ امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے کہ یہ کلام اپنے معنی موضوع لہ کے اعتبار سے ثناء باری اور حمد باری ہے اور جو معنی موضوع لہ کے اعتبار سے ثناء باری ہو وہ متکلم کے عزم اور ارادے سے متغیر نہیں ہوتا جیسا کہ جب مصلیٰ نے اپنے اس کلام سے اپنے نماز میں ہونے کی خبر دینے کا ارادہ کیا ہو تو اس سے معنی موضوع لہ متغیر نہیں ہوتے اسی طرح جواب کا ارادہ کرنے کی صورت میں بھی اس موضوع لہ متغیر نہیں ہوں گے اور معنی موضوع لہ چونکہ ثناء اور حمد کے ہیں اور ثناء اور حمد باری سے نماز فاسد نہیں ہوتی اس لئے لا الہ الا اللہ کہنے سے نماز فاسد نہیں ہوگی۔

ترجمہ۔ حریفین کی دلیل یہ ہے کہ لا الہ الا اللہ کہنا یا کلام ہے جو ثناء باری اور جواب دونوں کا احتمال رکھتا ہے لہذا یہ کلام مشترک کے مانند ہے اور مشترک کے معانی میں سے قصد اور ارادے سے ایک معنی کو متعین کرنا جائز ہے پس جب مصلیٰ نے لا الہ الا اللہ سے جواب کا ارادہ کیا تو اس کو جواب قرار دیا جائے گا جیسے چھینک کا جواب یعنی یسر حمک اللہ چونکہ جواب ہے اس لئے کلام الناس سے ہو گیا اور کلام اللہ نہیں مفسد صلوٰۃ ہوتا ہے اس لئے لا الہ الا اللہ بھی جواب مراد لینے کی صورت میں مفسد نماز ہوگا۔

صاحب عنایہ نے اس موقع پر ایک اعتراض اور جواب ذکر کیا ہے۔ اس کو بھی ملاحظہ فرمائیے۔

ترجمہ۔ یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت مانگی۔ نماز کا وقت اللہ کا نبی ﷺ نماز پڑھ رہا تھا آپ نے جواب میں فرمایا۔ اَدْخُلُوْهُا بِسَلَامٍ اٰمِیْنٌ اور اس سے آپ نے جواب کا ارادہ لیا جانکہ آپ کی نماز فاسد نہیں ہوئی اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی آیت یا کلمہ توحید سے جواب کا ارادہ کیا ہو تب بھی نماز فاسد نہیں ہوتی۔ ائمہ سرخسی نے جواب میں کہا کہ حضور ﷺ پیچھے سے تلاوت کرتے کرتے ابن مسعود کے اجازت چاہنے کے وقت اس آیت پڑھ گئے تھے پس معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے اس کو بقصد تلاوت پڑھنا نہ کہ بقصد جواب لہذا اس کو لے کر اعتراض کرنا درست نہیں ہوگا۔ صاحب ہدایہ نے کہا کہ اگر مصلیٰ کے سامنے کسی نے کہا کہ فلاں مر گیا پس مصلیٰ نے کہا ان اللہ وانا الیہ راجعون، تو اس میں مشائخ کا اتفاق ہے چنانچہ بعض مشائخ نے کہا کہ یہ صورت بھی مختلف فیہ ہے یعنی طرفین کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی اور امام ابو یوسف کے نزدیک فاسد نہیں ہوگی۔ اور بعض مشائخ نے کہا کہ یہ صورت متفق علیہ ہے یعنی امام ابو یوسف نے استرجاع کے مفسد صلوٰۃ ہونے میں طرفین کی موافقت کی ہے رہی یہ بات کہ امام ابو یوسف کے نزدیک فرق کیا ہے کہ لا الہ الا اللہ مفسد نہیں اور استرجاع مفسد ہے اس کا

جواب یہ ہے کہ استرجاع اظہار مصیبت کے لئے ہوتا ہے اور نماز اس کے لئے مشروع نہیں کی گئی ہی اور لا الہ الا اللہ تعظیم اور توحید کے ہے۔ اور نماز کی مشروعیت بھی اسی لئے ہوئی ہے۔

حاصل یہ کہ استرجاع منافی صلوٰۃ ہونے کی وجہ سے مفسد ہے اور لا الہ الا اللہ چونکہ منافی صلوٰۃ نہیں اس لئے یہ کلمہ مفسد نہیں صاحب ہدایہ نے کہا کہ مختلف فیہ ہونے کا قول صحیح ہے۔

اگر دوسرے کو نماز میں ہونے پر خبردار کرنے کے لئے کلمہ یا آیت پڑھی تو بالا جماع نماز فاسد نہیں ہوگی

و ان اراد بہ اعلامہ انہ فی الصلوٰۃ لم تفسد بالاجماع لقولہ علیہ السلام اذا نابت احدکم نائبة فی الصلوٰۃ فلیسبح

ترجمہ..... اور اگر کلمہ ثنا یا قرآن پڑھنے سے ارادہ کیا دوسرے کو آگاہ کرنے کا کہ میں نماز میں ہوں تو بالا جماع نماز فاسد نہیں کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں کسی کو نماز میں کوئی واقعہ پیش آئے تو تسبیح پڑھ دے۔

تشریح..... ما قبل کے مسئلہ میں دوسرے احتمال کا وعدہ کیا گیا تھا اس عبارت میں اس کا بیان ہے یعنی کسی مصلیٰ نے کلمہ توحید یا قرآن کوئی آیت اس ارادے سے پڑھی کہ دوسرے کو اس کا نماز ہونا معلوم ہو جائے تو اس سے بالا جماع نماز فاسد نہیں ہوگی۔ دلیل حضور قول اذا نابت احدکم نائبة فی الصلوٰۃ فلیسبح للرجال و التصفیق للنساء یعنی جب نماز میں تم میں کسی کو کوئی واقعہ پیش آئے تو تسبیح پڑھنی چاہئے کیونکہ تسبیح مردوں کے لئے ہے اور تصفیق عورتوں کے لئے اور تصفیق یہ ہے کہ عورت اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کی پشت پر مار دے۔

ظہر کی ایک رکعت پڑھنے کے بعد عصر یا نفل میں شروع ہوا تو ظہر کی نماز باطل ہو جائے گی

ومن صلی رکعة من الظہر ثم افتتح العصر و التطوع فقد نقص الظہر لانه صح شروع فی غیرہ فیخرج

ترجمہ..... اور اگر کسی نے (مثلاً) ظہر کی ایک رکعت پڑھی پھر عصر کی نماز یا نفل نماز شروع کی تو اس نے ظہر کو توڑ دیا کیونکہ اس سے اس کا شروع کرنا صحیح ہوا تو ظہر سے نکل جائے گا۔

تشریح..... اگر کسی شخص نے کسی نماز مثلاً ظہر کی ایک رکعت پڑھی پھر عصر کی نماز یا نفل نماز کی نیت کی اور یہ نیت دل سے کی ہے نہ کہ سے اور کانوں تک ہاتھ بھی نہیں اٹھائے تو اس صورت میں پہلی نماز یعنی ظہر باطل ہوگئی۔ دلیل یہ ہے کہ اس شخص کا دوسری نماز شروع کرنا صحیح ہے اور دوسری نماز شروع کرنے کے لئے پہلی سے نکلنا ضروری ہے اس لئے پہلی نماز باطل ہو جائے گی۔

ظہر کی ایک رکعت پڑھنے کے بعد دوبارہ ظہر میں شروع ہوا تو پہلی رکعت محسوب ہوگی

ولو افتتح الظہر بعد ما صلی منها رکعة فہی ہی و یحتزئ بتلک الركعة لانه نوى الشروع فی عبث فیہ فلغت نیتہ و بقى المنوی علی حالہ

ترجمہ..... اور اگر ظہر کی ایک رکعت پڑھنے کے بعد پھر ظہر کی نماز شروع کی تو یہ دوسری نماز وہی پہلی نماز ہے اور وہ رکعت محسوب ہوگی کیونکہ مصلیٰ نے شروع کرنے کی نیت کی ایسے فرض میں کہ وہ بعینہ رہی ہے جس میں موجود ہے تو اس کی نیت لغو ہوگئی اور جس کی نیت کی ہے وہ اپنی حالت پر باقی رہا۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ پہلے ظہر شروع کر کے اس میں سے ایک رکعت پڑھنے کے بعد پھر دوبارہ اسی ظہر کی نیت سے تکبیر تحریرہ کہے بغیر زبان سے نیت کئے ہوئے تو یہ دوسری نماز پہلی نماز ہے یعنی پہلی نماز سے خارج نہ ہوگا اور جو رکعت پڑھ چکا وہ بھی شمار ہوگی حتیٰ کہ اگر اس کے بعد تین رکعتیں پڑھیں تو فریضہ ظہر ادا ہو جائے گا اور اگر اس کے بعد چار رکعتیں پڑھیں اس گمان کے ساتھ کہ پہلی رکعت باطل ہوگئی اور تیسری رکعت پر بیٹھا بھی نہیں تو قعدہ اخیرہ کے فوت ہونے کی وجہ سے اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔

دلیل یہ ہے کہ مصلیٰ نے بعینہ اس چیز کو شروع کرنے کی نیت کی ہے جس میں وہ پہلے سے موجود ہے اس لئے اس کی نیت لغو ہوگئی اور جس کی نیت کی وہ اپنی حالت پر باقی رہا۔

نماز میں مصحف سے دیکھ کر پڑھنا مفسد صلوٰۃ ہے یا نہیں..... اقوال فقہاء

وإنما قرأ الإمام من المصحف فسدت صلاته عند ابی حنیفہ و قالوا ہی تامۃ لانہ عبادۃ انصافت الی عبادۃ الا انہ بکرہ لانہ یشبہ بصنع اهل الكتاب ولا بی حنیفہ ان حمل المصحف والنظر فیہ وتقلیب الاوراق عمل کثیر ولا تہ تلفن من المصحف فصار کما اذا تلقن من غیرہ و علی هذا لا فرق بین المحمول والموضوع و علی الاول یفتقران

ترجمہ..... اور اگر امام نے مصحف میں سے قرأت کی تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس کی نماز فاسد ہوگئی اور صاحبین نے کہا کہ دیکھ کر پڑھنے والی نماز پوری ہے کیونکہ ایک عبادت ہے جو دوسری عبادت سے مل گئی مگر یہ مکروہ ہے کیونکہ یہ صورت اہل کتاب کے طریقہ کے مشابہ ہے۔ اور امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ مصحف کا اٹھائے رہنا اور اس میں دیکھنا اور ورق التنازل کثیر ہے اور اس لئے کہ مصحف سے سیکھنا ایسا ہے جیسا کہ دوسرے آدمی سے سیکھنا۔ اور اس وجہ کے موافق (رحل پر) رکھے ہوئے (قرآن سے) پڑھنے اور اٹھائے ہوئے سے پڑھنے میں فرق نہیں اور وجہ اول کے موافق دونوں میں فرق ہے۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر امام یا مفرد نے مصحف میں سے دیکھ کر قرأت کی تھوڑی یا زیادہ تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس کی نماز فاسد ہوگئی اور صاحبین نے فرمایا کہ مع الکراہت جائز ہے یعنی نماز پوری ہوگئی البتہ مکروہ ہے۔ امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک تو باکراہت جائز ہے۔

صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ قرأت ایک عبادت ہے اور مصحف میں نظر کرنا بھی عبادت ہے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا اعطوا اعینکم من العبادۃ حظها قبل و ما حظها من العبادۃ قال النظر فی المصحف یعنی اپنی آنکھوں کو عبادت میں سے حصہ دو کہا گیا کہ عبادت میں سے انکا حصہ کیا ہے تو آپ نے فرمایا کہ مصحف میں نظر کرنا اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مصحف میں نظر کرنا آنکھوں کی عبادت ہے ہاں یہاں ایک عبادت دوسری عبادت کے ساتھ مل گئی اور تنہا ایک عبادت مفسد نماز پس جب دو عبادتیں مل گئیں تو بدرجہ اولیٰ مفسد نماز نہیں ہوں گی۔ دوسری دلیل حدیث ذکوان انہ کان یوم عاشتہ فی رمضان و کان یقرأ من المصحف ہے یعنی حضرت عائشہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا آزاد کیا ہوا غلام ذکوان نامی رمضان میں حضرت ام المؤمنین کی امامت کرتا اور وہ مصحف سے پڑھا کرتا تھا اور کراہت اس لئے ہے کہ یہ صورت اہل کتاب کے طریقہ کے مشابہ ہے کیونکہ اہل کتاب اذکار وغیرہ حفظ نہ ہونے کی وجہ سے اسی طرح ہاتھوں میں لیکر پڑھتے ہیں اور اہل کتاب کی مشابہت سے صحیح حدیث میں منع کیا گیا ہے پس جس صورت میں بغیر مشابہت کے شریعت پر عمل کرنا ممکن ہو اس صورت میں اہل کتاب کے ساتھ مشابہت مکر وہ ہوگا۔

امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ قرآن پاک اٹھائے رہنا اور اس میں نظر کرنا اور ورقوں کو پلٹنا یہ مجموعہ عمل کثیر ہے اور عمل کثیر مفسد نہ ہوتا ہے اس لئے یہ صورت مفسد نماز ہوگی۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ مصحف سے پڑھنا اس سے سیکھ لینا ہے پس یہ ایسا ہو گیا جیسے کسی دوسرے آدمی سے نماز میں سیکھتا گیا اور نماز میں کسی دوسرے سے تعلیم اور تلقین کرنا مفسد نماز ہے لہذا اس صورت میں بھی نماز فاسد ہوگی۔ صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ دوسری دلیل کی بناء پر کسی چیز پر رکھے ہوئے قرآن سے پڑھنے اور ہاتھوں میں اٹھائے ہوئے سے پڑھنے میں کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ تلقین دونوں صورتوں میں پایا گیا اور وہی باعث فساد ہے اور دلیل اول کی بناء پر دونوں میں فرق ہے کیونکہ اگر قرآن کسی چیز پر رکھا ہوا ہے اور مصلی اس سے دیکھ کر پڑھتا ہے تو اس میں عمل کثیر نہیں ہے اور اگر ہاتھوں میں لئے پڑھتا ہے تو یہ عمل کثیر ہے جس سے اس نے دوسری دلیل کو اسح قرار دیا ہے۔

نماز میں مکتوب چیز کی طرف دیکھ کر اسے سمجھ لیا تو یہ بالا جماع مفسد صلوٰۃ نہیں

ولو نظر الی مکتوب وفہمہ فالصیح انہ لا یتفسد صلاحہ بالا جماع بخلاف ما اذا حلف لا یقرأ کتاب فلا یحیث یحنت بالفہم عند محمد لان المقصود ہنالک الفہم اما فساد الصلاۃ فبالعمل الکثیر ولم یوجد

ترجمہ..... اور اگر مصلی نے (قرآن کے علاوہ) کسی لکھی ہوئی چیز کی طرف دیکھا اور اس کو سمجھ بھی لیا تو صحیح قول یہ ہے کہ بالا جماع اس نماز فاسد نہیں ہوگی اس کے برخلاف جب اس نے قسم کھائی کہ فلاں کی کتاب نہیں پڑھے گا تو امام محمد کے نزدیک فقط سمجھنے سے حائث ہو جائیگا کیونکہ یہاں مقصود سمجھنا ہے رہا نماز کا فاسد ہونا تو وہ عمل کثیر سے ہوتا ہے اور وہ پایا نہیں گیا۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ مصلی نے قرآن کے علاوہ کسی دوسری چیز کو لکھا ہوا دیکھا اور اس کو سمجھ بھی لیا مگر زبان سے تلفظ نہیں پایا اس بارے میں بعض مشائخ کے قول کے مطابق امام ابو یوسف کے نزدیک نماز فاسد نہیں ہوگی اور امام محمد کے نزدیک فاسد ہو جائے گا جیسے اگر کسی نے قسم کھائی کہ فلاں کی کتاب نہیں پڑھوں گا پھر اس پر نظر ڈالی حتیٰ کہ اس کو سمجھ بھی لیا مگر زبان سے تکلم نہیں کیا تو امام ابو یوسف کے نزدیک حائث نہیں ہوگا اور امام محمد کے نزدیک حائث ہو جائے گا امام محمد کی دلیل یہ ہے کہ زبان سے قرأت کا مقصد فہم اور مراد کا سمجھنا ہے پس سمجھنا قرأت کے مانند ہو گیا یعنی جس طرح قرأت اور تکلم سے حائث ہو جاتا ہے اسی طرح فہم معانی سے بھی حائث ہو جائے گا امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے کہ قرأت زبان سے ہوتی ہے کیونکہ قرأت کلام کے قبیل سے ہے اور کلام زبان سے ہوتا ہے پس معلوم ہوا کہ قرأت بھی زبان سے ہوتی ہے اور مسئلہ یہ ہے کہ حائف نے زبان سے کچھ نہیں پڑھا بلکہ لکھا ہوا دیکھ کر صرف سمجھا ہے اس لئے وہ حائث نہیں ہوگا اور اگر مصلی ہے تو اس کی نماز فاسد نہ ہوگی۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ مسئلہ مذکورہ میں بالا جماع نماز فاسد نہ ہوگی۔ مسئلہ مذکورہ میں صاحب ہدایہ کے بیان کے مطابق امام محمد کے عدم فساد نماز کے حکم میں ابو یوسف کے ساتھ ہیں اب حاصل یہ ہوا کہ قرآن کے علاوہ لکھی ہوئی چیز کو دیکھ کر اگر سمجھ لیا اور زبان سے تکلم

اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک نماز فاسد نہ ہوگی اور اگر نہ پڑھنے کی قسم کھائی تھی تو اس سے حائض بھی نہیں ہوگا۔ اور امام محمدؒ نماز فاسد نہ ہونے کے حکم میں امام ابو یوسفؒ کے ساتھ ہیں لیکن اگر یہ قسم کھائی کہ فلاں کی کتاب نہیں پڑھوں گا پھر اس نے اس کتاب کو دیکھا اور سمجھ لیا کہ یہ قرآن سے نہیں پڑھا تو امام محمدؒ کے نزدیک حائض ہو جائے گا امام محمدؒ کے نزدیک دونوں مسنون میں وجہ فرق یہ ہے کہ مسئلہ یحیٰ میں حضورؐ ہے یعنی قسم کھانے والے کا مقصود یہ ہے کہ فلاں کا راز اس کی تحریر سے دریافت نہ کروں گا پس جب دریافت کیا تو حائض ہو گیا اور زبان سے پڑھے یا نہ پڑھے کیونکہ مقصود یحیٰ پایا گیا رہا نماز کا فاسد ہونا تو وہ عمل کثیر سے ہوتا ہے اور عمل کثیر پایا نہیں گیا۔ کیونکہ سمجھنا کہ عمل خفیہ ہے بلکہ عمل ظاہر ہی نہیں ہے اس لئے اس صورت میں نماز فاسد نہ ہوگی۔ (عنایہ)

عورت کا نمازی کے سامنے سے گذرنا مفسد صلوٰۃ نہیں

سَمَرَاتُ امْرَأَةٍ بَيْنَ يَدَيْ الْمُصَلِّي لَمْ يَقْطَعْ الصَّلَاةَ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَا يَقْطَعُ الصَّلَاةَ مَرُورُ شَيْءٍ إِلَّا أَنْ سَارَ أَثَمَ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَوْ عَلِمَ الْمَارُّ بَيْنَ يَدَيْ الْمُصَلِّي مَاذَا عَلَيْهِ مِنَ الْوُزْرِ لَوَقَفَ أَرْبَعِينَ وَأَمَّا يَأْتُمُ إِذَا بَدَأَ مَوْضِعَ سُجُودِهِ عَلَى مَا قِيلَ وَلَا يَكُونُ بَيْنَهُمَا حَائِلٌ وَيَحَادِثُ أَعْضَاءَ الْمَارِّ أَعْضَاءَهُ لَوْ كَانَ يَصَلِّي عَلَى سَائِلٍ

ترجمہ۔۔۔ اور اگر مصلیٰ کے سامنے سے کوئی عورت گذری تو (یہ گذرنا) نماز قطع نہ کرے گا۔ کیونکہ حضورؐ نے فرمایا کہ کسی چیز کا گذرنا نماز قطع نہیں کرتا لیکن گذرنے والا گنہگار ہے کیونکہ حضورؐ نے فرمایا کہ اگر مصلیٰ کے سامنے سے گذرنے والا جانتا کہ اس پر کیا گناہ ہے تو وہ چالیس تک کھڑا رہتا۔ اور گنہگار جب ہی ہوگا جب کہ مصلیٰ کی جائے سجود میں گذرے اس بنا پر کہ کہا گیا اور دونوں کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو اور گذرنے والے کے اعضاء مصلیٰ کے اعضاء کے مقابل ہو جائیں۔ اگر وہ چوپوترے پر نماز پڑھتا ہو۔

شرح۔۔۔ مسئلہ مصلیٰ کے سامنے سے عورت کا گذرنا نماز کو فاسد نہیں کرتا عورت خواہ خائضہ ہو یا غیر خائضہ اسی طرح گدھے اور کتے کا گذرنا بھی مفسد نماز نہیں ہے اصحاب ظواہر کہتے ہیں کہ ان تینوں کا گذرنا مفسد نماز ہے۔ امام احمد بن حنبل کی مشہور روایت یہی ہے۔ کتاب ظواہر کی دلیل حضورؐ کا قول تَقْطَعُ السَّمْرَاءُ الصَّلَاةَ وَالْكَلْبُ وَالْحِمَارُ هُوَ۔ یہ حدیث ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے (عنایہ کفایہ) یعنی عورت کتا اور گدھا قطع نماز ہے۔

پھر علماء کے دلائل سے پہلے فاضل علامہ جلال الدین بن شمس الدین الخوارزمی صاحب کفایہ کی زبان میں اصحاب ظواہر کی پیش رو حدیث کا جواب ملاحظہ فرمائیے۔ فاضل موصوف فرماتے ہیں کہ جس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ حدیث پہنچی تو آپ نے ان کا لہر فرمایا اور حضرت عروہ کو مخاطب کر کے فرمایا عروہ ماذا یقول اهل العراق قال یقولون یقطع الصلوٰۃ مرور السمرأة والحمار والكلب فقالت یا اهل العراق والشقاق النفاق قرنتمونا بالكلاب والحمار کان رسول الله صلی الله علیہ وسلم یصلی باللیل وانا معترضه بین یدیه اعتراض الجنازة فاذا سجد حیست رجلی و اذا قام مددتها یعنی سے دو اہل عراق کیا کہتے ہیں حضرت عروہ نے فرمایا کہ اہل عراق کہتے ہیں کہ عورت گدھے اور کتے کا گذرنا نماز کو قطع کرتا ہے پس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اے اہل عراق والشقاق والنفاق تم نے ہم عورتوں کو کتوں اور گدھوں کے ساتھ ملا دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے تھے اور میں آپ کے سامنے لیٹی رہتی جیسے جنازہ رکھا جاتا ہے جب آپ ﷺ سجدہ کرتے تو میں اپنے پاؤں کھینچ

لیتی۔ اور جب آپ ﷺ کھڑے ہوتے تو پاؤں پھیلا دیتی تھی۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حدیث ابو ذر کا بڑی سختی سے انکار کیا اور مصلیٰ کے راس سے عورت کے گزرنے سے نماز فاسد ہونے کی سخت لب و لہجہ میں تردید فرمائی۔ زیادہ سے زیادہ یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ کلام مصلیٰ سامنے سے گزرنے میں ہے نہ کہ پاؤں پھیلا کر لیٹنے میں۔ اور حضرت عائشہ کے بیان سے پاؤں پھیلا کر لیٹنا تو ثابت ہوتا ہے کہ مصلیٰ بین المصلیٰ ثابت نہیں ہوتا۔ جواب جب پاؤں پھیلا کر لیٹے رہنا مفسد نماز نہیں تو مرور بدرجہ اولیٰ مفسد نہیں ہوگا۔

جہور علماء کی دلیل رسول اللہ ﷺ کا قول لا یقطع الصلوٰۃ مرور شیئی فادرو اما استطعتم فانہ الشیطان ہے یعنی کسی گزرنے نماز کو قطع نہیں کرتا جس قدر ممکن ہو دفع کرو کیونکہ وہ شیطان ہے لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ مصلیٰ کے سامنے سے گزرنے والا ہوگا۔ کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا لو علم الہامین یدی المصلیٰ ماذا علیہ من الوزر لو وقف اربعین یعنی اگر مصلیٰ کے سامنے گزرنے والا جانتا کہ اس پر کس قدر گناہ پڑتا ہے تو وہ چالیس تک کھڑا رہتا۔ راوی کہتا ہے کہ مجھے معلوم نہیں کہ چالیس سال میں یا چالیس ماہ میں یا چالیس یوم میں۔ بعض حضرات نے کہا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے بطریق صحت ثابت ہے کہ چالیس سال مراد ہیں۔

وانما یأثم اذا مر الخ سے اس مقام کا بیان ہے جس کے اندر سے گزرنا حرام ہے یعنی وہ مقام جس کے اندر گزرنا حرام ہے۔ حدیہ بیان کی گئی کہ مصلیٰ کے قدم سے لے کر مقام سجدہ تک ہے یہی اصح ہے۔ اور اسی کو شمس الائمہ السرخنی، شیخ الاسلام اور قاضی غفران اختیار کیا ہے۔

بعض مشائخ کی رائے: بعض مشائخ نے کہا کہ حدیہ ہے کہ جب مصلیٰ اپنی نظر اپنے سجدہ کی جگہ ڈال کر پڑھتا ہو تو گزرنے والے پر اس کی نگاہ نہ پڑے یعنی حد موضع سجود سے بھی آگے وہاں تک ہے کہ موضع سجود پر نظر رکھنے کی حالت میں جہاں تک آگے جاتی ہے پھر جہاں نہ پڑے وہاں سے گزرنا مکروہ نہیں ہے بعض نے دو صف یا تین صف کی مقدار کے ساتھ مقدر کیا ہے اور بعض نے ذراع کے ساتھ اور بعض نے پانچ ذراع کے ساتھ مقدر کیا ہے اور بعض نے چالیس ذراع کے ساتھ مقدر کیا ہے یہ حکم اسی وقت ہے کہ وہ صحراء یا میدان میں نماز پڑھتا ہو اور اگر مسجد میں پڑھتا ہے تو بعض کی رائے یہ ہے کہ پچاس ذراع چھوڑ کر گزر سکتا ہے اور بعض نے یہ ہے کہ مصلیٰ اور قبلہ کی دیوار کے درمیان سے گزرنا مناسب نہیں ہے بلکہ دیوار کی اس طرف سے ہو کر گزرے۔

صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ مرور بین المصلیٰ کی کراہت اس وقت ہے جبکہ مصلیٰ اور گزرنے والے کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو۔ ستون دیوار سترہ یا آدمی کی پیٹھ وغیرہ اگر کوئی چیز حائل ہو تو گزرنے والا گنہگار نہ ہوگا۔ اس کے بعد فرمایا کہ اگر کوئی شخص چوتھے سے پڑھتا ہو تو اس کے سامنے سے گزرنے والا اس وقت گنہگار ہوگا۔ جبکہ گزرنے والے کے اعضاء مصلیٰ کے اعضاء کے محاذی اور متقابل جائیں اور اگر آدمی کے قدم کے برابر اونچی جگہ پر نماز پڑھتا ہو تو اس کے آگے سے گزرنے والا گنہگار نہ ہوگا۔

صحراء (میدان) میں نماز پڑھنے والے کے لئے سترہ قائم کرنا مستحب ہے

وینبغی لمن یصلیٰ فی الصحراء ان یتخذ امامہ سترۃ لقولہ علیہ السلام اذا صلی احدکم فی الصحراء فلیجعل بین یدیہ سترۃ ومقدارہا ذراع فصاعدًا لقولہ علیہ السلام ابعجز احدکم اذا صلی فی الصحراء یسکون امامہ مثل مؤخرۃ الرحل وقیل ینبغی ان یکون فی غلظ الاصبیح لأن ما دونہ لا یبدو للناظرین من

ترجمہ..... اور جو شخص میدان میں نماز پڑھتا ہے اس کے لئے مناسب یہ ہے کہ وہ اپنے آگے سترہ بنائے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی تم میں سے میدان میں نماز پڑھے تو اپنے سامنے سترہ کر لے۔ اور سترہ کی مقدار ایک ذراع یا زیادہ کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ یا ما جز ہوتا ہے تم میں کوئی جب میدان میں نماز پڑھے یہ کہ اس کے سامنے مثل موخرہ کجاوہ کے ہو۔ اور کہا گیا کہ مناسب ہے کہ موٹائی سترہ کی مقدار ہو۔ کیونکہ اس سے کم موٹائی تو دور سے دیکھنے والوں کو ظاہر نہ ہوگی پس مقصد حاصل نہ ہوگا۔

ترجمہ..... مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص میدان میں نماز پڑھتا ہو تو وہ اپنے آگے سترہ قائم کر لے اور یہ امر مستحب ہے۔ دلیل حضور ﷺ کا قول اذ اصلی احدکم فی الصحراء فلیجعل بین یدیه سترة ہے یہی بات کہ سترہ کی مقدار کیا ہوگی تو اس بارے میں فرمایا کہ سترہ لمہانی میں کم از کم ایک ذراع ہونا چاہئے۔ اور زیادہ جس قدر ہو کوئی حرج نہیں۔ دلیل حضور ﷺ کا قول ابعجز احدکم اذا اصلی فی الصحراء ان یکون امامہ مثل موخرۃ الرحل، موخرۃ میم کا ضمہ اور خاء کا کسرہ اس لکڑی کو کہتے ہیں جو کجاوے کے پیچھے بیٹنے والے کے سر کے برابر ہوتی ہے۔ خاء کو مشدد پڑھنا غلط ہے رحل کجاوہ کے معنی میں ہے۔ صاحب قدوری نے کہا کہ موٹائی ایک انگلی کے برابر ہونی چاہئے۔ دلیل یہ ہے کہ اس سے کم موٹائی دور سے دیکھنے والوں کو ظاہر نہ ہوگی پس اس سے کم موٹائی والے سترہ سے مقصود حاصل نہ ہوگا اس لئے کہا گیا کہ کم از کم ایک انگلی کی مقدار موٹائی ہونی چاہئے۔

نمازی سترہ اپنے قریب گاڑھے، سترہ لگانے کا طریقہ

وبغرب من السترة لقلوہ علیہ السلام من صلی الی سترة فلیدن منها ویجعل السترة علی حاجبہ الایمن او علی الایسر بہ ورد الاثر ولا بأس بترک السترة اذا امن المرور ولم یواجه الطريق

ترجمہ..... اور سترہ سے قریب رہے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص سترہ کی طرف نماز پڑھے تو اس سے نزدیک رہے اور سترہ کو اپنے دائیں یا بائیں بھوؤں کے مقابل رکھے اسی کے ساتھ اثر وارد ہوا ہے۔ اور جب کسی کے گزرنے سے امن ہو اور راستہ کا مواجہ نہ ہو تو سترہ نہ لگانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

ترجمہ..... اس عبارت میں بیان کیا گیا کہ سترہ مصلی اپنے دائیں یا بائیں بھوؤں کے بالمقابل رکھے یعنی دونوں آنکھوں کے بیچ نہ لگے کیونکہ اسی کے ساتھ اثر وارد ہوا ہے چنانچہ امام ابو داؤد نے ضباعہ بنت المقداد بن الاسود سے اور انہوں نے اپنے والد المقداد بن الاسود سے روایت کیا ہے قال ما رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی الی عود ولا عمود ولا شجرة الا جعلہ علی حاجبہ الایمن او الایسر ولا یصمد لہ صمدا مقداد نے فرمایا کہ نہیں دیکھا میں نے اللہ کے برحق نبی کو کسی لکڑی یا ستون یا درخت کی طرف نماز پڑھتے ہوئے مگر یہ کہ اس کو اپنے دائیں یا بائیں بھوؤں کے مقابل کر دیا اور اس کا ارادہ نہیں فرماتے تھے۔ (فتح القدیر) صاحب عنایہ نے اس اثر کو ان الفاظ کے ساتھ ذکر کیا ہے انہ صلی اللہ علیہ وسلم ما صلی الی شجرة ولا الی عود ولا عمود الا جعلہ علی حاجبہ الایمن ولہ یصمد صمدا ای لم یقصدہ قصد الی المواجہة۔

صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ سترہ ترک کرنے میں اس وقت کوئی مضائقہ نہیں جب کہ لوگوں کے گذرنے سے امن ہو اور نہ ہو۔ اس عبارت میں اس طرف اشارہ ہے کہ سترہ کی علت مساوی مرو ہے پس جہاں کسی کے گذرنے کا غالب گمان نہ ہو ترک کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے البتہ امن کے باوجود سترہ رکھنا مستحب ہے۔

امام کا سترہ مقتدی کے لئے کافی ہے

وسترة الامام سترة للقوم لانه عليه السلام صلى ببطحاء مكة الى عنزة ولم يكن للقوم

ترجمہ..... اور امام کا سترہ وہی قوم کا سترہ ہے کیونکہ حضور ﷺ نے بطحانہ میں پوری دارعصاء کی طرف نماز پڑھی اور قوم کے لئے سترہ تشریح..... نماز باجماعت کی صورت میں امام کا سترہ مقتدیوں کے لئے کافی ہوگا۔ دلیل وہ حدیث ہے جس کو امام بخاری اور ابن حجر نے ابوجحیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔ علامہ ابن الہمام کے بیان کے مطابق متن حدیث یہ ہے انہ صلی اللہ وسلم صلی بہم بالبطحاء وبين يديه عنزة والمرأة والحمار يمرون من ورائها یعنی حضور ﷺ نے مقام بطحانہ میں نماز پڑھائی اور آپ کے آگے پوری دارعصاء تھا اور عورت اور گدھا عصاء کے ماوراء سے گذر رہے تھے۔ مصنف ہدایہ نے مقتدیوں کے واسطے سترہ نہیں تھا اس سے معلوم ہوا کہ امام کا سترہ مقتدیوں کے لئے کافی ہو جائے گی۔

سترہ گاڑھنے کا اعتبار ہے ڈال دینا اور خط کھینچنا کافی نہیں

ويعتبر الغرز دون الالتقاء والخط لان المقصود لا يحصل به

ترجمہ..... اور سترہ گاڑ دینا معتبر ہے نہ کہ اس کا ڈال دینا اور نہ خط کھینچنا کیونکہ اس سے مقصود حاصل نہ ہوگا۔ تشریح..... ماتن نے کہا کہ سترہ کا گاڑنا معتبر ہے اس کا زمین پر گاڑنا یا خط کھینچنا معتبر نہیں ہے لیکن یہ اس وقت ہے جب زمین پر گاڑنا ممکن ہو اور اگر زمین سخت ہو سترہ کا گاڑنا ممکن نہ ہو تو سترہ کو طولاً زمین پر رکھ دے نہ کہ عرضاً اور طولاً اس لئے رکھے تاکہ وہ کی بیست پر ہو جائے۔ اور اگر سترہ بنانے کے لئے لکڑی وغیرہ کوئی چیز نہ ہو تو کیا زمین پر خط کھینچنا معتبر ہو گیا یا نہیں تو صاحب ہدایہ کے مطابق طرفین سے مروی ہے کہ خط کھینچنا معتبر نہیں ہوگا اور یہ کوئی چیز نہیں ہے۔

البتہ امام شافعی نے کہا کہ ایک طویل خط کھینچ دے اور اسی کے قائل بعض مشائخ متأخرین ہیں۔ صاحب ہدایہ نے طرفین میں بیان کرتے ہوئے کہا کہ سترہ سے مقصود مصلیٰ اور گذرنے والے کے درمیان جیلوت ہے اور یہ مقصود اس سے حاصل نہیں ہوگا ہونا اور نہ ہونا دونوں برابر ہیں۔

نمازی سترہ کی عدم موجودگی میں گذرنے والے کو دفع کرے

ويدراً السمار اذا لم يكن بين يديه سترة او مر بينه وبين السترة لقوله عليه السلام فادروا ما استطعتم
بالاشارة كما فعل رسول الله ﷺ بولدي ام سلمة او يدفع بالتسييح لما روينا من قبل ويكره الجسد
لان باحدهما كفاية

ترجمہ۔۔۔ اور مصلیٰ گزرنے والے کو دفع کرے جب کہ اس کے سامنے سترہ نہ ہو یا مصلیٰ اور سترہ کے درمیان سے گذرا۔ کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جہاں تک ہو سکے تم اس کو دفع کرو اور دفع کرے اشارے سے جیسا کہ حضور ﷺ نے ام سلمہ کے دو بیٹوں کے ساتھ کیا تھا یا اس کو دفع کرے تسبیح پڑھنے کے ساتھ۔ اس حدیث کی وجہ سے جو ہم نے روایت کی ہے اس سے پیشتر اور دونوں کو جمع کرنا مکروہ ہے کیونکہ اس میں کفایت ہے۔

تشریح۔۔۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر مصلیٰ کے سامنے سترہ نہ ہو یا سترہ تو ہے مگر سترہ اور مصلیٰ کے درمیان سے کوئی گزرنے کا ارادہ رکھتا ہو تو مصلیٰ اس گزرنے والے کو دفع کرے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ قادر و اہا استطعتہ یعنی جس قدر ممکن ہو اس کو دفع کرو۔ رہی یہ بات کہ مصلیٰ گزرنے والے کو کس طرح دفع کرے سواں بارے میں فرمایا کہ اشارے سے دفع کرے جیسا کہ حضور ﷺ نے ام سلمہ کے دو بیٹوں کو دفع کیا تھا۔ تفصیل صاحب کفایہ اور عتایہ نے یہ ذکر کی ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی فی بیت ام سلمتہ فقام ولدھا عمر لیمربین یدیدہ فاشار الیہ ان قف فوقف تم قامت بنتھا زینب لتسربین یدیدہ فاشار الیہا ان قفی فابت فمرت فلما فرغ من صلوٰتہ قال ناقصات العفل ناقصات الدین صواحب یوسف صواحب کوسف یغلبن الکرام و یغلبھن اللنام، یعنی حضور اقدس ﷺ فرمود عالم محسن اعظم ﷺ حضرت ام سلمہ کے مکان میں نماز پڑھ رہے تھے پس ام سلمہ کا فرزند نیک ارجمند عمر کھڑا ہوا تاکہ کائنات کے آقا ﷺ کے آگے سے ہو کر گزرے آپ نے اس کی طرف اشارہ کیا کہ ٹھہر جا، سو وہ ٹھہر گیا۔ پھر ام سلمہ کی سادہ لوح صاحبزادی زینب کھڑی ہوئی تاکہ آپ ﷺ کے آگے سے گزرے آپ ﷺ نے اس کی طرف اشارہ کیا کہ ٹھہر جاؤ لیکن وہ نہ مانی اور گزر گئی پس جب یہ صاحب شریعت اپنی نماز سے فراغت پا چکا تو یوں گویا ہوا کہ (یہ آدمی بیلیاں ناقصات العفل ناقصات دین صواحب یوسف اور صواحب کوسف ہیں۔ یہ کریم اور بھلے لوگوں پر غالب آجاتی ہیں اور کمین لوگ ان پر چڑھ جیتے ہیں۔ بہر حال اس حدیث سے اشارہ سے دفع کرنا ثابت ہوا۔

یا اس کو تسبیح پڑھ کر دفع کرے۔ دلیل سابق میں گزری چکی ہے یعنی حضور ﷺ کا قول اذنا بت احدکم نانتہ فی الصلوٰۃ فلیسبح اور اشارہ اور تسبیح دونوں کو جمع کرنا مکروہ ہے کیونکہ ان دونوں میں سے ایک کافی ہے۔

مکروہات نماز

فصل

نماز میں کپڑے، بدن سے کھیلنا اور عبث کام مکروہ ہے

وبکرہ للمصلی ان یعبث بثوبہ او بجسدہ لقولہ علیہ السلام ان اللہ تعالیٰ کرہ لکم ثلاثا و ذکر منها العبث فی الصلوٰۃ ولان العبث خارج الصلوٰۃ حرام فما ظنک فی الصلوٰۃ

ترجمہ۔۔۔ (یہ) فصل (مکروہات نماز کے بیان میں ہے)۔ اور مصلیٰ کے لئے مکروہ ہے یہ کہ کھیلے اپنے کپڑے یا بدن کے ساتھ کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے تین چیزوں کو مکروہ کیا ہے اور ان تین چیزوں میں سے ایک نماز میں عبث کرنا ہے اور اس لئے کہ عبث خارج صلوٰۃ حرام ہے پس نماز میں تیرا کیا گمان ہے۔

تشریح..... ماسبق میں مفصلات نماز کا بیان تھا اس فصل میں مکروہات کا ذکر ہے امام بدرالدین گردیزی کے قول کے مطابق مکروہات ہے جس میں غرض تو ہو مگر شرعی نہ ہو اور سنہ وہ ہے جس میں کوئی غرض نہ ہو۔

مسئلہ یہ ہے کہ نمازی کا اپنے کپڑے یا بدن سے کھیلنا مکروہ ہے۔ دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لباس چیزیں مکروہ کی ہیں ان میں سے ایک نماز کے اندر کھیلنا ہے اور باقی دو میں سے ایک روزہ کی حالت میں گندی گفتگو کرنا ہے اور وہ قبرستان میں قبۃہ لگانا ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ فعل عبث نماز سے باہر حرام ہے پس نماز میں تیرا کیا خیال ہے یعنی نماز میں باہر حرام ہے۔

کنکریوں کو پلٹنے کا حکم

ولا یقلب الحصا لانه نوع عبث الا ان لا یسکنه من السجود فیسویہ مرۃ لقولہ علیہ السلام مرۃ یا ابادر فذر و لان فیہ اصلاح صلاتہ

ترجمہ..... اور کنکریوں کو نہ لوٹے کیونکہ یہ بھی ایک قسم کا عبث ہے مگر یہ کہ اس کو سجدہ کرنا ممکن نہ ہو تو ایک مرتبہ اس کو برابر کر دے حضور ﷺ نے فرمایا کہ ایک بار اے ابو ذر روڑنا اس کو بھی چھوڑ اور اس لئے کہ اس میں مصلیٰ کی نماز کی اصلاح ہے۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ نماز کی حالت میں کنکریاں نہ لوٹے اس لئے کہ یہ بھی ایک طرح کا فعل عبث ہے۔ ہاں اگر سجدہ کرنا ناممکن ایک بار الٹ سکتا ہے یعنی ایک بار موضع سجدہ کو برابر کر سکتا ہے، غیر ظاہر الروایت میں دو مرتبہ کی بھی اجازت ہے۔ دلیل حضور ﷺ کا قول یا ابادر و الافذر ہے یعنی اے ابو ذر ایک بار روڑنا اس کو بھی چھوڑ مراد یہ ہے کہ موضع سجدہ سے ایک بار کنکریاں ہٹانے کی اجازت اور اگر ایک بار بھی نہ ہٹائے بلکہ چھوڑ دے تو یہ افضل ہے۔

علامہ ابن ابہام شارح ہدایہ نے یہ لکھا ہے کہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ غریب ہے عبدالرزاق نے حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے سنلت النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن کل شئی حتی عن مسح الحصى واحدة اودع حضرت ابو ذر کہتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے ہر چیز کے بارے میں سوال کیا حتیٰ کہ کنکریوں کو ہٹانے کے بارے میں بھی تو آپ نے فرمایا کہ ایک بار روڑنا چھوڑ دے۔ اور معقیب سے روایت ہے کہ انہ صلی اللہ علیہ وسلم قال تمسح الحصى وانت تصلى فان كنت لا بدفاعا فواحدة یعنی حضور ﷺ نے فرمایا کہ کنکریاں مت ہٹاؤ در انحالیکہ تم نماز میں ہو پس اگر ضرورت کرنا پڑ جائے تو ایک بار۔

عقلی دلیل یہ ہے کہ کنکریاں ہٹانے میں اپنی نماز کی اصلاح ہے اور جس عمل سے نماز کی اصلاح مقصود ہو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

نماز میں انگلیاں چٹخانا اور کھوکھوں پر ہاتھ رکھنا مکروہ ہے

ولا یفرق اصابعہ لقولہ علیہ السلام لا تفرق اصابعک وانت تصلى ولا یتخصر وهو وضع اليد الحاضرة لانه علیہ السلام نہی عن الاختصار فی الصلوٰۃ و لان فیہ ترک الوضع المسنون

ترجمہ..... اور اپنی انگلیاں نہ چٹخائے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تو انگلیاں نہ چٹھاؤ در انحالیکہ تم نماز میں ہو۔ اور تخصر نہ کرے اور تخصر

پر ت دھنا ہے کیونکہ حضور ﷺ نے نماز میں تھخر کرنے سے منع کیا ہے اور اس لئے کہ اس میں مسنون طریقہ کا چھوڑنا ہے۔

تشریح..... نماز کے اندر انگلیوں کا چٹخنا بھی مکروہ ہے۔ دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا تھا اسی احب لک ما احب لنفسی لا تفرقع اصابعک وانت تصلی یعنی میں تمہارے لئے وہی چیز پسند کرتا ہوں جو اپنے لئے پسند کرتا ہوں تو بحالت نماز اپنی انگلیاں مت چٹھا، بعض کے نزدیک خارج نماز بھی مکروہ ہے۔ وجہ کراہت یہ ہے کہ یہ قوم لوط کا فعل ہے۔

نماز کی حالت میں تھخر بھی مکروہ تحریمی ہے کیونکہ نماز کی حالت میں تھخر کرنے سے حضور ﷺ نے منع فرمایا ہے چنانچہ ابو ہریرہ نے روایت کیا انہ صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن الاختصار فی الصلوٰۃ۔ عقلی دلیل یہ ہے کہ تھخر کرنے کی صورت میں مسنون طریقہ کو چھوڑنا لازم آتا ہے خارج صلوٰۃ مرد اور عورت دونوں کے لئے مکروہ تنزیہی ہے۔

تھخر کی ایک تفسیر تو صاحب ہدایہ نے کی ہے یعنی کوکھ پر ہاتھ رکھنا۔ یہی تفسیر اولیٰ اور انسب ہے بعض نے کہا کہ تھخر عصا پر ٹیک لگانا ہے۔ اور بعض نے کہا کہ تھخر یہ ہے کہ آیت سجدہ کو حذف کر دے اور باقی کو پڑھے۔

گردن موڑ کر دائیں بائیں التفات کرنا مکروہ ہے

ولا یلتفت لقولہ علیہ السلام لو علم المصلیٰ من یناجی ما التفت ولو نظر بمؤخر عینیہ یمنہ و یسرة من غیر ان یسلوی عنقہ لا یکرہ لانہ علیہ السلام کان یلاحظ اصحابہ فی صلاتہ بمؤق عینیہ

ترجمہ..... اور نماز میں التفات نہ کرے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر مصلیٰ جانتا کہ کس کے ساتھ مناجات کرتا ہے تو التفات نہ کرتا۔ اور اگر مصلیٰ نے گوشہ چشم سے دائیں بائیں نظر کی بغیر اس کے کہ اپنی گردن پھیرے تو مکروہ نہیں ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ نماز میں اپنے سر کو بائیں آنکھوں کے گوشہ سے ملاحظہ فرمایا کرتے تھے۔

تشریح..... مسئلہ گردن موڑ کر التفات نہ کرے کیونکہ اس میں کراہت ہے۔ دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر مصلیٰ جانتا کہ کس کے ساتھ مناجات کرتا ہے تو (ادھر ادھر) التفات نہ کرتا۔ نیز حضور ﷺ سے مروی ہے کہ ان الرحمتہ تو اجہ العبد مادام فی صلاتہ لئلا یلتفت اعرض عنہ یعنی اللہ تعالیٰ برابر بندہ پر نماز میں اقبال فرماتا ہے پس جب اس نے التفات کیا تو وہ وجہ کریم اس سے پھیر لیتا ہے۔

عقلی دلیل یہ ہے کہ گردن موڑ کر التفات کرنے میں بعض گردن کے ساتھ انحراف عن القبلہ ہے اگر پورے بدن کے ساتھ انحراف عن القبلہ ہوتا تو اس کی نماز فاسد ہو جاتی۔ پس جب بعض بدن کے ساتھ انحراف عن القبلہ ہو تو نماز مکروہ ہوگی۔ جیسے نماز کے اندر عمل قلیل مکروہ ہے کیونکہ عمل کثیر مفسد صلوٰۃ ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں سألت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من لفت الرجل فی الصلاة فقال هو اختلاس یختلسه الشیطان من صلاة العبد یعنی میں نے رسول اللہ ﷺ سے مرد کی نماز میں التفات کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ اختلاس (فریب دے کر چھپنا مارنا) ہے کہ اس کو بندہ کی نماز میں سے شیطان اپنے لیتا ہے۔ (بخاری)

بہر حال ان روایات اور عقلی دلیل سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ التفات مفسد نماز نہیں اگرچہ دائیں یا بائیں جانب انحراف عن القبلہ ہو

جائے بشرطیکہ استد بارقبلہ نہ ہو۔

اور اگر مصلیٰ نے اپنی نظر کے گوشہ سے دائیں یا بائیں جانب دیکھا بغیر اس کے کہ گردن پھیرے تو مکروہ نہیں ہے کیونکہ ہر نماز میں اپنے اسباب کو اپنی آنکھوں کے گوشہ سے ملاحظہ فرماتے تھے البتہ آسمان کی طرف نظر اٹھانا مکروہ ہے۔

کتے کی طرح بیٹھنا اور بازوؤں کو زمین پر بچھا دینا بھی مکروہ ہے

ولا یقعى ولا یفتروش ذراعیه لقول ابی ذر نہانی خلیلی عن ثلاث ان انقر نقر الدیک وان اقعى اقعاء وان افترش افتراش الثعلب والاقعاء ان یضع الیتیہ علی الارض وینصب رکتیہ نصباً ہذا

ترجمہ..... اور اقعاء (کتے جیسی بیٹھک نہ کرے)۔ اپنی ماٹیں نہ بچھائے کیونکہ ابو ذر نے کہا کہ میرے خلیل نے مجھ کو تین چیزیں فرمایا (ایک یہ کہ) چونچ ماروں مرغ کے مثل (دوم یہ کہ) کتے کی طرح اقعاء کروں (سوم یہ کہ) لومڑی کی طرح ہاتھ بچھاؤں ہے کہ رکھدے اپنے دونوں وچوڑ زمین پر اور دونوں گھٹنے کھڑے کر لے۔ یہی صحیح ہے۔

تشریح..... صاحب قدوری نے کہا کہ اقعاء اور سجدہ کی حالت میں دونوں ہاتھوں کو بچھانا مکروہ ہے۔ صاحب ہدایہ نے دلیل ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول پیش کیا ہے مگر شارحین ہدایہ نے کہا کہ امام احمد نے اپنی مسند میں قول ابو ہریرہ روایت کیا ہے کہ قول ابی ذر غریب ہے متفق حدیث یہ ہے نہانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن ثلاثۃ عن نقرۃ کمنقرۃ الدیک کما قعاء الکلب والتفات کالتفات الثعلب ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ مجھ کو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم باتوں سے منع فرمایا ایک مرغ کی طرح چونچ مارنے سے یعنی سجدہ اس قدر خفیف کرے کہ جیسے مرغ چونچ مار کر سر اٹھا لیتا ہے۔ طرح بیٹھنے یعنی التیات اور دونوں سجدوں کے درمیان کتے کی طرح بیٹھنے سے منع فرمایا سوم لومڑی کی طرح ادھر ادھر تاک جھانک سے منع فرمایا۔ اور حدیث ابی ذر جس کو صاحب ہدایہ نے ذکر کیا اس میں تیسری بات یہ ہے ان افترش افتراش الثعلب یعنی طرح (حالت سجدہ میں) ہاتھوں کے بچھانے سے منع فرمایا ہے۔

اقعاء کی صورتیں: اقعاء کی دو تفسیریں کی گئی ہیں ایک امام طحاوی کے نزدیک دوسری امام کرخی کے نزدیک امام طحاوی کے اقعاء یہ ہے کہ اپنے چوڑ پر بیٹھے اپنی دونوں رانوں کو کھڑا کرے اپنے دونوں گھٹنوں کو سینے سے ملائے اور دونوں ہاتھ زمین پر رکھے صحیح تفسیر ہے۔ اسی کو صاحب ہدایہ نے اختیار کیا ہے امام کرخی کے نزدیک اقعاء یہ ہے کہ اپنے دونوں قدموں کو کھڑا کرے اور دونوں ہاتھ زمین پر رکھے۔

نماز میں سلام کا جواب دینے کا حکم

ولا یرد السلام بلسانہ لانہ کلام ولا یردہ لانہ سلام معنی حتی لو صافح بنیۃ التسلیم نفسہ

ترجمہ..... اور اپنی زبان سے سلام کا جواب نہ دے کیونکہ یہ کلام سے اور نہ اپنے ہاتھ سے کیونکہ معنی یہ بھی سلام ہے حتیٰ کہ اگر ہاتھ سے مصافحہ کیا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

تشریح..... نماز میں زبان سے سلام کا جواب دینا مفسد نماز ہے کیونکہ یہ کلام ہے اور کلام نماز کو فاسد کر دیتا ہے لہذا اسلام کا جواب بھی نماز کو فاسد کر دے گا۔ سلام اور جواب سلام کے کلام ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ میں فلاں سے کلام نہیں کروں گا پھر ان کو سلام کیا تو یہ شخص حائث ہو جائے گا اور ہاتھ سے سلام کا جواب دینا مکروہ ہے کیونکہ یہ بھی معنی سلام ہے چنانچہ بہ نیت سلام اگر مصافحہ کیا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

یہاں ایک اعتراض ہے وہ یہ کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ میں نے بلال سے کہا کہ کیف کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یرد علیہم حین کانوا یسلمون علیہ وهو فی الصلوٰۃ قال کان یشیر بیدہ یعنی جس وقت حضور ﷺ نماز میں ہوتے اور لوگ آپ کو سلام کرتے تو آپ کس طرح جواب دیتے تھے بال نے کہا کہ ہاتھ سے اشارہ فرماتے تھے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہاتھ سے سلام کا جواب دینا مکروہ نہیں ہے۔

جواب..... یہ واقعہ ما قبل التحريم پر محمول ہے لہذا اس کو عدم کراہت کی دلیل نہ بنایا جائے۔

نماز میں چار زانو بیٹھنے اور بالوں کو گوندھنے کا حکم

ولا یضرب الا من عذر لان فیہ ترک سبۃ القعود ولا یعقص شعرہ وهو ان یجمع شعرہ علی ہامتہ ویشدہ یخیط او بصمغ لیتلبد فقد روی انه علیہ السلام نہی ان یصلی الرجل وهو معقوص

ترجمہ..... اور چار زانو نہ بیٹھے مگر عذر کی وجہ سے کیونکہ اس میں سنت قعود کا ترک ہے اور بالوں کو معقوص نہ کرے۔ اور عقص یہ ہے کہ اپنے بالوں کو پیشانی پر جمع کر کے دھاگے سے باندھے یا گوند سے چوڑا کر دے تاکہ چپک جائے کیونکہ مروی ہے کہ حضور ﷺ نے معقوص ہونے کی حالت میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا۔

تشریح..... مسئلہ نماز کی حالت میں بلا عذر چار زانو بیٹھنا مکروہ ہے کیونکہ اس بیٹھک میں قعود کی سنت کا ترک ہے بعض حضرات نے کراہت کی علت یہ بیان کی کہ متکبروں کی بیٹھک ہے پس اس علت کی بناء پر یہ بیٹھک خارج نماز بھی مکروہ ہوگی لیکن شمس الائمہ سرخسی وغیرہ نے اس کو رد کر دیا کیونکہ خارج نماز حضور ﷺ کا اپنے صحابہ کے ساتھ چار زانو بیٹھنا ثابت ہے۔ (فتح القدیر) اسی طرح مسجد نبوی میں ذوق العظیم کی عام نشست تربعا (چار زانو) ہوتی تھی صحیح بات یہ ہے کہ چار زانو بیٹھنے کی بہ نسبت دونوں گھٹنوں پر بیٹھنا تواضع کے زیادہ آہل ہے۔ لہذا نماز کی حالت میں بھی یہی بیٹھک اولیٰ ہے الا کیونکہ عذر ہو۔

نماز کی حالت میں سر کے بالوں کو چٹلا بنانا بھی مکروہ ہے۔ صاحب کفایہ نے بالوں کو معقوص کرنے کی تین صورتیں لکھی ہیں،

(۱) سر کے ارد گرد بالوں کی مینڈھیاں بنا کر باندھے جیسے عورتیں کرتی ہیں۔ (۲) پیشانی پر جمع کر کے دھاگے سے باندھے۔

(۳) کسی لیس دار چیز یا گوند سے چپکا دے۔

دلیل ابورافع کی حدیث ہے قال نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یصلی الرجل وراسہ معقوص یعنی حضور ﷺ نے مرد کو اس حال میں نماز پڑھنے سے منع کیا کہ اس کے سر پر بالوں کا چٹلا ہو نیز حضور ﷺ سے مروی ہے اموت ان اسجد علی سبعتہ وان لا اکف شعر اولا ثوبا یعنی مجھ کو سات اعضاء پر سجدہ کرنے کا حکم کیا گیا اور اس بات کا کہ بالوں کو کف نہ کروں اور نہ

کپڑے کو۔ اور چونکہ بالوں کو چٹلا بنانے میں انکاف ہے اس لئے چٹلا بنانے سے منع کیا گیا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے انہ مر برجل ساجد عاقص شعرہ فجلہ حلا عنیفا وقال اذا طول احدکم شعرہ فلیبر سلہ لیسجد معہ الخ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک آدمی کے پاس سے گذرے کہ وہ سجدہ کر رہا تھا اور اس کے بالوں کا جوڑا بنا ہوا تھا پس حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے کھوا اور فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کے بال دراز ہو جائیں تو اس کو چھوڑے رکھے تاکہ اس کے ساتھ وہ بھی سجدہ کریں۔

نماز میں کپڑے کو سمیٹنا اور سدل کرنا مکروہ ہے

ولا یکف ثوبہ لانه نوع تجبر ولا یسدل ثوبہ، لانه علیہ السلام نہی عن السدل وهو ان یجعل ثوبہ علی وکتفہ ثم یرسل اطرافہ من جوانبہ و لا یأکل و لا یشرب لانه لیس من اعمال اللہ

ترجمہ..... اور اپنا کپڑا نہ سمیٹے کیونکہ اس میں ایک طرح کا تکبر ہے۔ اور نہ اپنا کپڑا نکالنے کیونکہ حضور ﷺ نے لٹکانے سے منع کیا ہے۔ سدل یہ ہے کہ اپنا کپڑا اپنے سر اور کندھوں پر ڈال کر اس کے کنارے اپنی جوانب میں لٹکے چھوڑے اور (نماز میں) نہ کھائے نہ پئے کیونکہ یہ نماز کے اعمال سے نہیں ہے۔

تشریح..... کف ثوب یہ ہے کہ جب سجدہ کرنے کا ارادہ کرے تو اپنے آگے یا پیچھے سے کپڑا اٹھائے۔ اب حاصل مسئلہ یہ ہوا کہ زمین پر گرنا ہو تو اس کو نہ روکے کیونکہ اس میں ایک قسم کا تکبر ہے۔

اور کپڑے کو بے طریقہ لٹکانا چھوڑے۔ دلیل یہ ہے کہ امام ابو داؤد نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ انہ صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن السدل فی الصلوٰۃ وان یغطی الرجل فاه یعنی حضور ﷺ نے نماز کے اندر سدل سے منع فرمایا اور اس سے منع فرمایا کہ مرد اپنا منہ ڈھکے سدل یہ ہے کہ اپنا کپڑا اپنے سر اور کندھوں پر ڈال کر اس کے کنارے اپنی جوانب میں لٹکے چھوڑے۔

صاحب کفایہ نے کہا کہ سدل یہ ہے کہ چادر یا قبائ اپنے کندھوں پر ڈالے اور اپنے ہاتھ کو آستینوں میں نہ ڈالے خواہ قمیص کے قمیص کے نیچے۔

اور نماز میں نہ کھائے اور نہ پئے کیونکہ یہ نماز کے اعمال میں سے نہیں ہے لیکن اگر دانتوں کے درمیان میں کوئی چیز ہو پھر اس کا نکلنا تو اس کی نماز فاسد نہ ہوگی کیونکہ جو چیز دانتوں کے درمیان ہے وہ تھوک کے تابع ہے اور تھوک کا نکل جانا مفسد نماز نہیں لہذا اس کے نکل جانا بھی مفسد نماز نہیں ہوگا۔

نماز میں جان بوجھ کر یا بھول کر کھانا پینا مفسد صلوٰۃ ہے

فان اکل او شرب عامدا او ناسیا فسدت صلوتہ لانه عمل کثیر و حالۃ الصلوٰۃ مذمومہ

ترجمہ..... پھر اگر نمازی نے کھانا یا پینا عمدتاً یا سہو سے تو اس کی نماز فاسد ہوگی کیونکہ یہ عمل کثیر ہے اور نماز کی حالت یا بدلانے والی ہے۔ تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ نماز کی حالت میں کھانا یا پینا مفسد نماز ہے نماز خواہ فرض ہو یا نفل اور کھانا پینا عمدتاً یا سہو سے یا نسیاناً ہو یا بھول کر یا نکل اور شرب ان دونوں میں سے ہر ایک عمل کثیر ہے اور عمل کثیر مفسد نماز ہے اس لئے ان صورتوں میں نماز فاسد ہو جائے گی۔

وحالۃ الصلوٰۃ مذکورہ سے ایک سوال کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ نماز کی حالت میں بھول چوک سے کھانا پینا اسی طرح معاف ہونا چاہئے جیسا کہ روزہ کی حالت میں معاف ہے۔

جواب نماز کی حالت روزے کے مانند نہیں ہے کیونکہ نماز کی حالت یاد دلانے والی ہے یعنی بیداری اور ہوشیاری کی ہے لہذا نماز کی حالت میں کھانا پینا نسیانا اور سہواً نہیں ہو سکتا۔ اس کے برخلاف روزہ کہ وہ حالت مذکورہ نہیں ہے۔ اس وجہ سے روزہ کی حالت میں نسیان اور بھول کو معاف کر دیا گیا۔

امام کا مسجد میں کھڑا ہونا اور سجدہ محراب میں کرنا مکروہ نہیں ہے، مکمل محراب میں کھڑا ہونا مکروہ ہے

الاساس بان یکون مقام الامام فی المسجد وسجودہ فی الطاق ویکرہ ان یقوم فی الطاق لانہ شبہہ صنیع علی الکتاب من حیث تخصیص الامام بالمکان بخلاف ما اذا کان سجودہ فی الطاق ویکرہ ان یکون الامام وحده علی المدکان لما قلنا وکذا علی القلب فی ظاہر الروایۃ لانہ ازدرء بالامام

ترجمہ۔۔۔ اور کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ امام مسجد میں کھڑا ہو اور اس کا سجدہ محراب میں ہو اور مکروہ ہے کہ امام محراب میں کھڑا ہو۔ کیونکہ یہ اس کتاب کے عمل کے مشابہ ہے اس حیثیت سے کہ امام کی جگہ مخصوص کرتے ہیں برخلاف اس کے جب امام کا سجدہ کرنا محراب میں ہو۔ اور مکروہ ہے کہ امام تنہا چوتراہ پر ہو اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے بیان کی۔ اور یوں ہی برعکس بھی ظاہر الروایۃ میں مکروہ ہے۔ اس لئے کہ یہ ہوت امام کے حق میں تحقیر ہے۔

تقریباً۔۔۔ مسئلہ اگر امام کے قدم مسجد میں ہوں اور سجدہ کرنا محراب میں ہو تو اس میں کوئی قباحت نہیں ہے کیونکہ اعتبار قدم کا ہوتا ہی پس ب قدم مسجد میں ہیں تو مقتدیوں کے برابر ہے اگرچہ سجدہ محراب کے اندر واقع ہوگا اور اگر امام کے قدم بھی محراب میں ہوں تو یہ مکروہ ہے لہذا اس میں اہل کتاب کے ساتھ مشابہت پائی گئی اس طور پر کہ اہل کتاب امام کی جگہ مخصوص کرتے ہیں۔ اس کے برخلاف اگر امام کے قدم محراب سے باہر ہوں اور سجدہ کرنا محراب میں ہو تو مشابہت نہیں ہے اور اس میں کراہت کی وجہ مشابہت ہی۔ پس جس صورت میں کراہت پائی جائے گی کراہت ہوگی اور جس صورت میں مشابہت نہ ہو اس میں کراہت نہ ہوگی۔

بعض حضرات نے کراہت کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ امام اگر تنہا محراب میں کھڑا ہو یعنی اس کے قدم محراب کے اندر ہوں تو امام کے قدم بائیں کھڑے ہونے والے مقتدیوں پر اس کا حال مخفی ہوگا چنانچہ اگر محراب ایسے طور پر ہو کہ امام کا حال مخفی نہ ہو تو امام کا تنہا محراب میں کھڑا ہونا مکروہ نہیں ہے یہی قول امام ابو جعفر طحاوی کا ہے۔ (عنایہ)

اور یہ بھی مکروہ ہے کہ امام کسی بلند جگہ پر کھڑا ہو اور تمام مقتدی نیچے کھڑے ہوں کیونکہ اس میں بھی یہود کے ساتھ مشابہت پائی جاتی ہے اور امام کے ساتھ کچھ لوگ بھی کھڑے ہوں تو مکروہ نہیں ہے۔ مصنف ہدایہ نے بلندی کی مقدار یہاں نہیں کی ہے اس سلسلہ میں چند اقوال ہیں امام طحاوی نے کہا کہ متوسط آدمی کے قدم کے برابر بلندی ہو تو مکروہ ہے اور اگر اس سے کم ہو تو مکروہ نہیں ہے۔ یہی امام ابو یوسف سے مروی ہے۔ بعض نے کہا کہ اس قدر بلند جگہ ہو کہ اس سے امتیاز واقع ہو سکے۔ اور بعض نے کہا کہ ایک ذراع کی بلندی ہو۔ اس تیسرے قول کو مزید پر قیاس کیا گیا ہے اور اسی پر اعتماد ہے۔ یہ خیال رہے کہ کراہت اسی وقت تک ہے جب تک کہ کوئی عذر نہ ہو۔ ہاں اگر

کوئی عذر ہو تو تنہا امام کے بلند جگہ ہونے میں کوئی کراہت نہیں ہے۔

صاحب کتاب نے فرمایا کہ اگر معاملہ برعکس ہو یعنی امام نیچے اور مقتدی بلندی پر ہوں تو بھی ظاہر المروریۃ کے مطابق مکروہ ہے اس صورت میں یہود کے ساتھ تشابہ اگرچہ نہیں پایا گیا مگر امام کے حق میں تخفیر ہے۔ حالانکہ ہم کو اس کی تکریم اور تعظیم کرنی چاہئے۔ طحاوی نے کہا کہ چونکہ اس صورت میں یہود بے یہود کے ساتھ مشابہت نہیں رہی اس لئے یہ صورت مکروہ نہیں ہوگی لیکن اس کا سابق دلیل کے ذیل میں گذر چکا ملا حظہ فرمائیے۔

بیٹھ کر باتیں کرنے والے کی پیٹھ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا مکروہ نہیں

ولا بأس ان یصلی الی ظہر رجل قاعد یتحدث لان ابن عمر ربما کان یستتر بنافع فی بعض السنین ترجمہ..... اور ایسے آدمی کی پیٹھ کی طرف نماز پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں جو باتیں کرتا ہو کیونکہ ابن عمرؓ بسا اوقات بعض اسفار میں سترہ بنا لیتے تھے۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ کسی ایسے شخص کی پیٹھ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا جو باتیں کرتا ہو مکروہ نہیں ہے۔ دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سفر وغیرہ میں سترہ کے لئے جب درخت وغیرہ نہ پاتے تو اپنے غلام نافع سے فرماتے کہ اپنی پیٹھ پھیر دے اور دوسرے آدمی کے چہرہ کی طرف نماز پڑھے تو مکروہ ہوگا کیونکہ مروی ہے ان عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رأى رجلا یصلی وجہ غیرہ فعزّرہما بالدرۃ وقال للمصلی تستقبل صورۃ فی صلوتک وقال للقاعد استقبل المصلی بسوجھک یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ دوسرے آدمی کے چہرہ کی طرف نماز پڑھ رہا ہے پس آپ سے دونوں کی پٹائی کی اور مصلی سے کہا کہ تو اپنی نماز میں صورت کا استقبال کرتا ہے اور بیٹھنے والے شخص سے کہا کہ تو اپنے چہرہ کی طرف مصلی کا استقبال کرتا ہے۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ یہ مکروہ ہے ورنہ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس قدر سختی کیوں فرماتے ہاں اگر کسی آدمی کا چہرہ کی طرف نماز پڑھی اور مصلی اور اس کے درمیان ایک تیسرا آدمی ہے جس کی پیٹھ مصلی کے چہرہ کی طرف ہے تو یہ صورت غیر مکروہ ہے ماننے والے الی ظہر رجل قاعد یتحدث سے معلوم ہوا کہ اس میں بھی مضائقہ نہیں ہے کہ ایک آدمی نماز پڑھے اور اس کے نزدیک کچھ لوگ باتیں کرتے رہیں مگر بعض حضرات نے اس کو مکروہ کہا ہے وجہ کراہت یہ حدیث ہے ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہی ان یصلی الی الرجل و عندہ قوم یتحد ثون او نائمون یعنی اللہ کے برحق نبی نے منع فرمایا کہ آدمی نماز پڑھے حالانکہ اس کے قریب لوگ باتیں کرتے یا سوتے ہیں۔ ہماری طرف سے حدیث کا جواب یہ ہے کہ یہ ممانعت اس وقت ہے جب کہ ان لوگوں کی آوازیں اس قدر بلند ہوں کہ اس کی وجہ سے نماز میں غلطی واقع ہونے کا خوف ہو یا یہ خوف ہو کہ اگر سونے والوں میں سے کسی نے با آواز ترح خارج کی تو یا نماز میں ہنس پڑے گا پس اگر یہ خوف نہ ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔

نمازی کے سامنے مصحف یا تلوار لٹکی ہوئی تو کوئی حرج نہیں

ولا بأس بان یصلی و بین یدیه مصحف معلق او سیف معلق لانہما لا یعبدان و باعتبارہ تشتت الکراہۃ

باب ما یفسد الصلوٰۃ وما یکرہ فیہا

ترجمہ۔ اور کوئی حرج نہیں کہ آدمی نماز پڑھے اور اس کے سامنے مصحف لٹکا ہو یا تلوار لٹکی ہو کیونکہ مصحف اور تلوار کی عبادت نہیں کی جاتی اور اہل حق اعتبار سے ثابت کی جاتی ہے۔

مصحف نے کہا کہ مصلی کے سامنے اگر قرآن پاک لٹکا ہو یا تلوار لٹکی ہو تو اس میں کراہت نہیں ہے کیونکہ ان دونوں کی عبادت نہیں کی جاتی حالانکہ عبادت ہی کا اعتبار کر کے کراہت ثابت کی جاتی ہے پس جب ان کی عبادت نہیں کی جاتی تو ان کو سامنے لٹکانے میں کراہت بھی نہیں ہوگی۔

پس علماء نے لکھا ہے کہ یہ عمل مکروہ ہے اور دلیل یہ ذکر کی کہ تلوار حرب اور جنگ کا آلہ ہے اور لوہے اور ہتھیاروں میں شدید قسم کا ہتھیار اور لڑائی کا امکان ہے لہذا نماز جیسے تضرع اور خشوع کے مقام میں اس کو آگے رکھنا مناسب نہیں ہے کہا گیا کہ یہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے۔

اور قرآن پاک کو آگے رکھنے میں کراہت اس لئے ہے کہ اس میں اہل کتاب کے ساتھ تشابہ ہے کیونکہ ہاں کتاب اپنی کتابوں کے لئے یہی معاملہ کرتے تھے کہا گیا کہ یہ قول ابراہیم نخعی کا ہے۔

بنیادی طرف سے اول کا جواب یہ ہے کہ بلاشبہ تلوار حرب اور لڑائی کا آلہ ہے لیکن خیال رہے کہ نماز بھی موضع حرب ہے بنیادی تمام کے کھڑے ہونے کی جگہ کو محراب کہتے ہیں پس جب نماز موضع حرب ہے تو نمازی کے پاس ہتھیاروں کا رکھنا مناسب ہے کیونکہ ہم کو صلوٰۃ خوف میں ہتھیار ساتھ رکھنے کا حکم کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَلِنَا خُذُوا اَسْلِحَتَكُمْ جِبْتَلُوْا نِمَازِنَا رِبْہَ نِیْرٍ سَفَرٍ وَغَیْرَہِ فِیْہِمْ اَخْفِزْتُمْ صَلٰی اللہ علیہ وسلم کے آگے نیزہ گاڑ دیا جایا کرتا اور آپ اس کی طرف رخ کر کے نماز ادا کرتے اور ظاہر ہے کہ نیزہ بھی ہتھیار ہے پس ظاہر ہو گیا کہ مصلی کے سامنے ہتھیار رکھنے میں کوئی کراہت نہیں ہے۔

مہربان بات کا جواب یہ ہے کہ اہل کتاب کتاب کو مصلی کے سامنے اس لئے نہیں رکھتے تھے کہ وہ عبادت ہے بلکہ اس لئے رکھتے تھے کہ ان کے اندر اس میں سے دیکھ کر پڑھیں اور ظاہر ہے کہ یہ تو ہمارے نزدیک بھی مکروہ ہے بلکہ مفسد صلہ ہے لیکن اگر یوں ہی مصلی کے سامنے رکھا جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے پس اسی طرح اگر لٹکا دیا جائے تو بھی کوئی مضائقہ نہیں ہوگا۔ (فتح القدیر، کتابیہ)

تصویر والے پچھونے پر نماز پڑھنا مکروہ نہیں

ابن ماجہ یصلی علی بساط فیہ تصاویر، لان فیہ استھانۃ بالصور ولا یسجد علی التصاویر لانه یشبہ عبادۃ
لہذا اطلق الکراہیۃ فی الاصل لان المصلی معظم

اور ایسے پچھونے پر نماز پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں جس میں تصویریں بنی ہوں کیونکہ ایسا کرنے میں تصویروں کی تہتیر اور تباہی اور تخریب تصور پر نہ کرے کیونکہ یہ تصویر کی پرستش کے مشابہ ہے اور مبسوط میں کراہت کو مطلق لکھا ہے کیونکہ جائے نماز پر تصویریں بنی ہوں اس پر نماز پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں یعنی بلا کراہت جائز ہے۔ دلیل یہ ہے کہ اگر

میں تصویروں کی تختیر اور تذلیل کرنا ہے اور ہم کو اس بات کا حکم کیا گیا ہے کہ اگر کوئی نادان جاندار کی تصویر بنا کر حماقت ظاہر کرے تو اس کی تصویر کو ذلیل و خوار سمجھیں اور اس کے ساتھ ذلت اور توہین کا برتاؤ کریں۔

مصنف کہتے ہیں کہ جعدہ تصویر پر نہ کرے کیونکہ یہ تصویر کی پرستش کے مشابہ ہے جامع صغیر کی اس عبارت کا حاصل یہ ہے بچھونے پر نماز تو پڑھے۔ لیکن جعدہ تصویر پر نہ کرے۔

مبسوط میں لکھا ہے کہ تصویر دار بچھونے پر نماز پڑھنا مطلقاً مکروہ ہے خواہ تصویر پر جعدہ کرے یا نہ کرے اور دلیل یہ ہے کہ نماز کے لئے تیار کیا گیا ہے یعنی مصلیٰ فی نفسہ معظم اور مکرم ہے۔ پس اگر اس میں تصویریں ہوں گی تو ان تصویروں کی ایک آئے گی حالانکہ ہم کو ان کی اہانت کا حکم کیا گیا ہے اس لئے جائے نماز پر تصویروں کا ہونا مطلقاً مناسب نہیں خواہ اس تصویر پر جعدہ نہ کرے۔

فائدہ..... تصویر وہ ہوتی ہے جو مخلوق خدا کے مشابہ بنائی گئی ہو خواہ ذی روح کی ہو یا غیر ذی روح کی۔ اور تمثال ذی روح یا بقا رہے ساتھ خاص ہے لیکن یہاں ذی روح کی تصویر مراد ہے کیونکہ غیر ذی روح کی تصویر میں کوئی کراہت نہیں ہے کیونکہ ان اعمال میں ابن عباسؓ نے ایک مصور سے کہا تھا ان کسنت لا بدفا علا فعلیک بتمثال غیر ذی الروح یعنی اگر تجھ کو تصویر بنانا ہے تو غیر ذی روح کی تصویر بنالیا کر۔ (شرح القدر)

نمازی کے سر کے اوپر چھت میں یا سامنے یا دائیں بائیں تصویر ہوں تو مکروہ ہے

و یکرہ ان یکون فوق رأسه فی السقف او بین یدیه او بحذائہ تصاویر او صورة معلقة لحديث جبریل
ندخل بیتا فیہ کلب او صورة ولو كانت الصورة صغيرة بحيث لا تبدلوا للناظر لا یکرہ لان الصغار جدا

ترجمہ..... اور مکروہ ہے یہ کہ مصلیٰ کے سر کے اوپر چھت میں یا اس کے سامنے یا اس کے دائیں بائیں تصویریں ہوں یا کوئی ہو۔ کیونکہ حدیث جبریل ہے کہ ہم ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا ہو یا تصویر ہو۔ اور اگر تصویر اس قدر چھوٹی ہو والے کو ظاہر نہ ہو تو مکروہ نہیں ہے۔ کیونکہ بہت ہی چھوٹی تصویریں پوجی نہیں جاتیں۔

تشریح..... فرمایا کہ مصلیٰ کے سر کے اوپر چھت میں یا سامنے یا اس کے دائیں بائیں اگر تصویریں ہوں تو اس میں نماز پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ حدیث جبریل ہے عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ انه قال استاذن جبریل اذا
النسی صلی اللہ علیہ وسلم فقال ادخل فقال کیف ادخل وفي بیتک ستر فیہ تصاویر ما ان تقلع رأسہا صلی
بساطاً یوطا فانا معاشرہ الملائکۃ لا ندخل بیتا فیہ تصاویر. (شرح نقایہ) یعنی حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا کہ جبریل نے
اللہ کے نبی سے اجازت مانگی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ داخل ہو جاؤ جبریل نے کہا کس طرح داخل ہوں حالانکہ آپ نے
ایک پردہ ہے جس میں تصویریں ہیں یا تو ان کا سر کاٹ دیا جائے یا بچھونے کر دیئے جائیں جو جا بجا بچھائے جائیں۔ کیونکہ
جماعت ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتی جس میں تصویریں ہوں۔

اس حدیث سے اس طور پر استدلال ہوگا کہ جس مکان میں ملائکہ داخل نہیں ہوتے وہ مکان شریعتاً ہیوسوت ہوتا ہے۔ اور نماز پڑھنا

کے آگے رکھنے میں کراہت کی وجہ یہی تھی کہ اس کی پرستش کی جاتی ہو۔ پس جب یہ وجہ نہیں پائی گئی تو کراہت بھی نہیں ہونے لگی۔

بعض حضرات کا قول یہ ہے کہ سامنے موم بتی یا چراغ رکھ کر نماز پڑھنا مکروہ ہے جیسا کہ اگر مصلیٰ کے سامنے انگلیٹھی ہو اور دیکھتے ہوئے انگارے ہوں یا شعلہ زن آگ ہو تو یہ مکروہ ہے لیکن صحیح قول عدم کراہت کا ہے۔

تصویر پڑے تکے یا بچھونے پر ہو تو نماز مکروہ نہیں

ولو كانت الصورة علی وسادة ملقاة او علی بساط مفروش لا یکرہ لانها تداس و تو طاً بخلاف ما اذا كانت الوسادة منصوبة او كانت علی الستر لانه تعظیم لها و اشدھا کراہة ان تكون امام المصلی ثم من فوق ثم علی یمینہ ثم علی شمالہ ثم خلفہ

ترجمہ..... اور اگر تصویر پڑے ہوئے تکے پر ہو یا بچھے ہوئے بچھونے پر تو مکروہ نہیں ہے کیونکہ تکے اور بچھونا نواہد اور بچھایا جاتا ہے۔ اس کے جب کہ تکے کھڑا ہو یا تصویر پردہ پر ہو۔ کیونکہ یہ تصویر کی تعظیم ہے۔ اور سب سے زیادہ کراہت یہ ہے کہ تصویر مصلیٰ کے پھر یہ کہ مصلیٰ کے سر کے اوپر ہو۔ پھر یہ کہ مصلیٰ کے دائیں ہو پھر اس کے بائیں ہو پھر اس کے پیچھے ہو۔

تشریح..... مسئلہ، اگر تصویر پڑے ہوئے تکے یا بچھے ہوئے بچھونے پر ہو تو یہ مکروہ نہیں ہے کیونکہ تکے اس حالت میں رونداجاتا ہے بچھایا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں تصویر کی توہین اور تذلیل ہوگی نہ کی تعظیم، چنانچہ اس کی تائید ایک حکایت سے بھی ہو سکتی ہے کہ ایک دفعہ حسن بصریؒ اور عطاءؒ ایک ایسے مکان میں داخل ہوئے جس میں ایک بچھونے پر تصویریں تھیں پس عطاءؒ ہو گئے اور حسن بصریؒ اس پر بیٹھ گئے۔ حضرت حسن بصریؒ نے کہا کہ تصویر کی تعظیم اس پر نہ بیٹھنے میں ہے۔ ہاں اگر تکے کھڑا ہو تو پھر یہ مکروہ ہے کیونکہ یہ تصویر کی تعظیم ہے یعنی کوئی بے تعظیمی اس کے ساتھ نہیں ہے۔

واشدھا کراہة..... الخ سے اس بات کا بیان ہے کہ کراہت کے احاد و افراد شدت و ضعف کے اعتبار سے مختلف ہیں سب سے زیادہ کراہت اس میں ہے کہ تصویر مصلیٰ کے آگے ہو پھر اس سے کم اس میں ہے کہ تصویر مصلیٰ کے سر کے اوپر ہو پھر اس کے مصلیٰ کے دائیں ہو پھر یہ کہ بائیں ہو پھر یہ کہ مصلیٰ کے پیچھے ہو۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ اگر تصویر مصلیٰ کے پیچھے ہو تو نماز مکروہ ہے لیکن اس کا گھر میں ہونا مکروہ ہے کیونکہ نماز کی جگہ کو ایسی چیزوں سے پاک کرنا جو دخول ملائکہ سے مانع ہوں مستحب ہے۔

تصویر والے لباس میں نماز مکروہ ہے

ولو لبس ثوبا فیہ تصاویر یکرہ لانه یشبه حامل الصنم و الصلوٰۃ جائزۃ فی جمیع ذلک لانه شرائطها و اتعاد علی وجہ غیر مکروہ و هو الحکم فی کل صلوٰۃ اذیت مع الذکر

ترجمہ..... اور اگر ایسا کپڑا پہنا جس میں تصویریں ہوں تو مکروہ ہے کیونکہ بہت اٹھانے والے کے مشابہ ہے۔ رہی نماز تو ان صورتوں میں جائز ہے۔ کیونکہ شرائط نماز سب جمع ہیں۔ اور غیر مکروہ طریقہ پر نماز کا اعادہ کیا جائے اور یہی حکم ہر اس نماز میں ہے۔

کے ساتھ ادا کی گئی ہو۔

تشریح۔۔۔ ایسا کپڑا پہننا جس میں تصویریں ہوں مکروہ ہے کیونکہ یہ شخص بت اٹھانے والے کے مشابہ ہے۔ شبہ اس لئے کہا گیا کہ کپڑے میں واقعہ بہت نہیں۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ ان سب مکروہ صورتوں میں نماز جائز ہے۔ کیونکہ نماز کی تمام شرطیں جمع ہیں۔

صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ نماز اگر مکروہ طریقہ پر ادا کی گئی ہو تو احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ اس کو غیر مکروہ طریقہ پر لوٹایا جائے۔ شیخ توام الدین کا گئی نے شرح منار میں واجب کے لفظ کی تصریح فرمائی ہے یعنی نماز اگر مع الکرہت ادا ہوئی تو اس کا اعادہ واجب ہے۔ لیکن سچی بات یہ ہے کہ نماز اگر کرہت تحریمی کے ساتھ ادا کی گئی ہو تو اس کا اعادہ واجب ہے کیونکہ مکروہ تحریمی واجب کے مرتبہ میں ہوتا ہے اور اگر کرہت تزیینی کے ساتھ ادا کی گئی ہو تو اس کا اعادہ مستحب ہے۔ کیونکہ مکروہ تزیینی مستحب کے مرتبہ میں ہوتا ہے۔ (فتح القدیر)

غیر ذی روح کی تصاویر مکروہ نہیں

ولا یکرہ تمثال غیر ذی الروح لانه لا یعبد

ترجمہ..... اور غیر ذی روح کی تصویر مکروہ نہیں کیونکہ اس کی پرستش نہیں کی جاتی۔

تشریح۔۔۔ واضح ہے۔

دوران نماز موزی جانوروں کے مارنے کا حکم

لا بأس بقتل الحیة والعقرب فی الصلوٰۃ لقوله علیہ السلام اقتلوا الا سودین ولو كنتم فی الصلوٰۃ ولان فیہ
والذ الشغل فاشبهه درء المار ویستوی جمیع انواع الحیات هو الصحیح لا طلاق ماروینا

ترجمہ..... اور سانپ اور بچھو کو نماز کے اندر مارنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ قتل کرو تم دونوں کالوں کو (سانپ اور بچھو) اگرچہ تم نماز میں ہو۔ اور اس لئے کہ اس میں دل کو مشغولیت کا دور کرنا ہے پس گزرنے والے کو دفع کرنے کے مشابہ ہو گیا۔ اور حکم میں سانپ کی تمام قسمیں داخل ہیں۔ یہی صحیح ہے اس حدیث کے مطلق ہونے کی وجہ سے جو ہم نے روایت کی ہے۔

فتی..... نماز کی حالت میں سانپ اور بچھو کو قتل کرنا بلا کرہت مباح ہے دلیل حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے (اقتلوا الا سودین
لو كنتم فی الصلوٰۃ) حدیث میں اسودین سے مراد سانپ اور بچھو ہیں۔ ترجمہ ہوا کہ سانپ اور بچھو کو مار ڈالو اگرچہ تم نماز میں ہو۔
اور فتی دلیل یہ ہے کہ سانپ اور بچھو کو مارنا اس وجہ سے جائز ہے کہ اس میں دل کا مشغول ہونا دور ہوتا ہے یعنی نماز کی نظر جب تک
ماری پڑی رہے گی تو اس کا دل اسی طرف متوجہ رہے گا اور نماز کی روح حضور قلب اس کو حاصل نہ ہو سکے گا۔ اس لئے کہا گیا کہ اس کو مار
نے کے دل کی مشغولیت ختم ہو جائے اور حضور قلب نصیب ہو جائے۔ پس یہ سانپ اور بچھو کو مارنا نماز کی آگے سے گزرنے والے کو دفع
کرنے کے مشابہ ہو گیا۔

صاحب عنایہ نے لکھا ہے کہ مصنف ہدایہ نے اس کی کوئی تفصیل ذکر نہیں کی کہ ایک بار مار کر اس کو قتل کرے یا چند بار مارنے کی

ضرورت پیش آئے تو چند مرتبہ مار کر قتل کر دے یہی قول شمس الائمہ السنہی کا ہے یعنی اگر ضرب واحد سے قتل کرنا ممکن ہو تو ایک مار مار کر قتل کرنا اور اگر چند ضربوں کی ضرورت پڑے تو اس سے بھی دریغ نہ کرے۔ حاصل یہ کہ مقصود اس قتل کرنا ہے ایک بار سے ہو یا متعدد ضربوں سے ہو۔ دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے اقولوا لا تسبوا النبیؐ فرمایا ہے اور اس میں کوئی تفصیل نہیں ہے۔

بعض فقہاء کا خیال یہ ہے کہ اگر ایک ضرب سے قتل کرنا ممکن ہو تو مار ڈالے اور نماز نہ لوٹائے۔ اور اگر متعدد ضربیں مار کر پڑیں تو نماز کا اعادہ کرے کیونکہ یہ عمل کثیر ہے اور عمل کثیر مفسد نماز ہے لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ بلاشبہ متعدد بار ڈنڈا مارنا کثیر ہے لیکن یہ عمل کثیر ایسا ہے جس کی منجانب شرع رخصت اور اجازت ہے۔ جیسے نماز میں حدیث پیش آنے کے بعد مصلیٰ کا چہرے سے پانی کا نکالنا اور وضو کرنا یہ مجموعہ عمل کثیر ہے مگر شریعت کے رخصت دینے کی وجہ سے مفسد نماز نہیں ہے، ایسے ہی یہاں کثیر شریعت کی طرف سے رخصت ہے۔ اس لئے بار بار مارنا مفسد نماز نہیں ہوگا۔

فاضل مصنف نے کہا کہ اس حکم میں سانپ کی تمام قسمیں داخل ہیں خواہ وہ سفید ہو یا گیسو دار ہو یا کالا لنگ ہو۔ یہی قول صحیح ہے جو حدیث ہم نے روایت کی ہے وہ مطلق ہے سب کو شامل ہے فقیر ابو جعفر ہندوانی نے کہا بعض سانپ سفید رنگ کے گھروں میں سیدھے چلتے ہیں وہ جن ہوتے ہیں ان کو قتل کرنا مباح نہیں۔ کیونکہ اللہ کے پیے رسول عالیہ السلام نے فرمایا۔ ایسا کم والحیثہ لہ فانیہا من الجن، یعنی سفید رنگت کے سانپ کو قتل کرنے سے بچو اس لئے کہ وہ جن ہوتا ہے۔ حدیث میں نماز اور غیر نماز کی کوئی حد نہیں ہے لہذا اس قسم کے سانپ کو غیر نماز میں بھی مارنے کی اجازت نہیں ہے ہاں اگر پہلے یہ کہہ دیا کہ تم چلے جاؤ مسلمانوں کا راستہ ورت ہم مار ڈالیں گے اس کے باوجود بھی اگر وہ نہ جائے تو اس کو قتل کرنا مباح ہے۔

امام ابو جعفر طحاوی نے کہا کہ سانپوں کے درمیان فرق کرنا غلط ہے کیونکہ حضور ﷺ نے جنات سے یہ عہد و پیمانہ لیا تھا کہ وہ ان کے سامنے سانپ کی صورت میں ظاہر نہ ہوں اور نہ ان کے گھروں میں گھسیں پس جب انہوں نے نقص عہد کیا تو ان کا قتل مباح ہو گیا۔ قول شمس الائمہ سنہی نے اختیار کیا ہے اور حدیث میں اس دین سے مراد سیاہ سانپ نہیں بلکہ یہ نقطہ عرب کے عرف میں مطلقاً کے لئے بولا جاتا ہے خواہ کسی رنگ کا ہو۔

نماز میں آیات اور تسبیحات کا شمار کرنا مکروہ ہے

و یکرہ عد الای والتسبیحات بالید فی الصلوٰۃ و كذلك عد السور لان ذلك لیس من اعمال النبی
وعن ابی یوسف ومحمد انه لا بأس بذلك فی الفرائض والنوافل جمیعا مراعاة لسنة القراءۃ
بما جاء بہ السنة قلنا یمکنہ ان یعد ذلك قبل الشروع فیستغنی عن العد بعده واللہ اعلم

ترجمہ..... اور نماز کے اندر ہاتھ کے ذریعہ تسبیحات اور آیات کو شمار کرنا مکروہ ہے اور یہی حکم سورتوں کے شمار کرنے کا ہے کیونکہ یہ اعمال میں سے نہیں ہے اور صاحبین سے مرہی ہے کہ اس کا کوئی مضائقہ نہیں فرائض اور نوافل میں سنت قراءت کی رعایت کرنے اور اس چیز پر عمل کرنے کی وجہ سے جو سنت میں آئی ہے ہم جواب دیتے ہیں مصلیٰ کے لئے ممکن ہے کہ اس کو شروع نماز سے پہلے ہی تو اس کے بعد شمار کرنے سے مستغنی ہوگا۔ واللہ اعلم

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ نماز کے اندر ہاتھ کے ذریعہ تسبیحات اور آیتوں کا شمار کرنا مکروہ ہے نماز خواہ فرض ہو خواہ نفل، اسی طرح

شمار کرنا بھی مکروہ ہے کیونکہ آیات یا تسبیحات یا سورتوں کا شمار کرنا نماز کے اعمال سے نہیں ہے۔ یہی ظاہر الروایۃ ہے بالید کی قید سے معلوم ہوا کہ انگلیوں کے پوروں سے دبا کر یا دل سے یاد کرنا مکروہ نہیں ہے۔ بالید کی قید سے یہ بھی معلوم ہوا کہ زبان سے شمار نہ کرے کیونکہ زبان سے شمار کرنا مفید نماز ہے۔

مصنف نے فی الصلوٰۃ کی قید ذکر کر کے اس طرف اشارہ کر دیا کہ غیر نماز کی صورت میں شمار کرنا مکروہ نہیں ہے لیکن علامہ فخر الاسلام نے ذکر کیا کہ خارج صلوٰۃ بھی تسبیح کا شمار کرنا بدعت ہے اور فرمایا وکان السلف یقولون نذنب ولا نخصی ونسبح و نلخصی، یعنی اسلاف کہتے تھے کہ ہم گناہ تو بے شمار کرتے ہیں اور اس کو شمار نہیں کرتے، اور تسبیح پڑھتے ہیں تو شمار کرتے ہیں یہ غیر ظاہر الروایۃ میں صاحبین سے مروی ہے آیات یا تسبیحات کو فرائض اور نوافل دونوں میں شمار کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ بسا اوقات انسان کو آیات شمار کرنے کی ضرورت پڑتی ہے مثلاً وہ چاہتا ہے کہ فرائض میں مسنون طریقہ پر قراءت کرے یعنی چالیس یا ساٹھ آیات پڑھے جیسا کہ سنت رسول ﷺ سے ثابت ہے یا مثلاً صلوٰۃ التبیح میں جس پر سنت وارد ہوئی ہے اس پر عمل کرنا چاہتا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ ان دونوں صورتوں میں بغیر شمار کے کوئی چارہ کار نہیں ہے لہذا اس وقت شمار کرنے میں کوئی حرج نہیں ہوگا۔ امام ابو ظیفہ کی دلیل یہ ہے کہ قراءت مسنونہ پر عمل اس طور پر بھی ہو سکتا ہے کہ نماز شروع کرنے سے پہلے شمار کر کے متعین کر لے کہ پہلی رکعت میں یہاں سے یہاں تک پڑھوں گا اور دوسری میں یہاں سے یہاں تک پڑھوں گا پس اس صورت میں نماز میں شمار کرنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ رہا صلوٰۃ التبیح کا معاملہ تو اس میں بھی ہاتھ سے شمار کرنے کی چنداں ضرورت نہیں بلکہ انگلیوں کے پوروں کو شمار کرے۔

واللہ اعلم بالصواب، جمیل احمد عفی عنہ

فصل

خارج نماز کے مکروہات کا بیان

بیت الخلاء میں فرج کے ساتھ استقبال قبلہ اور استدبار قبلہ مکروہ ہے

بکرہ استقبال القبلة بالفرج فی الخلاء لانه علیہ السلام نہی عن ذلک والاستدبار یکرہ فی روایۃ لما فیہ من ترک التعظیم ولا یکرہ فی روایۃ لان المستدبر فرجه غیر موازی للقبلة وما ینحط منه ینحط الی الارض بخلاف المستقبل لان فرجة موازی لها وما ینحط منه ینحط الیها

ترجمہ یہ فصل ہے۔ اور مکروہ ہے بیت الخلاء میں شرمگاہ کے ساتھ قبلہ کا رخ کرنا کیونکہ حضور ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے اور ایک روایت میں استدبار بھی مکروہ ہے کیونکہ اس میں بھی ترک تعظیم ہے اور ایک روایت میں مکروہ نہیں ہے کیونکہ استدبار کرنے والا اس حال میں کہ اس کی شرمگاہ متوازی قبلہ نہیں ہے اور جو کچھ شرمگاہ سے گرتا ہے وہ زمین کی طرف گرتا ہے برخلاف استقبال قبلہ کرنے والے کے کیونکہ اس کی شرمگاہ تو متوازی قبلہ ہے اور جو کچھ شرمگاہ سے گرتا ہے وہ قبلہ رخ جاتا ہے۔

قرآن قبل میں مکروہات نماز کا بیان تھا اس فصل میں خارج نماز کے مکروہات کا بیان ہے مسئلہ یہ ہے کہ قضاء حاجت یعنی پیشاب یا بخانہ

کے وقت اپنی شرمگاہ (ذکر) کے ساتھ قبلہ کی طرف رخ کرنا مکروہ تحریمی ہے خواہ کھلے میدان میں ہو یا آبادی میں، سامنے کی طرف نہ ہو، بہر صورت مکروہ تحریمی ہے۔ دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے چنانچہ آقا کا ارشاد ہے عن سلا من قال لقلد علمکم بنیکم کل شیء حتی الخراءۃ قال اجل لقد نهانا ﷺ ان نستقبل القبلة بغائط او بول الحدیث داؤد) سلمان فارسی سے کسی نے کہا کہ تم کو تمہارے نبی نے ہر چیز کی تعلیم دی ہے حتیٰ کہ بول و براز کرنے کی بھی (تاکل کی یہ بات متسخر تھی)۔ حضرت سلمان فارسی نے فرمایا: ہاں، ہم کو ہمارے نبی نے بول و براز کی حالت میں استقبال قبلہ کرنے سے منع فرمایا۔ ابوداؤد ہی کی دوسری روایت ہے اذا اتیمم الغائط فلا تستقبلوا القبلة بغائط ولا بول و لکن شرفوا او غربوا یعنی قضاء حاجت کے لئے جاؤ تو استقبال قبلہ اور استدبار قبلہ مت کرو لیکن تم شرقاً یا غرباً رخ کر لیا کرو۔

یہ ذہن نشین رہے کہ ولکن شرفوا او غربوا کا حکم خاص طور پر اہل مدینہ کے لئے ہے کیونکہ کعبۃ المکرمۃ مدینہ منورہ کی جانب مشرق میں ہے اور نہ جانب غرب میں بلکہ جنوب میں ہے ہم ہندوستانیوں کے لئے یہ حکم نہیں ہوگا بلکہ ہمارے لئے لکن مشرق او جنوباً ہوگا یعنی قضاء حاجت کے وقت شمالاً یا جنوباً رخ کر کے بیٹھو۔

استدبار قبلہ یعنی کعبہ مکرمہ کی طرف پیٹھ کر کے بیٹھنے میں حضرت امام ابوحنیفہؒ سے دو روایتیں ہیں۔ ایک روایت کے مطابق اہل مسجد قبلہ میں بھی ترک تعظیم ہے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ استدبار قبلہ مکروہ نہیں۔ کیونکہ جو شخص قبلہ کی جانب پیٹھ کر کے بیٹھے گا۔ اس کا من اور قبلہ کی طرف نہیں ہوگی اور جو کچھ شرمگاہ سے گرتا ہے وہ زمین کی طرف گرتا ہے۔ یعنی پیشاب کی دھار دوسری طرف جاتی ہے بہرہی اپنے سامنے ہوگی۔ اور جو کچھ پیشاب کرنے میں شرمگاہ سے گرتا ہے وہ قبلہ رخ ہو کر گرے گا۔ اس لئے استقبال قبلہ کو مکروہ قرار دیا گیا۔ مسئلہ میں بہت تفصیل جس کا میدان سنن کی کتابیں ہیں اس دن کا انتظار فرمائیے جب آپ دورہ حدیث کے سال اس اہم مسئلہ سماعت فرمائیں گے۔ جمیل احمد

مسجد کی چھت پر وٹی، پیشاب پاخانہ مکروہ تحریمی ہے

ویکسرہ المجامعۃ فوق المسجد والبول والتخلی لان سطح المسجد له حکم المسجد حتی یصح الا مانہ بمن تحته ولا یبطل الاعتکاف بالصعود الیہ ولا یحل للجنب الوقوف علیہ

ترجمہ..... مسجد کی چھت پر جماع کرنا اور پیشاب پاخانہ کرنا مکروہ تحریمی ہے کیونکہ مسجد کی چھت کے لئے مسجد ہی کا حکم ہے حتیٰ کہ وہ من اظلم سے افتاء کرنا اس شخص کی جو مسجد کے نیچے ہے صحیح ہے اور چھت پر چڑھنے سے اعتکاف باطل نہیں ہوتا اور جنبی کے لئے مسجد کی چھت پر کھڑا ہونا حلال نہیں ہے۔

تشریح..... مسئلہ مسجد کی چھت پر جماع کرنا، پیشاب، پاخانہ کرنا مکروہ تحریمی ہے کیونکہ مسجد کی چھت کا وہی حکم ہے جو مسجد کا ہے۔ چنانچہ کی چھت پر کھڑے ہو کر اگر کوئی شخص اس امام کی افتاء کرے جو نیچے ہے تو شرعاً درست ہے۔ اور مسجد کی چھت پر چڑھنے کی وجہ سے اعتکاف باطل نہیں ہوتا۔ اور جنبی کے لئے مسجد کی چھت پر کھڑا ہونا جائز نہیں ہے۔ جس طرح کہ مسجد کے اندر کھڑا ہونا جائز نہیں ہے۔

جس بیت ہوا کہ مسجد کی چھت کے لئے مسجد ہی کا حکم ہے اور چونکہ مسجد کے اندر یہ سب کام کرنا جو متن میں مذکور ہیں حرام ہیں تو مسجد کی چھت کے اوپر بھی حرام (مکروہ تحریمی) ہوں گے۔

گھر کی مسجد کی چھت پر پیشاب کرنا مکروہ نہیں

والاباس بالبول فوق بیت فیہ مسجد و المراد ما اعد للصلوة فی البیت لانه لم یأخذ حکم المسجد وان لدنا الیہ۔

ترجمہ۔ اور ایسے گھر کی چھت پر پیشاب کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے جس گھر میں مسجد ہو اور مراد وہ جگہ ہے جو گھر میں نماز کے لئے قرار کر لی گئی ہو کیونکہ اس نے مسجد کا حکم نہیں لیا اگرچہ ہم کو گھروں میں مسجد بنانے کی ترغیب دی گئی ہے۔

ترجمہ۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر گھر میں نماز کی کوئی جگہ مقرر کر لی جائے تو اس گھر کی چھت پر پیشاب پاخانہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ بلکہ یہ ہے کہ اس جگہ کو حقیقی مسجد کا حکم نہیں دیا جائے گا حتیٰ کہ اس کو بیچا بھی جاسکتا ہے اور اس میں وراثت بھی جاری ہوگی لیکن ہم کو گھروں میں مسجد بنانے کی ترغیب دی گئی ہے چنانچہ ہر انسان کے لئے مستحب ہے کہ وہ اپنے گھر میں نماز کے لئے کوئی جگہ مقرر کر لے تاکہ اس میں سُن اور نوافل ادا کرے، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کے قصہ میں فرمایا ہے۔ **وَاجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ قِبْلَةً** اور اپنے گھروں کو قبلہ بناؤ، قبلہ بنائے گھروں میں نماز کی جگہ مقرر کر لو اور حضور ﷺ نے فرمایا لا تتخذوا بیوتکم قبورا اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ۔ مراد یہ ہے کہ گھروں میں نماز ترک کر کے ان کو قبرستان جیسی جگہ نہ بناؤ، بلکہ گھروں میں نماز پڑھو۔ اور اللہ کی عبادت کرو۔

مسجد کا دروازہ بند کرنا مکروہ ہے

بکرہ ان یغلق باب المسجد لانه یشبه المنع من الصلوٰۃ و قیل لا باس به اذا خیف علی متاع المسجد فی سر او ان الصلوٰۃ

ترجمہ۔ اور مسجد کا دروازہ مقفل کرنا مکروہ ہے کیونکہ یہ نماز سے روکنے کے مشابہ ہے اور کہا گیا کہ کچھ مضائقہ نہیں جب کہ مسجد کے دروازے پر خوف ہو سوائے اوقات نماز کے۔

ترجمہ۔ مسئلہ، مسجد کا دروازہ بند رکھنا مکروہ ہے کیونکہ یہ نماز سے روکنے کے مشابہ ہے اور نماز سے روکنا حرام ہے۔ خداوند قدوس کا ارشاد ہے۔ **وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللَّهِ أَنْ يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ** یعنی اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جو مساجد میں اللہ کا ذکر کرنے سے منع کرے۔

بعض حضرات نے کہا کہ اگر مسجد کے سامان کے ضائع ہونے اور چوری وغیرہ کا اندیشہ ہو تو پھر دروازہ بند کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ کیونکہ زمانے کے اختلاف سے لوگوں کی حالتیں مختلف ہوتی رہتی ہیں۔ چنانچہ آپ غور کیجئے کہ ایک زمانہ میں عورتوں کو مساجد میں آنے کی اجازت نہ لیکن فتنہ کا خوف ہوا تو ان کو روک دیا گیا۔ بلکہ اس زمانہ میں ان کو مساجد میں آنے سے روکنا درست ہے اسی طرح آج کے دور میں مساجد کے دروازوں کو بند رکھنے میں کوئی قباحت نہیں ہوگی بلکہ ٹھیک ہوگا۔

مسجد کو چونے، لکڑی، سونے کے پانی کے ساتھ منقش کرنے کا حکم

ولا بأس بان ینقش المسجد بالجص والساج وماء الذهب وقوله لا بأس یشیر الی انه لا یوجز علیہ
یأثم بہ وقیل هو قریبہ وهذا اذا فعل من مال نفسه اما المتولی یفعل من مال الوقف ما یرجع الی احد
دون ما یرجع الی النقص حتی لو فعل یضمن والله اعلم بالصواب

ترجمہ..... اور مسجد کو گچ، سال کی لکڑی اور سونے کے پانی سے منقش کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور مصنف کا قول لا بأس
طرف مشیر ہے کہ نقش کرنے والے کو نقش کرنے پر کوئی اجر نہیں دیا جائے گا لیکن اس کی وجہ سے گنہگار بھی نہیں ہوگا۔ اور کہا گیا ہے
ونگار کرنا عبادت اور یہ لا بأس اس وقت ہے جبکہ اپنے ذاتی مال سے کیا ہو۔ رہا متولی تو وہ مال وقف میں سے وہی کام
سے عمارت مضبوط ہونہ کہ وہ کام جس کا مرجع نقش و نگار ہو۔ چنانچہ اگر متولی نے ایسا کیا تو ضامن ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب
تشریح..... اس مسئلہ میں لوگوں کا اختلاف ہے۔ چنانچہ بعض حضرات نے مسجد کو منقش اور مزین کرنا مکروہ قرار دیا ہے۔ لیکن
حضرت علی کرم اللہ وجہہ ایک مزخرف (منقش اور مزین) مسجد کے قریب سے ہو کر گزرے تو آپ نے فرمایا لمن ہلہ البیہ
گر جا کس کا ہے۔ ظاہر ہے کہ حضرت علیؑ کا فرمانا مسجد میں اس عمل کے مکروہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ نیز حضور ﷺ نے عمارت
میں سے تزئین مسجد کو بھی شمار کیا ہے۔ ولید بن عبد الملک نے مدینہ منورہ میں مسجد نبوی ﷺ کی آرائش کے لئے مال بیچا تو
العزیز نے اس کو محتاجوں میں خیرات کیا یہ سب دلائل تزئین مسجد کی کراہت پر شاہد ہیں۔

لیکن فقہاء احناف کے نزدیک اس میں کوئی قباحت نہیں دلیل یہ ہے کہ فاروق اعظمؓ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں مسجد
کشادہ بھی کیا اور آراستہ بھی۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ مسجد کو آراستہ کرنے کی وجہ سے لوگ اعتکاف کی طرف بھی رغبت کریں گے
کے انتظار میں وہاں بیٹھیں گے بھی۔ اور ظاہر ہے کہ یہ بات حسن ہے لہذا مسجد کو آراستہ کرنا بھی حسن ہوگا۔ اور اگر حسن نہ ہو
بھی نہ ہوگا جیسا کہ ہمارا مذہب ہے۔

شمس الائمہ سرخسی نے کہا کہ ماتن کے قول لا بأس سے اس طرف اشارہ ہے کہ مسجد کو منقش اور مزین کرنے پر نہ
ترتب ہوگا اور نہ گناہ اور محصیت کا۔ بعض حضرات نے کہا کہ مسجد کو آراستہ کرنا عبادت ہے۔ دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم
کی عمارت یعنی ان کو آباد کرنے اور آراستہ کرنے پر ابھارا اور راغب کیا ہے چنانچہ ارشاد باری ہے اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ
بِحَاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ نیز کعبۃ اللہ کو سونے اور چاندی کے پانی سے مزخرف اور مزین کیا گیا ہے۔ دیباچ یعنی ریشمی کپڑے
چھپایا گیا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ خانہ خدا کو آراستہ کرنا عبادت اور باعث ثواب ہے۔ علامہ ابن الہمام نے کہا کہ مسجد کی آرائش
عبادت ہے کہ اس میں مسجد کی تعظیم و توقیر ہے۔

صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ تزئین مسجد کا عبادت ہونا یا اس میں مضائقہ نہ ہونا اس وقت ہے جبکہ متولی اپنا ذاتی مال خرچ
بشرطیکہ وہ حلال ہو۔ وہ مال خرچ نہ کرے جو مسجد بنوانے والے نے اس کے مصارف پر وقف کیا ہے۔ چنانچہ متولی مال وقف میں
کام کرے گا جس سے عمارت مضبوط ہونہ کہ وہ کام جس کا مرجع نقش و نگار ہو تو متولی اس مال کا ضامن ہوگا۔ یعنی متولی کو اپنے
تاوان دینا پڑے گا۔ ابو بکر رازی سے مروی ہے کہ ہمارے زمانہ میں ظالموں کے خوف سے بچا ہوا مال عمارت کے استحکام کے

پرتخ کرنا جائز ہے یعنی متولی ضامن نہ ہوگا۔ جمیل عنی عنہ

باب صلوة الوتر

ترجمہ..... (یہ) باب نماز وتر کے (بیان میں) ہے۔

ترغیب..... جب مصنف علیہ الرحمہ مفروضات اور ان کے متعلقات یعنی اوقات، کیفیت ادا اور ادا کا مکمل اور قاصر کے بیان سے فارغ ہو گئے تو اب اس باب کے تحت اس نماز کا بیان ہے جو فرض سے کمتر اور نفل سے برتر ہے یعنی صلوة وتر۔ اس مناسبت کی وجہ یہ ہے کہ آگے داخل کا بیان ہے۔ پس واجب یعنی وتر کو فرض اور نفل کے درمیان میں ذکر کیا گیا ہے جیسا کہ اس کا حق ہے۔

وتر کی شرعی حیثیت..... اقوال فقہاء و دلائل

الوتر واجب عند ابی حنیفة و قالوا سنة لظهور آثار السنن فيه حيث لا يكفر جاحده ولا يؤذن له ولا بى حنیفة قوله عليه السلام أن الله تعالى زادكم صلاة ألا وهى الوتر فصلوها ما بين العشاء الى طلوع الفجر امر وهو الوجوب ولهذا وجب القضاء بالاجماع وإنما لا يكفر جاحده لان وجوبه ثبت بالسنة وهو المعنى بما روى عنه انه سنة وهو يهودى فى وقت العشاء فاكتفى بأذانه وإقامته

ترجمہ..... وتر امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک واجب ہے۔ اور صاحبین نے کہا کہ وتر سنت ہے۔ کیونکہ وتر میں سنتوں کے آثار ظاہر ہیں۔ چنانچہ یہ منکر کا فر نہیں ہوتا۔ اور وتر کے لئے اذان نہیں ہے۔ اور ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے واسطے یہ نماز زاد فرمائی ہے۔ آگاہ رہو کہ وہ وتر ہے۔ پس اس کو عشاء اور طلوع فجر کے درمیان پڑھو۔ حدیث میں امر ہے اور امر وجوب کے لئے آتا ہے اسی وجہ سے وتر کی قضاء بالاجماع واجب ہے اور اس کے منکر کی تکفیر اس لئے نہیں ہوتی کہ اس کا وجوب سنت سے ثابت ہے۔ یہی معنی ہیں اس قول کے جو ابوحنیفہؒ سے مروی ہے کہ وتر سنت ہے اور وتر چونکہ عشاء کے وقت میں ادا کیا جاتا ہے۔ تو عشاء کی اذان اقامت پر اکتفاء کیا گیا۔

ترغیب..... وتر کے مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ سے تین روایات ہیں اول یہ کہ وتر واجب ہے۔ دوم یہ کہ وتر سنت مؤکدہ ہے اسی کو صاحبین اور صاحبان نے اختیار کیا ہے۔ سوم یہ کہ وتر فرض ہے یہ قول امام زفر اور مالکیہ کا ہے۔ صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ وتر میں سنتوں کے آثار ظاہر ہیں مثلاً سنتوں کی طرح سنتوں کا منکر کا فر نہیں ہے۔ اور نہ ہی وتر کے لئے اذان دی جاتی جیسا کہ سنتوں کے لئے اذان نہیں ہوتی۔ پس معلوم ہوا کہ وتر سنت ہے۔

صاحب شرح نقایہ نے صاحبین کی طرف سے نقلی دلیل بھی بیان فرمائی ہے دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے ایک اعرابی سے فرمایا تھا مس صلوة كتبهن الله عليك قال هل على غيرها قل لا الا ان تطوع یعنی اللہ جل شانہ نے تجھ پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ اعرابی نے کہا کہ اس کے علاوہ بھی مجھ پر فرض ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں مگر یہ کہ نفل پڑھے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پانچ سنت نمازوں کے علاوہ سب نفل ہیں لہذا وتر کا واجب ہونا ثابت نہیں ہوگا کیونکہ وتر بھی پانچ نمازوں کے علاوہ ہے۔

دوم یہ کہ صحیحین میں ابن عمر سے مروی ہے ان النبی ﷺ اوتر علی البعیر یعنی نبی کریم ﷺ نے وتر کی نماز سواری پر پڑھی بات ظاہر ہے کہ سواری پر نفل نماز ادا کی جاسکتی ہے نہ کہ فرض اور واجب پس اگر وتر کی نماز واجب ہوتی تو آنحضرت ﷺ سواری پر پڑھتے نہ فرماتے۔

امام ابوحنیفہ کی دلیل حضور ﷺ کا یہ قول ہے ان اللہ تعالیٰ زادکم صلوة الا وھی الوتر فصلوہا۔ العشاء الی طلوع الفجر صاحب عنایہ نے لکھا ہے کہ اس حدیث سے چند طریقوں پر استدلال کیا گیا ہے۔ اول یہ کہ نہایت نسبت اللہ کی طرف کی گئی ہے اور سنتوں کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف کی جاتی پس اگر وتر کی نماز سنت ہوتی تو حدیث میں بجائے طرف نسبت کرنے کے رسول کی طرف نسبت کی جاتی لیکن چونکہ رسول کی طرف نسبت نہیں کی گئی اس لئے وتر کی نماز سنت نہیں ہے واجب ہوگی۔

دوم یہ کہ کسی چیز پر زیادتی اسی وقت ہوتی ہے جبکہ شئی مزید علیہ (جس پر زیادتی کی گئی ہو) محدود و محدود ہو۔ مسلم ہے کہ نوافل غیر محدود ہیں ان کی کوئی انتہا نہیں پس زیادتی فرائض پر ہوگی۔ کیونکہ محدود و محدود ہیں اور چونکہ مزید (جس کی زیادتی گئی) کا مزید علیہ! کہ ہم جنس ہونا ضروری ہے اس لئے اس کی مقتضی یہ ہے کہ فرائض پر جس چیز کی زیادتی کی گئی یعنی وتر کی دو گئی مگر چونکہ حدیث خبر واحد ہونے کی وجہ دلیل غیر قطعی ہے اور دلیل غیر قطعی سے واجب تو ثابت ہو سکتا ہے لیکن فرض ثابت نہیں ہوتا وتر واجب ہوگا۔

سوم یہ کہ حدیث مذکور میں فصلوہا امر کا صیغہ اور امر وجوب کے لئے آتا ہے لہذا اس سے بھی وتر کا وجوب ثابت ہوگا۔ صاحب ہدایہ نے کہا کہ وتر چونکہ واجب ہے اس لئے اس کی قضاء واجب ہوتی ہے ورنہ سنتوں کی قضاء واجب نہیں ہوتی صاحب کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ سر وارد دو جہاں ﷺ نے فرمایا کہ الوتر حق واجب فمن لم یوتر فلیس فی حق واجب ہے جس نے وتر کی نماز نہیں پڑھی وہ ہم میں سے نہیں ہے (ابوداؤد) مسلم شریف میں ابوسعید خدری کی حدیث ہے ان النبی ﷺ قال اوتروا قبل ان تصبحوا یعنی حضور ﷺ نے فرمایا کہ صبح ہونے سے پہلے پہلے وتر پڑھ لو۔ اس حدیث میں امر کا صیغہ ہے جو وجوب پر دلالت کرتا ہے۔

صاحبین کی طرف سے پیش کردہ عقلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ وتر کا منکر کا فراس لئے نہیں ہوتا کہ وتر کا ثبوت سنت غیر متواتر ہے اور یہ جو امام ابوحنیفہ سے روایت ہے کہ وتر سنت ہے اس کے معنی بھی یہی ہیں کہ وتر کا ثبوت سنت سے ہے اور چونکہ وتر کی نماز وقت میں ادا کی جاتی ہے اس لئے عشاء کی اذان اور اقامت پر اکتفاء کیا گیا۔ وتر کے لئے علیحدہ اذان و اقامت کی ضرورت نہیں صاحبین کی طرف سے پیش کردہ حدیث اعرابی کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث وجوب وتر سے پہلے کی ہے۔ اور حدیث ابن عمر اوتروا البعیر کا جواب بقول طحاوی کے یہ ہے کہ حدیث ابن عمر، حدیث حنظلہ بن ابی سفیان عن نافع عن ابن عمر کے معارض ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں انہ کان یصلی علی راحلتہ و یوتر بالارض و یزعم ان النبی ﷺ فعل ذلک یعنی ابن عمر نے نماز پڑھتے تھے مگر وتر زمین پر پڑھتے۔ اور ابن عمر فرماتے تھے کہ نبی نے یہی کیا یعنی وتر کی نماز زمین پر ادا کی۔ پس جب ابن عمر روایتوں میں تعارض واقع ہو گیا تو دونوں ساقط ہو جائیں گی۔

وتر کی تین رکعتیں ایک سلام کے ساتھ پڑھی جائیں

قال الوتر ثلاث ركعات لا يفصل بينهما بسلام لما روت عائشة انه عليه السلام كان يوتر بثلاث وحكى الحسن اجماع المسلمين على الثلاث وهذا احد اقوال الشافعي وفي قول يوتر بتسليمتين وهو قول مالك والحجة عليهما ما رويناها

ترجمہ۔ وتر تین رکعات ہیں۔ ان میں سلام سے جدائی نہ کرے کیونکہ حضرت عائشہؓ نے روایت کیا کہ حضور ﷺ وتر تین رکعات پڑھتے تھے۔ اور حسن بصری نے تین رکعات پر مسلمانوں کا اجماع نقل کیا ہے۔ اور یہی امام شافعیؒ کے اقوال میں سے ایک قول ہے۔ اور یہ قول میں دو سلاموں کے ساتھ وتر پڑھے۔ اور یہی امام مالک کا قول ہے اور دونوں کے خلاف حجت وہ حدیث ہے جس کو ہم روایت کیے۔

ترجمہ۔ وتر کی رکعتوں کی تعداد کے بارے میں اختلاف ہے۔ اور اس بات میں اختلاف ہے کہ وتر ایک سلام کے ساتھ ہے یا دو سلاموں کے ساتھ۔ علماء احناف کے نزدیک وتر کی تین رکعتیں ایک سلام کے ساتھ واجب ہیں۔ درمیان میں ایک اور سلام لاکر ان کے درمیان فصل نہ کرے۔ امام شافعیؒ کے دو قول ہیں ایک قول تو احناف کے قول کے مطابق ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وتر کی تین رکعتیں دو سلاموں کے ساتھ ادا کرے۔ یہی قول امام مالک کا ہے اور بعض نے کہا کہ وتر کی ایک رکعت ہے۔

ایک رکعت کے قائلین نے حدیث ابن عمرؓ سے استدلال کیا ہے۔ حدیث یہ ہے ان رجلا سأل النبي ﷺ عن صلاة الليل فقال منسئ منسئ فاذا خشيت الصبح فصل ركعة تو وتر لك ما صليت یعنی حضور ﷺ سے کسی آدمی نے صلاة اللیل کے بارے میں دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ دو دو رکعتیں ہیں۔ پس جب تجھ کو طلوع صبح کا اندیشہ ہو تو ایک رکعت پڑھ کہ وہ تیرے لیے پڑھی ہوئی نماز کو وتر کر دے گی نیز مسلم شریف میں ابن عمرؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ الوتر ركعة من آخر الليل یعنی آخر رات کی ایک رکعت ہے۔ نیز حضور ﷺ سے روایت ہے قال من احب ان يوتر بخمس فليفعل و من احب ان يوتر بواحدة فليفعل یعنی آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے وتر کی پانچ رکعات کو پسند کیا تو اس کو کرے اور جس نے ایک رکعت کو پسند کیا تو وہ اس کو کرے۔ وتر کی سات، نو اور گیارہ رکعت کی تعداد بھی مروی ہے۔ (عنایہ)

ہمارے دلائل یہ ہیں:-

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے ان النبي ﷺ كان يوتر بثلاث ركعات
حسن بصری نے وتر کی ایک سلام کے ساتھ تین رکعات پر مسلمانوں کا اجماع نقل کیا ہے چنانچہ حسن بصریؒ سے مروی ہے قال اجمع المسلمون على ان الوتر ثلاث لا يسلم الا في آخرهن یعنی کہا کہ مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ وتر کی تین رکعتیں ہیں صرف ان کے آخر میں سلام پھیرے۔

اعن عائشة قالت كان رسول الله ﷺ لا يسلم في الركعتين الا وليين من الوتر یعنی حضرت عائشہؓ نے کہا کہ حضور ﷺ وتر کی پہلی دو رکعتوں میں سلام نہیں پھیرتے تھے۔

(۴) ابن مسعود سے مروی ہے وتر اللیل ثلاث کوتر النهار یعنی رات کا وتر تین رکعتیں ہیں جیسا کہ دن کا وتر تین رکعتیں کے وتر سے مراد مغرب کی نماز ہے۔ (فتح القدیر)

(۵) ابو خالد نے بیان کیا کہ میں نے جلیل القدر تابعی ابوالعالیہ سے وتر کے بارے میں سوال کیا تو فرمایا کہ علمنا اصحاب ط ان الوتر مثل صلوة المغرب هذا وتر اللیل و هذا وتر النهار یعنی ہم کو اصحاب رسول اللہ ﷺ نے یہ معلوم مغرب کی نماز کے مانند ہے۔ یہ رات کا وتر ہے اور یہ یعنی مغرب دن کا وتر ہے۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ مغرب کی نماز کی بھی تین رکعتیں ہیں۔

(۶) عن عائشة ان النبی ﷺ کان یوتر بثلاث یقرأ فی اول رکعة سبح اسم ربک و فی الثانية قل یا ایہا الذکا فی الثالثة قل هو اللہ والمعوذتین یعنی حضور ﷺ تین رکعتیں وتر کی پڑھتے تھے، پہلی میں سبح اسم ربک رکعت میں قل یا ایہا الکافرون، اور تیسری رکعت میں قل هو اللہ احد اور معوذتین پڑھتے تھے۔

(۷) مشہور اثر ہے نہی رسول اللہ ﷺ عن البتراء یعنی حضور ﷺ نے صلوة بتیراء یعنی ایک رکعت پڑھنے سے منع فرمایا جو حضرات وتر کی ایک رکعت کے قائل ہیں ان کی طرف سے پیش کردہ حدیث ابن عمر کا جواب بقول امام طحاویؒ یہ ہے کہ کے قول فصل رکعة کے معنی یہ ہیں۔ صل رکعة مع ثنتين قبلها یعنی حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس سے پہلی دو رکعتوں کے کہ ایک رکعت اور پڑھ لے۔ پس اب تین رکعتیں ہوئیں نہ کہ ایک۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ ایک رکعت یا پانچ رکعتیں یا سات کی روایت استقرار وتر سے پہلے کی ہیں۔ لیکن جب تین رکعتوں پر استقرار ہو گیا اور ٹھہراؤ ہو گیا تو باقی روایتیں منسوخ ہو گئیں۔

قنوت وتر کب پڑھی جائے؟ رکوع سے پہلے یا بعد میں..... اقوال فقہاء

و یقننت فی الثالثة قبل الرکوع وقال الشافعی بعده لما روی انه علیه السلام قننت فی آخر الوقت و الرکوع ولنا ما روی انه علیه السلام قننت قبل الرکوع وما زاد علی نصف الشیء آخره۔

ترجمہ..... اور تیسری رکعت میں رکوع سے پہلے قنوت پڑھے اور امام شافعیؒ نے کہا کہ رکوع کے بعد (قنوت پڑھے) کیونکہ مراد آنحضرت ﷺ نے آخر وتر میں قنوت پڑھا اور آخر وتر رکوع کے بعد ہوگا۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ روایت کیا گیا کہ حضور ﷺ سے پہلے قنوت پڑھا۔ اور کسی چیز کے آدھے پر جو متجاوز ہو وہ اس کا آخر ہے۔

تشریح..... اس عبارت میں دعاء قنوت کے محل کا ذکر ہے ہمارے نزدیک دعاء قنوت کا محل رکوع سے پہلے ہے اور شوافع کے نزدیک کے بعد ہے۔

شوافع کی دلیل یہ ہے کہ انہ علیہ السلام قننت فی آخر الوتر یعنی حضور ﷺ نے آخر وتر میں قنوت پڑھا اور آخر وتر بعد ہوتا ہے۔ لہذا قنوت رکوع کے بعد پڑھا جائے گا۔

ہماری دلیل ابی بن کعبؓ کی روایت ہے ان رسول اللہ ﷺ کان یوتر فیقننت قبل الرکوع یعنی حضور ﷺ نے

اسے کہا جاتا ہے عن عاصم الاحول سألت انسا عن القنوت في الصلوة قال نعم فقلت اكان قبل الركوع او بعده قال قلته قلت فان فلانا اخبرني عنك انك قلت بعده قال كذب انما قنت رسول الله ﷺ بعد الركوع شيئا يعني عاصم الاحول سے مروی ہے کہ میں نے حضرت انسؓ سے قنوت فی الصلوة کے بارے میں دریافت کیا تو کہا کہ ہاں، میں نے کہا کہ اس سے پہلے یا بعد میں فرمایا کہ رکوع سے پہلے، میں نے کہا کہ فلاں نے مجھ کو آپ کی طرف سے یہ خبر دی کہ آپ نے کہا کہ رکوع کے بعد ہے۔ اس نے کہا کہ وہ شخص جھوٹا ہے۔ حضور ﷺ نے صرف ایک ماہ رکوع کے بعد قنوت پڑھا۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ قنوت رکوع سے پہلے ہے نہ کہ بعد میں۔ رہا امام شافعیؒ کی پیش کردہ روایت کا جواب تو اس کے بارے میں ہے کہ حدیث میں قنوت فی آخر الوتر کے الفاظ ہیں اور شیخی کے آدھے سے جو زائد ہو اس پر آخر کا اطلاق کیا جاتا ہے تاہم یہی رکعت میں رکوع سے پہلے پر بھی آخر وتر کا اطلاق ہو جائے گا۔ پس یہ حدیث بھی ہمارے خلاف نہ ہوگی۔ جمیل احمد

قنوت وتر پورا سال پڑھی جائے گی، امام شافعیؒ کا نقطہ نظر

بقيت في جميع السنة خلافا للشافعي في غير النصف الاخير من رمضان لقوله عليه السلام للحسن بن علي حين علمه دعاء القنوت اجعل هذا في وترك من غير فصل

ترجمہ۔ اور پورے سال قنوت پڑھے۔ رمضان کے نصف اخیر کے علاوہ میں امام شافعیؒ کا اختلاف ہے کیونکہ حضور ﷺ نے حسن بن علیؓ کو جبکہ سن کو دعاء قنوت سکھائی کہ اس کو اپنے وتر میں داخل کر، بغیر کسی تفصیل کے۔

ترجمہ۔ ہمارے نزدیک وتر میں پورے سال دعائے قنوت کا پڑھنا واجب ہے حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک فقط رمضان المبارک کے نصف اخیر میں دعاء قنوت پڑھنا مستحب ہے اور جواز بلا کراہت پورے سال ہے۔ (عین الہدایہ)

امام شافعیؒ کی دلیل یہ روایت ہے ان عمر امر ابی بن کعب بالا مامة في ليال رمضان و امر بالقنوت في النصف الاخير من رمضان یعنی حضرت عمرؓ نے ابی بن کعب کو رمضان کی راتوں میں امامت کا حکم فرمایا اور رمضان کے نصف اخیر میں دعاء قنوت کا فرمایا اور ہمارے نزدیک دلیل یہ حدیث ہے کہ حضور ﷺ نے حسن بن علیؓ کو دعاء قنوت کی تعلیم دی اور پھر فرمایا کہ اجعل هذا في وترك من غير فصل یعنی اپنے وتر میں داخل کر لو۔ اس میں رمضان اور غیر رمضان کی کوئی تفصیل نہیں ہے لہذا پورے سال دعاء قنوت کا پڑھنا ثابت ہے۔ امام شافعیؒ کے پیش کردہ اثر عمرؓ کا جواب یہ ہے کہ قنوت سے مراد نماز کے اندر طول قراءت ہے یعنی حضرت عمرؓ نے ابی بن کعب کو طویل قنوت کے نصف آخر میں طول قراءت کا امر فرمایا۔ اس جواب کے بعد یہ اثر امام شافعیؒ کا مستدل نہیں ہو سکتا گا۔ اور اگر تسلیم بھی کر لیں کہ قنوت سے مراد دعاء قنوت ہے نہ کہ طول قراءت۔ تو ہم جواب دیں گے کہ یہ صحابی کا اثر ہے اور امام شافعیؒ صحابی کے اثر کو قابل استدلال نہیں سمجھتے۔ لیکن امام شافعیؒ کی طرف سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ اثر اس لئے قابل استدلال ہے کہ یہ معنی اجماع ہے کیونکہ حضرت ابی بن کعبؓ کی ایک بڑی جماعت کی موجودگی میں امامت فرماتے تھے اور کسی صحابی نے اس پر تکبر نہیں کی اس لئے یہ اجماع کے قائم مقام ہو

گرام جواب میں کہتے ہیں کہ ابن عمرؓ کا اختلاف ثابت ہے۔ کیونکہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ لا اعرف القنوت الا طول القیام یعنی میرے

نزدیک طول قیام کے علاوہ قنوت کے کوئی معنی نہیں ہیں پس ابن عمرؓ کے اختلاف کے ساتھ اجماع کس طرح منعقد ہو سکتا ہے۔
وتر میں ہر رکعت میں سورہ فاتحہ اور سورہ پڑھی جائے گی

و یقرأ فی کل رکعة من الوتر فاتحة الكتاب وسورة لقوله تعالى فاقروا ما تيسر

ترجمہ..... اور وتر کی ہر رکعت میں فاتحہ اور کوئی سورت پڑھے۔ کیونکہ باری تعالیٰ نے فرمایا کہ قرآن میں سے جو آسان ہو پڑھے۔
تشریح..... وتر کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ اور دوسری کسی سورت کا پڑھنا بالاتفاق واجب ہے صاحبین اور امام شافعیؒ کے نزدیک ہے کہ وتر سنت ہے اور سنن و نوافل کی ہر رکعت میں قرأت ہے۔ اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وتر اگرچہ واجب ہے لیکن چونکہ ثبوت سنت سے ہے اور سنت منقید یقین نہیں ہوتی اس لئے وتر کے واجب ہونے میں ایک گونہ شبہ رہا۔ پس احتیاطاً ہر رکعت میں قرأت کو واجب قرار دیا، جیسا کہ سنتوں اور نوافل کی ہر رکعت میں قرأت واجب ہے۔

صاحب ہدایہ کا باری تعالیٰ کے قول فاقروا ما تيسر من القرآن سے استدلال کرنا مطلق قرأت کے وجوب پر توہین فاتحہ کی تعیین اور ضم سورت کی تعیین پر نہیں ہو سکتا۔

قنوت پڑھنے کا طریقہ

وان اراد ان یقنت کبر لان الحاله قد اختلفت و رفع یدیه وقت لقوله عليه السلام لا ترفع الی سبیح مواطن و ذکر منها القنوت

ترجمہ..... اور اگر قنوت پڑھنا چاہے تو تکبیر کہے کیونکہ حالت بدل گئی اور دونوں ہاتھ اٹھائے اور قنوت پڑھے کیونکہ ہاتھ نہ اٹھائے جائیں مگر سات جگہوں میں اور انہیں سات میں قنوت کا ذکر کیا۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ تیسری رکعت میں قرأت فاتحہ اور ضم سورت کے بعد جب دعاء قنوت پڑھنے کا ارادہ کرے تو بائیں کانوں تک اٹھائے اور تکبیر کہے پھر دعائے قنوت پڑھے۔ تکبیر کہنا واجب ہے۔ دلیل یہ ہے کہ مصلیٰ کی حالت بدل گئی ہے حقیقت قرآن میں مشغول تھا اور اب شبہ قرأت یعنی دعاء قنوت میں مشغول ہوگا اور چونکہ تکبیرات شروع کی گئی ہیں حالت کے وقت، اس لئے اس موقع پر بھی تکبیر کہنا واجب ہے۔ لیکن اس دلیل پر بعض حضرات نے اعتراض کیا ہے۔ وہ یہ کہ تکبیرات کی گئی ہے جبکہ افعال کے اندر تبدیلی واقع ہو۔ یعنی ایک فعل سے دوسرے فعل کی طرف منتقل ہوتے وقت۔ جیسے تکبیرات تکبیر شروع ہے، اقوال کے اندر اختلاف کے وقت تکبیر شروع نہیں ہوتی ہے۔ چنانچہ آپ غور کریں کہ مصلیٰ جب تکبیر شروع کرتا ہے تو اس وقت تکبیر نہیں ہے۔ حالانکہ ثناء سے قرأت کی طرف حالت تبدیل ہو گئی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ اندر اقوال کے وقت تکبیر شروع نہیں، بلکہ اختلاف افعال کے وقت شروع ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس حالت میں ہاتھوں کا اٹھانا حضور ﷺ کے قول لا ترفع الی سبیح مواطن اور نماز کے اندر ہاتھوں کا اٹھانا بغیر تکبیر کے غیر مشروع ہے۔ جیسے تکبیر افتتاح اور تکبیرات عیدین میں پس اس حدیث۔

بیت ہو جائے گا۔

وتر کے علاوہ قنوت کا حکم، اقوال فقہاء

والا یقنت فی صلوة غیرہا خلافا للشافعی فی الفجر لما روی ابن مسعود انه علیہ السلام قنت فی صلوة الفجر شہوا ثم ترکہ

ترجمہ۔۔۔ اور سوائے وتر کے کسی نماز میں قنوت نہ پڑھے۔ فجر کی نماز میں امام شافعی کا اختلاف ہے۔ کیونکہ ابن مسعود نے روایت کی کہ حضور ﷺ نے فجر کی نماز میں ایک ماہ تک قنوت پڑھا پھر اس کو چھوڑ دیا۔

تشریح۔۔۔ علماء احناف کے نزدیک سوائے وتر کے کسی نماز میں قنوت نہیں ہے۔ امام شافعی نے کہا کہ فجر کی نماز میں قنوت مستنون ہے۔ ابوہریرہؓ نے کہا کہ امام شافعی کے نزدیک فجر کی نماز میں قنوت پڑھنا مستنون ہے۔ امام شافعی کی دلیل حدیث انسؓ ہے کہ ان النبی ﷺ یقنت فی صلوة الفجر الی ان فارق الدنیا یعنی حضور ﷺ فجر کی نماز میں قنوت پڑھتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ دنیا سے شریف لے گئے۔

احناف کی دلیل ابن مسعود کی حدیث ہے ان النبی ﷺ قنت فی صلوة الفجر شہرا یدعو علی حی من احياء العرب حضور ﷺ نے ایک ماہ فجر کی نماز میں قنوت پڑھا عرب کے کسی قبیلہ کے لئے بددعا فرماتے تھے۔ خود حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ قال قلت رسول اللہ ﷺ فی صلاة الفجر شہرا او قال اربعین یوما علی اهل ذکوان و عصبہ حین قلتوا اہراء و ہم یسعون رجلا او ثمانون یعنی حضور ﷺ نے ایک ماہ یا چالیس یوم قنوت پڑھا، مقصد ان لوگوں پر بددعا کرنا تھا جنہوں نے ستر یا اسی تراز کو شہید کر دیا تھا اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ حضور ﷺ نے فجر کی نماز میں چند یوم کے علاوہ دعا قنوت نہیں پڑھی۔ ابو عثمان نجدی نے کہا صلیت خلف ابی بکر سنتین و صلیت خلف عمر کذلک فلم ار واحدا منہما یقنت فی صلوة الفجر یعنی میں نے ابو بکر اور عمرؓ کے پیچھے دو دو سال نماز پڑھی مگر ان میں سے کسی کو نماز فجر میں دعا قنوت پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا۔

قنوت نازلہ فجر کی نماز میں پڑھی جائے گی اور مقتدی کے لئے قنوت پڑھنے کا حکم..... اقوال فقہاء

لان قنت الامام فی الصلوة الفجر یسکت من خلفہ عند ابی حنیفہ و محمد و قال ابو یوسف یتبعہ لانہ تبع لاسمہ والقنوت فی الفجر مجتہد فیہ ولہما انه منسوخ ولا متابعۃ فیہ ثم قیل یقف قائما لیتابعہ فیما نجب متابعۃ وقیل یقعد تحقیقا للمخالفة لان الساکت شریک الداعی والاول اظہر ودلت المسألة علی جواز الاقتداء بالشفعیۃ وعلی المتابعۃ فی قراءة القنوت فی الوتر و اذا علم المقتدی منہ ما یزعم بہ فساد صلاتہ کالفصد وغیرہ لایجزیہ الاقتداء بہ والمختار فی القنوت الاخفاء لانہ دعاء۔

ترجمہ۔۔۔ پھر اگر امام نے فجر کی نماز میں قنوت پڑھا تو جو لوگ اس کے پیچھے ہیں۔ طرفین کے نزدیک وہ سکوت کریں اور امام ابو یوسفؒ نے کہا کہ امام کی اتباع کریں کیونکہ مقتدی اپنے امام کے تابع ہے اور فجر میں قنوت امر مجتہد فیہ ہے اور طرفین کی دلیل یہ ہے کہ قنوت

منسوخ ہے اور منسوخ میں متابعت نہیں ہے پھر کہا گیا کہ ٹھہرا رہے تاکہ ایسے میں امام کی متابعت کرے جس میں اس کی متابعت ہے۔ اور بعض نے کہا کہ مقتدی بیٹھ جائے تاکہ مخالفت ثابت ہو جائے کیونکہ مساکت داعی کا شریک ہوتا ہے۔ اور اول اظہر ہے۔ مسئلہ نے اس بات پر دلالت کی کہ شافعی المسلک کے پیچھے اقتداء کرنا جائز ہے۔ اور اس بات پر دلالت کی کہ وتر میں قنوت پڑھنے میں کی اتباع کرے اور جب مقتدی (حنفی) کو امام (شافعی المذہب) سے ایسی بات معلوم ہو جائے جس سے اس کی نماز فاسد ہو جائے جیسے فصد وغیرہ۔ تو اس حنفی کے لئے اس کی اقتداء کرنا کافی نہ ہوگا۔ اور قنوت میں مختار اخصاء ہے کیونکہ وہ دعا ہے۔

تشریح... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر امام شافعی المسلک نے فجر کی نماز میں دعاء قنوت پڑھی اور مقتدی حنفی المذہب ہو تو ایسی صورت میں طرفین کے نزدیک حنفی المسلک مقتدی سکوت کرے، قنوت نہ پڑھے۔ اور امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے کہ مقتدی بالیقین امام کے ہے۔ اور اصل یہ ہے کہ مقتدی امام کی متابعت کرے۔ اور فجر کی نماز میں قنوت پڑھنا مختلف فیہ ہے کیونکہ بعض مجتہدین کے نزدیک نماز میں قنوت پڑھنا مسنون ہے اور بعض کے نزدیک فجر کی نماز میں قنوت تھا مگر منسوخ ہو گیا۔ پس اس اختلاف کی وجہ سے فجر کی نماز میں قنوت کا پڑھنا نہ پڑھنا نہ مشکوک اور محتمل ہے۔ اور یہ اصول ثابت شدہ ہے کہ اصل اور یقینی چیز کو شک کی وجہ سے ترک نہیں کیا جاتا اس متابعت امام کو ترک نہ کیا جائے بلکہ امام کی متابعت کرتے ہوئے حنفی المسلک مقتدی بھی قنوت پڑھے۔

طرفین کی دلیل یہ ہے کہ فجر کی نماز میں قنوت پڑھنا منسوخ ہو چکا کیونکہ حضور ﷺ نے فجر میں ایک ماہ قنوت پڑھا اور پھر اس کو دیا۔ اور منسوخ میں متابعت نہیں کی جاتی اس لئے حنفی المسلک مقتدی قنوت پڑھنے میں امام کی متابعت نہ کرے بلکہ خاموش کھڑا رہے۔ رہی یہ بات کہ مقتدی جب متابعت نہیں کرے گا تو کیا کرے تو اس بارے میں بعض حضرات کی رائے تو یہ ہے کہ مقتدی خاموش رہے تاکہ جس چیز میں متابعت واجب ہے اس میں متابعت ہو جائے یعنی قیام اور قنوت دو چیزیں ہیں۔ پس حنفی المسلک مقتدی قیام اپنے امام کی متابعت کرے۔ اور قنوت میں متابعت نہ کرے۔

اور بعض کا قول ہے کہ جب شافعی المسلک امام قنوت پڑھنا شروع کرے تو حنفی المسلک مقتدی بیٹھ جائے۔ تاکہ امام کی مکمل مخالفت ظاہر ہو۔ کیونکہ خاموش رہنے والا دعاء کرنے والے کا شریک شمار ہوتا ہے۔ جیسے مقتدی قرأت نہیں کرتا بلکہ خاموش رہتا ہے لیکن اس باوجود قرأت میں امام کا شریک ہوتا ہے۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ قول اول اظہر ہے۔ یعنی مساکت کھڑا رہنا یہی اظہر ہے۔ صاحب عنایہ نے اظہر ہونے کی وجہ یہ ذکر کی ہے امام کا فعل مشروع اور غیر مشروع دونوں پر مشتمل ہے پس قیام جو مشروع ہے اس میں امام کی اتباع کرے اور قنوت جو غیر مشروع ہے اس میں اتباع نہ کرے بلکہ خاموش کھڑا رہے۔ عین الہدایہ میں لکھا ہے کہ قول اول اس لئے اظہر ہے کہ نماز میں امام کی مخالفت پیدا کرنا کبیر کن یا شرط میں نہ ہو و وجہ سے برا ہے۔ اول تو یہ شان اقتداء کے خلاف ہے کیونکہ حدیث میں ہے انما جعل الامام لیلوہ یعنی امام تو اسی لئے ہوتا ہے کہ اس کی متابعت کی جائے۔ دوم یہ کہ یہ فعل اگرچہ کثیر نہ ہونے کی وجہ سے مفسد نہیں لیکن قلیل مکروہ ہے۔ بعض حضرات نے کہا کہ جب امام قنوت پڑھے تو حنفی المسلک مقتدی بیٹھ کر التحیات وغیرہ پڑھ کر امام سے پہلے ہی سلام بھیج دے کیونکہ امام، حنفی المسلک مقتدی کے نزدیک بدعت میں مشغول ہو گیا لہذا اس کے انتظار کے کوئی معنی نہیں ہیں۔

مصنف ہدایہ نے اس قول کو ذکر نہیں کیا کیونکہ اس صورت میں سلام جو امر مشروع ہے اس میں امام کی مخالفت کرنا لازم آتا ہے

نئی طرح مناسب نہیں۔

ودلت المسألة علی جواز الاقتداء اس عبارت سے یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ یہ مسئلہ دو باتوں پر دلالت کرتا ہے اول یہ کہ حنفی المذہب کا شافعی المذہب کی اقتداء کرنا جائز ہے۔ اسی طرح مالکی اور حنبلی کی اقتداء کرنا بھی جائز ہے۔ دوم یہ کہ مقتدی قنوت وتر میں اپنے امام کی متابعت کرے گا۔ کیونکہ اختلاف قنوت فجر میں متابعت کرنے کے سلسلہ میں ہے نہ کہ قنوت وتر میں۔ پس جہاں قنوت مسنون بلکہ واجب ہے وہاں مقتدی خاموش نہ رہے گا بلکہ قنوت پڑھے گا۔

صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ اگر حنفی المسلمک مقتدی کو اپنے شافعی المسلمک امام کی طرف سے یقینی طور پر کوئی ایسی بات معلوم ہو جائے کہ احناف کے مذہب کے مطابق اس کی نماز فاسد ہو جاتی ہے تو اس حنفی کے لئے اس کی اقتداء کرنا جائز نہ ہوگا۔ مثلاً شافعی المسلمک امام نے وضو کیا پھر فصد وغیرہ لگوئی یا غیر سمیلین سے خروج نجاست پایا گیا۔ اور وضو کا اعادہ نہیں کیا تو حنفی کے لئے اس کی اقتداء کرنا جائز نہیں ہوگا کیونکہ یہ چیزیں شوافع کے نزدیک اگرچہ ناقض وضو نہیں لیکن احناف کے نزدیک ناقض ہیں۔ اس لئے کہ حنفی المذہب مقتدی کے گمان کے مطابق اس کا امام محدث ہے اور محدث کے پیچھے اقتداء کرنا جائز نہیں۔

دعائے قنوت میں اٹھارہ مختار ہے: فرمایا کہ قنوت میں اٹھارہ مختار ہے دعائے قنوت پڑھنے والا خواہ مقتدی ہو خواہ منفرد ہو، کیونکہ قنوت ایک دعا ہے اور دعا میں اٹھارہ اولیٰ ہے۔ بعض حضرات کا خیال یہ ہے کہ قنوت بالجہر پڑھے۔ کیونکہ قنوت قرآن کے مشابہ ہے یہی ہے کہ اللہم انا نستعینک کے بارے میں صحابہ نے اختلاف کیا ہے کہ آیا یہ قرآن ہے یا قرآن نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت ابن مسعود کا قول یہ ہے کہ قنوت قرآن کی سورت ہے اور حضرت ابی بن کعب کہتے ہیں کہ یہ قرآن نہیں ہے عامۃ العلماء بھی اسی کے قائل ہیں لیکن احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ حائضہ، نساء اور جنبی اس کی قرأت سے اجتناب کریں۔ (کفایہ)

ہوائد..... صاحب کفایہ نے لکھا ہے کہ سب سے طویل دعا قنوت وہ ہے جو حضرت عمرؓ سے مروی ہے اللہم اغفر لنا و للمؤمنین و المؤمنات و المسلمین و المسلمات و الف بین قلوبہم و اصلح ذات بینہم و انصرہم علی عدوک و عدوہم، اللہم العن کفرۃ اهل الكتاب الذین یصدون عن سبیلک و یکذبون رسلک و یقاتلون اولیائک اللہم خالف بین کلماتہم و زلزل اقدامہم و انزل بہم بأسک الذی لا یرد عن القوم المجرمین بسم اللہ الرحمن الرحیم اللہم انا نستعینک و نستغفرک و نؤمن بک و نتوکل علیک و نشکی علیک الخیر و نشکرک و لا نکفرک و نخلع و نترک من یفجرک، بسم اللہ الرحمن الرحیم اللہم ایاک نعبد و لک نصلی و نسجد و الیک نسعی و نحقد و نرجو رحمتک و نخشی عذابک ان عذابک بالکفر ملحق۔

بعض روایات میں اللہم انا نستعینک سے آغاز کیا گیا ہے۔ جمیل احمد عفی عنہ

باب النوافل

ترجمہ..... (یہ) باب نوافل کے (بیان میں) ہے۔

تشریح..... سابق میں فرض اور واجب کا بیان تھا اس باب کے تحت سنن اور نوافل کا بیان ہے نفل کے معنی (جو فرض پر زائد ہو) چونکہ سنن کو

بھی شامل ہیں اس لئے عنوان میں فقط نوافل کا ذکر کیا گیا ہے اور سنن کا ذکر نہیں کیا گیا۔

سنن اور نوافل کا بیان، سنن مؤکدہ اور غیر مؤکدہ کی تعداد اور رکعات

السنة ركعتان قبل الفجر و اربع قبل الظهر و بعدها ركعتان و اربع قبل العصر و ان شاء ركعتين و ركعتان بعد المغرب و اربع قبل العشاء و اربع بعدها و ان شاء ركعتين و الاصل فيه قوله عليه السلام من ثابر عن ثنتي عشرة ركعة في اليوم والليله بنى الله له بيتا في الجنة وفسر على نحو ما ذكر في الكتاب غير انه لم يذكر الاربع قبل العصر فللهذا سماه في الاصل حسنا و خير لاختلاف الاثار و الافضل هو الاربع و لم يذكر الاربع قبل العشاء ولهذا كان مستحبا لعدم المواظبة و ذكر فيه ركعتين بعد العشاء و في غيره ذكر الاربع فللهذا خير الا ان الاربع افضل خصوصا عند ابي حنيفة على ما عرف من مذهبه و الاربع قبل الظهر بتسليبه و احدة عندنا كذا قاله رسول الله ﷺ و فيه خلاف الشافعي.

ترجمہ..... مسنون فجر سے پہلے دو رکعتیں ہیں اور چار رکعتیں ظہر سے پہلے اور دو رکعت ظہر کے بعد اور چار رکعت عصر سے پہلے اور چار رکعت (پڑھے) اور مغرب کے بعد دو رکعت اور عشاء سے پہلے چار رکعت اور چاہے تو دو رکعت (پڑھے) اور ان نمازوں کے مسنون ہونے میں اصل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس نے دن رات میں بارہ رکعات پر مواظبت کی اللہ تعالیٰ اس کے واسطے جنت میں ایک گھر بنائے گا۔ اور آنحضرت ﷺ نے (بارہ رکعات) کی جو تفسیر فرمائی ہے اسی کے مطابق کتاب میں مذکور ہے مگر یہ کہ آپ ﷺ عصر سے پہلے کی چار رکعات کا ذکر نہیں فرمایا۔ اسی وجہ سے امام محمد نے مبسوط میں ان چار رکعات کو حسن رکھا ہے۔ اور آثار کے مؤلف ہونے کی وجہ سے اختیار دیا گیا ہے۔ اور افضل یہ ہے کہ چار رکعت پڑھے۔ اور عشاء سے پہلے چار رکعت مذکور نہیں ہیں اسی وجہ سے یہ دو رکعات مستحب ہوئیں کیونکہ (چار رکعات پر) مواظبت نہیں پائی گئی اور حدیث مذکور میں عشاء کے بعد دو رکعت مذکور ہیں۔ اور دو رکعت حدیث میں چار رکعات کا ذکر ہے اسی واسطے اختیار دیا گیا ہے مگر چار رکعات (پڑھنا) افضل ہے خاص طور پر امام ابوحنیفہ کے نزدیک ان بناء پر جو ان کا مذہب معلوم ہوا ہے۔

اور ہمارے نزدیک ظہر سے پہلے ایک سلام کے ساتھ چار رکعت ہیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے اور اس میں امام شافعی اختلاف ہے۔

تشریح..... صاحب ہدایہ اس باب کے تحت اگرچہ سنن اور نوافل دونوں کو ذکر کریں گے لیکن اہم اور اشرف ہونے کی بناء پر سنن کا مقدم کیا گیا۔

پھر سنن کی دو قسمیں ہیں، مؤکدہ اور غیر مؤکدہ۔ مؤکدہ وہ سنتیں کہلاتی ہیں جن پر کبھی کبھار ترک کے ساتھ آنحضرت ﷺ نے بیعت کی ہو۔ اور غیر مؤکدہ وہ سنتیں ہیں جن پر اللہ کے نبی ﷺ نے بیعت کی نہیں فرمائی، سنن مؤکدہ بارہ رکعات اس طرح ہیں نماز فجر سے پہلے دو رکعت ظہر سے پہلے چار رکعت اور ظہر کے بعد، دو رکعت، مغرب کے بعد دو رکعت اور عشاء کے بعد دو رکعت ان کے علاوہ سنن غیر مؤکدہ ہیں۔ صاحب قدوری نے مؤکدہ اور غیر مؤکدہ دونوں کو اس طور پر ذکر فرمایا کہ نماز فجر سے پہلے دو رکعت ہیں اور ظہر سے پہلے چار رکعات

کے بعد دو رکعت ہیں۔ عصر سے پہلے چار رکعت ہیں جی چاہے تو دو رکعت پر اکتفاء کر لے اور مغرب کے بعد دو رکعت ہیں۔ اور عشاء سے پہلے چار رکعت ہیں اور عشاء کے بعد چار رکعت پڑھے۔ یا دو رکعت پر اکتفاء کرے۔ رہی یہ بات کہ صاحب قدوری نے سنت فجر سے ابتداء کیوں فرمائی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ سنت فجر اقویٰ سنن ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ نے سنت فجر کے بارے میں فرمایا ہے صلواھا ولو طردنکم الخیل یعنی تم سنت فجر پڑھتے رہو اگرچہ تم کو گھوڑے روند ڈالیں۔

حسن بن زیاد نے امام اعظمؒ سے روایت کی ہے کہ اگر کسی نے بغیر عذر کے سنت فجر کو بیٹھ کر ادا کیا تو جائز نہیں ہے۔ علماء و مشائخ نے کہا ہے کہ اگر کوئی عالم مرجع خلاق ہو، لوگ اس سے فتاویٰ اور مسائل شرعیہ دریافت کرتے ہیں تو لوگوں کی ضرورت کے خاطر اس کے لئے تمام سنتوں کا ترک کرنا جائز ہے علاوہ سنت فجر کے۔ اس سے بھی سنت فجر کا اقویٰ ہونا ثابت ہوتا ہے۔

سب عنایہ نے سنت کے مقدم کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ذکر کی ہے کہ اوقات نماز کو ذکر کرتے وقت چونکہ فجر کا ذکر مقدم کیا گیا ہے اس لئے سنت فجر کو دوسری سنتوں پر مقدم کیا گیا۔

حضرت امام محمدؒ نے مبسوط میں سنت ظہر کے ذکر کو مقدم کیا ہے اور وجہ تقدیم یہ بیان کی ہے کہ سنت فرض کے تابع ہے۔ اور حضور ﷺ پر سب سے اول ظہر کی نماز فرض کی گئی پس چونکہ ظہر کا فرض اول فرض ہے اس لئے ظہر کی سنتوں کا ذکر بھی اول کر دیا گیا۔

رہا یہ کہ سنت فجر کے بعد کون سی سنتیں اقویٰ ہیں: سوا اس بارے میں قدرے اختلاف ہے۔ امام حلوانی نے کہا کہ سنت فجر کے بعد اقویٰ ہونے میں سنت مغرب کا درجہ ہے کیونکہ اللہ کے پاک نبی ﷺ نے مغرب کی سنتوں کو سفر اور حضر میں کبھی نہیں چھوڑا۔ پھر فرمایا کہ سنت مغرب کے بعد ظہر کے بعد کی سنتوں کا درجہ ہے اور وجہ یہ ذکر کیا کہ ظہر کے بعد کی سنتیں متفق علیہا ہیں اور ظہر سے پہلے کی سنتیں مختلف فیہا ہیں۔ پھر فرمایا کہ ظہر کے بعد کی سنتوں کے بعد عشاء کے بعد کی سنتوں کا درجہ ہے۔ پھر ظہر سے پہلے کی سنتوں کا درجہ ہے۔ پھر عصر سے پہلے کی سنتوں کا درجہ ہے پھر عشاء سے پہلے کی سنتوں کا درجہ ہے۔

بعض علماء کا خیال ہے کہ فجر کی سنتوں کے بعد بہ نسبت دوسری سنتوں کے ظہر سے پہلے کی سنتیں زیادہ مؤکد اور اقویٰ ہیں۔ یہی قول آج ہے کیونکہ ان کو ترک کرنے پر وعید آئی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا من ترک اربعاً قبل الظهر لم تنلہ شفاعتی یعنی جس نے ظہر سے پہلے کی چار رکعت کو چھوڑا اس کو میری شفاعت نصیب نہیں ہوگی۔ علامہ حلوانی نے یہ بھی فرمایا کہ سوائے تراویح کے تمام سنتوں کا ترک میں ادا کرنا افضل ہے۔ کیونکہ تراویح میں تمام صحابہؓ کا اجماع ہے کہ وہ تراویح کی نماز مسجد میں ادا کرتے تھے۔ (عنایہ)

صاحب ہدایہ نے کہا کہ مذکورہ بارہ رکعات کے سنت مؤکدہ ہونے میں اصل اور دلیل حضور ﷺ کا قول ہے امام ترمذی اور ابن ماجہ نے اس حدیث کے الفاظ اس طرح ذکر کئے ہیں عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت قال رسول اللہ ﷺ من ثاب علی اثنتی عشرة رکعة من السنة بنی اللہ له بیتا فی الجنة اربع رکعات قبل الظهر و رکعتین بعدھا و رکعتین بعد المغرب و رکعتین بعد العشاء و رکعتین قبل الفجر۔ یعنی حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے بارہ رکعات مسنونہ پر اہمیت کی اللہ تعالیٰ اس کے واسطے جنت میں ایک گھر بنائے گا۔ (بارہ رکعات یہ ہیں) چار ظہر سے پہلے، دو ظہر کے بعد، دو مغرب کے بعد، دو عشاء کے بعد اور دو فجر سے پہلے۔ امام بخاریؒ کے علاوہ جماعت محدثین نے اس حدیث کو ام حبیبہ بنت ابی سفیان سے ان الفاظ کے ساتھ ذکر کیا ہے انہا سمعت رسول اللہ ﷺ یقول ما من عبد مسلم یصلی اللہ فی کل یوم اثنتی عشرة رکعة تطوعا من غیر الفریضة الا بنی اللہ له بیتا فی الجنة یعنی ام حبیبہؓ نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے

ہوئے سنا کہ جو بندہ مسلم خالص اللہ کے لئے ہر روز بارہ رکعات فرض سے زائد پڑھے گا۔ اللہ تعالیٰ یقیناً اس کے واسطے جن بنائے گا۔

صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے بارہ رکعات کی تفسیر اسی کے مطابق بیان فرمائی ہے جو متن کتاب میں مذکور ہے۔ مگر حدیث کی تفسیر کے وقت عصر سے پہلے کی چار رکعات کا ذکر نہیں ہے۔ اسی لئے امام محمدؒ نے مبسوط میں ان چار رکعات کو مستحب قرار دیا کہ عصر سے پہلے چار رکعت پڑھے یا دو رکعت پڑھے، کیونکہ عصر سے پہلے کی تعداد رکعات میں آثار مختلف ہیں چنانچہ ان میں مروی ہے قال قال رسول اللہ ﷺ رحمہ اللہ امرأ صلی قبل العصر اربعا حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس کو عطا کرے جو عصر سے پہلے چار رکعات پڑھتا ہے اور حضرت علیؓ سے مروی ہے ان النبی ﷺ کان یصلی قبل العصر رکعتین حضور ﷺ عصر سے پہلے دو رکعت پڑھتے تھے۔

صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ افضل یہی ہے کہ عصر سے پہلے چار رکعت پڑھے کیونکہ چار رکعات کا عدد بھی زائد ہے اور تحریر میں بھی رہے گا لہذا بہ نسبت دو رکعت کے چار رکعات پڑھنے کا ثواب بھی زائد ہوگا۔

فاضل مصنف کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بارہ رکعات کی تفسیر کے موقع پر عشاء سے پہلی چار رکعات کا ذکر بھی نہیں فرمایا ہے کہ یہ چار رکعات بھی استحباب کے درجہ میں ہیں کیونکہ ان چار رکعات پر مواظبت نہیں فرمائی ہے۔ صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ مشاہیر میں عشاء کے بعد دو رکعات کا ذکر ہے، لیکن حدیث مشاہیرہ کے علاوہ دوسری احادیث میں چار رکعات کا ذکر ہے۔ چنانچہ عاذب کی حدیث ہے قال قال رسول اللہ ﷺ من صلی قبل الظهر اربعا کان کأنما تہجد من لیلة و من صلاہ العشاء کان کمثلہن من لیلة القدر یعنی براء بن عاذب نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے قبل الظهر چار رکعات پڑھیں گویا رات بھر عبادت کی اور جس نے عشاء کے بعد چار رکعت پڑھیں گویا لیلة القدر کی چار رکعتیں پائیں۔ پس چونکہ چار رکعات درمیان الفاظ حدیث میں اختلاف ہے اس لئے ضلحہ قدوری نے اختیار دیا کہ عشاء کے بعد چار رکعات پڑھے خواہ دو رکعت پڑھے افضل یہ ہے کہ چار رکعت پڑھے۔ خاص کر امام ابو حنیفہ کے نزدیک۔ امام صاحب اور صاحبین کا اصل اختلاف اس میں ہے کہ نماز شنی ثنی افضل ہے یا ایک سلام کے ساتھ چار رکعت پڑھنا افضل ہوگا۔ سو امام صاحب کے نزدیک چار رکعت پڑھنا افضل ہے کے بار شنی ثنی افضل ہے پس اس مسئلہ کو بنیاد بنا کر امام صاحب کے نزدیک عشاء کے بعد چار رکعت کا پڑھنا افضل ہوگا۔

مصنف ہدایہ کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک ظہر سے پہلے چار رکعت ایک ساتھ ہیں چنانچہ اگر کسی نے دو سلاموں کے ساتھ ہمارے نزدیک ان کا اعتبار نہیں ہوگا۔ امام شافعی کے نزدیک افضل یہ ہے کہ دو سلاموں کے ساتھ ادا کرے۔ امام شافعی کی دلیل ابو ہریرہؓ ہے ان النبی ﷺ کان یصلیہن بتسلیمتین یعنی حضور ﷺ ان چار رکعات کو دو سلام کے ساتھ پڑھتے تھے اور آپ ﷺ میں ہے۔ ان النبی ﷺ قال صلاة اللیل والنهار عشی متشی یعنی حضور ﷺ نے فرمایا کہ رات اور دن کی نماز دو رکعتیں ہمارا استدلال ابویوب انصاریؓ کی حدیث ہے ان النبی ﷺ کان یصلی بعد الزوال اربع رکعات فقلت ما

الصلاة التي تداوم علیہا فقال هذه ساعة تفتح فیہا ابواب السماء واجب ان یصعد لی فیہا عمل صالح افی کلہن قرانہ قال نعم فقلت بتسلیمتین ام بتسلیمتین فقال بتسلیمة واحدة یعنی نبی پاک ﷺ زوال کے رکعتیں پڑھا کرتے تھے (ابویوب انصاریؓ کہتے ہیں) کہ میں نے کہا کہ یہ کون سی نماز ہے جس کو آپ ہمیشہ پڑھتے ہیں۔ آپ

فرمایا کہ یہ وہ ساعت ہے جس میں آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ اس ساعت میں پرستگاہِ صالحہ اور پرچہ پڑھیں، میں نے کہا کہ کیا تمام رکعتوں میں قرأت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں، میں نے کہا کہ ایک سلام کے ساتھ یا دو سلام کے ساتھ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک سلام کے ساتھ۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ظہر سے پہلے چار رکعت ایک سلام کے ساتھ مسنون ہیں۔

امام شافعیؒ کی طرف سے پیش کردہ حدیث ابو ہریرہ کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں تسلیمتین سے مراد تشہدین ہیں یعنی حضور ﷺ کے ساتھ پہلے چار رکعت دو تشہد کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔ پس حدیث میں حال یعنی تسلیم بول کر مکمل یعنی تشہد مراد لیا گیا ہے۔ یہ خیال رہے کہ یہ تاویل رئیس الفقہاء حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے۔

اور حدیث ثانی کا جواب یہ ہے کہ صلوة اللیل مشئی مشئی کے الفاظ تو مشہور ہیں اور والنہار کا لفظ غریب ہے، دلیل استدلال ہے۔ لہذا اس حدیث سے قبل الظہر چار رکعات دو سلام کے ساتھ پڑھنے پر استدلال درست نہیں ہوگا۔

دن اور رات کے نوافل کی تعداد رکعات

لئال ونوافل النهار ان شاء صلی بتسلیمة رکعتین وان شاء اربعاً وتکرہ الزیادة علی ذلک فاما نافلة اللیل لئال ابو حنیفة ان صلی ثمان رکعات بتسلیمة جاز وتکرہ الزیادة علی ذلک وقال لا یزید باللیل علی رکعتین بتسلیمة وفي الجامع الصغیر لم یذکر الثمانی فی صلوة اللیل و دلیل الکراهة انه علیہ السلام لم یزید علی ذلک ولو لا الکراهة لزیاد تعلیما للجواز والافضل فی اللیل عند ابی یوسف و محمد مشئی و مشئی و فی النهار اربع اربع و عند الشافعی فیہما مشئی مشئی و عند ابی حنیفة فیہما اربع اربع للشافعی قوله علیہ السلام صلوة اللیل والنهار مشئی مشئی ولہما الاعتبار بالتراویح والابی حنیفة انه علیہ السلام کان یصلی بعد لعشاء اربعاً روتہ عائشة و کان یواظب علی الاربع فی الضحی ولانہ اذوم تحریمة فیکون اکثر مشقة وازید نسیلة ولہذا لو نذر ان یصلی اربعاً بتسلیمة لا ینخرج عنہ بتسلیمتین وعلی القلب ینخرج والتراویح تؤدی بصاعة فیراعی فیہا جهة التیسیر و معنی مارواہ شفعا لا وتر ا واللہ اعلم

آئمہ۔ صاحب قدوری نے کہا، اور دن کے نوافل چاہے تو ایک سلام کے ساتھ دو رکعت پڑھے اور چاہے تو چار رکعتیں پڑھے۔ اور لایزیداتی مکروہ ہے۔ رات کی نفلیں تو ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ اگر ایک سلام کے ساتھ آٹھ رکعتیں پڑھے تو جائز ہے اور اس پر زیادتی مانا مکروہ ہے۔ اور صاحبین نے کہا کہ ایک سلام کے ساتھ رات میں دو رکعت پر زیادہ نہ کرے۔ اور جامع صغیر میں امام محمدؒ نے صلوة اللیل میں آٹھ کو ذکر نہیں کیا اور کراہت کی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے آٹھ پر زیادتی نہیں کی۔ اگر کراہت نہ ہوتی تو جواز کی تعلیم دینے کے لئے زیادہ کر دیتے اور رات میں صاحبین کے نزدیک دو دو رکعت افضل ہیں۔ اور امام شافعیؒ کے نزدیک رات اور دن دونوں میں دو دو رکعت ہیں۔ اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دونوں میں چار چار رکعت ہیں۔

امام شافعیؒ کی دلیل حضور ﷺ کا قول صلوة اللیل والنهار مشئی مشئی ہے۔ اور صاحبین کی دلیل تراویح پر قیاس ہے۔ اور ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ عشاء کے بعد چار رکعت پڑھتے تھے، اس کو حضرت عائشہؓ نے روایت کیا ہے۔ اور چاشت میں چار

رکعت پر مواظبت فرماتے تھے۔ اور سئلے کہ تحریمہ کے اعتبار سے اس کو زیادہ دوام ہے۔ لہذا ازراہ مشقت بھی زیادہ ہوگا اور فضیلت کم بڑھا ہوا ہوگا۔ اسی لئے اگر نذر کی کہ ایک سلام کے ساتھ چار رکعت پڑھے گا تو دو سلام کے ساتھ اس نذر سے نہیں نکلے گا اور اگر صورت میں نکل جائے گا۔ اور تراویح جماعت کے ساتھ ادا کی جاتی ہے اس لئے اس میں آسانی کی جہت ملحوظ رکھی جاتی ہے۔ حدیث کے معنی جس کو امام شافعی نے روایت کیا جوڑ جوڑ ہے نہ کہ طاق، واللہ اعلم۔

تشریح..... اب تک سنن کا بیان تھا۔ اگلی سطروں میں نوافل کا ذکر ہے۔ علماء نے اباحت اور فضیلت کے اعتبار سے رات اور دن نوافل کی مقدار میں اختلاف کیا ہے۔ چنانچہ امام ابوحنیفہؒ نے کہا کہ دن کے نفلوں میں مباح یہ ہے کہ ایک سلام کے ساتھ دو رکعت پڑھے چار رکعت پڑھے۔ اس سے زائد پڑھنا مکروہ ہے۔ اور رات میں ایک سلام کے ساتھ آٹھ رکعت پڑھنا بلا کراہت جائز ہے۔ اور آٹھ رکعت سے زائد پڑھنا مکروہ ہے۔ جامع صغیر میں آٹھ رکعت کا ذکر نہیں بلکہ چھ کا ذکر ہے یعنی امام محمدؒ نے جامع صغیر میں کہا کہ رات میں ایک سلام کے ساتھ چھ رکعت ادا کر سکتا ہے۔

صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ رات میں ایک سلام کے ساتھ آٹھ رکعت سے زائد کے مکروہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے رات پر زیادتی نہیں فرمائی۔ اگر ایک سلام کے ساتھ آٹھ رکعت پر زیادتی کرنا مکروہ نہ ہوتا تو بیان جواز کے لئے ایک دو بار حضور ﷺ پر زیادتی ضرور فرماتے۔ لیکن آپ نے ایک سلام کے ساتھ آٹھ رکعت سے زائد نفلیں کبھی نہیں پڑھیں۔ اس لئے آٹھ سے زائد سلام کے ساتھ ادا کرنا مکروہ ہوگا۔

مگر مقترض کہہ سکتا ہے کہ صلوٰۃ لیل میں آٹھ پر زیادتی کے ساتھ بھی سنت وارد ہوئی ہے۔ چنانچہ مروی ہے کہ انہ علیہ السلام کان یصلی باللیل خمس رکعات سبع رکعات تسع رکعات احد عشر رکعات ثلاث عشرة رکعات یعنی آنحضرت رات میں پانچ رکعت بھی پڑھتے تھے، سات بھی، نو بھی، گیارہ بھی اور کبھی تیرہ بھی۔

ہماری طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ خمس رکعات میں دو رکعت صلوٰۃ لیل ہے یعنی نفل ہیں اور تین وتر ہیں۔ اور سبع رکعات چار رکعت صلوٰۃ لیل اور تین رکعت وتر ہیں اور تسع رکعات میں چھ رکعت صلوٰۃ لیل اور تین رکعات وتر ہیں اور احد عشر رکعات میں آٹھ رکعت صلوٰۃ لیل اور تین رکعت وتر اور دو رکعت وتر ہیں۔ حضور ﷺ یہ تمام رکعتیں ایک سلام کے ساتھ ادا فرماتے تھے پھر اس طرح تفصیل بیان فرمائی جو اوپر گزری۔ پس اس تفصیل کے اعتراض کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی۔ (فتح القدر)

قدورس کی عبارت و قال لا یزید باللیل علی رکعتین بتسلیمۃ سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ صاحبین کے نزدیک رات میں ایک سلام کے ساتھ دو رکعت پر زیادتی کرنا ناجائز ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ صاحبین کے نزدیک دو رکعت پر زیادتی افضل نہیں ہے۔

اور قال ابو حنیفۃ ان صلی ثمان رکعات سے امام شافعی کے قول سے احتراز کیا گیا ہے کیونکہ امام شافعی نے کہا کہ ایک سلام کے ساتھ چار رکعت پر زیادتی نہ کرے اور اگر چار پر زیادتی کی تو یہ مکروہ ہوگا۔

والافضل فی اللیل سے افضلیت میں کلام کیا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ صاحبین کے نزدیک رات میں افضل یہ ہے کہ

پڑھے اور دن میں چار چار رکعت پڑھے اور امام شافعی کے نزدیک رات و دن دونوں میں دو دو رکعت پڑھنا افضل ہے۔ اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک دونوں میں چار چار رکعت پڑھنا افضل ہے۔ امام شافعی کی دلیل حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ **صلوة اللیل والنہار مثنی مثنی** ہے یعنی حضور ﷺ نے فرمایا کہ رات اور دن کی نماز (نفل) دو دو رکعت ہیں۔ صاحبین کی دلیل تراویح پر قیاس ہے یعنی تراویح کی نماز بالاتفاق دو دو رکعت کر کے ادا کرنا افضل ہے۔ پس اسی طرح رات میں دوسرے نوافل بھی دو دو رکعت کر کے ادا کرنا افضل ہے۔

امام اعظم کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ابو داؤد نے ام المؤمنین حضرت عائشہ سے روایت کیا کہ عشاء کے بعد حضور ﷺ چار رکعت پڑھتے تھے یعنی ایک سلام کے ساتھ اور حضور ﷺ چاشت کی چار رکعت پر مواظبت فرماتے تھے۔ ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ دن اور رات دونوں میں چار چار رکعت پڑھنا افضل ہے۔

عقلی دلیل یہ ہے کہ ایک سلام کے ساتھ چار رکعت ادا کرنے میں ازراہ تحریر دوام ہے پس درمیان میں فارغ نہ ہونے کی وجہ سے زیادہ مشقت ہوگی اور جس عبادت میں مشقت زیادہ ہو وہ افضل ہوتی ہے۔ اس لئے ایک سلام کے ساتھ چار رکعت ادا کرنا افضل ہوگا۔ نسبت دو رکعت ادا کرنے کے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کسی نے ایک سلام کے ساتھ چار رکعت ادا کرنے کی نذر کی پھر اس نے دو سلام کے چار رکعت ادا کی تو اس کی یہ نذر ادا نہ ہوگی کیونکہ نذر کی تھی افضل طریقہ پر چار رکعت ادا کرنے کی اور ادا کیا مفضول طریقہ پر اور قاعدہ ہے کہ افضل اور اعلیٰ مفضول اور ادنیٰ سے ادا نہیں ہو سکتا۔ اور اگر دو سلام کے ساتھ پڑھنے کی نذر کی تو ایک سلام کے ساتھ پڑھنے سے نذر پوری ہو جائے گی کیونکہ مفضول افضل کے ساتھ ادا ہو جاتا ہے۔

والتراویح تؤدی بجماعة یہ عبارت صاحبین کے قیاس کا جواب ہے۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ بلاشبہ تراویح کی نماز دو دو رکعت کے ساتھ ادا کرنا افضل ہے لیکن تراویح کی نماز جماعت سے ادا کی جاتی ہے اور جماعتی کاموں میں عام لوگوں کی رعایت کے پیش نظر سہولت اور آسانی کو ملحوظ رکھنے کا حکم دیا گیا ہے جیسے فرمایا گیا کہ امام کو چاہئے کہ وہ ہلکی پھلکی نماز پڑھائے۔ ظاہر ہے کہ اس امر میں عام مقتدیوں کی رعایت کی گئی ہے پس چونکہ تراویح کی نماز باجماعت ادا کی جاتی ہے اس لئے عام لوگوں کی رعایت کے پیش نظر دو دو رکعت پڑھنے کا حکم کیا گیا۔ کیونکہ دو دو رکعت ادا کرنے میں آسانی ہے۔ بہ نسبت چار چار رکعت ادا کرنے کے اور اگر تہا تراویح کی نماز پڑھے تو چار چار رکعت افضل ہیں بشرطیکہ طاقت ہو۔ اور نوافل چونکہ باجماعت ادا نہیں کئے جاتے اس لئے نوافل میں یہ رعایت ملحوظ نہیں ہوگی۔

و معنی مارواہ شفعا لا وترا سے امام شافعی کی پیش کردہ حدیث **صلوة اللیل والنہار مثنی مثنی** کا جواب ہے۔ حاصل جواب یہ ہے کہ رات اور دن کی نماز بخت ہے نہ کہ طاق، یعنی حضور ﷺ کا منشاء دو دو کا عدد بیان کرنا نہیں ہے بلکہ منشاء رسول ﷺ یہ ہے کہ نوافل طاق رکعتوں کے ساتھ ادا نہ کئے جائیں بلکہ بخت یعنی جوڑ جوڑ ادا کئے ہیں خواہ دو رکعت ایک سلام کے ساتھ ہوں یا چار یا آٹھ۔

فصل فی القراءۃ

قرأت کا بیان..... فرض میں قرأت کا حکم..... امام شافعی کا نقطہ نظر و دلائل

والقراءة فی الفرض واجبة فی الرکعتین وقال الشافعی فی الرکعات کلها لقوله علیہ السلام لا صلاة الا بقراءة وکل رکعة صلاة وقال مالک فی ثلاث رکعات اقامة للاکثر مقام الكل تیسیرا ولنا قوله تعالی ﴿فَاَقْرَأْ وَامَّا تیسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ﴾ والأمر بالفعل لا یقتضی التکرار وإنما أوجبنا فی الثانية استدلالا بالأولی لأنهما تتشاکلان من کل وجه فأما الأخریان تفارقانہما فی حق السقوط بالسفر وصفة القراءة وقدرها فلا تلحقان بہما والصلاة فیما روى مذکورة تصریحا فتصرف الی الکاملة وهی الرکعتان عرفا کمن حلف لا یصلی صلاة بخلاف ما اذا حلف لا یصلی

ترجمہ..... یہ فصل قرأت کے بیان میں ہے، فرض نماز میں دو رکعتوں میں قرأت کرنا واجب ہے۔ اور امام شافعی نے کہا کہ تمام رکعتوں میں واجب ہے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ بغیر قرأت کے نماز نہیں ہے۔ اور ہر رکعت نماز ہے۔ اور امام مالک نے کہا کہ تین رکعتوں میں (فرض) ہے کیونکہ آسانی کے پیش نظر اکثر کل کے قائم مقام ہوتا ہے۔

اور ہماری دلیل باری تعالیٰ کا قول ﴿فَاَقْرَأْ وَامَّا تیسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ﴾ ہے اور کسی فعل (کام) کا امر تکرار کا تقاضہ نہیں کرتا۔ اور دوسری رکعت میں ہم نے واجب کیا پہلی رکعت سے استدلال کرتے ہوئے۔ کیونکہ دونوں رکعتیں من کل وجہ ہم شکل ہیں۔ رہیں بعد کی دو رکعتیں تو وہ اولتین سے سفر کی وجہ سے ساقط ہونے میں اور قرأت کی صفت میں اور قرأت کی مقدار میں مفارقت رکھتی ہیں لہذا اخصرین اولتین کے ساتھ لاحق نہ ہوں گی۔

اور امام شافعی کی روایت کردہ حدیث میں لفظ صلوة صراحتہ مذکور ہے اس لئے صلوة کاملہ کی طرف پھیرا جائے گا اور وہ عرف میں دو رکعتیں ہیں۔ جیسے کسی نے قسم کھائی کہ کوئی نماز نہیں پڑھے گا۔ اس کے برخلاف جب لا یصلی کہہ کر قسم کھائی۔

تشریح..... صاحب ہدایہ نماز مفروضہ، واجبات اور نوافل کے بیان سے فارغ ہو کر اب اس فصل میں مسئلہ قرأت کو ذکر فرمائیں گے چنانچہ رہا ہی فرض نماز میں مسئلہ قرأت کے اندر پانچ قول ہیں۔

(۱) علماء احناف کے نزدیک دو رکعتوں میں قرأت فرض ہے۔

(۲) امام شافعی کے نزدیک تمام رکعتوں میں فرض ہے۔

(۳) امام مالک نے کہا کہ تین رکعتوں میں فرض ہے۔

(۴) حسن بصری ایک رکعت میں فرضیت قرأت کے قائل ہیں۔

(۵) ابو بکر اصم نماز میں سنیت قرأت کے قائل ہیں۔

ابو بکر نے قرأت کو باقی دوسرے اذکار پر قیاس کیا ہے۔ یعنی جس طرح نماز کے اندر رکوع اور سجدہ کی تسبیحات اور ثناء وغیرہ مسنون ہیں اسی طرح قرأت قرآن بھی مسنون ہے۔

حسن بصری کی دلیل یہ ہے کہ **فَاقْرَؤْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ** میں **اقْرَؤْا** امر کا صیغہ ہے اور امر تکرار کا تقاضہ نہیں کرتا۔ اس لئے ایک ہی رکعت میں قرأت کرنا فرض ہوگا۔

امام مالک کی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا **لا صلوة الا بقراءة** اور ہر رکعت **صلوة** ہے۔ لہذا کوئی رکعت بغیر قراءت کے نہیں ہو سکتی مگر چونکہ تین رکعت اکثر ہیں اور آسانی کے پیش نظر اکثر کوکل کے قائم مقام کر دیا جاتا ہے اس لئے تین رکعات کو چار کے قائم مقام کر دے کر تین میں قرأت فرض کی گئی۔

امام شافعی کی دلیل بھی یہی حدیث ہے۔ کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ بغیر قرأت کے نماز نہیں ہوتی اور ہر رکعت نماز ہے لہذا ہر رکعت میں قرأت کرنا فرض ہوگا۔ ہر رکعت کے نماز ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ میں نماز نہیں پڑھوں گا۔ پھر اس نے یہ رکعت پڑھی تو حائث ہو جائے گا پس ایک رکعت پڑھنے سے حائث ہو جانا اس بات کی دلیل ہے کہ ایک رکعت نماز ہے ورنہ حائث نہ ہوتا۔

احناف کی دلیل باری تعالیٰ کا قول **فَاقْرَؤْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ** بایں طور کہ **اقْرَؤْا** امر کا صیغہ ہے اور امر تکرار کا تقاضہ نہیں کرتا اس لئے ایک رکعت میں فرضیت قرأت عبارت النص سے ثابت ہوگئی اور چونکہ رکعت ثانیہ من کل وجہ رکعت اولی کے مشابہ ہے اس لئے بات النص سے رکعت ثانیہ میں بھی قرأت کو واجب کیا گیا۔ حاصل یہ کہ پہلی رکعت میں قرأت کا وجوب عبارت النص سے ثابت ہو اور بصری رکعت میں دلالت النص سے ثابت ہو۔

سوال: یہاں ایک سوال ہوگا وہ یہ کہ پہلی اور دوسری رکعت میں مشابہت نہیں ہے بلکہ مفارقت ہے۔ اس طور پر کہ پہلی رکعت میں ثناء، تہلیل اور بسملہ ہے اور دوسری میں یہ چیزیں نہیں ہیں۔

جواب: یہ چیزیں امر زائد ہیں۔ اعتبار فقط ارکان کا ہے اور اصل ارکان میں دونوں رکعتیں یکساں ہیں۔ رہیں آخر کی دو رکعتیں سو وہ ایک دور رکعتوں سے مختلف ہیں اور یہ فرق چند باتوں میں ہے۔

(۱) سفر کی وجہ سے آخر کی دو رکعتیں ساقط ہوتی ہیں پہلی دو ساقط نہیں ہوتیں۔

(۲) اول کی دو رکعتوں میں بالجہر قرأت ہوتی ہے اور آخر کی دو رکعتوں میں بالسر۔

(۳) اول کی دو رکعتوں میں فاتحہ کے ساتھ شورت کا ملانا بھی واجب ہے اور آخر کی دو میں فاتحہ کے ساتھ شورت کا ضم نہیں ہوتا۔ پس جب اس قدر تفاوت ہے تو آخر کی دو رکعتوں کو اول کی دو کے ساتھ لاحق نہیں کیا جائے گا۔

والصلوة فیما یروی سے امام شافعی کی پیش کردہ حدیث **لا صلوة الا بقراءة** کا جواب ہے۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ حدیث میں صریحی لفظ **صلوة** سے مراد **صلوة** کاملہ ہے اور عرف میں **صلوة** کاملہ کا اطلاق دو رکعتوں پر ہوتا ہے پس حدیث سے دو رکعتوں میں قرأت کا ثبوت ہوگا نہ کہ ہر رکعت میں۔

دینی یہ بات کہ صریحی لفظ **صلوة** سے عرف میں دو رکعت مراد ہوتی ہیں، کیسے معلوم ہوا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر کسی نے ان الفاظ کے ساتھ قسم کھائی کہ **لا یصلی صلوة** یعنی لفظ **صلوة** صراحتہ ذکر کیا تو دو رکعت پڑھنے سے حائث ہوگا۔ اور اگر فقط **لا یصلی** کہا اور **لا یصلی** نہیں کہا تو ایک رکعت پڑھنے سے بھی حائث ہو جائے گا۔

فرائض کی آخری دو رکعتوں میں قرأت کا حکم

وهو مخیر فی الاخرین معناه ان شاء سکت وان شاء قرأ وان شاء سبح کذا روی عن ابی حنیفہ
المأثور عن علی وابن مسعود وعائشة الا ان الافضل ان یقرأ لأنه علیه السلام داوم علی ذلك ولہذا
یجب السہو بترکھا فی ظاہر الروایة

ترجمہ..... اور مصلیٰ کو آخرین میں اختیار ہے۔ اس کی مراد یہ ہے کہ جی چاہے خاموش رہے اور جی چاہے تو پڑھے اور اگر چاہے تو
پڑھے۔ یہی امام ابوحنیفہ سے مروی ہے اور یہی علیؓ، ابن مسعودؓ اور عائشہؓ سے منقول ہے۔ مگر افضل قرأت کرنا ہے۔ کیونکہ حضور ﷺ
اس پر مداومت کی ہے اور اسی وجہ سے ترک قرأت سے (آخرین میں) ظاہر الروایہ کے مطابق سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا۔

تشریح..... صاحب قدوری نے فرمایا کہ آخر کی دو رکعتوں میں مصلیٰ کو اختیار ہے، سورہ فاتحہ کی قرأت کرے یا تین تسبیحات کی
خاموش کھڑا رہے یا تین تسبیح پڑھے امام ابوحنیفہ سے یہی مروی ہے یعنی ظاہر الروایہ یہی ہے۔ اور یہ تسبیح کرنا حضرت علیؓ، ابن مسعودؓ
حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے بھی منقول ہے مگر آخرین میں سورہ فاتحہ کی قرأت کرنا افضل ہے کیونکہ حضور ﷺ نے کسی
ترک کے ساتھ اس پر مداومت فرمائی ہے یہی وجہ ہے کہ آخرین میں اگر قرأت فاتحہ ترک کر دی گئی تو اس پر سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا۔
اس سے بھی آخرین میں قرأت فاتحہ کا افضل ہونا معلوم ہوا۔ صاحب ہدایہ نے کہا کہ ظاہر الروایہ بھی یہی ہے۔

امام حسن بن زیاد نے امام اعظم سے روایت کی ہے کہ آخرین میں مصلیٰ نے اگر نہ قرآن کی اور نہ عدا تسبیح کی تو گنہگار ہوگا اور اگر
ان چیزوں کو ترک کر دیا تو سجدہ سہو واجب ہوگا۔ دلیل یہ ہے کہ آخرین میں قیام مقصود ہے لہذا اس کو قرأت اور ذکر سے خالی کرنا کرم
گا۔ صاحب عنایہ نے کہا کہ ظاہر الروایہ اصح ہے۔ کیونکہ قیام کے اندر اصل تو قرأت ہے پس جب قرأت ساقط ہو گئی تو مطلق قیام
رہا۔ پس ایسا ہو گیا جیسے مقتدی کا قیام۔ (عنایہ)

نوافل میں قرأت کا حکم

و القراءۃ واجبة فی جمیع رکعات النفل و فی جمیع رکعات الوتر اما النفل فلان کل شفع منه صلوة
حسنة والقیام الی الثالثة کتحریمۃ مبتدأ و لہذا لایجب بالتحریمة الاولى الارکعتان فی المشہور
اصحابنا و لہذا قالوا یتفتح فی الثالثة ای یقول سبحانک اللہم و اما الوتر فللاحتیاط

ترجمہ..... اور نفل کی تمام رکعتوں میں قرأت واجب ہے اور وتر کی تمام رکعتوں میں بہر حال نفل تو اس لئے کہ نفل کی ہر دو رکعت عبادت
ہے اور تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہونا نئے سرے سے تحریمہ کے مانند ہے اسی وجہ سے ہمارے اصحاب کے قول مشہور کے مطابق
اولیٰ سے فقط دو رکعت واجب ہوں گی۔ اور اسی وجہ سے مشائخ نے کہا کہ تیسری رکعت میں سبحانک اللہم و بحمدک
پڑھے۔ اور رہا وتر تو احتیاط کی وجہ سے ہے۔

تشریح..... مسئلہ: قرأت، نفل اور وتر کی تمام رکعتوں میں واجب ہے۔ نفل کی تمام رکعتوں میں قرأت اس لئے واجب ہے کہ نفل
رکعت علیحدہ نماز ہے۔ چنانچہ پہلے تحریمہ سے دو ہی رکعت واجب ہوں گی اگرچہ دو رکعت سے زیادہ کی نیت کی ہو۔ علماء احناف کا

شہور یہی ہے حتیٰ کہ اگر چار کی نیت کی پھر دو رکعت پوری کرنے سے پہلے فاسد کر دیا تو شروع کرنے کی وجہ سے اس پر صرف ایک دوگانہ قضاء کرنا واجب ہے۔ پس معلوم ہوا کہ اول تحریمہ سے صرف دو رکعت لازم آئیں۔

چونکہ ہر دو رکعت علیحدہ نماز ہے اسی لئے مشائخ احناف نے کہا کہ تیسری کے لئے کھڑا ہونے پر ثناء پڑھے کیونکہ تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہونا نئی تحریمہ کے مرتبہ میں ہے اور وتر کی تمام رکعتوں میں قرأت اس لئے واجب ہے کہ نماز میں قرأت لذاتہ رکن مقصود ہے اور وتر کا وجوب حدیث سے ثابت ہوا ہے پس وتر کے نفل ہوئے کا احتمال پیدا ہو گیا لہذا احتیاط کی وجہ سے وتر کی تمام رکعتوں میں قرأت واجب کی گئی۔ حاصل یہ کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وتر کی نماز اگرچہ واجب ہے لیکن چونکہ نفل ہونے کے آثار اس پر ظاہر ہیں تو ہم نے احتیاطاً اس کی ہر رکعت میں مثل سنت و نفل کے قرأت واجب کی ہے۔

نفل شروع کرنے کے بعد فاسد کرنے سے قضا کا حکم

قال ومن شرع فی نافلہ ثم افسدھا قضاھا وقال الشافعی لا قضاء علیہ لانه متبرع فیہ ولا لزوم علی المتبرع ولنا ان المؤدی وقع قربة فیلزم الاتمام ضرورة صیانتہ عن البطلان

ترجمہ..... کہا کہ جس نے نفل نماز شروع کی پھر اس کو فاسد کیا تو اس کو قضاء کرے اور امام شافعیؒ نے کہا کہ اس پر قضاء واجب نہیں ہوگی کیونکہ وہ اس نفل میں متبرع ہے اور متبرع پر لزوم نہیں ہوتا اور ہماری دلیل یہ ہے کہ نفل کا جو حصہ ادا کیا گیا وہ طاعت واقع ہو ا پس اس کو بطلان سے محفوظ رکھنے کے لئے پورا کرنا لازم ہے۔

تشریح..... یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے کہ نفل نماز یا نفل روزہ شروع کرنے سے لازم ہو جاتا ہے یا نہیں۔ اس بارے میں علماء احناف کا مذہب یہ ہے کہ نفل (نماز ہو یا روزہ) شروع کرنے سے لازم ہو جاتا ہے چنانچہ نفل نماز شروع کرنے کے بعد اگر اس کو فاسد کر دیا تو اس کی قضاء واجب ہوگی۔ اور امام شافعیؒ کے نزدیک نفل شروع کرنے سے لازم نہیں ہوتا۔ حتیٰ کہ شوافع کے نزدیک اگر نفل نماز شروع کرنے کے بعد فاسد کر دے تو اس کی قضاء واجب نہیں ہوتی۔ امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ نفل نماز پڑھنے والا اپنے فعل میں متبرع ہے اور تبرع کرنے والے پر لزوم نہیں ہوتا۔ (کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مَا عَلَى الْمُحْسِنِينَ مِنْ سَبِيلٍ) لہذا نفل نماز شروع کرنے والے پر بھی لزوم نہیں ہوگا۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ شروع کرنے کے بعد نفل کا جو حصہ ادا کیا گیا وہ قربت اور عبادت ہو کر واقع ہوا ہے اور جو چیز قربت عبادت ہو کر واقع ہو اس کا پورا کرنا لازم ہوتا ہے تاکہ ابطلال حق غیر سے محفوظ رکھا جاسکے کیونکہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ (اپنے اعمال کو باطل مت کرو) پس نفل شروع کرنے کے بعد جب اس کا پورا کرنا واجب ہو تو درمیان میں فاسد کرنے سے اس کی قضاء بھی واجب ہوگی۔

امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ متبرع پر شروع کرنے سے پہلے لزوم نہیں ہوتا البتہ شروع کرنے کے بعد لزوم ہو جاتا ہے اور آیت مَا عَلَى الْمُحْسِنِينَ مِنْ سَبِيلٍ اول پر محمول ہے نہ کہ ثانی پر۔

نوافل کی چار رکعتیں پڑھنا شروع کیس پہلی دو میں قرأت کی اور قعدہ اولیٰ بھی کیا پھر

آخری دو رکعتوں کو فاسد کر دیا تو کتنی رکعتوں کی قضا لازم ہے

وان صلی اربعا و قرأ فی الاولین و قعد ثم افسد الاخرین قضی رکعتین لان الشفع الاول قد تم والقیام الثالث بمنزلة التحریمة مبتدأة فیکون ملزما هذا اذا افسد الاخرین بعد الشروع فیہما ولو افسد فی الشروع فی الشفع الثانی لا یقضی الاخرین وعن ابی یوسف انه یقضی اعتبارا للشروع بالنذر ولہما ان الشروع ملزما ما شرع فیہ وما لاصحة له الابه و صحة الشفع الاول فی النذر لا تتعلق بالثانی بخلاف الركعة الثانیة وعلی هذا سنة الظہر لانہا نافلة و قیل یقضی اربعا احتیاطا لانہا بمنزلة صلوة واحد

ترجمہ..... اور اگر چار رکعت کی نیت سے (نفل نماز) شروع کی اور پہلی دو رکعتوں میں قرأت کی اور قعدہ کیا پھر بعد کی دو رکعتوں کو فاسد کر دیا تو وہی رکعت قضاء کرے کیونکہ پہلا شفع تو پورا ہو چکا اور تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہونا نئے تحریمہ کے مرتبہ میں ہے پس وہاں دو گانہ کو لازم کرنے والا ہوا۔ یہ حکم قضاء اس وقت ہے جبکہ بعد کے شفع کو شروع کرنے کے بعد فاسد کیا ہو اور اگر شفع ثانی کو شروع کرنے سے پہلے فاسد کر دیا تو آخرتین کی قضاء نہیں کرے گا۔ اور ابو یوسف سے روایت کیا جاتا ہے کہ (چار کی) قضاء کرے۔ شروع کو نذر پر قیاس کرتے ہوئے۔ اور طرفین کی دلیل یہ ہے کہ شروع کرنا اس چیز کو لازم کرتا ہے جس کو شروع کیا ہو اور اس چیز کو جس کے بغیر شروع کی ہوئی چیز صحیح نہ ہو اور پہلے شفع کا صحیح ہونا دوسرے شفع پر موقوف نہیں۔ برخلاف دوسری رکعت کے۔ اور اسی اختلاف پر ظہر کی سنت ہے کیونکہ نفل ہے اور بعض مشائخ نے کہا کہ چار رکعت کی قضاء کرے (یہ حکم احتیاط پر مبنی ہے) اس لئے کہ ظہر سے پہلے کی چار رکعت سنت ایک نماز کے مرتبہ میں ہے۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے چار رکعت کی نیت سے نفل نماز شروع کی اور پہلی دو رکعت میں قرأت واجبہ بھی کر لی اور دو رکعت پر قعدہ بھی کیا پھر دوسرے شفع (آخرتین) کو فاسد کر دیا تو اس پر فقط شفع ثانی کی قضاء واجب ہوگی۔ مسئلہ کے اندر دو رکعت پر بیٹھے کی قید اس لئے ذکر کی گئی کہ اگر دو رکعت پر نہیں بیٹھا اور آخرتین یعنی شفع ثانی کو فاسد کر دیا تو بالاتفاق چار رکعت کی قضاء واجب ہوگی۔ حاصل یہ کہ اگر تیسری رکعت کے واسطے کھڑا ہونے کے بعد شفع ثانی کو فاسد کیا تو اس پر شفع ثانی کی قضاء واجب ہوگی۔ کیونکہ شفع اول تو پورا ہو چکا اور تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہونا نئے تحریمہ کے مرتبہ میں ہے پس اس تحریمہ سے فقط شفع ثانی لازم ہوا لہذا اس کو فاسد کر دینے کی صورت میں اسی کی قضاء واجب ہوگی۔ اور اگر تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہونے سے پہلے فاسد کر دیا تو اس پر کسی چیز کی قضاء واجب نہیں ہوگی اس لئے کہ دو رکعت پر قعدہ کرنے سے شفع اول تو پورا ہو گیا اور شفع ثانی کو ابھی تک شروع نہیں کیا پس شفع اول کی قضا اس لئے نہیں کہ وہ پورا ہو چکا ہے اور شفع ثانی کی اس لئے نہیں کہ اس کو شروع نہیں کیا۔

امام ابو یوسف سے ایک روایت یہ ہے کہ شفع اول کو فاسد کرے یا شفع ثانی کو بہر صورت چار رکعت کی قضاء واجب ہوگی۔ امام ابو یوسف نے چار رکعت نفل نماز کے شروع کرنے کو نذر پر قیاس کیا ہے یعنی جس طرح چار رکعت نفل کی نذر کرنے سے چار رکعت واجب ہوتی ہیں اسی طرح اگر چار رکعت کی نیت کے ساتھ نفل نماز شروع کی تو چار رکعت واجب ہوں گی۔ حتیٰ کہ اگر شفع اول کی نذر کرنے سے چار رکعت واجب ہوگی۔

تو بھی چار رکعت کی قضاء واجب ہے اور اگر شفع ثانی میں نفل کو باطل کیا تب بھی چار ہی کی قضاء واجب ہوگی۔ اس قیاس کی علت جامعہ اور سبب لزوم ہے یعنی جس طرح نذر سے نفل لازم ہو جاتا ہے اسی طرح شروع رکرنے سے بھی نفل لازم ہو جاتا ہے۔ طرفین کی دلیل یہ ہے کہ شروع کرنا اس چیز کے وجوب کا سبب ہوتا ہے جس کو شروع کی ہوئی چیز کی صحت موقوف ہو مثلاً نفل نماز شروع کرتے ہی رکعت اولی واجب ہوگئی۔ کیونکہ رکعت اولی ماضی فیہ (شروع کی ہوئی چیز) ہے اور رکعت اولی کی صحت موقوف ہے رکعت ثانیہ پر لہذا شروع کرنے سے رکعت ثانیہ بھی واجب ہوگئی۔

رہی یہ بات کہ رکعت اولی کی صحت رکعت ثانیہ پر کیوں موقوف ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر رکعت اولی بغیر رکعت ثانیہ کے رہ جائے تو صلواتیہ تیرا کہلائے گی اور صلواتیہ تیرا سے حضور ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ رکعت اولی کی صحت رکعت ثانیہ پر موقوف ہے۔ رہا شفع ثانی (آخر کی دو رکعت) تو وہ نہ ماضی فیہ ہے اور نہ اس پر ماضی فیہ (شفع اول) کی صحت موقوف ہے لہذا شفع اول کو شروع کرنے سے شفع ثانی واجب نہیں ہوگا اور جب شفع ثانی واجب نہ ہو تو شفع اول کو باطل کرنے سے شفع ثانی کی قضاء بھی واجب نہیں ہوگی اسی طرح اگر شفع ثانی کو باطل کیا تو فقط شفع ثانی کی قضاء واجب ہوگی شفع اول کی قضاء واجب نہیں ہوگی۔ اس کے برخلاف نذر کہ اگر ایک سلام کے ساتھ چار رکعت کی نذر کی تو ایک سلام کے ساتھ چار رکعت واجب ہوں گی اگر دو سلام کے ساتھ چار رکعت پر ہمیں تو نذر پوری نہیں ہوگی۔

یہی اختلاف ظہر سے قبل کی چار سنتوں میں ہے یعنی اگر ظہر سے قبل چار سنتوں کی نیت کر کے نماز پڑھنا شروع کی پھر پہلی دو رکعت پڑھ کر تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہونے کے بعد اس کو فاسد کر دیا تو امام ابو یوسف کے نزدیک چار کی قضاء کرے اور طرفین کے نزدیک دو رکعت کی قضاء کرے گا۔

بعض مشائخ نے کہا کہ اس صورت میں احتیاطاً چار رکعت کی قضاء کرے کیونکہ یہ چاروں رکعت ایک نماز کے مرتبہ میں ہیں۔ چنانچہ اگر کوئی عورت ان سنتوں کے شفع اول میں ہو یعنی تیسری رکعت شروع کرنے سے پہلے اس کے شوہر نے اس کو خیار طلاق دے دیا اس نے چار رکعت پوری کر کے سلام پھیرا تو اس عورت کا خیار باطل نہیں ہوا حالانکہ مجلس کے بدلنے سے خیار باطل ہو جاتا ہے اور کام بدلنے سے مجلس بدل جاتی ہے پس معلوم ہوا کہ ظہر سے قبل کی چار سنت ایک نماز ہے اور نہ اگر پہلا دو گانہ علیحدہ نماز ہوتا اور دوسرا دو گانہ علیحدہ تو دوسرا دو گانہ شروع کرتے ہی خیار باطل ہو جاتا کیونکہ عمل کے بدلنے سے مجلس بدل گئی۔

چار رکعتیں پڑھیں اور کسی میں بھی قرأت نہیں کی کتنی رکعتوں کا اعادہ لازم ہے..... اقوال فقہاء

وان صلی اربعاً ولم یقرأ فیہن شیئاً اعاد رکعتین وهذا عند ابی حنیفہ و محمد و عند ابی یوسف یقضی اربعاً
ولهذا المسألة علی ثمانية اوجه والاصل فیہا ان عند محمد ترک القراءة فی الاولین او فی احدہما یوجب
بطلان التحریمة لانہا تعقد للفعال و عند ابی یوسف ترک القراءة فی الشفع الاول لایوجب بطلان التحریمة
وانما یوجب فساد الاداء لان القراءة رکن زائد الاتری ان للصلوة وجودا بدونها غیر انه لا صحة للاداء
الابها و فساد الاداء لایزید علی ترکة فلا یبطل التحریمة و عند ابی حنیفہ ترک القراءة فی الاولین یوجب
بطلان التحریمة و فی احدہما لایوجب لان کل شفع من التطوع صلوة علیحدہ و فسادہا بترک

القراءة في ركعة واحدة مجتهد فيه فقضينا بالفساد في حق وجوب القضاء و حكمنا ببقاء التحريم في لزوم الشفع الثاني احتياطا اذا ثبت هذا نقول اذا لم يقرأ في الكل قضى ركعتين عندهما لان التحريم بطلت بترك القراءة في الشفع الاول عندهما فلم يصح الشروع في الثاني و بقيت عند ابي يوسف في الشروع في الشفع الثاني ثم اذا فسد الكل بترك القراءة فيه فعليه قضاء الاربع عن

ترجمہ..... اور اگر نفل کی چار رکعتیں پڑھیں اور کسی میں قرأت نہیں کی تو دو رکعت کا اعادہ کرے یہ حکم امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک ہے۔ اور ابو یوسف کے نزدیک چار کی قضاء کرے۔ یہ مسئلہ آٹھ صورتوں پر ہے۔ اور اصل اس میں یہ ہے کہ امام محمد کے نزدیک چار رکعتوں میں یا ان دو میں سے ایک میں قرأت چھوڑنا بطلان تحریمہ کا موجب ہے کیونکہ تحریمہ افعال کے لئے باندھا جاتا ہے اور ابو یوسف کے نزدیک شفع اول میں قرأت چھوڑنا بطلان تحریمہ کا موجب نہیں ہے بلکہ فساد ادا کو واجب کرتا ہے کیونکہ قرأت رکن زائد ہے کیا قرأت دیکھتے کہ نماز کا بغیر قرأت کے وجود ہے مگر یہ کہ بغیر قرأت کے ادا صحیح نہیں ہوتی۔ اور ادا کا فساد ہونا ادا کو ترک رکھنے سے بڑھ کر نہیں تحریمہ باطل نہیں ہوگا۔ اور ابو حنیفہ کے نزدیک اولین میں ترک کرنے سے بڑھ کر نہیں پس تحریمہ باطل نہیں ہوگا۔ اور ابو حنیفہ کے نزدیک اولین میں قرأت چھوڑنا بطلان تحریمہ کا موجب ہے اور ان دونوں میں سے ایک میں چھوڑنا بطلان تحریمہ کا موجب نہیں ہے کیونکہ نفل شفع علیحدہ نماز ہے اور ایک رکعت میں قرأت چھوڑنے سے اس کا فساد ہونا مختلف فیہ ہے۔ پس ہم نے حکم دیا فساد کا وجوب قضاء کے میں اور بقاء تحریمہ کا حکم دیا شفع ثانی کا لزوم کے حق میں احتیاطاً۔ جب یہ ثابت ہو چکا تو ہم کہتے ہیں کہ اسے جب تمام میں قرأت نہ ہو تو طرفین کے نزدیک دو رکعت کی قضاء کرے گا کیونکہ ان دونوں کے نزدیک شفع اول میں قرأت چھوڑنے کی وجہ سے تحریمہ باطل ہو گیا۔ دوسرے شفع کو شروع کرنا ہی صحیح نہ ہو اور ابو یوسف کے نزدیک تحریمہ باقی ہے تو شفع ثانی کو شروع کرنا صحیح ہو گیا۔ پھر جب اس کا کو فساد کر دیا اس میں قرأت ترک کرنے کی وجہ سے تو امام ابو یوسف کے نزدیک اس پر چاروں کی قضاء واجب ہوگی۔

تشریح..... متن کا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے نفل کی چار رکعت پڑھیں اور کسی رکعت میں قرأت نہیں کی تو طرفین کے نزدیک دو رکعت قضاء کرنا واجب ہے اور ابو یوسف کے نزدیک چار کی قضاء واجب ہے۔

بقول صاحب عنایہ کے اس مسئلہ کا لقب مسئلہ ثمانیہ ہے کیونکہ عقلی طور پر اس مسئلہ میں آٹھ صورتیں نکلتی ہیں۔ لیکن تھوڑے سے پتہ چلتا ہے کہ سولہ صورتیں نکلتی ہیں۔

- | | | | |
|------|-----------------------------------|------|--|
| (۱) | چاروں میں قرأت کی۔ | (۲) | چاروں میں قرأت ترک کر دی۔ |
| (۳) | پہلی دو رکعت میں ترک کی۔ | (۴) | شفع ثانی یعنی بعد کی دو رکعتیں ترک کی۔ |
| (۵) | فقط رکعت اولیٰ میں ترک کی۔ | (۶) | فقط رکعت ثانیہ میں ترک کی۔ |
| (۷) | فقط رکعت ثالثہ میں ترک کی۔ | (۸) | فقط رکعت رابعہ میں ترک کی۔ |
| (۹) | اول اور رکعت ثالثہ میں ترک کی۔ | (۱۰) | شفع اول اور رکعت رابعہ میں ترک کی۔ |
| (۱۱) | رکعت اول اور شفع ثانی میں ترک کی۔ | (۱۲) | رکعت ثانیہ اور شفع ثانی میں ترک کی۔ |
| (۱۳) | رکعت اولیٰ اور ثالثہ میں ترک کی۔ | (۱۳) | رکعت اولیٰ اور رابعہ میں ترک کی۔ |

(۱۶) رکعت ثانیہ اور ثالثہ میں ترک کی۔ رکعت ثانیہ اور رکعت رابعہ میں ترک کی۔

مصنف نے پہلی صورت کو بیان نہیں کیا کیونکہ مقصود اقسام فساد کو بیان کرنا ہے اور پہلی صورت میں چونکہ تمام رکعتوں میں قرأت کی گئی ہے اس لئے وہ اقسام فساد میں سے نہیں ہوگی۔ اور چونکہ سات صورتیں اتحاد حکم کی وجہ سے انہیں آٹھ میں متداخل ہو گئیں اس لئے اب کل آٹھ صورتیں باقی رہیں جن کے بارے میں فاضل مصنف نے فرمایا و هذه المسئلة على ثمانية اوجه۔

صاحب ہدایہ کے پیش نظر آٹھ صورتوں میں سے یہ آٹھ ہیں:-

(۲) چاروں میں قرأت کو ترک کر دیا گیا ہو۔ شفع ثانی میں ترک کر دیا گیا ہو۔

(۳) شفع اول میں ترک کیا گیا ہو۔ شفع ثانی کی کسی ایک رکعت میں ترک کیا گیا ہو۔

(۶) شفع اول کی کسی ایک رکعت میں ترک کیا گیا ہو۔ شفع اول کی کسی ایک رکعت میں اور شفع ثانی کی کسی ایک رکعت میں ترک کیا گیا ہو۔

(۸) شفع ثانی کی دونوں رکعتوں اور شفع اول کی کسی ایک رکعت میں ترک کیا گیا ہو۔ شفع اول کی دونوں رکعتوں اور شفع ثانی کی کسی ایک رکعت میں ترک کیا گیا ہو۔

(الکفایۃ)

چونکہ اس مسئلہ کی تخریج ائمہ ثلاثہ کے علیحدہ علیحدہ اصول پر مبنی ہے اس لئے صاحب ہدایہ نے اولاً اصول کو ذکر فرمایا ہے۔ چنانچہ کہا کہ اصل اور بنیادی بات یہ ہے کہ پہلی دور رکعتوں میں قرأت چھوڑنا یا ان دونوں میں سے کسی ایک میں چھوڑنا تحریمہ کو باطل کر دیتا ہے۔ کیونکہ تحریمہ منعقد کیا جاتا ہے افعال کے لئے اور افعال ترک قرأت کی وجہ فاسد ہو جاتے ہیں۔ لہذا وہ تحریمہ جو افعال کے لئے منعقد کیا جاتا ہے وہ بھی فاسد ہو جائے گا۔

امام ابو یوسف کی اصل یہ ہے کہ شفع اول میں قرأت چھوڑنا تحریمہ کو باطل نہیں کرتا بلکہ ادا کو فاسد کر دیتا ہے کیونکہ قرأت ایک رکن ہے۔ چنانچہ آپ غور کیجئے کہ بغیر قرأت کے بھی نماز پائی جاتی ہے جیسے گونگے کے حق میں نماز بلا قرأت ہے۔ البتہ بغیر قرأت کے ادا نہیں ہوتی۔ بہر حال شفع اول میں قرأت کا ترک کرنا فساد ادا کا موجب ہے بطلان تحریمہ کا موجب نہیں ہے اور فساد ادا ترک ادا سے یہ کہ نہیں یعنی ادا کو اگر ترک کر دیا مثلاً حدث ہو گیا اور وضو کے لئے گیا تو اس صورت میں اس نے ادا چھوڑ دی مگر تحریمہ باطل نہیں ہوا پس بترک ادا سے تحریمہ باطل نہیں ہوتا تو فساد ادا سے بدرجہ اولیٰ تحریمہ باطل نہیں ہوگا۔

امام ابو حنیفہ کی اصل یہ ہے کہ اول کی دور رکعتوں میں قرأت چھوڑنا تحریمہ باطل کر دیتا ہے اور ایک رکعت میں چھوڑنا تحریمہ باطل نہیں کرتا۔ پہلی بات کی دلیل یہ ہے کہ نفل کا ہر شفع علیحدہ مستقل نماز ہے پس اس میں قرأت چھوڑنا نماز کو قرأت سے خالی کرنا ہے۔ اور نماز قرأت سے خالی ہونے کی صورت میں اس طرح فاسد ہو جاتی ہے کہ اس کی قضاء واجب ہوگی۔ اور تحریمہ باطل ہو جائے گا۔

دوسری بات کی دلیل یہ ہے کہ ایک رکعت میں قرأت چھوڑنے کی وجہ سے قیاس کا تقاضہ تو یہی ہے کہ مثل اول کے تحریمہ باطل ہو جائے اور نماز فاسد ہو جائے جیسے کہ فجر کی ایک رکعت میں قرأت چھوڑنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے مگر ایک رکعت میں ترک قرأت کی وجہ سے نماز کا فاسد ہونا مختلف فریہ ہے۔ کیونکہ حسن بصری کا مذہب ہے کہ ایک رکعت میں قرأت کرنا کافی ہے اگر دو میں سے ایک میں قرأت کی اور ایک میں نہیں کی تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔ پس احتیاط پر عمل کرتے ہوئے ہم نے کہا کہ ایک رکعت میں ترک قرأت سے نماز تو

فاسد ہو جائے گی اور قضاء واجب ہوگی لیکن شفع ثانی کے لزوم کے حق میں تحریمہ باقی رہے گا۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ جب ہر ایک کی بیان کردہ اصل ثابت ہو چکی تو مسئلہ متن کی توضیح اس طرح ہوگی کہ جب مصلیٰ چاروں رکعتوں میں قرأت نہیں کی تو طرفین کے نزدیک شفع اول میں ترک قرأت کی وجہ سے تحریمہ باطل ہو گیا اور جب تحریمہ باطل ہو گیا تو شفع ثانی کا شروع کرنا درست نہیں ہوا۔ پس گویا اس نے دو ہی رکعت کے لئے تحریمہ باندھا تھا اور انہیں کو فاسد کر دیا۔ تو اس کی قضاء واجب ہوگی اور چونکہ امام ابو یوسف کے نزدیک تحریمہ باطل نہیں ہوا لہذا شفع ثانی کو شروع کرنا بھی صحیح ہوا۔ لیکن ترک قرأت کی وجہ سے چاروں رکعتیں فاسد ہو گئیں۔ اس لئے چاروں کی قضاء واجب ہوگی۔ واللہ اعلم بحمیل

پہلی دو رکعتوں میں قرأت کی آخری دو میں قرأت نہیں کی بالا جماع آخری دو کی قضا لازم ہے

ولو قرأ فی الاولین لا غیر فعليه قضاء الاخرین بالاجماع لان التحريم لم تبطل فصح الشروع فی الثاني ثم فسادہ بترک القراءة لا یوجب فساد الشفع الاول۔

ترجمہ..... اور اگر اس نے فقط اولین میں قرأت کی تو اس پر بالا جماع آخرین کی قضاء واجب ہے کیونکہ تحریمہ تو باطل نہیں ہوا پس شروع کرنا صحیح ہوا۔ پھر ترک قرأت کی وجہ سے شفع ثانی کا فساد شفع اول کے فساد کو واجب نہیں کرتا۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ اگر نفل کی پہلی دو رکعتوں میں قرأت کی۔ اور آخری دو میں قرأت نہیں کی تو بالا جماع اس پر آخری دو رکعتوں کی قضاء کرنا واجب ہوگا۔ کیونکہ شفع اول میں قرأت کے پائے جانے کی وجہ سے تحریمہ باطل نہیں ہوا پس جب تحریمہ باطل نہیں ہوا تو شروع کرنا بھی صحیح ہوا۔

لیکن ترک قرأت کی وجہ سے شفع ثانی کا فساد ہونا شفع اول کے فساد کو متلازم نہیں۔ پس جب شفع ثانی ہی فاسد ہوا ہے نہ شفع اول بھی فقط شفع ثانی ہی کی واجب ہوگی نہ کہ شفع اول کی۔

یہ خیال رہے کہ یہ حکم اس وقت ہے جبکہ شفع اول پر قعدہ کیا ہو چنانچہ اگر قعدہ نہیں تو چار کی قضاء واجب ہوگی شفع ثانی کی قضا قرأت کی وجہ سے واجب ہوگی اور شفع اول کی قعدہ اخیرہ کے ترک کی وجہ سے۔

آخری دو میں قرأت کی پہلی دو میں قرأت نہیں کی بالا جماع پہلی دو رکعتوں کی قضا لازم ہے

ولو قرأ فی الاخرین لا غیر فعليه قضاء الاولین بالاجماع لان عندهما لم یصح لا شروع یف الشفع الاول و عند ابی یوسف ان صح فقد اداهما

ترجمہ..... اور اگر اس نے فقط آخرین میں قرأت کی تو اس پر بالا جماع اولین کی قضاء واجب ہوگی کیونکہ طرفین کے نزدیک شفع اول شروع ہونا صحیح نہیں ہوا۔ اور ابو یوسف کے نزدیک اگر صحیح ہے لیکن اس نے آخری دو رکعتوں کو ادا کیا۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ مصلیٰ نے اگر آخری دو رکعتوں میں قرأت کی اور اول کی دو میں قرأت کو چھوڑ دیا تو بالاتفاق پہلی دو رکعتوں کی قضا واجب ہے اس مسئلہ کے حکم میں تینوں حضرات متفق ہیں مگر تخریج میں مختلف ہیں چنانچہ طرفین نے کہا کہ پہلی دو رکعتوں میں قرأت

کرنے کی وجہ سے تحریمہ باطل ہو گیا حتیٰ کہ اگر کسی نے شفع ثانی میں اس کی اقتداء کی تو اس کا اقتداء کرنا صحیح نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر شفع ثانی میں یہ شخص قبضہ لگا کر نپس پڑا تو اس کا وضو نہیں ٹوٹے گا۔ اگر تحریمہ باطل نہ ہوتا اور شفع ثانی کا شروع کرنا درست ہوتا تو اس کی اقتداء کرنا بھی درست ہوتا اور قبضہ مارنے سے وضو بھی ٹوٹ جاتا۔

بہر حاصل یہ ہوا کہ اولین میں ترک قرأت کی وجہ سے تحریمہ باطل ہو گیا اور جب تحریمہ باطل ہو گیا تو شفع ثانی کا شروع کرنا بھی صحیح نہیں ہوا۔ اور جب شفع ثانی کا شروع کرنا صحیح نہیں ہوا تو اس کی قضا بھی واجب نہیں ہوگی بلکہ فقط پہلی اور رکعت کی قضا واجب ہوگی امام ابو یوسف نے کہا کہ اولین میں ترک قرأت کی وجہ سے تحریمہ باطل نہیں ہوا لہذا شفع ثانی کا شروع کرنا صحیح ہوا۔ پس شفع ثانی کا شروع کرنا اگر صحیح ہو گیا تو یہ شخص شفع ثانی کو ادا بھی کر چکا اور جب شفع ثانی ادا ہو گیا تو قضا فقط اولین کی واجب ہوگی نہ کہ آخرین کی۔

پہلی دو اور آخری دو میں سے ایک میں قرأت کی اسی طرح آخری دو اور پہلی میں سے ایک میں قرأت کی اور پہلی دو میں سے ایک میں اور آخری دو میں سے ایک میں قرأت کی کتنی رکعتوں کی قضا لازم ہے

ولو قرأ فی الاولین و احدی الاخرین فعليه قضاء الاخرین بالاجماع ولو قرأ فی الاخرین و احدی الاولین فعليه قضاء الاولین بالاجماع و لو قرأ فی احدی الاولین و احدی الاخرین علی قول ابی یوسف قضاء الاربع و کذا عند ابی حنیفہ لان التحريمه باقیة و عند محمد قضاء الاولین لان التحريمه قد ارتفعت عنده و قد انکر ابو یوسف هذه الروایة عنه و قال رویت لک عن ابی حنیفہ انه یلزمه قضاء رکعتین و محمد لم یرجع عن روایة عنه

ترجمہ..... اور اگر پہلی دو میں اور آخرین کی ایک رکعت میں قرأت کی تو بالاتفاق اس پر آخرین کی قضا کرنا واجب ہوگا۔ اور اگر آخرین میں اور اولین میں سے ایک میں قرأت کی تو اس پر بالاجماع اولین کی قضا واجب ہے اور اگر اولین میں سے ایک میں اور آخرین میں سے ایک میں قرأت کی تو ابو یوسف کے نزدیک چار کی قضا واجب ہے اور یوں ہی ابو حنیفہ کے نزدیک۔ کیونکہ تحریمہ باقی ہے اور امام محمد کے نزدیک اولین کی قضا واجب ہے کیونکہ ان کے نزدیک تحریمہ مرتفع ہو گیا۔ امام ابو یوسف نے امام ابو حنیفہ سے اس روایت کا انکار کیا ہے اور ابو یوسف نے کہا کہ میں نے تو ابو حنیفہ سے تم کو یہ روایت کی تھی کہ اس پر دو رکعت کی قضا لازم ہوگی۔ اور امام محمد نے رجوع نہیں کیا ابو یوسف کے ابو حنیفہ سے روایت کرنے سے۔

تشریح..... اس عبارت میں تین صورتیں مذکور ہیں:

- (۱) یہ کہ پہلی دو رکعتوں اور آخر کی کسی ایک رکعت میں قرأت کی ہے اس صورت میں بالاتفاق آخر کی دو رکعتوں کی قضا واجب ہوگی۔
- (۲) یہ کہ آخر کی دونوں اور پہلے شفع کی ایک رکعت میں قرأت کی ہے اس صورت میں بالاتفاق پہلی دو کی قضا واجب ہے
- (۳) یہ کہ اولین میں سے کسی ایک میں اور آخرین میں سے کسی ایک میں قرأت کی ہے تو اس صورت میں امام ابو یوسف کے نزدیک چار رکعت کی قضا واجب ہے۔

یہی امام اعظم کا مذہب ہے اور امام محمد کے نزدیک پہلی دو کی قضا واجب ہے۔ امام محمد کی دلیل یہ ہے کہ اولین میں سے کسی ایک رکعت میں ترک قرأت کی وجہ سے تحریمہ مرتفع ہو گیا یعنی تحریمہ باطل ہو گیا کیونکہ امام محمد کے نزدیک شفع اول کی ایک رکعت میں ترک

قرأت بطلان تحریمہ کا موجب ہوتا ہے۔ پس جب تحریمہ باطل ہو گیا تو شفع ثانی کا شروع کرنا بھی صحیح نہیں ہوا اور جب شفع شروع کرنا صحیح نہیں ہوا تو اس کی قضاء بھی واجب نہیں ہوگی۔ بلکہ فقط شفع اول کی قضاء واجب ہوگی۔ امام ابو یوسف کے نزدیک یہ قرأت کی وجہ سے تحریمہ باطل نہیں ہوتا۔ اس لئے ان کے نزدیک شفع ثانی شروع کرنا بھی صحیح ہوگا۔ اور جب شفع ثانی کا شروع کرنا تو چونکہ دونوں شفعوں کی ایک ایک رکعت میں قرأت چھوڑ دی گئی ہے اس لئے دونوں شفعوں یعنی چاروں رکعت کی قضاء واجب ہے۔

وقد انکر ابو یوسف هذه الروایة الخ سے امام ابو حنیفہ کا مذہب بواصلہ امام ابو یوسف یہ بیان کیا ہے کہ چار رکعت کی قضاء واجب ہے۔ مگر امام محمد نے جامع صغیر کی تصنیف سے فراغت کے بعد جب جامع صغیر امام ابو یوسف کو سنا تو امام ابو یوسف نے اس سے کہا کہ میں نے تمہارے سامنے امام صاحب سے یہ روایت نہیں کی تھی بلکہ میں نے تمہارے اصح ابو حنیفہ سے یہ روایت کی تھی۔ شخص پر دو رکعت کی قضاء واجب ہے امام محمد نے کہا کہ ایسا نہیں ہے بلکہ آپ نے تو مجھ سے یہی روایت کی تھی کہ امام صاحب کے نزدیک اس شخص پر چار رکعت کی قضاء واجب ہے۔

حضرت امام محمد اپنی یادداشت پر اس قدر ڈرے۔ اس سے کہ امام ابو یوسف کے انکار پر اصرار کے باوجود رجوع نہیں کیا۔ خادم قرآن کا خیال بھی یہی ہے کہ امام محمد کی بات ہی درست ہے کیونکہ سابق میں امام ابو حنیفہ کی اصل یہ بیان کی گئی ہے کہ اولین میں ترک قرأت بطلان تحریمہ کا موجب ہے ایک رکعت میں ترک قرأت سے تحریمہ باطل نہیں ہوتا اور مسئلہ مذکورہ میں یہی صورت فرض کی گئی ہے کہ قرأت کی ایک رکعت میں اور آخرین کی ایک رکعت میں قرأت کی اور ایک ایک میں قرأت کو ترک کر دیا پس جب اولین کی ایک رکعت میں ترک قرأت سے امام اعظم کے نزدیک تحریمہ باطل نہیں ہوتا تو شفع ثانی کا شروع کرنا صحیح ہوا اور جب شفع ثانی کا شروع کرنا صحیح اولین کی ایک رکعت اور آخرین کی ایک میں ترک قرأت کی وجہ سے دونوں شفعوں یعنی چاروں رکعت کی قضاء واجب ہوگی نہ کہ فقط شفع کی۔ واللہ اعلم بحقیق

پہلی رکعت کے علاوہ کسی رکعت میں قرأت نہیں کی کتنی رکعتوں کی قضاء لازم ہے..... اقوال فقہاء

ولو قرأ فی احدی الاولیین لا غیر قضی اربعاً عندهما و عند محمد قضی رکعتین ولو قرأ فی الاخریین لا غیر قضی اربعاً عند ابی یوسف و عندهما رکعتین قال و تفسیر قوله علیه السلام لا یصلی بعد صلوة مثلها یعنی رکعتین بقراءة و رکعتین بغير قراءة فيكون بيان فرضية القراءة في ركعات النفل كلها

ترجمہ..... اور اگر اس نے قرأت کی اول دو گانہ کی ایک رکعت میں فقط تو شیخین کے نزدیک چار کی قضاء کرے اور امام محمد کے نزدیک دو رکعت قضاء کرے اور اگر آخرین کی ایک رکعت میں قرأت کی تو ابو یوسف کے نزدیک چار کی قضاء کرے اور طرفین کے نزدیک دو رکعت قضاء کرے امام محمد نے کہا کہ حضور ﷺ کے قول لا یصلی بعد صلوة مظلہا کی تفسیر یہ ہے کہ نہ پڑھے دو رکعت قرأت کے ہر دو رکعت بغیر قرأت کے پس یہ حدیث نفل کی تمام رکعتوں میں فرضیت قرأت کا بیان ہو جائے گی۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ اگر اول کی دو رکعتوں میں سے کسی ایک رکعت میں قرأت کی اور باقی میں ترک کر دیا تو شیخین کے نزدیک چار کی قضاء کرے اور امام محمد کے نزدیک دو رکعت کی قضاء واجب ہے۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ آخرین کی ایک رکعت میں قرأت کی اور پہلی میں ترک کر دیا تو امام ابو یوسف کے نزدیک چار رکعت کی قضاء واجب ہے امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک دو رکعت کی قضاء کرے۔

پہلے مسئلہ میں شیخین کی دلیل یہ ہے کہ ان دونوں بزرگوں کے نزدیک تحریمہ باقی ہے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تو اس لئے کہ اولین کی ایک رکعت میں ترک قرأت ان کے نزدیک تحریمہ باطل نہیں کرتا اور رہے امام ابو یوسفؒ تو ان کے نزدیک کسی صورت میں بھی تحریمہ باطل نہیں ہوتا بہر حال جب ان دونوں کے نزدیک تحریمہ باطل نہیں ہوا تو شفیع ثانی کا شروع کرنا صحیح ہو گا مگر چونکہ شفیع اول کی ایک رکعت میں شفیع ثانی کی دونوں میں قرأت ترک کر دی گئی اس لئے چاروں کی قضاء واجب ہوگی اور امام محمدؒ کے نزدیک چونکہ اول کی ایک رکعت میں بھی ترک قرأت تحریمہ کو باطل کر دیتا ہے اس لئے ان کے نزدیک شفیع ثانی کا شروع کرنا صحیح نہیں ہوگا اور جب شفیع ثانی کا شروع کرنا صحیح نہ ہو تو اس کی قضاء بھی واجب نہ ہوگی البتہ شفیع اول کی ایک رکعت میں ترک قرأت کی وجہ سے اس کی قضاء واجب ہوگی۔

دوسرے مسئلہ میں امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ ان کے نزدیک تحریمہ مطلقاً باطل نہیں ہوتا پس جب تحریمہ باطل نہیں ہوا تو شفیع ثانی کا شروع کرنا بھی صحیح ہو گیا مگر چونکہ اس نے اولین کی دونوں میں اور آخرین کی ایک رکعت میں قرأت نہیں کی اس لئے دونوں شفیعوں میں چاروں کی قضاء واجب ہوگی۔ طرفین کے نزدیک چونکہ اولین کی دونوں رکعتوں میں ترک قرأت سے تحریمہ باطل ہو جاتا ہے اس لئے شفیع ثانی کا شروع کرنا صحیح نہ ہوا اور جب شفیع ثانی کا شروع کرنا صحیح نہ ہو تو اس کی قضاء بھی واجب نہ ہوگی البتہ شفیع اول کی دونوں رکعتوں میں ترک قرأت کی وجہ سے شفیع اول کی قضاء واجب ہوگی۔

صاحب ہدایہ نے هذه المسئلة على ثمانية اوجه کہہ کر جن آٹھ مسائل کی طرف اشارہ کیا تھا اور خادم نے بالا جمال ان کا ذکر کیا تھا ان کی توضیح و تشریح مع الدلائل ذکر کر دی گئی۔

اب صاحب ہدایہ نے امام محمدؒ کے قول و تفسیر قوله عليه السلام ال يصلى بعد صلوة مثلها سے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ نفل کی تمام رکعات میں قرأت فرض ہے۔ حضرت امام محمدؒ نے کہا کہ حدیث کی مراد یہ ہے کہ فرض کے مثل ایسی چار رکعات اس کے بعد نہ پڑھے کہ دو بقراءت ہوں اور دو بغیر قرأت ہوں، تاکہ فرض کے مثل ہو جائے بلکہ چاروں رکعت قرأت کے ساتھ ہوں۔ پس اس حدیث سے نفل کی تمام رکعات میں فرضیت قرأت کا ثبوت ہو گیا۔

قدرت علی القیام کے باوجود بیٹھ کر نفل پڑھنے کا حکم

يصلى النافلة قاعداً مع القدرة على القيام لقوله عليه السلام صلوة القاعد على النصف من صلوة القائم و ال صلوة خير موضوع و ربما يشق عليه القيام فيجوز له تركه كيلا ينقطع عنه و اختلفوا في كيفية القعود المختار ان يقعد كما يقعد في حالة التشهد لانه عهد مشروعا في الصلوة

ترجمہ۔ اور کھڑے ہونے پر قدرت کے باوجود بیٹھ کر نفل نماز پڑھ سکتا ہے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ بیٹھ کر نماز پڑھنا کھڑے ہو کر پڑھنے کی بہ نسبت آدھا درجہ کمتری ہے اور اس لئے کہ نماز خیر موضوع ہے اور بسا اوقات بندہ پر قیام دشوار ہوتا ہے اس لئے اس کے واسطے قیام کا ترک کرنا جائز ہے۔ تاکہ اس سے یہ خیر منقطع نہ ہو جائے اور علماء نے بیٹھنے کی کیفیت میں اختلاف کیا ہے۔ مختار یہ ہے کہ اس طرح بیٹھنے جس طرح تشہد کی حالت میں بیٹھتا ہے کیونکہ از میں یہی مشروع ہو کر متعارف ہوا ہے۔

شرح۔۔۔ مسئلہ، قادر علی القیام کے لئے بیٹھ کر نفل نماز پڑھنا جائز ہے۔ دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا صلوة القاعد علی النصف

من صلوة القائم یعنی کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی بہ نسبت بیٹھ کر نماز پڑھنے میں آدھا ثواب ہے۔ اس حدیث سے استدلال گا کہ حدیث میں رسول اللہ ﷺ کی مراد یا تو یہ ہے کہ عذر کی وجہ سے بیٹھ کر پڑھے یا بغیر عذر کے اول تو ہو نہیں سکتا کیونکہ عذر کی پڑھنا اور کھڑے ہو کر پڑھنا ثواب میں دونوں برابر ہیں پس متعین ہو گیا کہ بغیر عذر کے بیٹھ کر پڑھنا مراد ہے رہا یہ کہ حدیث مراد ہے یا نفل تو ہم کہتے ہیں فرض بالا جماع مراد نہیں ہے کیونکہ بغیر عذر کے بالا جماع فرض نماز بیٹھ کر پڑھنا جائز نہیں ہے۔ نفل متعین ہو گیا یعنی یہ ثابت ہو گیا کہ نفل نماز بغیر عذر کے بیٹھ کر پڑھ سکتا ہے البتہ کھڑے ہو کر پڑھنے کی بہ نسبت ثواب آدھا ہے۔ دلیل عقلی یہ ہے کہ نفل نماز خیر موضوع ہے یعنی بندے کے لئے یہ نیکی اس طرح مہیا کر دی گئی کہ جمیع اوقات میں حاصل حضرت ابو ذرؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ الصلوة خیر موضوع فمن شاء استقل و من شاء استسک خیر موضوع ہے جو چاہے کم لے اور جو چاہے بہت لے

حاصل یہ ہے کہ نفل نماز غیر واجب ہے۔ اور جو چیز اس انداز پر ہو اس میں اس طرح کی کوئی شرط نہیں لگائی جاتی جو اس کا سبب ہو کیونکہ جو ترک خیر کا سبب ہو گا وہ خیر نہیں ہو سکتا اور قیام کی شرط لگانا نفل کو چھوڑنے کا سبب ہو سکتا ہے اس لئے کہ بسا اوقات شاق ہوتا ہے پس اگر قیام کو نفل نماز کے لئے شرط قرار دے دیا جائے تو بسا اوقات قیام کے شاق ہونے کی وجہ سے نفل ہی کا ترک ہو گا۔ حالانکہ نفل خیر موضوع ہے یعنی جمیع اوقات میں حاصل کرنے کی نیکی ہے اس لئے نفل نماز کے لئے قیام کی شرط نہیں لگائی گئی۔ صاحب ہدایہ نے کہا کہ علماء نے نفل کی بیٹھک کی کیفیت میں اختلاف کیا ہے۔ چنانچہ امام محمدؒ نے امام ابو حنیفہؒ سے روایت نفل پڑھنے والا جس طرح چاہے بیٹھ کر نفل نماز پڑھے کیونکہ جب اس کے لئے اصل قیام کا چھوڑ دینا جائز ہے تو صفت تہود کا اولیٰ جائز ہوگا۔ امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ جواء بنا کر بیٹھے کیونکہ حضور ﷺ آخری عمر میں بحالت احتیاء نماز پڑھا کرتے تھے کر بیٹھنا یہ ہے کہ دونوں زانوں کھڑے رکھے اور سرین زمین پر ٹپک دے پھر دونوں ہاتھ باندھ لے امام محمدؒ سے مروی زانوں ہو کر بیٹھے امام زفرؒ نے فرمایا کہ تشہد کی کیفیت پر بیٹھے۔ مصنف کے نزدیک یہی پسندیدہ مذہب ہے۔ اسی پر فتویٰ ہے کہ یہی طریقہ مشروع ہو کر معلوم ہوا ہے۔

گھڑے ہو کر نفل شروع کئے پھر بغیر عذر کے بیٹھ کر مکمل کرنے کا حکم، اقوال فقہاء

و ان افتحها قائما ثم قعد من غير عذر جاز عدا ابی حنیفة و هذا استحسان و عندهما لا یجزیہ و لان الشروع معتبر بالنذر له انه لم یباشر القیام فیما بقی و لما باشر صححة بدونه بخلاف النذر لان نفا حتی لو لم ینص علی القیام لا یلزمه القیام عند بعض المشائخ

ترجمہ..... اور اگر نفل کو کھڑے ہو کر شروع کیا پھر بغیر عذر کے بیٹھ گیا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے اور یہ استحسان ہے کہ نزدیک نا جائز ہے اور یہی قیاس ہے کیونکہ شروع کرنا نذر پر قیاس کیا جائے گا۔ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ منتقل نے نہیں کیا اور (جس میں قیام) کیا وہ بغیر قیام کے صحیح ہے۔ برخلاف نذر کے کیونکہ اس نے صراحتاً قیام کو لازم کر لیا حتیٰ کہ اگر قیام نہ کی ہوتی تو بعض مشائخ کے نزدیک اس پر قیام لازم نہ ہوتا۔

مسلکہ یہ ہے کہ اگر کسی نے نفل نماز کھڑے ہو کر شروع کی پھر بلا عذر بیٹھ گیا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے۔ اور صاحبینؒ سے ایک ناجائز ہے حکم اول استحسانی ہے اور ثانی قیاسی ہے۔ صاحبین کی دلیل قیاس ہے یعنی نفل نماز شروع کرنا قیاس کیا گیا ہے نذر پر ہو کر اگر کسی نے کھڑے ہو کر نفل پڑھنے کی نذر کی تو اس کے لئے بیٹھ کر پڑھنا جائز نہ ہوگا اسی طرح اگر کھڑے ہو کر نفل نماز شروع کی تو بیٹھ کر پڑھنا جائز نہ ہوگا۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ سابق میں گذر چکا ہے کہ شروع کرنا اس چیز کو لازم کرتا ہے جس کو شروع کیا گیا ہے اور جس پر ماشرع میں صحت موقوف ہے تو نفل شروع کرنے سے رکعت اولیٰ اور ثانیہ دونوں واجب ہوں گی۔ رکعت اولیٰ تو اس لئے واجب ہوگی کہ اس کو شروع کیا گیا ہے اور رکعت ثانیہ اس لئے کہ اس پر رکعت اولیٰ کی صحت موقوف ہے کیونکہ صلوة بتیرا ممنوع ہے۔ مگر مسئلہ مذکورہ میں رکعت اولیٰ کھڑے ہو کر شروع کیا گیا ہے لیکن اس کی صحت اس پر موقوف نہیں کہ رکعت ثانیہ کو بھی کھڑے ہو کر پڑھا جائے۔

لہذا رکعت اولیٰ کو کھڑے ہو کر شروع کرنے سے رکعت ثانیہ میں قیام لازم نہیں ہوگا۔ اس کے برخلاف نذر ہے کیونکہ نذر کی صورت میں اس نے صراحت اپنے اوپر قیام لازم کر لیا ہے لہذا کھڑے ہو کر پڑھنے سے نذر پوری ہوگی چنانچہ اگر کسی نے قیام کی صراحت نہیں کی، بلکہ یہ کہا کہ میں نفل نماز پڑھوں گا تو بعض مشائخ کے نزدیک اس پر قیام لازم نہیں ہے۔

شہر سے باہر چوپائے پر نفل پڑھنے کا حکم..... اقوال فقہاء

ومن كان خارج المصر تنقل على دابة الى اى جهة توجهت يومى ايماء، لحديث ابن عمر رضى الله عنهما قال رأيت رسول الله ﷺ يصلى على حمار وهو متوجه الى خيبر يومى ايماء ولان النوافل غير مختصة بوقت فلو الزمناه النزول والاستقبال تنقطع عنه القافلة او ينقطع هو عن القافلة اما الفرائض مختصة بوقت السنن الرواتب نوافل و عن ابى حنيفة انه ينزل لسنة الفجر لانها اكدمن سائر والتقيد بخارج المصر على اشتراط السفر والجواز فى المصر و عن ابى يوسف انه يجوز فى المصر ايضا ووجه الظاهر ان النص و خارج المصر والحاجة الى الركوب فيه اغلب

نہ۔۔۔ اور جو شخص شہر سے باہر ہو وہ اپنی سواری پر نفل نماز پڑھے جس طرف چاہے متوجہ ہو در انحالیکہ اشارہ کرے۔ حدیث ابن عمرؓ کی سے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ اشارہ کرتے ہوئے گدھے پر نماز پڑھ رہے تھے۔ در انحالیکہ آپ خيبر کی طرف نہ تھے۔ اور اس لئے کہ نوافل وقت کے ساتھ مختص نہیں ہیں۔ پس اگر ہم اس پر سواری سے اترنا اور قبلہ کی طرف متوجہ ہونا لازم کر دیں تو اس سے نفل نماز منقطع ہو جائے گی یا یہ قافلہ سے پھڑ جائے گا۔ رہے فرائض تو وہ خاص اوقات کے ساتھ مخصوص ہیں اور راتہ سنتیں بھی نفل ہیں۔ اور ابوحنیفہؒ سے روایت کیا جاتا ہے کہ سنت فجر کے لئے اتر پڑے کیونکہ وہ دوسری سنتوں سے زیادہ مؤکدہ ہے اور خارج مصر کی قید نہ شرط سفر کی نفی کرتا ہے۔ اور شہر میں جواز کی نفی کرتا ہے۔ اور ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ شہر میں بھی جائز ہے۔ اور ظاہر الروایۃ کی وجہ یہ ہے کہ نفل شہر سے باہر ہونے کی وارد ہوئی ہے۔ اور وہاں سواری کی ضرورت بھی زائد ہے۔

مسلکہ شہر سے باہر سواری پر نفل نماز پڑھنا جائز ہے خواہ عذر کی وجہ سے ہو یا بغیر عذر کے افتتاح نماز قبلہ کی طرف متوجہ ہو یا

متوجہ نہ ہو یعنی جس طرف سواری کا رخ ہو اسی طرف منہ کر کے ادا کر لیا امام شافعی نے ابتداء نماز میں استقبال قبلہ کو واجب کہا ہے نماز صلوٰۃ کے وقت امام شافعی کے نزدیک استقبال قبلہ ضروری ہے پھر جس طرف سواری کا رخ ہو اسی طرف رخ کر کے پڑھتا رہے کہ سواری پر نماز اشارہ کے ساتھ ادا کی جاتی ہے اور سجدہ کے لئے اشارہ رکوع کے اشارہ سے پست ہوگا ان سب باتوں کی دلیل ابن عمر ہے۔ قال رأیت رسول اللہ ﷺ یصلی علی حمار وهو متوجہ الی خیبر یومی ایماء یعنی حضرت ابن عمر نے اللہ کے پاک رسول ﷺ کو گدھے پر اشارے سے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اور انحالیکہ آپ خیبر کی جانب متوجہ تھے۔

عقلی دلیل یہ ہے کہ سواری پر نوافل کا جواز اس لئے ہے کہ نوافل کسی وقت کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں پس اگر ہم مصلی پر سوار اترنے اور استقبال قبلہ کو لازم قرار دے دیں تو اب دو ہی صورتیں ہیں یا تو وہ سواری سے اتر کر قبلہ رخ متوجہ ہوگا یا نہ سواری سے اتر کر نہ استقبال قبلہ کرے گا۔ پس اگر ثانی صورت ہے تو نفل اس سے منقطع ہو جائے گا کیونکہ جب تک وہ سواری پر ہے نفل ادا نہیں اور جب اس وقت میں نوافل ادا نہیں کر سکتا تو وہ نوافل کی خیر موضوع (یعنی تمام اوقات میں عمومیت سے) محروم ہو گیا حالانکہ وہ موضوع ہیں یعنی اس نیکی کو ہمہ وقت حاصل کیا جاسکتا ہے۔ اور اگر پہلی صورت ہے یعنی سواری سے اتر کر قبلہ رخ ہو کر نماز نوافل اس صورت میں وہ قافلہ سے پیچھے رہ جائے گا پس اس عذر کی وجہ سے سواری پر نفل نماز پڑھنے کی اجازت دی گئی۔

رہے فرائض تو وہ خاص اوقات کے ساتھ مخصوص ہیں لہذا ان مخصوص اوقات میں اتر کر استقبال قبلہ لازم ہونے میں کوئی ضرر نہیں ہے اس وجہ سے سواری پر فرض نماز ادا کرنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ البتہ عذر کی وجہ سے جائز ہے مثلاً چور کا خوف یا درندہ ہو کہ اگر سواری سے اتر کر فرض ادا کیا تو سواری کے جانور اور سامان کو چور لے جائے گا یا درندہ ہلاک کر دے گا۔ یا مثلاً ساری زمین قدر کیچڑ اور گارا ہے کہ اس پر سجدہ کرنا ممکن نہیں یا مثلاً سوار اس قدر بوڑھا اور شیخ فانی ہے کہ وہ سواری پر تنہا سوار نہیں ہو سکتا اور وہ سوار کرنے والا بھی موجود نہیں تو ان صورتوں میں سواری پر فرائض کا ادا کرنا شرعاً جائز ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فَاِنَّ جَاءَ فَرِحًا لًا اَوْ دُخْبَانًا یعنی اگر تم کو اندیشہ ہو تو کھڑے کھڑے یا سواری پر چڑھے چڑھے پڑھ لیا کرو۔

صاحب ایہ نے کہا کہ سنن مؤکدہ بھی نفل ہیں یعنی نفل کی طرح سنن مؤکدہ بھی سواری پر جائز ہیں۔ رہا وتر تو امام ابوحنیفہ نزدیک سواری پر جائز نہیں کیونکہ ان کے نزدیک وتر کی نماز واجب ہے اور صاحبین کے نزدیک جائز ہے کیونکہ ان کے نزدیک وتر سنت ہے اور سنت بمنزلہ نفل کے سواری پر جائز ہے۔

امام عظیم ابوحنیفہ سے ایک روایت یہ ہے کہ فجر کی سنتیں سواری سے اتر کر ادا کرے کیونکہ فجر کی سنت دوسری سنتوں کی بہ نسبت مؤکدہ ہیں اس لئے اس کا حکم عام سنتوں سے مختلف ہوگا۔ ابن شجاع فقیہ نے کہا کہ ایسا لگتا ہے کہ امام صاحب سے یہ روایت بیان کے لئے ہے یعنی اولیٰ یہ ہے کہ فجر کی سنت سواری سے اتر کر ادا کرے۔

والتقیید بخارج المصرو سے یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ اصل مسئلہ میں یہ قید لگانا کہ آبادی سے باہر ہو دو باتوں کو ثابت کرتا ہے یہ سواری پر نفل نماز جائز ہونے کے لئے مسافر ہونا شرط نہیں بلکہ آبادی سے باہر ہونا کافی ہے خواہ مقیم ہو خواہ مسافر۔ امام ابوحنیفہ اور یوسف سے ایک روایت یہ ہے کہ سواری پر نفل کا جائز ہونا مسافر کے ساتھ خاص ہے یعنی جو شخص ۴۸ میل کے ارادے سے شہر سے باہر اس کے لئے سواری پر نفل ادا کرنا جائز ہے۔ دلیل یہ ہے کہ اشارہ سے نماز کا جواز ضرورۃً ثابت ہوا ہے۔

اے حضور میں سواری پر نفل پڑھنا جائز نہ ہوگا۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ اس حکم میں مسافر اور مقیم دونوں برابر ہیں۔ بشرطیکہ آبادی سے باہر ہو۔ یہ بات کہ آبادی سے کتنی دوری ہو تو اس میں اختلاف ہے چنانچہ مبسوط میں ہے کہ آبادی سے فرسخ یعنی ایک میل کی دوری پر ہو تو سواری پر نفل پڑھنا جائز ہے ورنہ نہیں۔ بعض حضرات نے کہا کہ جہاں سے مسافر کو قصر پڑھنا جائز ہوتا ہے وہاں سواری پر نفل جائز ہے۔ یعنی نماز شہر سے باہر۔

دوسری بات یہ ہے کہ شہر اور آبادی کے اندر سواری پر نفل پڑھنا جائز نہیں ہے کیونکہ شہر سے باہر سواری پر نفل کا جواز خلاف قیاس نص سے ثابت ہے اور شہر خارج شہر کے حکم میں بھی نہیں ہے لہذا شہر کے اندر قیاس پر عمل کیا جائے گا اور خارج شہر میں خلاف قیاس نص پر عمل ہوگا۔

امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ شہر کے اندر بھی بلا کراہت سواری پر نفل جائز ہے۔ اور امام محمدؒ سے مع الکرہت مروی ہے۔ امام ابو یوسفؒ کا مستدل حدیث ابن عمرؓ ان النبی ﷺ ركب الحمار فی المدینة یعود سعد بن عبادۃ رضی اللہ عنہ وکان بصلی وھو راكب ہے یعنی آنحضرت ﷺ مدینہ میں گدھے پر سوار ہو کر سعد بن عبادہ کی عبادت کے لئے تشریف لے گئے اور آپ ﷺ سواری پر ہی نماز پڑھ رہے تھے۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ شہر کے اندر بھی سواری پر نفل پڑھنا جائز ہے۔

علامہ ابن المہام نے لکھا ہے کہ جب امام ابو حنیفہؒ نے یہ کہا کہ آبادی کے اندر سواری پر نفل پڑھنا جائز نہیں ہے تو امام ابو یوسفؒ نے امام اعظمؒ کے سامنے یہ حدیث پیش کی یہ حدیث سن کر امام صاحب نے اپنا سر نہیں اٹھایا اب بعض لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ سر نہ اٹھانا اپنے قول سے رجوع کرنے کے لئے تھا۔ یعنی حضرت امام صاحب نے اپنے قول سے رجوع فرمایا اور حدیث رسول ﷺ کے سامنے سر نیاز جھکا دیا۔ اور بعض لوگوں نے کہا کہ آنحضرت ﷺ کا آبادی کے اندر سواری پر نفل نماز پڑھنا امر شاذ ہے اور امر شاذ حجت نہیں ہوتا۔ لہذا یہ حدیث امام صاحب کے خلاف حجت نہیں ہوگی۔

امام محمدؒ کا مستدل بھی یہی حدیث ہے لیکن ان کے نزدیک وجہ کراہت یہ ہے کہ آبادی کے اندر بھیڑ بھاڑ بہت رہتی ہے اسی وجہ سے قرأت میں غلطی واقع ہونے سے محفوظ نہیں رہے گا اس وجہ سے آبادی کے اندر سواری پر نفل پڑھنا مکروہ قرار دیا گیا۔

خاہر الروایۃ کی وجہ یہ ہے کہ نص (یعنی حدیث ابن عمرؓ جو شروع مسئلہ میں ذکر کی گئی ہے) آبادی کے باہر جائز ہونے پر وارد ہوئی ہے اور آبادی سے باہر سواری کی ضرورت بھی زائد ہے لہذا شہر کے اندر کو اس پر قیاس نہیں کر سکتے۔

سواری پر نفل شروع کئے پھر اتر کر اسی پر بنا کرنے کا حکم اسی طرح اتر کر

ایک رکعت پڑھی پھر سوار ہو گیا تو از سرے نو پڑھے

فان افتتح التطوع راكبا ثم نزل یسبی و ان صلی ركعة نازل ثم ركب استقبال لان احرام الراكب انعقد مجوزا للركوع والسجود لقد رته علی النزول فاذا اتی بهما صح واحرام النازل انعقد لوجوب الركوع والسجود فلا یقدر علی ترك ما لزمه من غیر عذر و عن ابی یوسف انه یستقبل اذا نزل ایضا و كذا عن محمد اذا نزل بعد ما صلی ركعة والاصح هو الظاهر

ترجمہ..... پس اگر نفل نماز سواری پر شروع کی پھر اتر گیا تو (اسی پر) بنا کرے اور ایک رکعت اتر کر زمین پر پڑھی پھر سوار ہو گیا تو اتر پڑھے۔ کیونکہ سوار کا تحریم منعقد ہوا تھا (اس طور پر کہ) رکوع اور سجدہ کو جائز رکھنے والا تھا اس لئے کہ وہ سواری سے اترنے پر قادر ہے جب دونوں کو بجالایا تو صحیح ہو گیا اور زمین پر موجود کا تحریم رکوع اور سجدہ کو واجب کرنے کے لئے منعقد ہوا تھا لہذا اس کو بغیر عذر کے چیز کو ترک کرنے کی قدر نہیں جو اس پر لازم ہو گئی اور ابو یوسف سے مروی ہے کہ جب اترے تو بھی از سر نو پڑھے اور ایسے ہی امام شریک بھی روایت ہے جبکہ ایک رکعت پڑھ کر اترے اور اصح وہی ظاہر الروایہ ہے۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے سواری پر سوار ہو کر اشارہ سے نفل نماز شروع کی پھر وہ زمین پر اتر آیا تو یہ شخص اسی پر پڑھے از سر نو اعادہ کی ضرورت نہیں اور اگر زمین پر نفل نماز شروع کی اور ایک رکعت پڑھی یا اس سے کم، پھر سوار ہو گیا تو یہ شخص از سر نو پڑھے اس پر بنا کر کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔

دلیل سے پہلے بطور تمہید ایک مقدمہ ذہن میں رکھئے۔ مقدمہ یہ ہے بعض صلوٰۃ کی بناء بعض پر اس وقت جائز ہوتی ہے جبکہ وہ دنوں ایک تحریمہ شامل ہو اور اگر دونوں کو ایک تحریمہ شامل نہ ہو تو بنا جائز نہیں ہوتی۔

اب دلیل یہ ہوگی کہ سواری پر سوار ہو کر جو تحریمہ باندھی گئی ہے وہ رکوع اور سجدہ کے اشارہ کے علاوہ رکوع اور سجدہ کو بھی جائز رکھتی ہے کیونکہ ہی شخص بغیر مطلق کے سواری سے اتر کر رکوع سجدہ کرنے پر قادر ہے پس اس نے جو نماز سواری پر اشارہ سے پڑھی ہے۔ اور جو رکوع اور سجدہ کے ساتھ پڑھی ہے دونوں ایک تحریمہ کا موجب ہیں یعنی دونوں کو تحریمہ واحدہ شامل ہے پس جب دونوں کو ایک تحریمہ شامل ہے تو واحدہ ہا کی آخر پر بنا کر بنا بھی جائز ہے۔ اور جو تحریمہ زمین پر سواری سے اتر کر باندھا گیا ہے وہ فقط موجب لکر رکوع والحد ہو کر منعقد ہوا ہے یعنی اس سے رکوع اور سجدہ ہی واجب ہوا ہے اشارہ واجب نہیں ہوا کیونکہ بغیر مطلق کے سوار ہو کر اس پر قادر نہیں ہے اور مطلق کثیر ہے پس جو نماز رکوع اور سجدہ کے ساتھ زمین پر پڑھی ہے اور جو سوار ہو کر اشارہ کے ساتھ ادا کی ہے ان دونوں کو ایک تحریمہ شامل نہیں ہے اور جب ایک تحریمہ دونوں کو شامل نہیں تو واحدہ ہا کی آخر پر بنا کر بنا بھی جائز نہیں ہے۔

امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ اگر سواری پر نفل نماز شروع کی پھر زمین پر اتر آیا تو اس صورت میں بھی بنا کرے بلکہ از سر نو پڑھے۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ اس صورت میں ضعیف پر قوی کی بنا کر لازم آتا ہے کیونکہ جو نماز سواری پر اشارہ سے ادا کی وہ ضعیف ہے اور سواری سے اتر کر زمین پر رکوع اور سجدہ کے ساتھ ادا کرے گا وہ قوی ہے اور قوی کی بنا ضعیف پر جائز نہیں ہے۔ جیسے مریض اشارہ کے ساتھ نماز پڑھنے والا اگر درمیان نماز رکوع اور سجدہ پر قادر ہو جائے تو وہ از سر نو نماز پڑھے گا تاکہ بنا قوی علی الضعیف لازم نہ آئے۔

ہماری طرف سے جواب میں وہ مقدمہ ذکر کر دینا کافی ہوگا جو خادم نے بطور تمہید پیش کیا ہے یعنی آپ بلا خوف و خطر صاف صاف کہہ سکتے ہیں کہ امام ابو یوسف کا قیاس فاسد ہے اس لئے کہ مریض جو رکوع اور سجدہ سے عاجز ہے اس کا تحریمہ رکوع اور سجدہ کو عدم قدرت کی وجہ سے شامل نہیں ہے پس تحریم جس کو شامل نہ ہو اس کی بنا اس چیز پر کس طرح درست ہوگی جس کو تحریمہ شامل ہے۔ اس وجہ سے مریض جو رکوع اور سجدہ سے عاجز ہے وہ اگر درمیان نماز رکوع اور سجدہ پر قادر ہو گیا تو اس کی بنا جائز نہیں ہے۔ برخلاف اس کے کہ ایک شخص نے سواری پر نماز شروع کی پھر سواری سے اتر آیا تو اس شخص کے واسطے بنا کر بنا جائز ہے کیونکہ سواری پر جو تحریمہ باندھا گیا ہے وہ رکوع اور سجدہ

ان کا ذکر کرنے والا تھا پس یہاں تحریر اس کو بھی شامل تھا، جو نماز سواری پر ادا کی گئی اور اس کو بھی شامل ہے جو اتر کر رکوع اور جگہ کے ساتھ ادا کی ہے پس جب تحریر دونوں کو شامل ہے تو ایک کی دوسرے پر بنا کر نا بھی جائز ہے۔

امام محمد سے یہ روایت ہے کہ اگر سواری پر ایک رکعت پوری کر کے اترے تو از سر نو پڑھے بنا نہ کرے کیونکہ ایک رکعت نماز ہے لہذا میں قوی کی ضعیف پر بنا نہ کرے اور اگر ایک رکعت پورا کئے بغیر اتر آیا تو بنا کر سکتا ہے کیونکہ ایک رکعت پوری ہونے سے پہلے فقط ایک یہ گیا اور تحریر نماز کی شرط ہے۔ اور شرط جو ضعیف کے لئے منعقد کی گئی ہو وہ قوی کے لئے بھی شرط ہوگی مثلاً جو وضو نفل کے لئے کیا ہے۔ وہ فرض کے لئے بھی کافی ہوگا پس ایک رکعت پوری ہونے سے پہلے اگر اتر آیا تو وہ بنا کرے اور اس میں قوی کی بنا ضعیف پر نہیں آتی۔ صاحب ہدایہ نے کہا کہ قول اول جو متن میں مذکور ہے وہی اصح ہے۔ اور وہی ظاہر الروایہ ہے۔ جمیل احمد عینی عنہ

فصل فی قیام رمضان

ترجمہ..... یہ فصل رمضان کے قیام (کے بیان) میں ہے۔

شرح..... تراویح کی نماز چونکہ نوافل سے ایک گونہ مختلف ہے۔ اس لئے تراویح یعنی قیام لیل کو علیحدہ فصل میں ذکر کیا ہے۔ تراویح عام نوافل سے چند باتوں میں مختلف ہے اول یہ کہ عام نوافل میں جماعت نہیں اور تراویح میں جماعت ہے۔ دوم یہ کہ نوافل میں تحدید رکعات نہیں ہے اور تراویح میں تقدیر رکعات ہے۔ سوم یہ کہ نوافل کسی وقت کے ساتھ مخصوص نہیں ہوتے اور تراویح رمضان کی راتوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ چہارم یہ کہ تراویح میں ایک قرآن ختم کرنا مسنون ہے دوسرے نوافل میں یہ سنت نہیں۔ (عناویہ)

صاحب ہدایہ نے عنوان میں قیام رمضان کا لفظ حدیث کا اتباع کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ان الله تعالى ليرض عليكم صيامه هو سنت لكم قيامه یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر رمضان کا روزہ فرض کیا اور میں نے تمہارے لئے اس کے قیام مسنون کیا۔ (ابن ماجہ) چونکہ حدیث میں قیام رمضان کا لفظ موجود ہے اس لئے فصل کا عنوان بھی اسی لفظ کے ساتھ تجویز کیا گیا۔

نماز تراویح کے لئے اجتماع مستحب ہے، نماز تراویح کی رکعات

تحتب ان يجتمع الناس في شهر رمضان بعد العشاء، فيصلی بهم امامهم خمس ترويحاً كل ترويحاً سائمتين، ويجلس بين كل ترويحتين مقدار ترويحاً، ثم يوتر بهم ذكر لفظ الاستحباب والاصح انها سنة، كذا روى الحسن عن ابي حنيفة، لانه واظب عليها الخلفاء الراشدون والنبي عليه السلام بين العذر في تركه المواظبة، وهو خشية ان تكتب علينا

ترجمہ..... رمضان کے ماہ میں عشاء کے بعد لوگوں کا جمع ہونا مستحب ہے پس ان کا امام ان کو پانچ ترویحات پڑھائے۔ ہر ترویحہ دو سلام کے ساتھ اور ہر دو ترویحوں کے درمیان ایک ترویحہ کی مقدار بیٹھے پھر امام ان کو وتر پڑھائے۔ قدوری نے لفظ استحباب ذکر کیا اور اصح یہ ہے کہ تراویح سنت ہے یوں ہی حسن نے بھی ابوحنیفہ سے روایت کیا ہے کیونکہ خلفاء راشدین نے اس پر مواظبت فرمائی ہے اور حضور ﷺ نے ترک مواظبت پر عذر بیان کر دیا تھا اور وہ ہم پر فرض ہونے کا خوف ہے۔

شرح..... امام قدوری نے کہا کہ عشاء کے فرضوں کے بعد رمضان کے مہینہ میں بغرض تراویح لوگوں کا اجتماع مستحب ہے۔ امام ان

لوگوں کو پانچ ترویجیں پڑھائے ہر ترویج دو سلام کے ساتھ ادا کرے اور ہر دو ترویجوں کے درمیان ایک ترویج کی مقدار بغرض آرام کرے۔ پھر امام ان کو وتر کی نماز پڑھائے۔

صاحب عنایہ نے تحریر کیا ہے کہ ترویج چار رکعت کا نام ہے کیونکہ چار رکعتیں راحت و آرام تک پہنچا دیتی ہیں یعنی چار رکعت بعد راحت و آرام کی اجازت دی گئی ہے۔

نماز تراویح سنت مؤکدہ ہے: قدوری کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ تراویح کی نماز مستحب ہے۔ صاحب ہدایہ کہتے ہیں بات یہ ہے کہ تراویح سنت مؤکدہ ہے مردوں کے لئے بھی اور عورتوں کے لئے بھی امام ابوحنیفہ سے بھی یہی مروی ہے کہ تراویح مؤکدہ ہے۔ تاکہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ خلفاء راشدین نے تراویح کی نماز پر مواظبت اور مداومت فرمائی ہے اور خلفاء راشدین کا کسی عمل مواظبت فرمانا اس کے مسنون ہونے کی دلیل ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے علیکم بستی راس الخلفاء الراشدين من بعدی یعنی تم پر میری اور میرے بعد خلفاء کی سنت لازم ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس نے آنحضرت ﷺ کے رسول بہا طریق کو سنت کہتے ہیں اسی طرح خلفاء راشدین کے طریقہ کو بھی سنت کہتے ہیں۔ لیکن یہ بات ذہن نشین رہے کہ ہدایہ کی عبارت میں خلفاء کا لفظ تغلیباً استعمال کیا گیا ہے ورنہ یہاں خلفاء سے حضرت عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ مراد ہیں کیونکہ انہی جماعت کے رئیس رکعات تراویح کا آغاز فاروق اعظمؓ کے عہد خلافت سے ہوا ہے ورنہ اس سے پہلے لوگ فرادی فرادی پڑھتے تھے چنانچہ حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا انسی اری ان اجتمع الناس علی امام واحد جمعہم علی ابی بن کعب فصلی بہم عن ترویجاتہ۔ بین رکعة، میں لوگوں کو ایک امام پر اکٹھا کرنا چاہتا ہوں پس ان کو ابی بن کعب پر اکٹھا فرمایا پھر ابی بن کعب نے لوگوں کو پانچ ترویجوں میں میں رکعات نماز پڑھائی۔

اعتراض: اب ایک اعتراض ہوگا۔ وہ یہ کہ تراویح کی نماز اگر سنت مؤکدہ ہے تو آنحضرت ﷺ نے اس پر مواظبت کیوں نہیں فرمائی۔ جواب: صاحب ہدایہ نے جواب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ نے ترک مواظبت پر یہ نکتہ فرمایا کہ میرے مواظبت کرنے سے امت پر فرض ہونے کا احتمال تھا اس لئے میں نے تراویح پر مداومت نہیں کی بلکہ کبھی کبھی چھوڑ دیا ہے۔ چنانچہ مروی ہے

انه خرج ليلية من ليل رمضان و صلى عشرين ركعة فلما كانت الليلة الثانية اجتمع الناس فخرج و صلى بهم عشرين ركعة ما كانت الليلة الثالثة كثر الناس فلم يخرج عليه السلام و قال عرفت اجتماعكم لكنى خشيت ان تكتب عليكم فكان الناس يصلونها فرادى الى زمن عمر رضی اللہ عنہ

یعنی رمضان کی راتوں میں سے ایک رات اللہ کے نبی ﷺ تشریف لائے اور لوگوں کو بیس رکعات پڑھائیں۔ پس جو دوسری رات ہوئی اور لوگ جمع ہو گئے تو آپ ﷺ تشریف لائے اور لوگوں کو بیس رکعت پڑھائیں پس جب تیسری رات ہوئی اور لوگ جمع ہو گئے تو آپ تشریف نہ لائے اور یہ فرمایا کہ مجھے تمہارا جمع ہونا معلوم ہے لیکن مجھے خوف ہے کہ کہیں تم پر فرض نہ کر دی جائے۔ پس لوگ حضرت عمرؓ کے عہد خلافت تک فرادی فرادی نماز پڑھتے رہے۔

سوال: جب تراویح کی نماز سنت مؤکدہ ہے تو صاحب قدوری نے لفظ مستحب کیوں کہا؟

جواب: مشائخ متقدمین لفظ مستحب کو کبھی بہت خوب کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ اور بہت خوب کا لفظ واجب تک کو شامل ہے۔ ممکن ہے کہ مستحب کا لفظ یہاں اسی معنی میں ہو یعنی تراویح کے لئے اجتماع بہت خوب اور بڑی فضیلت کی چیز ہے اور سنت

یہ ہے کہ شیخ ابوالحسن قدوری نے لوگوں کے اجتماع کو مستحب کہا ہے نہ کہ تراویح کی نماز کو۔ پس یوں کہہ لیجئے رمضان المبارک کے اندر عشاء کی نماز کے بعد لوگوں کا اجتماع تو مستحب ہے لیکن تراویح کی نماز سنت ہے۔

یہ ہے کہ بعض صحیح روایتوں سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے تراویح کی گیارہ رکعت پڑھی ہیں اور بعض سے بیس رکعت کا ثبوت ملتا ہے۔ گیارہ رکعت ابوسلمہ بن عبدالرحمن کی حدیث سے ثابت ہیں حدیث کے الفاظ یہ ہیں مسالت عائشہؓ کیف كانت صلوة رسول الله ﷺ فی رمضان فقالت ما كان یزید فی رمضان ولا غیرہ علی احدی عشرة رکعة للحدیث۔ (فتح القدیر) ابوسلمہ بن عبدالرحمن کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا کہ رمضان میں رسول اللہ ﷺ کی نماز کی طرح تھی۔ آپ نے فرمایا کہ آپ ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زائد نہیں پڑھتے تھے یعنی آٹھ تراویح کی اور تین وتر کی۔ اور ابن عباسؓ کی حدیث سے بیس رکعت کا ثبوت ملتا ہے انہ ﷺ کسان یصلی فی رمضان عشرين رکعة سوی الوتر ان ابن عباسؓ نے کہا کہ حضور ﷺ رمضان المبارک میں علاوہ وتر کے بیس رکعت پڑھتے تھے (فتح القدیر) اب بعض حضرات نے ان دونوں حدیثوں میں تطبیق دینے کی کوشش کی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ آٹھ رکعت وتر کے علاوہ سنت ہے اور بیس رکعت مستحب ہیں۔ پس ہو سکتا ہے کہ صاحب قدوری نے اسی قول پر عمل کرتے ہوئے مستحب کہا ہو یعنی بیس رکعت پانچ ترویحوں میں مستحب ہیں۔

تراویح کی جماعت کی شرعی حیثیت

والسنة فیہا الجماعۃ، لکن علی وجه الکفایۃ، حتی لو امتنع اهل المسجد عن اقامتها كانوا عسیثین ولو اقامها البعض فالمتخلف عن الجماعۃ تارک للفضیلۃ، لان افراد الصحابة یروی عنہم التخلف والمستحب فی الجلوس بین الترویحتین مقدار الترویحة، وكذا بین الخامسة و بین الوتر لعادۃ اهل الحرمین، واستحسن البعض الاستراحة علی خمس تسلیمات، و لیس بصحیح، وقوله ثم یوتر بہم یشیر الی ان وقتها بعد العشاء قبل الوتر، وبہ قال عامۃ المشائخ، والاصح ان وقتها بعد العشاء الی آخر اللیل قبل الوتر وبعده، لانہا نوافل سنت بعد العشاء، ولم یذكر قدر القراءۃ، و اکثر المشائخ علی ان السنة فیہا الختم مرۃ، فلا یترك لكسل القوم بخلاف ما بعد التشهد من الدعوات حیث یتركها، لانہا لیست بسنة

ترجمہ..... اور سنت تراویح میں جماعت ہے لیکن بطور کفایہ حتیٰ کہ اگر ایک مسجد والے (سب لوگ) قیام جماعت سے باز رہیں تو سب گنہگار ہوں گے اور اگر بعض نے جماعت قائم کر لی تو جو شخص جماعت سے پیچھے رہا وہ فضیلت کو چھوڑنے والا ہوا۔ کیونکہ افراد صحابہ کا پیچھے رہنا مروی ہے اور دو ترویحوں کے درمیان ایک ترویح کی مقدار بیٹھنا مستحب ہے۔ اور یوں ہی پانچویں ترویح اور وتر کے درمیان بھی کیونکہ اہل حرمین کی عادت ہے۔ اور بعض نے پانچ تسلیمات پر استراحت کو مستحسن سمجھا ہے اور یہ صحیح نہیں ہے اور مصنف کا قول ثم یوتر بہم الہات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ تراویح کا وقت عشاء کے بعد اور وتر سے پہلے ہے اور اسی کے قائل عامۃ المشائخ ہیں اور اصح یہ ہے کہ تراویح کا وقت عشاء کے بعد ہے آخر رات تک۔ وتر سے پہلے ہو یا بعد میں کیونکہ تراویح بھی نوافل ہیں جو عشاء کے بعد مقرر کی گئی ہے اور مصنف نے قرأت کی مقدار کو ذکر نہیں کیا اور اکثر مشائخ اس قول پر ہیں کہ تراویح میں ایک بار ختم کرنا سنت ہے پس ایک ختم قوم کی کاہلی کی وجہ سے نہ چھوڑا جائے۔ بخلاف التہیات کے بعد کی دعاؤں کے کہ ان کو ترک کر سکتا ہے کیونکہ وہ سنت نہیں ہیں۔

تشریح..... صاحب ہدایہ نے کہا کہ اکثر مشائخ کے نزدیک تراویح کی جماعت سنت علی الکفایہ ہے چنانچہ ایک مسجد سے متعلق تمام لوگوں نے اگر جماعت تراویح کو ترک کر دیا تو سب گنہگار ہوں گے اور اگر بعض نے جماعت کو قائم کیا اور بعض نے ترک کر دیا تو جماعت میں شریک نہ ہونے والے تارک فضیلت ہوں گے۔

دلیل یہ ہے کہ بعض صحابہ ایسے ہیں جن سے تراویح کی جماعت میں شریک نہ ہونا مروی ہے۔ یعنی یہ حضرات صحابہ جماعت میں شریک نہیں ہوئے بلکہ تنہا پڑھی ہے۔ چنانچہ امام طحاوی نے ابن عمر اور عروہ سے اس کو روایت کیا ہے۔ بعض علماء نے تراویح کی جماعت کو سنت علی العین کہا ہے۔ لہذا ان کے نزدیک اگر کوئی شخص تنہا تراویح کی نماز ادا کرے تو ترک سنت کی وجہ سے گنہگار ہوگا امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ اگر سنت قرأت کی رعایت کرتے ہوئے گھر میں تراویح پڑھنا ممکن ہو تو جائز ہے کہ وہ گھر میں اکیلا تراویح کی نماز پڑھے لیکن اگر کوئی شخص فقیہ کبیر ہو جس کے عمل کی لوگ اقتداء کرتے ہیں تو یہ فقیہ کبیر گھر میں تراویح ادا نہ کرے۔ امام ابو یوسف کی دلیل حضور ﷺ کا یہ قول ہے علیکم بالصلوة فی بیوتکم فان خیر صلوة المرء فی بیته الا المکتوبۃ یعنی حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم پر اپنے گھر میں نماز پڑھنا لازم ہے کیونکہ آدمی کی بہترین نماز اس کے گھر میں ہے علاوہ فرض نماز کے۔ ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ قیام رمضان اس حکم سے مستثنیٰ ہے کیونکہ پہلے معلوم ہو چکا کہ آنحضرت ﷺ نے مسجد میں آ کر تراویح کی نماز ادا کی ہے اور جب تشریف نہیں لائے تو اس کا عذر بیان فرمایا اور خلفاء راشدین کا عمل بھی یہی رہا ہے کہ تراویح کی نماز باجماعت مسجد میں ادا کی ہے اس لئے بلا عذر تراویح کی جماعت چھوڑنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

و المستحب فی الجلوس..... الخ، اس عبارت میں بیان کیا گیا ہے کہ دو ترویجوں کے درمیان اور پانچویں ترویج اور ترکے درمیان بیٹھنا مستحب ہے۔ دلیل، اہل حریم یعنی اہل مکہ اور اہل مدینہ کی عادت ہے اہل مکہ دو ترویجوں کے درمیان بیت اللہ کا طواف کرتے تھے اور اہل مدینہ اس کے عوض چار رکعت نفل نماز پڑھتے تھے اور ہر شہر کے لوگوں کو اختیار ہے کہ وہ دو ترویجوں کے درمیان تسبیح کریں یا کلمہ طیبہ کا ورد کریں یا خاموشی کے ساتھ انتظار کریں۔

علامہ ابن الہمام صاحب فتح القدر، اور صاحب عنایہ نے تحریر کیا ہے کہ وہ دو ترویجوں کے درمیان خاموشی کے ساتھ انتظار کرنا مستحب ہے۔ کیونکہ تراویح اور ترویج، راحت سے ماخوذ ہے لہذا ایسا کام کرنے جس میں راحت پائی جائے اور یہ بات ظاہر ہے کہ راحت خاموش بیٹھنے میں ہے۔ اس لئے خاموشی کے ساتھ بیٹھ کر رہنا اولیٰ اور مستحب ہے۔

لیکن خادم کو اس پر اشکال ہے وہ یہ کہ تراویح بلاشبہ راحت سے ماخوذ ہے مگر راحت فقط دنوی ہی مطلوب نہیں ہوتی بلکہ بسا اوقات اخروی راحت بھی مطلوب ہوتی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ اخروی راحت خاموش بیٹھنے میں نہیں ہے بلکہ نیک عمل کرنے میں ہے لہذا اس وقت میں تسبیح پڑھے یا کلمہ طیبہ کا ورد کرے یا نفل پڑھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم، جمیل احمد

بعض حضرات نے پانچ سلاموں یعنی نصف تراویح پر استراحت کو مستحسن کہا ہے لیکن یہ قول صحیح نہیں ہے۔

یہ بات ذہن نشین رہے کہ صاحب ہدایہ کی عبارت و المستحب فی الجلوس میں قدرے تسامح ہے کیونکہ عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ دو ترویجوں کے درمیان بیٹھنا مستحب ہے اور دلیل میں اہل حریم کی عادت کو پیش کیا ہے۔ اور اہل حریم کی عادت یہ تھی کہ اہل مکہ طواف کرتے تھے اور اہل مدینہ نماز پڑھتے تھے۔ پس معلوم ہوا کہ ان حضرات کی عادت بیٹھنے کی نہ تھی بلکہ انتظار کرنے کی

نمی، انتظار بیٹھ کو ہوا بغیر بیٹھے ہو۔ اس لئے مناسب یہ تھا کہ یوں کہتے۔ **والمسحح فی الانتظار بین الترویجین مقدار الترویجة۔** (غنا، فتح القدر، کفایہ)

وقوله ثم یوتر بہم الخ، اس عابرت میں تراویح کا وقت بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ تراویح کا وقت عشاء کے بعد اور وتر سے پہلے ہے۔ عامۃ المشایخ اسی کے قائل ہیں۔ حتیٰ کہ اگر عشاء سے پہلے یا وتر کے بعد تراویح کی نماز پڑھی تو وہ تراویح نہیں ہوگی۔ کیونکہ تراویح کا علم صحابہ کے فعل سے ہوا ہے لہذا صحابہ نے جس وقت میں تراویح کی نماز پڑھی ہے وہی تراویح کا وقت ہوگا۔ اور یہ بات مسلم ہے کہ صحابہ نے عشاء کے بعد اور وتر سے پہلے تراویح کی نماز پڑھی ہے لہذا تراویح کا یہی وقت مشروع ہوگا۔ اور متاخرین مشایخ کا مذہب یہ ہے کہ پوری رات صبح صادق تک تراویح کا وقت ہے عشاء سے پہلے بھی اور عشاء کے بعد بھی کیونکہ نماز تراویح کا نام قیام لیل ہے۔ پس اس کا وقت بھی لیل یعنی رات ہوگی۔

اصح قول یہ ہے کہ تراویح کا وقت عشاء کے بعد سے آخر رات تک ہے وتر سے پہلے بھی اور وتر کے بعد بھی۔ کیونکہ تراویح نوافل ہیں جو عشاء کے بعد مقرر کئے گئے ہیں۔ پس تراویح کی نماز عشاء کی نماز کے تابع ہوگی اور تابع متبوع سے بعد ہوتا ہے لہذا تراویح کی نماز عشاء کے بعد ہوگی نہ کہ پہلے اور تراویح کو تہائی رات تک مؤخر کرنا مستحب ہے بعض نے کہا کہ نصف رات تک مؤخر کرنا مستحب ہے لیکن اگر آدھی رات کے بعد تراویح پڑھی تو بعض کے نزدیک مکروہ ہے کیونکہ تراویح عشاء کے تابع ہے۔ اور عشاء کو آدھی رات کے بعد ادا کرنا مکروہ ہے لہذا تراویح بھی آدھی رات کے بعد مکروہ ہوگی اور صحیح قول یہ ہے کہ آدھی رات کے بعد مکروہ نہیں ہے کیونکہ تراویح صلوة لیل ہے اور صلوة لیل میں آخر رات افضل ہے لہذا تراویح میں آخر رات تک تاخیر افضل ہے نہ کہ مکروہ۔

تراویح کی بیس رکعات میں کتنی مقدار قرأت کرے، ولہم یدکر قدر القراءۃ الخ، صاحب ہدایہ نے کہا کہ ما تن نے یہ بیان نہیں کیا کہ تراویح کی بیس رکعات میں کتنا قرآن پڑھے۔ سو اس بارے میں اختلاف ہے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ تراویح کے ہر شفع میں اتنی مقدار قرأت کرے جتنی کہ مغرب کی نماز میں قرأت کرتا ہے کیونکہ تراویح کی نماز نفل ہے اور نفل بہ نسبت فرض کے اخف ہوتا ہے لہذا مقدار قرأت میں تراویح کو اخف المکتوبات پر قیاس کیا جائے گا۔ اور اخف المکتوبات مغرب کی نماز ہے لیکن یہ قول صحیح نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس مقدار سے پورے ماہ مبارک کی تراویح میں ایک ختم نہیں ہو سکے گا۔ حالانکہ تراویح میں ایک مرتبہ کلام پاک ختم کرنا سنت ہے۔

بعض نے کہا کہ تراویح کے ہر شفع میں اس قدر قرأت کرے جس قدر کہ عشاء میں کرتا ہے کیونکہ تراویح عشاء کے تابع ہے۔ حسن بن زیاد نے امام اعظم سے روایت کی ہے کہ ہر رکعت میں دس آیات کی مقدار قرأت کرے۔ یہی صحیح ہے کیونکہ اس صورت میں لوگوں پر آسانی بھی ہے اور ختم قرآن کی سنت بھی ادا ہو جائے گی۔ کیونکہ تیس راتوں میں تراویح کی چھ سو رکعات ہوتی ہیں اور قرآن پاک کی کل آیات چھ ہزار کچھ ہیں پس جب ہر رکعت میں دس آیات تلاوت کرے گا تو تراویح میں پورا قرآن ایک بار ختم ہو جائے گا اور یہی مسنون بھی ہے۔ صاحب ہدایہ بھی یہی کہتے ہیں کہ تراویح میں ایک بار ختم کلام پاک مسنون ہے۔ حتیٰ کہ اگر لوگ سستی کرنے لگیں تو اس سنت کو ترک نہ کیا جائے۔

کفایہ میں مرقوم ہے کہ دو بار ختم کرنا افضل ہے۔ اور مجتہدین امت ایک عشرہ میں ایک ختم کرتے تھے اور امام الہمام مقدوۃ الامام ابی حضرت امام ابوحنیفہ ماہ رمضان میں اکٹھ کلام پاک ختم فرماتے تھے۔ تیس رمضان کی راتوں میں اور تیس دن کے اجازت میں ۱۰

ایک تراویح میں۔ (فتاویٰ قاضیخان) اے اللہ تعالیٰ اپنے اس برگزیدہ بندہ کی قبر کو نور سے بھر دے اور مجھ سیاح کار کی خطاؤں کو بھی معاف دے۔ آمین

بخلاف ما بعد التشہد کا حاصل یہ ہے کہ اگر التیحات کے بعد کی دعائیں مقتدیوں پر گراں گذریں تو ان کو ترک کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کیونکہ وہ مسنون نہیں ہیں لیکن التیحات کے بعد درود کا پڑھنا مناسب ہوگا اس کو ترک نہ کرے کیونکہ درود کا پڑھنا شافعی کے نزدیک فرض ہے پس ہمارے نزدیک بھی احتیاط اسی میں ہے کہ اس کو پڑھے۔

غیر رمضان میں وتر کی جماعت کا حکم

ولا یصلی الوتر بجماعة فی غیر شہر رمضان علیہ اجماع المسلمین - واللہ اعلم

ترجمہ..... اور وتر کو جماعت کے ساتھ رمضان المبارک کے علاوہ میں نہ پڑھے۔ اسی پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔

تشریح..... رمضان المبارک کے علاوہ دوسرے مہینوں میں وتر جماعت کے ساتھ مشروع نہیں ہے۔ کیونکہ وتر من وجہ نفل ہے۔ رمضان کے علاوہ میں نفل کو باجماعت پڑھنا مکروہ ہے۔ پس احتیاط اسی میں ہے کہ رمضان کے علاوہ میں وتر کو جماعت کے ساتھ نہ پڑھا جائے۔ اسی پر مسلمانوں کا اجماع ہے البتہ رمضان المبارک میں وتر کو باجماعت پڑھنا مکروہ نہیں ہے لیکن افضلیت میں اختلاف ہے چنانچہ علامہ ابن الہمام نے کہا کہ رمضان کے مہینے میں وتر کو باجماعت پڑھنا افضل ہے کیونکہ حضرت عمرؓ وتر کو باجماعت پڑھاتے تھے ابوعلی ششی نے ذکر کیا ہے۔ ہمارے علماء کے نزدیک جماعت کے ساتھ نہ پڑھنا افضل ہے۔ کیونکہ حضرت ابی بن کعبؓ وتر کی نماز باجماعت نہیں پڑھاتے تھے۔ واللہ اعلم، جمیل احمد عفی عنہ

باب ادراک الفریضۃ

ترجمہ..... (یہ) باب فریضہ پانے (کے بیان) میں ہے۔

تشریح..... گذشتہ ابواب میں فرائض، واجبات اور نوافل کا بیان تھا اب اس باب کے اندر ادائے کامل کے معنی باجماعت نماز ادا کرنے کا بیان ہے۔

سنت پڑھنے کے دوران فرائض کی جماعت شروع ہو جائے تو نمازی کے لئے کیا حکم ہے

ومن صلی رکعة من الظهر، ثم اقيمت یصلی اخرى صیانة للمؤدی عن البطلان، ثم یدخل مع القوم اجرال لفضیلة الجماعة، وان لم یقید الاولی بالسجدة، یقطع ویشرع مع الامام، هو الصحیح، لانه بمحل الرکعة والقطع للاکمال، بخلاف ما اذا کان فی النفل، لانه لیس للاکمال، ولو کان فی السنة قبل الظهر والجمعة فاقیم او خطب یقطع علی رأس الرکعتین، روى ذلك عن ابی یوسف وقد قیل بتمہا

ترجمہ..... اور جس شخص نے ظہر کی ایک رکعت پڑھی پھر جماعت شروع کر دی گئی تو یہ شخص دوسری رکعت پڑھے تاکہ بطلان نہ

ت محفوظ رہے۔ جو ادا کی گئی ہے۔ پھر مقتدیوں کے ساتھ شامل ہو جائے فضیلت جماعت کو حاصل کرنے کے لئے اور اگر اس نے ظہر کی پہلی رکعت کو سجدہ کے ساتھ مقید نہیں کیا تو فوراً قطع کر دے اور امام کے ساتھ شروع کر دے یہی قول صحیح ہے کیونکہ یہ توڑے جانے کا محل ہے اور (یہ) توڑنا مکمل کرنے کے لئے ہے بخلاف اس کے جبکہ نفل میں ہو کیونکہ نفل کا توڑنا کامل کرنے کے لئے نہیں ہے اور اگر وہ شخص نماز جمعہ سے پہلے کی سنتوں میں ہو پھر اقامت ہوئی یا خطبہ شروع کیا گیا تو دو رکعت پوری کر کے قطع کرے یہ امام ابو یوسف سے روایت آیا جاتا ہے اور کہا گیا ہے کہ اس کو تمام کرے۔

شرح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے منفرداً ظہر کی ایک رکعت پڑھی یعنی رکعت اولیٰ کو سجدہ کے ساتھ مقید کر دیا پھر امام نے جماعت کے ساتھ نماز ظہر شروع کر دی تو ایسی صورت میں اس شخص کو چاہئے کہ وہ دوسری رکعت ملا لے یعنی دو رکعت پڑھ کر سلام پھیرے۔ اگر ایک رکعت پر سلام پھیر دیا تو یہ رکعت باطل وہ جائے گی کیونکہ حدیث پاک میں صلاۃ تراویح سے منع کیا گیا ہے پس اس رکعت ادا کی ہوئی کو باطل ہونے سے بچانے کے لئے دوسری ملانے کا حکم کیا گیا ہے اور جب دو رکعت پر سلام پھیر دیا تو یہ شخص امام کے ساتھ جماعت میں شریک ہو جائے تاکہ جماعت کی فضیلت حاصل ہو جائے اور یہ حکم ایسا ہے جیسے ایک شخص جمعہ کے دن جامع مسجد میں ظہر کی نماز شروع کر دی حتیٰ کہ ایک رکعت پڑھ لی پھر جمعہ کی نماز شروع کی گئی تو یہ شخص اس رکعت کے ساتھ دوسری رکعت ملا لے پھر دو رکعت پر سلام پھیر کر جمعہ کی فضیلت کو حاصل کرنے کے لئے جمعہ کی نماز میں شریک ہو جائے۔

اعتراض: اس موقع پر صاحب عنایہ نے ایک اعتراض و جواب تحریر فرمایا ہے۔ اعتراض یہ ہے کہ ظہر کی نماز جو منفرداً شروع کی گئی ہے فرض ہے اور جماعت سنت ہے پس اقامت سنت کے لئے صفت فرضیت کو باطل کرنا کس طرح جائز ہوگا۔

جواب..... فریضہ ظہر جو منفرداً شروع کیا گیا تھا اس کو توڑنا اقامت سنت کے لئے نہیں بلکہ علی وجہ الکمال فریضہ قائم کرنے کے لئے ہے اور کمال کے لئے توڑنا بھی اکمال ہے جیسے از سر نو مسجد تعمیر کرنے کے لئے مسجد کو منہدم کرنا باعث ثواب ہے نہ کہ باعث عذاب۔ اور یہ بات واضح ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا تنہا پڑھنے کی بہ نسبت ستائیس درجہ افضل ہے۔

صاحب قدوری نے دوسری صورت یہ بیان کی ہے کہ اگر اس شخص نے ظہر کی رکعت اولیٰ کو سجدہ کے ساتھ مقید نہیں کیا اور جماعت کھڑی ہو گئی تو وہ شخص اس کو قطع کر کے امام کے ساتھ شریک ہو جائے۔ یہی صحیح مذہب ہے اور اسی کے قائل فخر الاسلام ہیں۔ بعض حضرات نے کہا کہ اس صورت میں بھی دو رکعت پر سلام پھیرے۔ پھر امام کے ساتھ شریک ہو۔ شمس الائمہ سرحسی بھی اسی کے قائل ہیں۔ شمس الائمہ کی دلیل یہ ہے کہ رکعت اولیٰ کو سجدہ کے ساتھ مقید کرنے سے پہلے اگرچہ وہ نماز میں ہے لیکن وہ قربت اور عبادت ہے اور جماعت سنت ہے پس سنت کی رعایت کرنے کے لئے اس قربت کو باطل کرنا کیونکر جائز ہوگا۔ جیسے کسی نے نفل نماز شروع کی اور پہلی رکعت کا سجدہ بھی نہیں کیا تھا کہ فرض نماز کو باجماعت شروع کر دیا گیا تو یہ متفصل اپنا نفل قطع نہ کرے بلکہ دو رکعت پوری کر کے پھر اس کے بعد جماعت میں شریک ہو پس جب رکعت اولیٰ کو سجدہ کے ساتھ مقید نہ کرنے کی صورت میں نفل قطع نہیں کیا جاتا تو فرض ہدایہ کوئی قطع نہیں کیا جائے گا۔

مذہب صحیح کی دلیل یہ ہے کہ رکعت اولیٰ سجدہ کے ساتھ مقید کرنے سے پہلے نفل فرض ہے۔ یعنی اس کو توڑا جا سکتا ہے اور نظیر اس کی یہ

ہے کہ اگر کوئی شخص چوتھی رکعت پر بیٹھے بغیر پانچویں کے لئے کھڑا ہو گیا تو جب تک پانچویں رکعت کو سجدہ کے ساتھ مقید نہیں کیا جاتا تو اس چھوڑا جاسکتا ہے یعنی پانچویں رکعت کا سجدہ کرنے سے پہلے پہلے وہ قعدہ اخیرہ کی طرف لوٹ سکتا ہے۔ اس پر چھٹی رکعت کا ملنا ضروری نہیں ہے۔ اور رہا یہ کہ فرض کو باطل کرنا لازم آتا ہے تو اس کا جواب گزر چکا کہ یہ قطع اور ابطال انکمال کے لئے ہے یعنی فریضہ منقطع اور وجہ انکمال حاصل کرنے کے لئے ہے۔

بخلاف ما اذا كان في النفل الخ سے نفل الاثمہ کے قیاس علی النفل کا جواب ہے۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ ظہر کے فرض مکمل ہونے کے لئے فریضہ کو علی وجہ انکمال حاصل کرنے کے لئے ہے یعنی فضیلت جماعت حاصل کرنے کے لئے اور نفل تو انکمال کے لئے نہیں ہوتا پس اس فرق کی وجہ سے فرض کو نفل پر قیاس کرنا درست نہیں ہوگا۔ اور اگر کسی نے ظہر سے پہلے کی چار رکعت سنت پڑھنی شروع کر دی پھر ظہر کی نماز شروع ہو گئی یا جمعہ سے پہلے سنتوں کی نیت باندھی پھر امام نے خطبہ شروع کر دیا ان دونوں صورتوں میں حکم یہ ہے کہ دو رکعت پوری کر کے سلام پھیر دے اور نماز ظہر میں اور خطبہ میں شریک ہو جائے۔ یہ حکم امام ابو یوسف سے مروی ہے۔ پھر نے کہا کہ چاروں رکعت پوری کرے پھر نماز ظہر یا خطبہ میں شرکت کرے کیونکہ ظہر اور جمعہ سے پہلے کی چار رکعت بمنزلہ صلاۃ واحدہ کے ہے۔ اس لئے ان کو دو قسطوں میں تقسیم نہ کرے بلکہ چاروں کو یکبارگی پڑھے۔

فتیہ وقت سعدی کہتے ہیں کہ میں اس پر فتویٰ دیا کرتا تھا کہ اگر نماز ظہر سے پہلے سنتوں کی نیت باندھی اور پھر نماز ظہر شروع ہو گئی سنت کی چاروں رکعت پوری کر کے سلام پھیرے برخلاف نفل نماز کے کہ نفل کی دو رکعت پر سلام پھیر دے، لیکن جب میں نے نوادیس امام اعظم کی یہ روایت دیکھی کہ اگر سنت جمعہ کو شروع کر دیا پھر امام خطبہ کے لئے نکلا تو امام صاحب نے فرمایا کہ اگر ایک رکعت پڑھا ہے تو دوسری رکعت ملا کر سلام پھیر دے تو میں نے اپنے فتویٰ سے رجوع کر لیا اور اسی کا قائل ہو گیا جو امام صاحب سے مروی ہے۔

تین رکعتیں پڑھ چکا تھا پھر جماعت کھڑی ہو گئی تو چوتھی رکعت ملانے کا حکم

و ان كان قد صلى ثلاثا من الظهر يتمها، لان للاكثر حكم الكل، فلا يحتمل النقص، بخلاف ما اذا كان في الثالثة بعد ولم يقيد بها بالسجدة حيث يقطعها، لانه بمحل الرقص، ويتخير ان شاء عاد فقعد وسلم، وان شاء كسر قالما ينوي الدخول في صلاة الامام، واذا اتمها يدخل مع القوم والذي يصلي معهم نافله، لان الفريضة لا يتكرر في وقت واحد

ترجمہ..... اور اگر وہ شخص ظہر کی تین رکعتیں پڑھ چکا ہے تو اس کو پورا کرے کیونکہ اکثر کے لئے کل کا حکم ہوتا ہے تو وہ قطع کو برداشت کر سکتا۔ برخلاف اس کے جبکہ وہ ابھی تک تیسری رکعت میں ہو اور اس کو سجدہ کے ساتھ مقید نہیں کیا ہے تو اس کو قطع کر دے کیونکہ قطع کرنے کا محل ہے اور اس کو اختیار ہے کہ اگر چاہے تو وہ لوٹ کر بیٹھ جائے اور سلام پھیر دے اور اگر چاہے تو کھڑے کھڑے تکبیر کے بعد کی نماز میں داخل ہونے کی نیت کرتے ہوئے اور جب نماز ظہر کو پورا کر لیا تو مقتدیوں کے ساتھ شریک ہو جائے اور جو نماز ان کے ہاتھ پر ہے گا نفل ہوگی کیونکہ ایک وقت میں فرض مکرر نہیں ہوتا۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ظہر کی تین رکعت پڑھ چکا ہو پھر جماعت کھڑی ہو گئی ہو تو یہ شخص چار رکعت پوری کرے۔

یہ ہے کہ یہ شخص نماز ظہر کا اکثر حصہ پڑھ چکا ہے اور اکثر شکل کے قائم مقام ہوتا ہے۔ پس اس سے فارغ ہونے کا شبہ ثابت ہو جائے گا اور اگر کوئی شخص حقیقتاً فارغ ہو جاتا تو نقص کا احتمال نہ رہتا۔ پس اسی طرح جب شبہ القرائع ثابت ہو گیا تو بھی نقص کو قبول نہیں کرے گا۔ اس کے برخلاف اگر وہ شخص ابھی تک تیسری رکعت میں ہے اور تیسری رکعت کو وجہ کے ساتھ مقید نہیں کیا ہے۔ تو اس کو قطع کر کے جماعت میں شریک ہو جائے پس جب اس حالت میں قطع کا ارادہ کر لیا تو اس کو اختیار ہے جی چاہے تو تیسری رکعت مکا قیام چھوڑ کر بیٹھ جائے اور سلام پھیر دے تاکہ نماز مشروع طریقہ پر ختم ہو جائے۔ رہی یہ بات کہ بیٹھ کر دوسری بار تشہد پڑھے یا نہ پڑھے، اس بارے میں اختلاف ہے بعض نے کہا کہ دوبارہ تشہد پڑھے کیونکہ جب دو رکعت پر قعدہ کیا تھا تو وہ قعدہ ختم نہیں تھا بلکہ قعدہ ختم اب ہوا ہے جبکہ وہ تیسری رکعت چھوڑ کر بیٹھ گیا اور چونکہ قعدہ م (جس کو قعدہ اخیرہ کہتے ہیں) میں تشہد واجب ہے اس لئے اس شخص پر دوبارہ تشہد واجب ہوگا۔ اور بعض نے کہا کہ پہلا تشہد کافی ہے کیونکہ قعدہ کی طرف لوٹ آنے سے تیسری رکعت کا قیام بالکل ختم ہو گیا ہے پس ایسا ہو گیا جیسا کہ تیسری رکعت کا قیام پایا ہی نہیں گیا لہذا یہ قعدہ ہی قعدہ ختم ہوا اور اس میں تشہد پڑھ چکا ہے اس لئے دوبارہ تشہد پڑھنے کی ضرورت نہیں رہی۔

رہا یہ مسئلہ کہ سلام ایک طرف پھیرے یا دونوں طرف تو اس بارے میں بھی بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ دو سلام پھیرے کیونکہ تحلل یعنی نماز سے نکلنے کے لئے دو ہی سلام معبود اور مشروع ہیں اور بعض نے کہا کہ ایک سلام پر اکتفاء کرے کیونکہ دوسرا سلام تحلل کے لئے ہے اور یہ تحلل نہیں ہے یعنی نماز سے نکلنا نہیں ہے بلکہ من وجہ قطع ہے اس لئے ایک سلام کافی ہوگا اور جی چاہے تو تیسری رکعت میں کھڑے کھڑے تکبیر کہہ کر امام کے ساتھ جماعت میں شریک وہ جائے در انحالیکہ امام کے ساتھ شریک ہونے کی نیت بھی کرے۔ کیونکہ یہ فضیلت جماعت کو حاصل کرنے کی طرف مسارعت اور مسابقت ہے اور یہ فعل محمود ہے چنانچہ ارشاد باری ہے۔ **وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ** اور اس بارے میں مختار ہے کہ ہاتھ کا نون تک اٹھائے یا نہ اٹھائے۔

متن میں مذکور ہے کہ اگر مغفرت نے تین رکعات پڑھ لیں اور جماعت کھڑی ہوگئی تو وہ ظہر کی چاروں رکعات پوری کرے پس جب اس نے ظہر کی نماز پوری کر لی تو اب یہ شخص جماعت میں مقتدیوں کے ساتھ شامل ہو جائے لیکن یہ شامل ہونا ضروری نہیں ہے کیونکہ جو نماز مقتدیوں کے ساتھ پڑھے گا وہ نفل ہے اور یہ نماز نفل اس لئے ہے کہ جو نماز منفر داپڑھی تھی ظہر کا فریضہ اس سے ادا ہو گیا اب اگر اس کو بھی فرض قرار دیا جائے تو ایک وقت میں ایک فرض دوبار ادا ہوگا حالانکہ ایک وقت میں فرض کا تکرار مشروع نہیں ہے بلکہ ایک وقت میں ایک ہی فرض مشروع ہے۔ بہر حال جو نماز مقتدیوں کے ساتھ جماعت میں شریک ہو کر پڑھی ہے وہ نفل ہے اور نفل میں الزام نہیں ہوتا اس لئے اس شخص پر مقتدیوں کے ساتھ شریک ہونا لازم نہیں ہے البتہ شریک جماعت ہو کر نفل پڑھنا افضل ہے کیونکہ مقتدیوں کے ساتھ شریک ہونے کی صورت میں جماعت سے اعراض کرنے کی تہمت دور ہو جائے گی۔ ورنہ خواہ مخواہ اعراض عن الجماعت کے ساتھ متہم ہوگا۔

اشکال: اس موقع پر ایک بجا اشکال کیا جا سکتا ہے۔ وہ یہ کہ چند صفحات پہلے یہ بات آچکی ہے کہ غیر رمضان میں جماعت کے ساتھ نفل ادا کرنا مکروہ ہے لیکن یہاں جو صورت ذکر کی گئی ہے اس سے جماعت کے ساتھ نفل ادا کرنا لازم آتا ہے۔

جواب: کراہت اس وقت ہے جبکہ امام اور مقتدی دونوں نفل پڑھیں۔ مگر جب امام مفترض اور مقتدی مفضل ہو تو کوئی کراہت نہیں ہے چنانچہ مروی ہے کہ:

ان رسول اللہ ﷺ فرغ من الظہر فری رجلین فی احریات الصفوف لم یصلیا معہ فقال علی بہما فاتنی

بہما و فرانت۔ اتر قعد فقال علی رسلکما فانی ابن امرأۃ کانت تأکل القدید ثم قال ما لکما لم
تصلیا معن افقلا کنا صلینا فی رحالنا فقال علیہ السلام اذا صلیتما فی رحالکما ثم اتیتما صلاۃ قام
فصلیا معہم واجعلا صلا تکما معہم سبحۃ ای نافلۃ

یعنی رسول اللہ ﷺ ظہر کی نماز سے فارغ ہو گئے تو آپ ﷺ نے بالکل صفوں کے پیچھے دو آدمیوں کو دیکھا کہ انہوں نے آپ کے ساتھ
نماز نہیں پڑھی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان دونوں کو میرے پاس لاؤ۔ پس ان دونوں کو لایا گیا (مارے خوف کے) ان دونوں کے
سے تھر تھر کانپنے لگے پس آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم مطمئن رہو (گھبراؤ مت) میں ایسی عورت کا بیٹا ہوں جو سوکھا گوشت کھاتی تھی
(یعنی بہت غریب گھرانے کا بیٹا ہوں) پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے ہمارے ساتھ نماز کیوں نہیں پڑھی ہے، ان دونوں نے کہا کہ
اپنی قیام گاہ پر نماز پڑھ چکے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم اپنی قیام گاہ پر نماز پڑھ چکے ہو اور پھر کسی قوم کی نماز کے وقت آ گئے ہو تو
ان کے ساتھ بھی پڑھ لیا کرو اور ان کے ساتھ جو نماز ہو اس کو نفل شمار کر لینا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر امام نے فرض ادا کیا ہو اور
مقتدی نے نفل تو اس میں کراہت نہیں ہے۔

فجر کی سنت ایک رکعت پڑھی پھر جماعت کھڑی ہو گئی تو کیا حکم ہے

فان صلی من الفجر رکعۃ ثم اقیمت یقطع ویدخل معہم، لانه لو اضاف الیہا اخری تفوتہ الجماعۃ، و کذا
اذا اقام الی الثانیۃ قبل ان یقیدھا بالسجدۃ، وبعد الاتمام لا یشرع فی صلوۃ الامام لکراہیۃ النفل بعدہ،
و کذا بعد المغرب فی ظاہر الروایۃ، لان التنفل بالثلاث مکروہ، وفی جعلہا اربعاً مخالفۃ لامامہ.

ترجمہ..... پس اگر فجر کی ایک رکعت پڑھ چکا ہے پھر جماعت کھڑی ہو گئی تو اس کو قطع کر کے مقتدیوں کے ساتھ شریک ہو جائے۔ کیونکہ
اگر اس نے دوسری رکعت ملائی تو جماعت فوت ہو جائے گی۔ ایسے ہی اگر دوسری رکعت کے لئے کھڑا ہو گیا قبل اس کے کہ اس کو سجدہ کے
ساتھ مقید کرے اور فجر کی نماز پوری کرنے کے بعد امام کی نماز کو شروع نہ کرے کیونکہ نماز فجر کے بعد نفل پڑھنا مکروہ ہے۔ اور یونہی عصر
کے بعد اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے بیان کی اور یونہی مغرب کے بعد ظاہر الروایۃ کے مطابق، کیونکہ تین رکعت نفل پڑھنا مکروہ ہے اور
اس کو چار کر لینے میں امام کی مخالفت ہے۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے فجر کی ایک رکعت پڑھی ہے پھر جماعت کھڑی ہو گئی تو یہ شخص اپنی یہ نماز قطع کر کے لوگوں
کے ساتھ جماعت میں شریک ہو جائے کیونکہ اگر دوسری رکعت ملانے کا تو منفرد اس کی نماز پوری ہو گئی لیکن جماعت فوت ہو گئی حالانکہ
جماعت سنت مؤکدہ ہے۔ پس فضیلت جماعت کو حاصل کرنے کے لئے اس نماز کو قطع کر دے جس کو منفرداً شروع کر رکھا ہے۔ اسی طرح
اگر یہ شخص فجر کی دوسری رکعت کے لئے کھڑا ہو گیا لیکن دوسری رکعت کا سجدہ نہیں کیا تو اس صورت میں بھی اس کو قطع کر کے جماعت میں
شریک ہو جائے۔ البتہ اگر اس نے فجر کی نماز تنہا پڑھی اس کے بعد جماعت کھڑی ہوئی تو اب امام کی نماز میں شرکت نہ کرے۔ کیونکہ اس
صورت میں امام کے ساتھ جو نماز پڑھے گا وہ نفل ہوگی۔ حالانکہ فجر کی نماز کے بعد طلوع آفتاب تک نفل پڑھنا مکروہ ہے۔ یوں ہی عصر کے
بعد غروب تک نفل پڑھنا مکروہ ہے۔ ظاہر الروایۃ کے مطابق مغرب کی نماز تنہا پڑھنے کے بعد جماعت میں شرکت نہ کرے کیونکہ اگر امام کے

ماٹھ شریک ہو گیا تو وہ ہی صورتیں ہیں یا تو امام کے ساتھ سلام پھیرے گا یا امام کے فارغ ہونے کے بعد ایک رکعت اور پڑھے گا تا کہ چار رکعت ہو جائیں تین امام کے ساتھ اور ایک امام کے فارغ ہونے کے بعد پہلی صورت میں نفل کی تین رکعت ہوں گی حالانکہ تین رکعت نفل پڑھنا مکروہ ہے اور دوسری صورت میں امام کی مخالفت کرنا لازم آئے گا اور یہ بھی درست نہیں ہے۔ اس لئے ہم نے کہا کہ اگر کسی نے مغرب کی نماز تہا ادا کر لی، پھر جماعت کھڑی ہوگئی تو یہ شخص جماعت میں شرکت نہ کرے۔

اذان کے بعد مسجد سے نکلنے کا حکم

ومن دخل مسجدا قد اذن فيه، يكره له ان يخرج حتى يصلي، لقوله عليه السلام: "لا يخرج من المسجد بعد النداء الا منافق". او رجل يخرج لحاجة يريد الرجوع، قال: الا اذا كان ينتظم به امر جماعة، لانه ترك صورة تكميل معنى

ترجمہ..... اور جو شخص ایسی مسجد میں داخل ہوا جس میں اذان دے دی گئی ہے تو اس کے لئے نکلنا مکروہ ہے یہاں تک کہ نماز پڑھ لے۔ کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ مسجد سے اذان کے بعد کوئی نہیں نکلتا مگر منافق یا وہ شخص جو واپسی کے ارادے سے کسی ضرورت سے نکلا ہو مگر جبکہ اس کے ساتھ کسی جماعت کا انتظام متعلق ہو کیونکہ یہ نکلنا ظاہر میں ترک، باطن میں تکمیل ہے۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ایسی مسجد میں داخل ہوا جس میں اذان دے دی گئی ہو تو اس میں قدرے تفصیل ہے کیونکہ جو شخص ایسی مسجد میں داخل ہوا جس میں اذان دے دی گئی تو اس کی دو حالتیں ہیں یا تو یہ شخص یہ نماز پڑھ چکا ہے یا نہیں پڑھی اگر نماز پڑھ چکا ہے تو اس کا حکم بعد میں بیان کریں گے اور اگر اس نے نماز نہیں پڑھی تو پھر دو صورتیں ہیں یہ مسجد یا تو اس کے محلہ کی ہے یا اس کے محلہ کی نہیں ہے اگر محلہ کی ہے تو نماز پڑھنے سے پہلے اس کے لئے نکلنا مکروہ ہے کیونکہ مؤذن نے اس کو نماز کی دعوت دی ہے لہذا اس دعوت کو قبول کرے اور بغیر نماز پڑھے نہ نکلے۔ اور اگر یہ مسجد اس کے محلہ کی نہیں ہے تو پھر دو صورتیں ہیں آیا تو اس کے محلہ کے لوگ اپنی مسجد میں نماز پڑھ چکے ہیں یا نہیں پڑھی ہے اگر پہلی صورت ہے تو بھی بغیر نماز پڑھے اس کا مسجد سے نکلنا مکروہ ہے کیونکہ اس مسجد میں داخل ہونے کی وجہ سے یہ شخص اسی مسجد کے اہلیان میں سے ہو گیا اور اگر ثانی صورت ہے تو یہ شخص اپنے محلہ کی مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے اس مسجد سے نکل سکتا ہے۔ کیونکہ اس پر اپنے محلہ کی مسجد میں نماز پڑھنا واجب ہے۔ (عمانیہ)

صاحب ہدایہ نے اس مسئلے کو اس طرح ذکر کیا ہے کہ اگر کوئی شخص ایسی مسجد میں داخل ہوا جس میں اذان دے دی گئی ہے تو بغیر نماز پڑھے اس مسجد سے نکلنا اس کے لئے مکروہ ہے دلیل اللہ کے نبی کا قول ہے:

لا يخرج من المسجد بعد نداء الا منافق او رجل يخرج لحاجته يريد الرجوع (مراہیل ابی داؤد)

ابن ماجہ نے اس حدیث کو ان لفظوں میں بیان کیا ہے:

عن محمد بن يوسف لولي عثمان بن عفان رضي الله عنه قال قال رسول الله ﷺ من ادرك الاذان في المسجد ثم خرج لم يخرج لحاجته و هو لا يريد الرجوع فهو منافق

محمد بن يوسف کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے مسجد میں اذان کو پایا پھر مسجد سے نکل گیا حالانکہ نہ کسی ضرورت

سے نکلا اور نہ کوٹ کر آنے کا ارادہ ہے تو وہ منافق ہے۔

صاحب قدوری نے کہا کہ اگر اس شخص سے کسی دوسری مسجد کی جماعت کا معاملہ متعلق ہو مثلاً یہ امام ہو یا مؤذن تو اذان کے بعد بھی اس کے لئے نکلنا جائز ہے۔ کیونکہ یہ نکلنا ظاہر اور ترک ہے لیکن باطناً تکمیل ہے۔ رہا یہ اعتراض کہ حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اذان کے بعد مسجد سے نکلنا مطلقاً ممنوع ہے خواہ اس شخص سے متعلق دوسری کسی مسجد کا انتظام ہو یا نہ ہو۔

جواب..... حدیث میں مقصود ممانعت تہمت ہے یعنی اذان کے بعد مسجد سے نکلنے والے کو لوگ نماز سے اعراض کرنے کے ساتھ تمہم کریں گے۔ لیکن امام اور مؤذن کے حق میں یہ تہمت موجود نہیں ہے۔ یعنی ان دونوں کو سبھی لوگ جانتے ہیں کہ یہ دوسری مسجد میں جماعت کا انتظام کریں گے اس لئے ان دونوں کے نکلنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اذان ہونے کے بعد ظہر اور عشاء کی نماز پڑھ چکا تھا تو مسجد سے نکلنے میں کوئی حرج نہیں

وان كان قد صلى و كانت الظهر والعشاء، فلا بأس بان يخرج، لانه اجاب داعی الله مرة الا اذا اخذ المؤذن في الاقامة، لانه يتهم لمخالفة الجماعة عيانا، وان كانت العصر والمغرب او الفجر، خرج وان اخذ المؤذن فيها، لكرهية النفل بعدها.

ترجمہ..... اور اگر وہ اس وقت کی نماز پڑھ چکا ہو اور یہ نماز ظہر و عشاء کی ہو تو نکلنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ کیونکہ اس نے ایک مرتبہ اذان دینے والے کی دعوت کو قبول کر لیا ہے مگر جبکہ مؤذن اقامت کہنا شروع کر دے کیونکہ وہ بر ملا جماعت کی مخالفت کے ساتھ تمہم ہوگا۔ اور اگر یہ نماز عصر یا مغرب یا فجر ہو تو نکل جائے اگرچہ مؤذن اقامت شروع کر دے کیونکہ ان نمازوں کے بعد نفل پڑھنا مکروہ ہے۔

تشریح..... اس عبارت میں وہ صورت ذکر کی گئی ہے جس کے بیان کرنے کا وعدہ پہلے مسئلے میں کیا گیا ہے صورت یہ ہے کہ ایک شخص ایسی مسجد میں داخل ہوا ہے جس میں اذان دے دی گئی ہے اور یہ شخص یہ نماز پڑھ چکا ہے پس اگر یہ نماز جس کے لئے اذان دی گئی ہے اور یہ شخص اپنے گھر یا دوسری مسجد میں اس نماز کو پڑھ چکا ہے ظہر یا عشاء کی ہو تو اس کے لئے مسجد سے نکلنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اس نے ایک مرتبہ اللہ کے داعی یعنی مؤذن کی دعوت کو قبول کر لیا ہے۔ ہاں اگر مؤذن نے اقامت شروع کر دی تو اس صورت میں یہ شخص مسجد سے نہ نکلے بلکہ جماعت میں شریک ہو جائے درحالیکہ یہ اس نماز کو پڑھ چکا ہے۔ دلیل یہ ہے کہ اقامت اور جماعت شروع ہونے کے بعد اگر نکلے گا تو لوگ مخالفت جماعت کے ساتھ تمہم کریں گے پس اتہام سے بچنے کے لئے جماعت کے اندر شامل ہو جائے۔ اور یہ نماز جو جماعت کے ساتھ ادا کرے گا نفل ہوگی کیونکہ یہ شخص فرض پہلے ادا کر چکا ہے لیکن وہ نماز اگر عصر یا مغرب یا فجر کی ہو تو یہ شخص مؤذن کے اقامت شروع کر دینے کے بعد بھی مسجد سے نکل سکتا ہے کیونکہ یہ شخص فرض تو ادا ہی کر چکا ہے اب اگر جماعت میں شریک ہوگا تو یہ نماز نفل ہوگی۔ حالانکہ عصر اور فجر کے بعد نفل پڑھنا مکروہ ہے۔ اور رسی مغرب کی نماز تو مغرب کے بعد نفل پڑھنا اگرچہ مکروہ نہیں لیکن امام کے ساتھ شریک ہونے کی وجہ سے تین رکعت نفل ہوں گی حالانکہ نفل تین رکعت پڑھنا مکروہ ہے۔ اور اگر آپ یہ کہیں کہ امام کے سلام پھیرنے کے

ہر ایک رکعت اور پڑھ لے تاکہ چار رکعت ہو جائیں تو اس صورت میں امام کی مخالفت لازم آئے گی کیونکہ امام نے تین رکعت پر سلام پھیرا ہے اور یہ چار رکعت پر پھیر رہا ہے حالانکہ امام کی مخالفت کرنا بھی درست نہیں ہے۔

فجر کی نماز میں دورانِ جماعت سنت فجر پڑھنے کا حکم

ومن انتهى الى الامام في صلوة الفجر وهو لم يصل ركعتي الفجر، ان خش ان تفوته ركعة ويدرك الاخرى، يصلي ركعتي الفجر عند باب المسجد، ثم يدخل، لانه امكنه الجمع بين الفضيلتين، وان خشى فوتها دخل مع الامام، لان ثواب الجماعة اعظم، والوعيد بالترك الزم، بخلاف سنة الظهر حيث يتركها في الحالين، لانه يمكنه اداؤها في الوقت بعد الفرض، هو الصحيح، وانما الاختلاف بين ابى يوسف وحماد في تقديمها على الركعتين وتاخيرها عنهما، ولا كذلك سنة الفجر على ما نبين ان شاء الله تعالى. والتقييد بالاداء عند باب المسجد يدل على الكراهية في المسجد اذا كان الامام في الصلاة، والافضل في عامة السنن والتوافل المنزل، هو المروى عن النبي ﷺ

ترجمہ..... اور اگر ایک شخص جا پہنچا امام تک نماز فجر میں اور اس نے فجر کی دو رکعت (سنت) نہیں پڑھی ہیں (پس) اگر اس کو خوف ہو کہ ایک رکعت فوت ہو جائے گی اور دوسری رکعت (امام کے ساتھ) پالے گا تو فجر کی دو رکعت سنت مسجد کے دروازے پر پڑھے پھر (جماعت میں) شامل ہو کیونکہ اس کو دونوں فضیلتیں جمع کر لینا ممکن ہے اور اگر اس کو دوسری رکعت فوت ہونے کا خوف ہو تو امام کے ساتھ داخل ہو جائے۔ کیونکہ جماعت کا ثواب بہت بڑا ہے اور جماعت ترک کرنے کی وعید الزم (بڑی سخت) ہے۔ بخلاف سنت ظہر کے کہ ان کو دونوں حالتوں میں چھوڑ دے کیونکہ سنت ظہر کا فرض کے بعد وقت کے اندر ادا کرنا ممکن ہے یہی صحیح ہے۔ اور اختلاف ابو یوسف اور امام محمد کے درمیان ان چار رکعتوں کو دو رکعتوں پر مقدم کرنے اور ان دو سے مؤخر کرنے میں ہے اور یہ حال سنت فجر میں نہیں ہے چنانچہ ہم انشاء اللہ بیان کریں گے۔ اور سنت فجر کو مسجد کے دروازے پر ادا کرنے کی قید لگانا دلالت کرتا ہے کہ مسجد کے اندر ادا کرنا مکروہ ہے بشرطیکہ امام نماز میں ہو۔ اور افضل، عام سنن اور نوافل میں گھر ہے یہی حضور ﷺ سے مروی ہے۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص اس وقت مسجد میں داخل ہوا جب کہ امام نماز فجر پڑھا رہا تھا اور یہ شخص ابھی تک سنت فجر نہیں پڑھ سکتا تھا تو اب سوال یہ ہے کہ یہ شخص بغیر سنت فجر پڑھے جماعت میں شریک ہو جائے یا پہلے سنت پڑھے پھر جماعت میں شریک ہو۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اگر یہ خوف ہو کہ اگر پہلے سنت پڑھی تو فرض کی ایک رکعت فوت ہو جائے گی اور دوسری رکعت پالے گا تو ایسی صورت میں پہلے مسجد کے دروازے کے پاس فجر کی سنتیں پڑھے پھر امام کے ساتھ شریک جماعت ہو۔

دلیل اس کی یہ ہے کہ سنت فجر سنتوں میں اقویٰ اور افضل ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ نے فرمایا صلوهنما و ان طردتکم الخیل یعنی فجر کی دو رکعت سنت پڑھو اگرچہ تم کو گھوڑے روند ڈالیں اور فرمایا کہ رکعتا الفجر خیر من الدنيا وما فیہا یعنی فجر کی دو رکعت سنت دنیا اور ما فیہا سے بہتر ہیں اور فجر کی ایک رکعت کو امام کے ساتھ پانا ایسا ہے جیسے کل کو پایا کیونکہ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے من

ادراک رکعۃ من الفجر فقد ادراک الصلوٰۃ یعنی جس نے فجر کی ایک رکعت کو پایا۔ گویا پوری نماز کو پایا۔ (عمنائہ) پس یہاں دونوں فضیلتوں یعنی سنت فجر کی فضیلت اور جماعت کی فضیلت کو جمع کرنا ممکن ہے اس لئے جماعت میں شریک ہونے سے پہلے فجر کی دو رکعت سنت ادا کرے پھر جماعت میں شریک ہوتا کہ دونوں فضیلتیں حاصل ہو جائیں۔

اور اگر اس کو یہ خوف ہو کہ اگر سنت فجر پڑھنے میں مشغول ہو گیا تو فجر کی دونوں رکعتیں فوت ہو جائیں گی تو ایسی صورت میں یہ حکم ہے کہ سنت فجر پڑھے بغیر امام کے ساتھ جماعت میں شریک ہو جائے کیونکہ جماعت کا ثواب بہت بڑا ہے اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے صلوٰۃ الجماعة تفضل صلوٰۃ المنفرد بسبع و عشرين درجۃ یعنی جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا تنہا پڑھنے کی نسبت ستائیس درجہ افضل ہے اور جماعت چھوڑنے پر سخت وعید آئی ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تارک الجماعة ملعون جماعت چھوڑنے والا ملعون ہے اور حضور ﷺ نے فرمایا لقد همت ان استخلف من صلی بالناس و انظر الی من لم یحضر الجماعة فامر بعض فتیان بان یحرقوا بیوتہم یعنی میں نے ارادہ کیا کہ کسی کو خلیفہ بناؤں تاکہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے اور میں ان لوگوں کو دیکھوں جو جماعت میں شریک نہیں ہوئے پھر کچھ نوجوانوں کو حکم دوں کہ وہ ان کے گھروں کو جلا ڈالیں۔ حاصل دلیل یہ ہے کہ جب جماعت کا ثواب بھی زیادہ ہے اور ترک جماعت پر وعید بھی آئی ہے تو یہ شخص جماعت میں شریک ہو جائے اور سنت فجر کو چھوڑ دے۔

اور یہی صورت اگر سنت ظہر میں پیش آگئی یعنی ایک آدمی بغیر سنت ظہر پڑھے مسجد میں اس وقت داخل ہوا جبکہ امام نماز پڑھ رہا تھا تو اب یہ آدمی سنت ظہر پہلے ادا کرے اور پھر جماعت میں شامل ہو یا پہلے جماعت میں شامل ہو اور سنت ظہر کو چھوڑ دے تو اس بارے میں فاضل مصنف نے فرمایا کہ ظہر کی سنتوں میں مشغول ہونے کی وجہ سے امام کے ساتھ ظہر کی پوری نماز فوت ہونے کا اندیشہ ہو یا بعض کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو دونوں حالتوں میں ظہر کی سنتیں چھوڑ دے اور جماعت میں شامل ہو جائے کیونکہ وقت کے اندر اندر فرض کے بعد ظہر کی سنتوں کا ادا کرنا ممکن ہے پس جب ظہر کے فرضوں کے بعد سنتوں کا ادا کرنا ممکن ہے تو ان سنتوں کی وجہ سے فضیلت جماعت کو چھوڑے یہی صحیح قول ہے۔ کیونکہ ایک مرتبہ حضور ﷺ سے ظہر سے پہلے کی چار سنتیں فوت ہو گئیں تو آپ ﷺ نے ظہر کے بعد ان کی قضا فرمائی اس کو حضرت عائشہؓ سے روایت کیا گیا ہے۔ (عمنائہ)

ظہر کی سنت فرض سے پہلے نہ ادا کرے گا تو کب پڑھے: البتہ اس بارے میں اختلاف ہے کہ جب ظہر سے پہلے کی سنت فوت ہوگی تو ظہر کے بعد کی دو رکعتوں سے پہلے ان کی قضا کرے یا ان دو رکعتوں کے بعد قضا کرے اس بارے میں امام ابو یوسف کا مذہب یہ ہے کہ پہلے ظہر کے بعد کی دو رکعت سنت ادا کرے پھر ظہر سے پہلے کی چار رکعت سنت کی قضا کرے اور امام محمد نے کہا کہ پہلے چار رکعت کی قضا کرے پھر ظہر کے بعد کی دو رکعت پڑھے۔ امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے کہ یہ چار رکعت تو اپنے موضع مسنون یعنی قبل الظہر سے فوت ہوئی گئیں ہیں لیکن بعد کی دو رکعت کو ان کی جگہ سے فوت نہ کرے بلکہ ان کو ظہر کے بعد ادا کرے اور ظہر سے پہلے کی چار کو ان کے بعد پڑھے دنیا کے قانون میں بھی اس کی نظیر ملتی ہے آپ حضرات نے مشاہدہ کیا ہوگا کہ اگر اسٹیشن پر دو گاڑیوں کا کراں ہو جائے تو ریلوے کا قانون یہ ہے کہ جو گاڑی اسٹیشن پر پہنچے آتی ہے اس کو بعد میں چھوڑا جاتا ہے اور جو بعد میں آتی ہے اس کو پہلے روانہ کر دیا جاتا ہے کیونکہ جو گاڑی اسٹیشن پر پہلے سے آ کر کھڑی ہوئی ہے تو اپنے وقت سے لیٹ ہو بھی گئی ہے لیکن جو بعد میں آئی ہے اس کو خواہ مخواہ کیوں لیٹ کیا جائے اس لئے پہلے، بعد میں آنے والی کوئی

روانہ کر دیا جاتا ہے۔

امام محمد کی دلیل یہ ہے کہ ظہر سے پہلی چار رکعت فرضوں سے تو مؤخر ہو جی گئیں ہیں لیکن اب مزید مؤخر نہ کیا جائے اس لئے مناسب ہے کہ پہلے چار رکعت پڑھے پھر دو رکعت پڑھے۔

صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ سنت فجر کا یہ حال نہیں ہے اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

والتنقید بالاداء عند باب المسجد..... الخ اس عبارت سے اس قید کا فائدہ بیان کیا ہے جس کو قدوری نے ذکر فرمایا ہے کہ اگر جماعت کھڑی ہوگئی ہو تو سنت فجر باب مسجد پر ادا کرے۔ حاصل یہ کہ اگر امام نماز میں ہو تو مسجد کے اندر سنتیں پڑھنا روہ ہے کیونکہ یہ نفس مسجد کے اندر نفل (سنت) پڑھنے والا ہو اور امام فرض ادا کرنے میں مشغول ہے اور یہ مکروہ ہے۔ اس لئے کہا گیا کہ سنت فجر باب مسجد پر ادا کرے۔ لیکن اگر باب مسجد پر نماز پڑھنے کی جگہ نہ ہو تو مسجد کے اندر کسی ستون کے پیچھے کھڑا ہو کر پڑھ لے۔ یہ سے زیادہ کراہت اس میں ہے کہ صاف میں لوگ فرض پڑھ رہے ہیں اسی صف میں یہ حضرت سنتوں کی نیت باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ تراویح کے علاوہ دیگر سنت و نوافل گھر پر ادا کرنا افضل ہے۔ صاحب ہدایہ نے کہا کہ تراویح کے علاوہ عام سنتوں اور نوافل میں نفل یہ ہے کہ ان کو گھر پر ادا کرے یہی آنحضرت ﷺ سے مروی ہے۔ چنانچہ حدیثیں مذکور ہیں:-

(۱) نوروا بیوتکم بالصلوٰۃ ولا تجعلوها قبورا یعنی اپنے گھروں کو نماز سے منور کروان کو قبرستان نہ بنائے۔ ظاہر ہے کہ یہاں نماز سے سنن اور نوافل ہی مراد ہوں گے نہ کہ فرائض کیونکہ فرائض کے لئے مساجد ہیں۔

(۲) ان جمیع سنن رسول اللہ ﷺ ووتوہ کان فی بیتہ یعنی رسول اللہ ﷺ کی تمام سنتیں اور آپ کا وتر گھر میں ہوتا تھا۔

(۳) قول نبی ﷺ فی مسجد نبی عبد الاشہل لما راہم یصلون بعد المغرب ہذہ صلوٰۃ البیوت (ابوداؤد، ترمذی، نسائی) یعنی نبی عبد الاشہل کی مسجد میں جب رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ مغرب کے بعد نماز پڑھ رہے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ گھروں کی نماز ہے یعنی یہ نماز جو فرض کے علاوہ ہے گھروں میں پڑھنی چاہئے۔

(۴) عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کان ﷺ یصلی فی بیتہ قبل الظهر اربعۃ ثم یرجع فیصلی بالناس ثم یدخل فیصلی رکعتین و کان یصلی بالناس المغرب ثم یدخل فیصلی رکعتین یعنی حضرت عائشہؓ میں داخل ہو کر دو رکعت پڑھتے۔ اور لوگوں کو مغرب کی نماز پڑھاتے پھر (گھر میں) داخل ہو کر دو رکعت پڑھتے۔ اس حدیث سے بھی سنتوں کا گھر میں پڑھنا ثابت ہوتا ہے۔

(۵) صحیحین میں ہے عن حفصۃ و ابن عمر رضی اللہ عنہما انہ ﷺ کان یصلی رکعتین بعد الجمعة فی بیتہ یعنی حضور جمعہ کے بعد اپنے گھر میں دو رکعت پڑھتے تھے۔

(۶) فعلیکم بالصلاۃ فی بیوتکم فان خیر صلاۃ السراء فی بیتہ الا المکتوبۃ یعنی تم پر اپنے گھر میں نماز پڑھنا لازم ہے اس لئے کہ آدمی کی بہترین نماز اس کے گھر میں ہے علاوہ فرض کے۔

(۷) صلاۃ السراء فی بیتہ افضل من صلاتہ فی مسجدی لہذا الا المکتوبۃ (ابوداؤد) یعنی آدمی کی نماز اس کے گھر میں افضل

ہے یہ نسبت اس کی نماز کے میری اس مسجد میں علاوہ فرض کے..... ان تمام احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ فرائض کے علاوہ سنن نوافل کا گھر کے اندر ادا کرنا افضل ہے۔ (فتح القدیر)

فجر کی سنتیں فوت ہو جائیں تو طلوع شمس کے بعد قضا کرے

وإذا فاتته ركعتا الفجر لا يقضيهما قبل طلوع الشمس، لانه يقضى نفلاً مطلقاً، وهو مكروه بعد الصبح، وبعد ارتفاعها عند أبي حنيفة وأبي يوسف، وقال محمد: أحب إلى أن يقضيهما إلى وقت الزوال، لانه غالب السلام قضاهما بعد ارتفاع الشمس عدالة ليلة التعريس. ولهما أن الأصل في السنة أن لا تقضى لاختصاص القضاء بالواجب، والحديث ورد في قضايتهما تبعاً للفرض، فبقي ما وراءه على الأصل، والظاهر تقضى تبعاً له وهو يصلى بالجماعة أو وحده إلى وقت الزوال، وفيما بعده اختلاف المشايخ، وأما سنن السنن سواها لا تقضى بعد الوقت وحدها، واختلف المشايخ في قضايتها تبعاً للفرض

ترجمہ..... اور اگر مصلیٰ کی فجر کی دو رکعت (سنت) فوت ہو جائے تو آفتاب طلوع ہونے سے پہلے ان کی قضا نہ کرے کیونکہ یہ دو رکعت محض نفل رہ گئیں اور صبح کے بعد نفل پڑھنا مکروہ ہے۔ اور نہ قضا کرے سورج بلند ہونے کے بعد شیخین کے نزدیک اور امام محمد نے کہا کہ مجھ کو یہ بات پسند ہے کہ وقت زوال تک ان کی قضا کرے کیونکہ حضور ﷺ نے لیلۃ التعریس کی صبح کو آفتاب بلند ہونے کے بعد ان کو قضا کیا تھا اور شیخین کی دلیل یہ ہے کہ سنت میں اصل یہ ہے کہ قضا نہ کی جائے۔ کیونکہ قضا واجب کے ساتھ مخصوص ہے اور حدیث وارد ہوئی ہے ان دونوں کی قضا میں فرض کے تابع ہو کر۔ پس اس کے علاوہ اصل پر باقی رہا۔ اور ان دو رکعت کی زوال ہی کے وقت تک فرض کے تابع ہو کر قضا کی جائے گی۔ خواہ فرض جماعت کے ساتھ پڑھے یا تنہا پڑھے اور زوال کے بعد میں مشایخ اختلاف ہے۔ اور رہیں باقی سنن سوائے سنت فجر کے تو وہ وقت کے بعد تنہا قضا نہیں کی جائیں گی اور فرض کے تابع ہو کر ان کے قضا کرنے میں مشایخ کا اختلاف ہے۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ اگر فجر کی سنت فوت ہوگئی تو اس کی قضا کرے یا نہ کرے، تو اس پر سب متفق ہیں کہ آفتاب طلوع ہونے سے پہلے قضا نہ کی جائے کیونکہ سنت جب اپنے وقت سے فوت ہوگئی تو وہ نفل رہ گئی۔ اور نماز صبح کے بعد طلوع آفتاب تک نفل پڑھنا مکروہ ہے اس لئے طلوع سے پہلے ان کی قضا نہ کرے اور آفتاب طلوع ہونے کے بعد قضا کرنے میں اختلاف ہے۔ چنانچہ شیخین کے نزدیک آفتاب نکلنے کے بعد بھی سنت فجر کی قضا واجب نہیں ہے۔ امام محمد نے کہا کہ واجب تو نہیں لیکن پسندیدہ بات یہی ہے کہ قضا کرے۔ امام محمد کی دلیل یہ ہے کہ لیلۃ التعریس کی صبح کو آفتاب بلند ہونے کے بعد آپ نے سنت فجر کی قضا کی ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ طلوع آفتاب کے بعد سنت فجر کی قضا کی جاسکتی ہے شیخین کی دلیل یہ ہے کہ اصل یہی ہے کہ سنت کی قضا نہیں کی جاتی۔ کیونکہ قضا واجب کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور واجب کے ساتھ اس لئے مخصوص ہے کہ قضا مثل ما واجب الامر کو سپرد کرنے کا نام ہے اور چونکہ سنت واجب نہیں ہے اس لئے مثل واجب کو سپرد کرنا کیسے متعلق ہوگا۔

امام محمد کی پیش کردہ حدیث کا جواب یہ ہے کہ لیلۃ التعریس کی صبح کو آنحضرت ﷺ نے فرض کی تبعیت میں سنت فجر کی قضا کی ہے۔

گئی ہے تو یہ شخص حائث نہیں ہوگا۔ کیونکہ حقیقتاً اس نے جماعت کے ساتھ نماز ظہر نہیں پڑھی ہے۔

جس مسجد میں فرض نماز ہو چکی پھر کوئی آیا وہ نوافل فرائض سے پہلے پڑھ سکتا ہے یا نہیں

ومن اتى مسجدا قد صلى فيه، فلا بأس بان يتطوع قبل المكتوبة ما بدأ له مادام في الوقت، ومراده اذا كان في الوقت سعة، وان كان فيه ضيق تركه قبل هذا في غير سنة الظهر والفجر، لان لهما زيادة مزية، قال عليه السلام في سنة الفجر: صلوها ولو طردتكم الخيل، وقال في الاخرى: من ترك الاربع قبل الظهر لم تنله شفاعتي، وقيل هذا في الجميع، لانه عليه السلام واظب عليها عند أداء المكتوبات بالجماعة، ولا سنة دون المواظبة، والأولى ان لا يتركها في الاحوال كلها، لكونها مكملات للفرائض الا اذا خاف فوت الوقت

ترجمہ..... جو شخص ایسی مسجد میں آیا کہ اس میں نماز ہو چکی تھی تو کوئی مضاائقہ نہیں کہ فرض سے پہلے وہ نفل پڑھے۔ جس قدر جی چاہے جب تک وقت میں گنجائش ہے اور مراد امام محمد کی یہ ہے کہ جب تک وقت میں گنجائش ہے اور اگر وقت میں تنگی ہو تو نفل چھوڑ دے۔ کہا گیا یہ حکم سنت ظہر اور سنت فجر کے علاوہ میں ہے۔ کیونکہ سنت ظہر اور فجر کے واسطے زیادتی فضیلت ہے۔ فجر کی سنت کے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس کو پڑھو اگر چہ گھوڑے تم کو روند ڈالیں۔ اور سنت ظہر کے بارے میں فرمایا کہ جس نے ظہر سے پہلے کی چار رکعت چھوڑ دی اس کو میری شفاعت نصیب نہیں ہوگی۔ اور کہا گیا کہ یہ حکم سب سنتوں میں ہے کیونکہ حضور ﷺ نے جماعت کے ساتھ فرائض ادا کر کے وقت ان سنتوں پر مواظبت فرمائی ہے۔ اور بغیر مواظبت کے سنت ثابت نہیں ہوتی۔ اور اولیٰ یہ ہے کہ ان سنتوں کو تمام احوال میں نہ چھوڑے کیونکہ یہ سنتیں فرائض کی تکمیل کرنے والی ہیں مگر جبکہ وقت کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص کی جماعت فوت ہو گئی اور وہ ایسی مسجد میں آیا جس میں جماعت ہو چکی ہے یا گھر میں فرض نماز پڑھنے کا ارادہ کیا ہو تو اس بارے میں کوئی مضاائقہ نہیں ہے کہ وہ فرض ادا کرنے سے پہلے جس قدر چاہے سنن اور نوافل ادا کرے بشرطیکہ وقت میں گنجائش ہو۔ اور اگر وقت تنگ ہو تو پہلے فرض نماز پڑھے تاکہ فرض اپنے وقت سے فوت نہ ہو جائے۔ بعض حضرات نے کہا کہ تنگی وقت کی صورت میں سنن اور نوافل کے ترک کرنے کا حکم ظہر اور فجر کی سنتوں کے علاوہ میں ہے۔ کیونکہ ظہر اور فجر کی سنتوں کو دیگر سنتوں کے مقابلے میں زیادہ فضیلت ہے۔ اس لئے تنگی وقت کے باوجود ان کو ضرور پڑھے۔ ہاں اگر وقت بالکل تنگ ہو گیا اور فرض کے علاوہ کی قطعاً گنجائش نہیں رہی تو ایسی نازک صورت میں ظہر اور فجر کی سنتوں کو بھی چھوڑا جا سکتا ہے۔ سنت فجر کی تاکید میں قال النبی ﷺ صلوها ولو طردتكم الخيل ہے اور ظہر کی سنت کی تاکید میں من ترك الاربع قبل الظهر لم تنله شفاعتي ہے۔

بعض نے کہا کہ تنگی وقت کی صورت میں سنن کو ترک کرنے کا حکم تمام سنتوں میں ہے خواہ ظہر اور فجر کی ہوں خواہ اس کے علاوہ ہوں۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ نے سنتوں پر مواظبت اس وقت فرمائی جبکہ آپ فرائض جماعت کے ساتھ ادا کرتے تھے اور جب فرائض کو تنہا پڑھا تو آپ نے ان سنتوں پر مواظبت نہیں فرمائی اور بغیر مواظبت کے سنت ثابت نہیں ہوتی ہے لہذا منفرد کے حق میں یہ نمازیں سنت نہ ہوں گی بلکہ نفل ہوں گی اور نفل میں اختیار ہے کہ پڑھے یا نہ پڑھے اس لئے کہا گیا کہ نہ پڑھنے کا حکم تمام سنتوں میں ہے۔

صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ اولیٰ یہ ہے کہ ان سنتوں کو کسی حال میں نہ چھوڑے وقت میں تنگی ہو یا وسعت ہو فرض نماز جماعت کے

کافی نہ ہوگا کیونکہ مقتدی جو رکوع امام سے پہلے لایا وہ غیر معتبر ہے لہذا جو اس پر مبنی ہے وہ بھی غیر معتبر ہوگا۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ شرط ایک جز میں مشارکت ہے جیسا کہ طرف اول میں، واللہ اعلم

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ اگر مقتدی امام سے پہلے رکوع میں چلا گیا پھر امام بھی رکوع میں چلا گیا حتیٰ کہ دونوں رکوع میں شریک ہو گئے تو اس صورت میں مقتدی کی نماز فاسد نہیں ہوگی۔ یہی حکم اس وقت ہے جبکہ یہ صورت سجدہ میں پیش آئی ہو۔ البتہ مقتدی کی نماز مکروہ ہوگی وجہ کراہت حضور ﷺ کا قول لا تبادروا نسی بالرکوع والسجود ہے۔ یعنی رکوع اور سجدہ میں مجھ سے آگے مت بڑھو، نیز حضور ﷺ نے فرمایا اما یخشی الذی یرکع قبل الامام ان یحول رأسه رأس الحمار یعنی جو شخص امام سے پہلے رکوع کرتا ہے اس کو زونا چاہئے کہ اس کا سر گدھے کی طرح پھیر دیا جائے۔ امام زفر نے فرمایا ہے کہ مقتدی کی نماز جائز نہ ہوگی۔ چنانچہ مقتدی پر اس رکوع کا اعادہ واجب ہے اگر اعادہ نہیں کیا تو نماز درست نہ ہوگی۔

امام زفر کی دلیل یہ ہے کہ مقتدی نے رکوع کا جو حصہ امام سے پہلے ادا کیا ہے وہ معتبر نہیں ہے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے انما جعل الامام لیؤتم بہ فلا تختلفوا علیہ یعنی امام اس لئے مقرر کیا گیا ہے تاکہ اس کی اقتداء کی جائے لہذا اس سے اختلاف مت کرو۔ پس جب وہ حصہ معتبر نہیں ہے تو اس پر جو مبنی ہے وہ بھی فاسد ہوگا اس لئے کہ بنا علی الفاسد، فاسد ہے۔ پس یہ ایسا ہو گیا جیسے ال نے امام کے رکوع کرنے سے پہلے ہی اپنا سر اس رکوع سے اٹھا لیا ہو۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ شرط جو از ایک جز میں شرکت ہے سو ایک جز میں شرکت پائی گئی یعنی جز اول میں اگرچہ شرکت نہیں پائی گئی لیکن جزء آخر میں شرکت پائی گئی ہے اور نماز جائز ہونے کے لئے اس قدر مشارکت کافی ہے جیسا کہ جزء اول میں یعنی مقتدی نے امام کے ساتھ رکوع کیا لیکن امام سے پہلے ہی اپنا سر اٹھا لیا تو جائز ہے کیونکہ ایک جز میں مشارکت پائی گئی۔ اور اگر امام سے پہلے رکوع میں گیا اور امام کے رکوع کرنے سے پہلے ہی اپنا سر اٹھا لیا تو نماز جائز نہ ہوگی۔ کیونکہ اس صورت میں کسی جز کے اندر شرکت نہیں پائی گئی ہے حالانکہ ایک جزء کے اندر شرکت کا پایا جانا ضروری تھا۔ جمیل احمد عثمانی عذہ

باب قضاء الفوائت

ترجمہ..... (یہ) باب فائتہ نمازوں کی قضاء کرنے (کے بیان) میں ہے

تشریح..... گذشتہ باب میں ادا اور اس کے متعلقات کے احکام کا بیان تھا اب اس باب میں قضاء کے احکام ذکر کریں گے۔ چونکہ ادا اصل اور قضاء اس کا خلیفہ ہے اس لئے ادا کو پہلے اور قضاء کو بعد میں ذکر کیا گیا ہے۔ ادا کہتے ہیں عین واجب کو اس کے مستحق کے سپرد کر دینا اور قضاء کہتے ہیں: مثل واجب کو سپرد کرنا۔

فوت شدہ نماز کو قضاء کرنے کا وقت

من فاتتہ صلوٰۃ قضاہا اذا ذکرہا، وقدمہا علی فرض الوقت، والاصل فیہ ان الترتیب بین الفوائت وفرض الوقت عندنا مستحق، وعند الشافعی مستحب، لان کل فرض اصل بنفسہ، فلا یكون شرطاً لغيرہ، ولما قولہ علیہ السلام: من نام عن صلاۃ او نسیہا فلم یدکرہا الا وهو مع الامام، فلیصل الیہ فی الفوائت

۱۶۶ - بیابان شہادۃت

ماچہ میں ہیں اس لیے اس کے نام سے یہ قوموں میں کہا گیا ہے کہ ایک بار ایک دفعہ میں اس قوم نے ہجرت فرما کر ان کے پاس مقیم ہوئے ان کے پاس مقیم ہوئے۔ جب یہ قومیں ایک دوسرے سے ملنے لگیں تو ان کے پاس مقیم ہوئے ان کے پاس مقیم ہوئے۔

ماچہ کے نام سے یہ قوموں میں کہا گیا ہے کہ ایک بار ایک دفعہ میں اس قوم نے ہجرت فرما کر ان کے پاس مقیم ہوئے ان کے پاس مقیم ہوئے۔ جب یہ قومیں ایک دوسرے سے ملنے لگیں تو ان کے پاس مقیم ہوئے ان کے پاس مقیم ہوئے۔

یہ رسالہ لکھنے کے لیے کئی سالوں سے کوشش کی جا رہی ہے۔ اس کے لیے کئی سالوں سے کوشش کی جا رہی ہے۔ اس کے لیے کئی سالوں سے کوشش کی جا رہی ہے۔

یہ رسالہ لکھنے کے لیے کئی سالوں سے کوشش کی جا رہی ہے۔ اس کے لیے کئی سالوں سے کوشش کی جا رہی ہے۔ اس کے لیے کئی سالوں سے کوشش کی جا رہی ہے۔

بیتوں میں سے ان کی قوموں اور مذہبوں

یہ رسالہ لکھنے کے لیے کئی سالوں سے کوشش کی جا رہی ہے۔ اس کے لیے کئی سالوں سے کوشش کی جا رہی ہے۔ اس کے لیے کئی سالوں سے کوشش کی جا رہی ہے۔

یہ رسالہ لکھنے کے لیے کئی سالوں سے کوشش کی جا رہی ہے۔ اس کے لیے کئی سالوں سے کوشش کی جا رہی ہے۔ اس کے لیے کئی سالوں سے کوشش کی جا رہی ہے۔

گیا کہ اگر فائتہ کی قضاء میں ہوا تو وقت نکل جائے گا۔ ایسی صورت میں وقتیہ نماز کو مقدم کرے پھر اس کے بعد فائتہ کی قضاء کرے کیونکہ تین چیزوں سے ترتیب ساقط ہو جاتی ہے۔

(۱) وقت کی تنگی ، (۲) بھول (۳) فوائتہ کی کثرت

کثرت کی مقدار چھ نمازیں ہیں۔ ان چیزوں سے ترتیب اس لئے ساقط ہو جاتی ہے تاکہ وقتیہ کو فوت کرنا لازم نہ آئے۔

تنگی وقت کے باوجود فوت شدہ نماز کو مقدم کر لیا تو کیا حکم ہے

و لو قدم الفائتہ جاز، لان النهی عن تقدیمها لمعنی فی غیرها، بخلاف اذا کان فی الوقت سعة، و قدم الوقتیہ حیث لا یجوز، لانه اداها قبل وقتها الثابت بالحديث

ترجمہ..... اور اگر اس نے (تنگی وقت کے باوجود) فائتہ کو مقدم کیا تو جائز ہے کیونکہ فائتہ کو مقدم کرنے سے ممانعت ایسے معنی کی وجہ سے ہے جو غیر میں ہے برخلاف اس کے جبکہ وقت میں گنجائش ہو اور اس نے وقتیہ نماز کو مقدم کر دیا تو جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس نے اس کو اس وقت سے پہلے ادا کیا ہے جو حدیث سے ثابت ہے۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ اگر تنگی وقت کے باوجود فائتہ نماز پڑھ لی اور وقتیہ کو چھوڑ دیا تو فائتہ ادا ہو جائے گی مگر وقتیہ کو وقت کے اندر ادا نہ کرنے کی وجہ سے گنہگار ہوگا۔ کیونکہ فائتہ کو ایسی حالت تنگی میں مقدم کرنے پر جو ممانعت ہے تو وہ ایسے معنی کی وجہ سے ہے جو غیر میں ہیں یعنی وقتیہ کو چھوڑنا، پس وقتیہ کو چھوڑنے کی وجہ سے فائتہ کی ادا میں کچھ نقصان نہیں ہوا۔ ہاں وقتیہ کو چھوڑنے سے اس پر گناہ عظیم ہو گا۔ اس کے برخلاف اگر وقت میں گنجائش ہو اور پھر وقتیہ کو مقدم کر دیا تو یہ جائز نہیں ہے کیونکہ اس نے وقتیہ کو اس کے وقت سے پہلے ادا کیا ہے۔ وقت سے پہلے ادا کرنا اس لئے لازم آیا ہے کہ حدیث سے ثابت ہے کہ وقتیہ کا وقت فائتہ کے بعد ہے اور جو نماز وقت سے پہلے ادا کی جائے وہ درست نہیں ہوتی اس لئے وقت کے اندر گنجائش کی صورت میں وقتیہ کو فائتہ پر مقدم کرنا جائز نہ ہوگا۔

فوت شدہ نمازوں میں ترتیب کا حکم

و لو فاتتہ صلوات رتبہا فی القضاء کما وجبت فی الاصل، لان النبی علیہ السلام شغل عن اربع صلوات یوم الخندق، فقضاہن مرتباً، ثم قال صلوا کما رأیتمونی اصلی، الا ان یزید القوائت علی ستہ صلوات، لان الفوائت قد کثرت، فتسقط الترتیب فیما بین الفوائت بنفسها کما یسقط بینہا و بین الوقتیہ، و حدیث الکثرة ان تصیر الفوائت ستا بخروج وقت الصلاة السادسة، وهو المراد بالمدکور فی الجامع الصغیر وهو قوله. وان فاتتہ اکثر من صلوات یوم و لیلۃ، اجزائہ التی بدأ بها، لانه اذا زاد علی یوم و لیلۃ، تصیر ستا، وعن محمد انه اعتبر دخول وقت السادسة، والاول هو الصحیح، لان الکثرة بالدخول فی حد التکرار، و ذلك فی الاول

ترجمہ..... اور اگر اس کی چند نمازیں فوت ہو گئیں تو قضاء میں ان کو ترتیب وار بجالاتے جیسے اصل میں واجب ہوئیں۔ کیونکہ حضور ﷺ خندق کے دن چار نمازوں سے مشغول کئے گئے پھر آپ نے ان کو ترتیب کے ساتھ ادا کیا پھر فرمایا کہ تم نماز پڑھا کرو جیسے تم نے نماز پڑھتے ہوئے مجھ

اشرف الہدایہ شرح اردو ہدایہ - جلد دوم

سے کم بے ہوش رہے تو آپ نے نمازوں کی قضاء فرمائی اور عمار بن یاسرؓ پورے ایک دن رات بے ہوش رہے تو انہوں نے بھی ایک دن رات کی نمازوں کی قضاء فرمائی ہے۔ اور حضرت عبد اللہ بن عمرؓ ایک دن رات سے زائد بے ہوش رہے تو آپ نے قضاء نہیں فرمائی۔ پس ان تینوں حضرات کے واقعات سے ثابت ہوا کہ کثرت کی تعریف میں تکرار معتبر ہے یعنی چھٹی نماز کے وقت کا نکل جانا۔

فوت شدہ نمازیں قدیمہ اور حدیثہ ہیں ان کی ادائیگی کا طریقہ کار

ولو اجتمعت الفوائت القديمة والحديثة، قبل يجوز الوقتية مع تذكر الحديثة لكثرة الفوائت، وقيل لا تجوز، ويجعل الماضي كان لم يكن زجوا له عن التهاون

ترجمہ..... اور اگر قضاء نمازیں قدیمہ اور جدیدہ جمع ہوئیں تو کہا گیا کہ وقتیہ کا ادا کرنا جائز ہے باوجودیکہ جدیدہ یاد ہیں کیونکہ فوائت کثیر ہیں اور کہا گیا کہ جائز نہیں ہے اور گذشتہ نمازوں کو معدوم قرار دیا جائے گا۔ تاکہ سستی کرنے کی اس کو تنبیہ ہو سکے۔

تشریح..... فوائت کی دو قسمیں ہیں۔ قدیمہ اور جدیدہ۔ صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے ایک ماہ کی نمازیں چھوڑ دیں پھر یہ اپنی کوتاہی پر نادم ہوا اور فائتہ نمازوں کی قضاء ان کے اوقات میں شروع کر دی پھر اس سے قبل کہ ان فوائت کی قضاء مکمل ہو اور چند نمازیں فوت ہو گئیں لیکن یہ چند نمازیں چھ سے کم ہیں تو پہلی فوت شدہ نمازیں قدیمہ اور یہ بعد کی جدیدہ کہلائیں گی اب اگر اس شخص نے وقتیہ نماز پڑھی اور اس کو یہ مترکہ حدیثہ جدیدہ نمازیں بھی یاد ہیں۔ تو ایسی صورت میں وقتیہ کا پڑھنا جائز ہوگا یا ناجائز ہوگا؟ اس بارے میں بعض متاخرین کا خیال یہ ہے کہ وقتیہ نماز جائز ہو جائے گی۔ کیونکہ فوائت قدیمہ اور حدیثہ دونوں مل کر حد کثرت کو پہنچ جاتی ہیں اور کثرت ترتیب کو ساقط کر دیتی ہے پس جب ترتیب ساقط ہوگئی تو وقتیہ کو فوائت پر مقدم کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے فتویٰ بھی اسی قول پر ہے۔

بعض حضرات نے کہا کہ فوائت حدیثہ سے پہلے وقتیہ کا ادا کرنا جائز نہیں ہے۔ عدم جواز کی دلیل یہ ہے کہ اس شخص نے فوائت قدیمہ کو ادا کرنے میں سستی اور لاپرواہی سے کام لیا ہے پس شریعت نے اس کو زجر و توبیح کرنے کے لئے فوائت قدیمہ کو کان لم یکن (معدوم) قرار دے دیا ہے گویا فوائت قدیمہ اس کے ذمہ تھی ہی نہیں اور جب فوائت قدیمہ کا عدم ہو گئیں تو اب صرف فوائت حدیثہ رہیں۔ اور فوائت حدیثہ چھ نمازوں سے کم ہیں اس لئے خود ان میں بھی ترتیب واجب ہے۔ اور فوائت اور وقتیہ کے درمیان بھی ترتیب واجب ہے پس جب فوائت اور وقتیہ کے درمیان ترتیب واجب ہے تو وقتیہ کو فوائت پر مقدم کرنا جائز نہ ہوگا۔

قضاء کرنے سے فوت شدہ نمازیں کم ہو جائیں ترتیب لوٹے گی یا نہیں..... اقوال فقہاء

ولو قضی بعض الفوائت حتی قل ما بقی، عاد الترتیب عند البعض وهو الاظهر، فانه روى عن محمد فيمن ترك صلاة يوم وليلة، وجعل يقضى من الغد مع كل وقتية فائتة، فالفوائت جائزة على كل حال، والوقتيات فاسدة ان قدمها لدخول الفوائت في حد القلة، وان اخرها فكذلك الا العشاء الاخير، لانه لا فائتة عليه في ظنه حال ادائها

ترجمہ..... اور اگر بعض فوائت کی قضاء کی یہاں تک کہ ما بقی (چھ نمازوں سے) کم رہ گئیں تو بعض کے نزدیک ترتیب لوٹ آئے گی۔

۱۔ اور یہ بھی قابل ذکر ہے کہ انسانوں کے درمیان جو اختلافات ہیں وہ کسی ایک خاص چیز کی وجہ سے نہیں ہوتے بلکہ ان کے وجود کی بنا پر ہوتے ہیں۔ مثلاً انسانوں کے درمیان جو اختلافات ہیں وہ کسی ایک خاص چیز کی وجہ سے نہیں ہوتے بلکہ ان کے وجود کی بنا پر ہوتے ہیں۔

۲۔ اور یہ بھی قابل ذکر ہے کہ انسانوں کے درمیان جو اختلافات ہیں وہ کسی ایک خاص چیز کی وجہ سے نہیں ہوتے بلکہ ان کے وجود کی بنا پر ہوتے ہیں۔ مثلاً انسانوں کے درمیان جو اختلافات ہیں وہ کسی ایک خاص چیز کی وجہ سے نہیں ہوتے بلکہ ان کے وجود کی بنا پر ہوتے ہیں۔

۳۔ اور یہ بھی قابل ذکر ہے کہ انسانوں کے درمیان جو اختلافات ہیں وہ کسی ایک خاص چیز کی وجہ سے نہیں ہوتے بلکہ ان کے وجود کی بنا پر ہوتے ہیں۔ مثلاً انسانوں کے درمیان جو اختلافات ہیں وہ کسی ایک خاص چیز کی وجہ سے نہیں ہوتے بلکہ ان کے وجود کی بنا پر ہوتے ہیں۔

۴۔ اور یہ بھی قابل ذکر ہے کہ انسانوں کے درمیان جو اختلافات ہیں وہ کسی ایک خاص چیز کی وجہ سے نہیں ہوتے بلکہ ان کے وجود کی بنا پر ہوتے ہیں۔ مثلاً انسانوں کے درمیان جو اختلافات ہیں وہ کسی ایک خاص چیز کی وجہ سے نہیں ہوتے بلکہ ان کے وجود کی بنا پر ہوتے ہیں۔

۵۔ اور یہ بھی قابل ذکر ہے کہ انسانوں کے درمیان جو اختلافات ہیں وہ کسی ایک خاص چیز کی وجہ سے نہیں ہوتے بلکہ ان کے وجود کی بنا پر ہوتے ہیں۔ مثلاً انسانوں کے درمیان جو اختلافات ہیں وہ کسی ایک خاص چیز کی وجہ سے نہیں ہوتے بلکہ ان کے وجود کی بنا پر ہوتے ہیں۔

۶۔ اور یہ بھی قابل ذکر ہے کہ انسانوں کے درمیان جو اختلافات ہیں وہ کسی ایک خاص چیز کی وجہ سے نہیں ہوتے بلکہ ان کے وجود کی بنا پر ہوتے ہیں۔ مثلاً انسانوں کے درمیان جو اختلافات ہیں وہ کسی ایک خاص چیز کی وجہ سے نہیں ہوتے بلکہ ان کے وجود کی بنا پر ہوتے ہیں۔

پہلے فجر کی وقتیہ ادا کی پھر کل گذشتہ کی فجر کی قضاء کی پس چونکہ یہ شخص صاحب ترتیب ہے اس لئے وقتیہ کو فوائت پر مقدم کرنے سے وقتیہ نماز فاسد ہوگئی اور فوت شدہ نمازیں چھ ہو گئیں۔ پانچ کل گذشتہ کی اور ایک آج کی نماز فجر، لیکن جب اس نے کل گذشتہ کی نماز فجر کی قضاء کر لی اور وہ درست بھی ہے تو اب فوائت پھر پانچ رہ گئیں چار نمازیں از ظہر تا عشاء گذشتہ کل کی اور ایک آج کی نماز فجر، پھر ظہر کے وقت میں آج کی ظہر کو پہلے ادا کیا اور کل گذشتہ کی ظہر کو بعد میں تو آج کی ظہر فاسد ہوگئی کیونکہ صاحب ترتیب ہونے کے باوجود اس نے وقتیہ کو فوائت پر مقدم کیا ہے پس جب آج کی ظہر فاسد ہوگئی تو پھر چھ نمازیں فوائت ہو گئیں یعنی کل گذشتہ کی ظہر سے آج کی ظہر تک لیکن جب کل گذشتہ کی ظہر کو ادا کر لیا اور وہ جائز بھی ہوگئی تو پھر فوائت پانچ رہ گئیں یعنی کل گذشتہ کی عصر سے آج کی ظہر تک۔ پھر عصر کا وقت آیا اور اس میں آج کی عصر کو پہلے ادا کیا۔ تو صاحب ترتیب ہونے کی وجہ سے وہ فاسد ہوگئی چنانچہ فوائت کی تعداد پھر چھ ہوگئی لیکن جب کل گزشتہ کی عصر کو پڑھا اور وہ درست ہے تو فوائت بھی پانچ باقی ہیں۔ یعنی از مغرب تا عصر، پھر مغرب کے وقت میں وقتیہ کو مقدم یا تو صاحب ترتیب ہونے کی وجہ سے مغرب کی وقتیہ فاسد ہوگئی اور فوائت کی تعداد چھ ہوگئی یعنی کل گذشتہ کی مغرب سے آج کی مغرب تک۔ لیکن جب کل گذشتہ کی مغرب کی قضاء کر لی تو پھر فوائت پانچ رہ گئیں پھر جب عشاء کے وقت میں وقتیہ کو پہلے ادا کیا تو صاحب ترتیب ہونے کی وجہ سے عشاء کی نماز فاسد ہے اور پھر کل فوائت چھ ہو گئیں یعنی کل گذشتہ کی عشاء سے آج کی عشاء تک لیکن جب کل گذشتہ کی عشاء کی قضاء کی اور وہ جائز ہے تو پھر فوائت پانچ رہ گئیں۔

اس تفصیل سے آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ اگر وقتیات کو فوائت پر مقدم کیا تو فوائت جائز اور وقتیات فاسد ہیں اور یہ بھی ثابت ہو گیا کہ فوائت اگر قلیل یعنی چھ سے کم رہ جائیں تو ترتیب عود کر جاتی ہے۔ یہاں اسی کو ثابت کرنا پیش نظر ہے اور اگر وقتیات کو فوائت سے مؤخر کیا گیا تو اس کی تفصیل اس طرح ہے کہ آج فجر کے وقت میں پہلے کل گذشتہ کی فجر ادا ہوگئی ہے۔ لیکن آج کی فجر ادا نہیں ہوئی اس لئے کہ آج کی فجر جو وقتیہ ہے اس کو مقدم کر دیا ہے باقی فوائت پر، حالانکہ وجوب ترتیب کی وجہ سے فوائت کا وقتیہ پر مقدم کرنا لازم تھا۔ اسی طرح باقی نمازوں کو قیاس کر لیجئے لیکن عشاء کے وقت میں جب کل گذشتہ کی عشاء کو پہلے ادا کیا اور پھر آج کی عشاء کو ادا کیا تو امام محمد نے کہا کہ آج کی عشاء درست ہو جائے گی کیونکہ یہ شخص اس کیال میں ہے کہ میرے ذمہ کوئی فائت نہیں ہے حالانکہ آج کی چاروں نمازیں فائت ہیں پس یہ شخص ایسا ہو گیا جیسا کہ فوائت کو بھولنے والا اور یہ بات گذر چکی کہ نسیان ترتیب کو ساقط کر دیتا ہے پس جب ترتیب ساقط ہوگئی تو عشاء کی نماز جائز ہو جائے گی یہ بات ذہن نشین رہے کہ یہ حکم اسی وقت ہے جبکہ یہ جاہل ہو لیکن اگر عالم اور اس مسئلہ سے واقف ہے تو عشاء کی نماز بھی درست نہیں ہوگی۔ واللہ اعلم بالصواب

ظہر کی نماز نہ پڑھنا یا دہونے کے باوجود عصر کی نماز پڑھنے کا حکم، اقوال فقہاء

ومن صلی العصر وهو ذا کر انه لم یصل الظهر، فہی فاسدة الا اذا کان فی آخر الوقت، وہی مسألة الترتیب
وإذا فسدت الفرضیة لا یبطل اصل الصلاة عند ابی حنیفة و ابی یوسف، وعند محمد تبطل، لان التحریمة
عقدت للفرض، فاذا بطلت الفرضیة بطلت التحریمة اصلا، ولهما انها عقدت لاصل الصلوة بوصف
الفرضیة، فلم یکن من ضرورة بطلان الوصف بطلان الاصل

ترجمہ..... اور جس نے عصر پڑھی اس حال میں کہ اس کو یاد ہے کہ اس نے ظہر نہیں پڑھی ہے۔ تو نماز عصر فاسد ہے مگر جب کہ یاد آنا عصر

رکھنے کا حکم ہے۔ پس جب اس نے تنگدستی کی وجہ سے روزے کے ساتھ کفارہ ادا کرنا شروع کیا لیکن دن کے اندر روزے کی حالت میں شخص بالمدار ہو گیا تو اس روزے کا وصف وقوع کفارہ باطل ہو گیا۔ لیکن اصل روزہ باطل نہیں ہوا۔ پس جس طرح یہاں بطلان وصف بطلان اصل نہیں ہوا۔ اسی طرح متن کے مسئلے میں بھی وصف فرضیت کے باطل ہونے سے اصل نماز باطل نہیں ہوگی۔

عصر کی نماز فساد موقوف پر ہوگی کا مطلب

ثم العصر یفسد فسادا موقوفا حتی لو صلی ست صلوات، ولم یعد الظهر، انقلب الكل جائزا، وهذا عند ابن حنیفة، وعندہما یفسد فسادا باتا لاجواز لها بحال، وقد عرف ذلک فی موضع

ترجمہ..... پھر عصر فساد موقوف کے طور پر فاسد ہوگی۔ حتیٰ کہ اگر چھ نمازیں پڑھیں اور ظہر کا اعادہ نہیں کیا تو تمام نمازیں جائز ہو کر لو جائیں گی۔ یہ حکم امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہے۔ اور صاحبین کے نزدیک عصر قطعی طور پر فاسد ہوگی۔ وہ اب کسی حال میں جائز نہیں ہو سکتے ہیں۔ اور یہ اپنے موقع پر معلوم ہو چکا ہے۔

تشریح..... مسئلہ مذکورہ یعنی عصر کی نماز پڑھی اور یہ یاد رہے کہ ظہر کی نماز ابھی نہیں پڑھی ہے۔ تو اس صورت میں فرمایا تھا کہ ترتیب فوت ہونے کی وجہ سے عصر کی نماز فاسد ہے لیکن اس میں اختلاف ہے کہ عصر کی یہ نماز موقوفہ عامہ ہوئی ہے یا قطعاً اور حتماً۔ سو امام ابوحنیفہ نے کہا کہ عصر کی نماز موقوفہ عامہ ہوئی ہے۔ حتیٰ کہ اگر چھ نمازیں پڑھ لیں۔ یعنی آج کی عصر سے کل آئندہ کی عصر تک اور ظہر کی فائت ابھی تک قضاء نہیں کیا ہے تو یہ سب نمازیں جائز ہو جائیں گی۔

دلیل یہ ہے کہ عصر اور اس کے بعد پانچ نمازوں تک فساد کی علت وجوب ترتیب ہے یعنی عصر، مغرب، عشاء، فجر اور اگلے دن کی نماز اس لئے فاسد ہیں کہ اس نے ابھی تک کل گذشتہ کی ظہر کو ادا نہیں کیا ہے۔ حالانکہ ترتیب کا مقتضی یہ تھا کہ پہلے کل گذشتہ کی ظہر کی قضاء کر لیں لیکن جب اس نے اگلے دن کی عصر ادا کی تو اب گویا کل گذشتہ کی ظہر کے بعد چھ نمازیں فاسد ہوئیں اور چھ نمازوں سے کثرت فوائت جاتی ہے اور پہلے گذر چکا کہ کثرت فوائت سے ترتیب ساقط ہو جاتی ہے پس جب اس شخص نے اگلے دن کی عصر ادا کر لی تو کثرت فوائت سے ترتیب ساقط ہو گئی اور جب ترتیب ساقط ہو گئی تو تمام نمازیں جائز ہو جائیں گی۔

صاحبین نے فرمایا کہ عصر کی نماز حتماً اور قطعاً فاسد ہو جائے گی یعنی کسی حال میں بھی جائز نہیں ہو سکتی ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے ظہر کی نماز نہیں پڑھی ہے۔ پھر اس کے بعد کی پانچ وقت تک پانچ نمازیں اپنے اپنے وقت پر پڑھیں تو صاحبین کے نزدیک پانچوں فاسد ہیں۔ صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ ترتیب ساقط ہونے کی علت کثرت فوائت ہے اور قاعدہ ہے کہ حکم علت سے مؤخر ہوتا ہے پس سقوط ترتیب کا حکم اس وقت ہوگا جبکہ فوائت کثیر (چھ) ہو جائیں۔ لہذا فائت یعنی نماز ظہر کی قضاء کئے بغیر اگر پانچ نمازیں اپنے اپنے وقت میں پڑھیں تو پانچوں نمازیں قطعاً طور پر فاسد ہو جائیں گی۔ کیونکہ سقوط ترتیب کی علت نہیں پائی گئی۔

وتر پڑھے بغیر فجر کی نماز پڑھنے کا حکم

ولو صلی الفجر وهو ذا کر انه لم یوتر، فھی فاسدة عند ابی حنیفة خلافا لہما، وهذا بناء علی ان الواجب عندہ سنة عندہما، ولا ترتیب فیما بین الفرائض والسنن، وعلی هذا اذا صلی العشاء، ثم

ہونے کا سبب ہے۔ رہی یہ بات کہ نماز میں دو سجدے مقرر ہونے کی کیا حکمت ہے۔ سو حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ کی زبان حق بیان میں ملاحظہ فرمائیں۔ سجدہ اول نفس کو اس بات پر تنبیہ کرنے کے لئے کہ میں اس خاک سے پیدا ہوا ہوں اور دوسرا سجدہ اس بات پر دلالت ہے کہ میں اسی خاک میں لوٹ جاؤں گا۔ مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی (حاشیہ احکام اسلام عقل کی نظر میں) رقم طراز ہیں کہ اور شیطان نے سجدہ سے انکار کیا تھا اس کو ذلیل کرنے کے لئے دو سجدے فرض ہوئے اور ازل کے عہد کے بعد سجدہ سے اٹھے تو کافروں کا نہ کرنا معلوم ہوا اپنی توفیق کے شکر یہ میں دوسرا ہوا تھا وہ اب بھی ہے۔ (احکام اسلام عقل کی نظر میں)

سجدہ سہو کب واجب ہوتا ہے اور ادائیگی کا طریقہ

يسجد للسهو في الزيادة والنقصان سجدتين بعد السلام، ثم يتشهد ثم يسلم، وعند الشافعي يسجد قبل السلام، لماروي انه عليه السلام سجد للسهو قبل السلام، ولنا قوله عليه السلام: لكل سهو سجدتان بعد السلام، وروي انه عليه السلام سجد سجدتي السهو بعد السلام، فتعارضت روايتا فعله، فبقي التمسك بقوله سالما. ولان سجود السهو مما لا يتكرر، فيؤخر عن السلام حتى لو سهى عن السلام يتجبر به، ولهذا الخلاف في الاولوية، ويأتي بتسليمتين هو الصحيح صرفاً للسلام المذكور الى ما هو المعهود، ويأتي بالصلوة على النبي عليه السلام والدعاء في قعدة السهو، هو الصحيح لان الدعاء موضعه آخر الصلوة

ترجمہ..... زیادتی اور نقصان کی صورت میں سلام کے بعد سہو کے دو سجدے کرے۔ پھر تشهد پڑھے۔ پھر سلام پھیر دے اور امام شافعی کے نزدیک سلام سے پہلے سجدہ کرے کیونکہ مروی ہے کہ حضور ﷺ نے سلام سے پہلے سہو کا سجدہ کیا ہے۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہر سہو کے لئے سلام کے بعد دو سجدے ہیں اور روایت کیا گیا ہے کہ حضور ﷺ نے سلام کے بعد سہو کے دو سجدے کئے ہیں پس آنحضرت ﷺ کے فعل کی دونوں روایتیں متعارض ہیں تو آپ ﷺ کے قول سے استدلال کرنا بلا معارضہ باقی رہ گیا۔ اور اس لئے کہ سجدہ سہو ان چیزوں میں سے ہے جو مکرر نہیں ہوتا۔ لہذا سلام سے مؤخر کیا جائے گا تا کہ اگر سلام سے سہو کرے تو یہ بھی سجدہ سے پورا ہو جائے اور یہ اختلاف اولویت میں ہے اور دو سلام پھیرے یہی صحیح ہے کیونکہ احادیث میں جو سلام مذکور ہے وہ معہود سلام کی طرف مراجع ہے اور سہو کے قعدہ میں حضور ﷺ پر درود پڑھے۔ اور اپنے لئے دعا مانگے یہی صحیح ہے کیونکہ دعا کا مقام نماز کا آخر ہے۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ اگر نماز کے اندر کسی فعل کی زیادتی کردی گئی یا کمی کردی گئی تو اس پر دو سجدے سہو کے واجب ہوں گے۔ رہی یہ بات کہ سلام کے بعد واجب ہوں گے یا سلام سے پہلے تو جواز کے اندر کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ سب کا اتفاق ہے کہ سجدہ سہو سلام سے پہلے کرے یا سلام کے بعد کرے دونوں جائز ہیں البتہ روایات میں اختلاف ہے! چنانچہ احناف کے نزدیک سلام کے بعد اولیٰ ہے اور امام شافعی کے نزدیک سلام سے پہلے اولیٰ ہے۔ اور امام مالک نے فرمایا کہ اگر مصلیٰ کا سہو نقصان سے ہے تو سجدہ سہو سلام سے پہلے کرے اور اگر زیادتی ہوگئی تو سلام کے بعد سجدہ سہو کرے۔

امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے سجدہ سہو سلام سے پہلے کیا ہے جیسا کہ صحاح ستہ میں عبد اللہ بن مالک کی حدیث ہے۔ بخاری کے الفاظ یہ ہیں۔ ان النبي ﷺ صلى الظهر فقام في الركعتين الاوليين ولم يجلس فقام الناس معه حتى اذا

۴۴۶-۴۴۷-۴۴۸-۴۴۹-۴۵۰-۴۵۱-۴۵۲-۴۵۳-۴۵۴-۴۵۵-۴۵۶-۴۵۷-۴۵۸-۴۵۹-۴۶۰

انہوں نے کہنے لگے کہ، میں نے کبھی نہیں دیکھا ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے آراستہ کیا ہو، وہ اس شخص کے لیے کبھی اس قدر عذاب نہیں بھیجتا، جتنے اس شخص کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے آراستہ کیا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا سے مل سکے۔ اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کی رضا سے محروم ہو جائے، تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو عذاب بھیجتے ہیں، ان سے وہ بھی بچ سکتا ہے۔

جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے آراستہ کیا ہے، وہ اس شخص کے لیے کبھی اس قدر عذاب نہیں بھیجتا، جتنے اس شخص کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے آراستہ کیا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا سے مل سکے۔ اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کی رضا سے محروم ہو جائے، تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو عذاب بھیجتے ہیں، ان سے وہ بھی بچ سکتا ہے۔

یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا سے مل سکے۔ اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کی رضا سے محروم ہو جائے، تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو عذاب بھیجتے ہیں، ان سے وہ بھی بچ سکتا ہے۔

یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا سے مل سکے۔ اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کی رضا سے محروم ہو جائے، تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو عذاب بھیجتے ہیں، ان سے وہ بھی بچ سکتا ہے۔

شیخین کی دلیل یہ ہے کہ درود اور دعا ختم صلوة کے قعدے میں پڑھے جاتے ہیں اور جس شخص پر سجدہ سہو واجب ہو اس کا وہ سلام جو سجدہ سہو کے لئے ہے وہ نماز سے نکال دیتا ہے۔ پس جب یہ سلام نماز سے نکال دیتا ہے تو قعدہ صلوة ہی قعدہ ختم ہوا اور امام محمد کے نزدیک چونکہ ہی سلام نماز سے خارج نہیں کرتا بلکہ سجود سہو کے بعد جو سلام ہے وہ نماز سے نکال دیتا ہے اس لئے قعدہ سہو قعدہ ختم ہو گا نہ کہ قعدہ صلوة اور درود اور دعا کا مقام چونکہ نماز کا آخر ہے اس لئے قعدہ سہو میں درود اور دعا پڑھے گا نہ کہ قعدہ صلوة میں۔ امام محمد کا قول ہی مفتی بہ ہے۔

سجدہ سہو ہر اس زیادتی سے لازم ہوتا ہے جو جنس صلوة ہو مگر جزء صلوة نہ ہو

قال ويلزمه السهو اذا زاد في صلوته فعلا من جنسها ليس منها، وهذا يدل على ان سجدة السهو واجبة هو الصحيح؛ لانها تجب لجبر نقصان تمكن في العبادة، فتكون واجبة كالدعاء في الحج، واذا كان واجبا لا يجب الا بترك واجب او تاخيره او تاخير ركن ساهيا، لهذا هو الاصل، وانما وجبت بالزيادة لانها لا تعرى عن تاخير ركن او ترك واجب

ترجمہ۔۔۔ اور سہو لازم ہوگا جبکہ اپنی نماز میں ایسا فعل زیادہ کیا جو نماز کی جنس تو ہے (لیکن) نماز کا جزء نہیں ہے اور یہ اس بات پر دال ہے کہ سجدہ سہو واجب ہے۔ یہی صحیح ہے کیونکہ سجدہ سہو اس نقصان کو پورا کرنے کے لئے واجب ہے، جو نقصان عبادت میں متمکن ہو گیا پوپہ واجب ہوگا، جیسا کہ حج کے اندر قربانیاں ہیں اور جب یہ سجدہ واجب ٹھہرا تو واجب نہ ہوگا مگر سہو ترک واجب سے، تاخیر سے یا کسی رکن کی تاخیر سے ضابطہ یہی ہے اور سجدہ سہو زیادتی سے اس لئے واجب ہوگا کہ وہ کسی رکن کی تاخیر یا ترک واجب سے خالی نہیں ہوتا۔

تشریح۔۔۔ اول باب میں بیان کیا تھا کہ سجدہ سہو زیادتی اور نقصان کی وجہ سے واجب ہوتا ہے مگر یہ ذکر نہیں کیا گیا کہ کون سی زیادتی اور نقصان موجب سہو ہے پس یہاں سے اسی کی تفصیل اور تفسیر مذکور ہے۔ چنانچہ صاحب قدوری نے فرمایا ہے کہ سجدہ سہو ہر اس فعل کو زیادہ کرنے سے لازم ہوگا جو فعل نماز کی جنس سے تو ہے مگر نماز کا جزء نہیں ہے۔ مثلاً ایک رکعت کے دو رکوع کر لئے یا تین سجدے کر لئے تو ایک رکوع اور ایک سجدہ جو زائد ہے وہ اگرچہ نماز کی جنس سے ہے مگر نماز کا جزء نہیں ہے۔ لہذا ایک رکوع کے بجائے دو رکوع کے دو سجدوں کی جگہ تین سجدے کے تو اس زیادتی کی وجہ سے سجدہ سہو واجب ہو جائے گا۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ ما تن کا قول ویلزمہ السهو اذا زاد الخ سجدہ سہو کے واجب ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ اور وجوب کا قول ہی صحیح ہے اسی کے قائل امام مالک اور امام احمد ہیں اور بعض علماء احناف جیسے امام ابوالحسن کرخی فرماتے ہیں کہ سجدہ سہو سنت ہے۔ قول صحیح کی دلیل یہ ہے کہ سجدہ سہو اس نقصان کو پورا کرنے کے لئے واجب ہوتا ہے، جو عبادت میں پیدا ہو گیا ہے چنانچہ اگر سجدہ سہو کے ذریعے نقصان پورا نہ کیا گیا تو نماز کا اعادہ واجب ہوگا تا کہ نقصان پورا ہو پس جب نقصان پورا کرنے کے لئے نماز کا اعادہ واجب ہے تو سجدہ سہو بھی واجب ہوگا کیونکہ اس سے بھی نقصان پورا ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ نماز کے اعادہ سے نقصان پورا ہو جاتا ہے اور سجدہ سہو کی مثال ایسی ہے جیسے حج کے اندر دم جنایت، یعنی احرام کی حالت میں اگر جنایت ہو گئی تو اس سے حج کے اندر نقصان پیدا ہو جائے گا اور اس نقصان کی تلافی دم جنایت (قربانی) سے ہوگی اور دم جنایت واجب ہوتا ہے جس طرح حج کے اندر دم جنایت واجب ہے اسی طرح نماز کے اندر سجدہ سہو واجب ہے۔

ترجمہ..... کہا کہ یا فاتحہ کی قرأت چھوڑ دی کیونکہ (نماز میں فاتحہ پڑھنا) واجب ہے، یا دعاء قنوت چھوڑ دے یا تشہد یا تکبیرات عیدین چھوڑ دے کیونکہ یہ چیزیں واجبات ہیں۔ اس لئے کہ حضور ﷺ نے ان پر مواظبت فرمائی ہے بغیر کبھی ترک کئے اور یہ علامت ہے وجوب کی۔ اور اس لئے کہ یہ چیزیں پوری نماز کی طرف منسوب کی جاتی ہیں۔ پس اس بات پر دلالت ہوئی کہ یہ چیزیں نماز کے خصائص میں سے ہیں۔ اور یہ اختصاص واجب ہونے کی وجہ سے ہوگا۔ پھر تشہد کا (مطلقاً) ذکر کرنا احتمال رکھتا ہے قعدہ اولیٰ اور ثانیہ کا اور ان دونوں میں التحیات پڑھے جانے کا۔ اور ان میں سے ہر ایک واجب ہے اور ان کے ترک میں سجدہ سہولاً لازم ہے۔ یہی صحیح ہے۔

تشریح..... اس عبارت میں ان چیزوں کی تفصیل ہے جن کے ترک کر دینے سے سجدہ سہو واجب ہو جاتا ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ نماز کے اندر قرأت فاتحہ کو چھوڑنا بھی موجب سجدہ ہے کیونکہ قرأت فاتحہ واجب ہے لیکن یہ خیال رہے کہ فرض کی پہلی دو رکعتوں میں ترک فاتحہ سے سجدہ سہو واجب ہوگا اور آخر کی دو رکعتوں میں ترک فاتحہ سے سجدہ واجب نہیں ہوگا۔ کیونکہ آخر کی دو رکعتوں میں فاتحہ کا پڑھنا واجب نہیں ہے بلکہ مستحب ہے۔ البتہ امام ابوحنیفہؒ سے حسن بن زیاد کی روایت یہ ہے کہ آخرین میں بھی ترک قرأت فاتحہ سے سجدہ سہو واجب ہو جائے گا۔

نماز وتر میں دعاء قنوت چھوڑنا اور تشہد کا چھوڑنا اور تکبیرات عیدین کو چھوڑنا یہ سب موجب سجدہ ہیں۔ دلیل یہ ہے کہ یہ تینوں چیزیں واجب ہیں اور ترک واجب سے سجدہ سہو واجب ہو جاتا ہے لہذا ان کے ترک سے بھی سجدہ واجب ہو جائے گا۔ اور ان چیزوں کے واجب ہونے کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان چیزوں پر مداومت فرمائی ہے اور کبھی ترک نہیں کیا ہے اور رسول پاک ﷺ کا کسی چیز پر بغیر ترک کئے مداومت فرمانا اس کے واجب ہونے کی علامت ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ ان چیزوں کو پوری نماز کی طرف منسوب کیا جاتا ہے چنانچہ کہا جاتا ہے قنوت الوتر تکبیرات صلاۃ عیدین، تشہد صلاۃ۔ پس ان چیزوں کو پوری نماز کی طرف منسوب کیا جانا دلیل ہے اس بات کی کہ یہ چیزیں نماز کے خصائص میں سے ہیں۔ اور اختصاص ثابت ہوتا ہے وجوب سے۔ پس ثابت ہوا کہ یہ چیزیں واجبات میں سے ہیں۔

صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ شیخ ابوالحسن قدوری نے لفظ تشہد ذکر کیا ہے۔ اور لفظ تشہد قعدہ اولیٰ اور قعدہ اخیرہ اور التحیات پڑھنے پر بولا جاتا ہے اور ان میں سے ہر ایک واجب ہے اور ان سب کے ترک میں سجدہ سہولاً لازم ہے یہی قول صحیح ہے۔

ہدایہ کی اس عبارت پر اعتراض ہے وہ یہ کہ صاحب ہدایہ نے فرمایا ہے وکل ذلك واجب اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قعدہ اخیرہ بھی واجب ہے حالانکہ قعدہ اخیرہ واجب نہیں ہے بلکہ فرض ہے اس کو ترک کرنے سے نمازی فاسد ہو جاتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ عبارت میں تخصیص ہے یعنی قعدہ اخیرہ کے ترک سے مراد اس کی تاخیر ہے یعنی بغیر قعدہ اخیرہ کئے اگر پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہو گیا اور پانچویں رکعت کو سجدہ کے ساتھ مقید نہیں کیا بلکہ قعدہ کی طرف لوٹ آیا تو سجدہ سہو کر کے نماز پوری کر لے چونکہ تاخیر میں بھی ایک گونہ ترک ہے اس لئے تاخیر کو ترک کے ساتھ تعبیر کر دیا گیا۔

جہری نماز میں سر اور سری نماز میں جہر قرأت سے بھی سجدہ سہو واجب ہوتا ہے

رہی یہ بات کہ جہری نماز میں کس قدر اخفاء کرنے سے اور سری نماز میں کس قدر جہر کرنے سے سجدہ واجب ہوتا ہے سو اس بارے میں روایات مختلف ہیں۔ چنانچہ طاہر الروایہ میں ہے کہ دونوں صورتوں میں قلیل و کثیر برابر ہیں، یعنی جہری نماز میں اخفاء کیا یا سری نماز میں جہر کیا خواہ قلیل مقدار یا کثیر مقدار دونوں صورتوں میں سجدہ سہو واجب ہو جائے گا۔ صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ صحیح بات یہ ہے کہ جس مقدار سے نماز درست ہو جاتی ہے اس کے اخفاء اور جہر سے دونوں صورتوں میں سجدہ سہو میں اتنی مقدار کے ساتھ اخفاء کیا تو سجدہ سہو واجب ہو جائے گا کیونکہ جہر اور اخفاء کی تھوڑی سی مقدار سے بچنا ممکن نہیں ہے البتہ مقدار کثیر سے بچنا ممکن ہے۔ اس لئے سہو کا حکم مقدار کثیر کے ساتھ متعلق ہو گا نہ کہ مقدار قلیل کے ساتھ۔ اور جس قدر قرأت سے نماز درست ہو جاتی ہے وہ کثیر ہے اور اس سے کم قلیل ہے۔

رہی یہ بات کہ ما یجوز بہ الصلوٰۃ کی مقدار کیا ہے تو اس بارے میں اختلاف ہے امام ابوحنیفہ کے نزدیک ایک آیت ہے اور صاحبین کے نزدیک تین آیتیں ہیں۔

صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ سری نمازوں میں جہر کی وجہ سے اور جہری نمازوں میں اخفاء کی وجہ سے وجوب سجدہ کا حکم امام کے حق میں ہے منفرد کے حق میں نہیں یعنی اگر امام نے ایسا کیا تو سجدہ سہو واجب ہو گا اور اگر منفرد نے کیا تو سجدہ سہو واجب نہیں ہو گا۔ دلیل یہ ہے کہ جہر اور مخالفت جماعت کے خصائص میں سے ہے یعنی جہری نمازوں میں جہر اور سری نمازوں میں اخفاء جماعت کی صورت میں ہوتا ہے۔ اور اگر کوئی تنہا نماز پڑھتا ہو تو اس کو اختیار ہے، جہر کے ساتھ قرأت کرے یا اخفاء کے ساتھ کرے۔ پس جب منفرد پر جہر یا اخفاء واجب نہیں ہے تو اس کو ترک کر دینے سے سجدہ بھی واجب نہیں ہو گا۔ اور امام پر چونکہ واجب ہے اس لئے امام کے ترک کر دینے کی صورت میں امام پر سجدہ واجب ہو گا۔ اس پر بعض لوگوں نے اعتراض کیا ہے وہ یہ کہ جہری نمازوں میں وجوب جہر کا جماعت کے خصائص میں سے ہونا تو تسلیم ہے کیونکہ جہری نمازوں میں منفرد کو اختیار ہے کہ وہ بالجہر قرأت کرے یا بالاخفاء لیکن سری نماز میں وجوب مخالفت کا جماعت کے خصائص میں سے ہونا تسلیم نہیں ہے۔ کیونکہ سری نمازوں میں منفرد پر بھی اخفاء کے ساتھ قرأت کرنا واجب ہے۔ لہذا سری نمازوں میں ترک اخفاء کی وجہ سے منفرد پر بھی سجدہ سہو واجب ہونا چاہئے حالانکہ صاحب ہدایہ نے فرمایا ہے کہ اس صورت میں بھی منفرد پر سجدہ سہو واجب نہیں ہو گا۔

جواب..... یہ نوادر کی روایت ہے یعنی سری نمازوں میں منفرد پر مخالفت کا واجب ہونا نوادر کی روایت ہے اور ظاہر الروایہ کے مطابق تو منفرد پر مخالفت واجب نہیں ہے کیونکہ دن کی نمازوں میں قرأت کے ساتھ اخفاء کرنا اس لئے واجب ہوا تھا تا کہ کفار کی طرف سے واقع ہونے والے مغالطہ کو دور کیا جائے اور کفار کا قرأت میں مغالطہ پیدا کرنا اسی وقت ہو گا جب کہ نماز بر سبیل شہرت ادا کی جائے اور منفرد کی نماز بر سبیل شہرت نہیں ہوتی اس لئے اس پر اخفاء کرنا واجب نہ ہو گا۔ بلکہ اس کو اختیار ہو گا کہ وہ سری نمازوں میں بھی اخفاء کے ساتھ قرأت کرے یا جہر کے ساتھ کرے اور جب منفرد کو اختیار ہے تو ترک اخفاء کی وجہ سے اس پر سجدہ سہو واجب نہ ہو گا۔ (عنایہ)

امام کے بھولنے سے امام اور مقتدی دونوں پر سجدہ سہو لازم ہے

قال وسهو الامام یوجب علی المؤمن سجود لتقرر السبب الموجب فی حق الاصل ولہذا یلزمہ حکم
الاقامة بنیۃ الامام فان لم یسجد الامام لم یسجد المؤمن لانه لا یصیر مخالفا وما التزم الاداء الامتبا

کے ساتھ سجدہ کرے گا پہلی صورت میں امام کی مخالفت کرنا لازم آئے گا اور دوسری صورت میں قلب موضوع لازم آئے گا یعنی امام جو کہ تھا وہ تابع ہو جائے گا اور مقتدی جو تابع تھا اصل ہو جائے گا۔ اور یہ دونوں باتیں جائز نہیں ہیں۔ یعنی مخالفت امام اور قلب موضوع۔ پس جب یہ دونوں باتیں جائز نہیں ہیں تو مقتدی پر سجدہ سہو بھی واجب نہ ہوگا۔

قعدہ اولیٰ بھول گیا پھر یاد آیا اگر بیٹھنے کے قریب ہے تو بیٹھ جائے اور سجدہ سہو کرے گا یا نہیں

ومن سہی عن القعدة الاولى ثم تذكر وهو الى حالة القعود اقرب عاد وقعدہ وتشهد لان ما يقرب من الشئ يأخذ حكمه ثم قيل يسجد للسهو للتاخير والاصح انه لا يسجد كما اذا لم يقم ولو كان الى القيام اقرب لم يعد لانه كالقائم معني ويسجد للسهو لانه ترك الواجب

ترجمہ..... اور جو شخص قعدہ اولیٰ کو بھول گیا پھر یاد کیا ایسی حالت میں کہ وہ حالت قعود سے زیادہ قریب ہو تو عود کرے اور قعدہ کرے اور تشہد پڑھے کیونکہ جو شے کسی چیز سے قریب ہو وہ اسی کا حکم لے لیتی ہے۔ پھر کہا گیا کہ تاخیر کی وجہ سے سجدہ سہو کرے۔ اور اصح یہ ہے کہ سجدہ نہ کرے جیسے وہ کھڑا ہی نہیں ہوا اور اگر قیام سے زیادہ قریب ہو تو قعدہ کی طرف عود نہ کرے کیونکہ یہ معنی قائم کے مانند ہے اور سجدہ سہو کرے کیونکہ اس نے واجب ترک کیا ہے۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ رباعی یا ثلاثی فرضوں میں اگر کسی نے قعدہ اولیٰ کو فراموش کر دیا اور پھر یاد آیا تو دو صورتیں ہیں یا تو قعود کے زیادہ قریب ہوگا یا اس طور کہ اس نے اپنے گھٹنوں کو اٹھایا ہے اور یا قیام سے زیادہ قریب ہوگا یا اس طور کہ اس نے اپنے گھٹنوں کو اٹھایا ہے پس اگر اول صورت ہے تو عود کر کے قعدہ کرے اور تشہد پڑھے۔ کیونکہ قریب الشئ شئی کا حکم لے لیتی ہے۔ جیسے نماز جمعہ اور نماز عیدین کے حق میں فناء شہر کو شہر کا حکم حاصل ہے۔ رہی یہ بات کہ اس صورت میں سجدہ سہو واجب ہوگا یا نہیں تو بعض حضرات کی رائے ہے کہ سجدہ سہو واجب ہوگا کیونکہ قعدہ اولیٰ جو واجب ہے اس میں تاخیر پائی گئی اور قول صحیح یہ ہے کہ سجدہ واجب نہیں ہوا ہے اس لئے کہ جب قریب الشئ کو شے کا حکم دے دیا گیا تو گویا وہ کھڑا ہی نہیں ہوا اور جب قعدہ اولیٰ کو چھوڑ کر قیام متحقق نہیں ہوا تو قعدہ اولیٰ میں تاخیر بھی نہیں پائی گئی اور جب تاخیر نہیں پائی گئی تو سجدہ سہو بھی واجب نہیں ہوگا۔ اور اگر دوسری صورت ہے تو یہ شخص قعدہ کی طرف نہ لوٹے بلکہ تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہو جائے کیونکہ ابھی یہ ضابطہ گزرا ہے کہ قریب الشئ کو شے کا درجہ دے دیا جاتا ہے پس جب یہ شخص قیام سے قریب تر ہے تو معنی قائم ہی کے مرتبہ میں ہے اور قائم کے لئے قعدہ اولیٰ کے واسطے لوٹنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ تیسری رکعت کا قیام فرض ہے اور قعدہ اولیٰ واجب ہے اور واجب کی وجہ سے فرض کو چھوڑنا درست نہیں ہے البتہ اس صورت میں سجدہ سہو واجب ہوگا۔ کیونکہ اس نے واجب یعنی قعدہ اولیٰ کو ترک کر دیا ہے۔

اور اگر کھڑے ہونے کے قریب ہے کھڑا ہو جائے اور سجدہ سہو کرے

وان سہی عن القعدة الاخيرة حتى قام الى الخامسة رجع الى القعدة مالم يسجد لان فيه اصلاح صلاح وامكنه ذلك لان مادون الركعة بمحل الرفض قال والغى الخامسة لانه رجع الى شئ محله قبلها فيرفض ويسجد للسهو لانه اخر واجبا

سے حائث ہو جائے گا۔ اور اس کی نماز بدل کر نفل ہو گئی ہے شیخین کے نزدیک۔ امام محمد کا اختلاف ہے اسی بنا پر جو گنہگار چکا ہے۔

تشریح صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر قعدہ اخیرہ بھول گیا اور پانچویں رکعت کو سجدہ کے ساتھ مقید کر دیا تو ہمارے نزدیک اس کا فرض باطل ہو گیا۔ امام شافعی نے فرمایا کہ اس کا فرض باطل نہیں ہوا بلکہ وہ قعدہ کی طرف عود کر کے تشہد پڑھے اور سجدہ سہو کر کے سلام پھیر دے۔ یہ اس وقت ہے جب پانچویں رکعت کے لئے بھول کر کھڑا ہو گیا ہو لیکن اگر پانچویں رکعت کے لئے عمداً کھڑا ہوا اور قعدہ اخیرہ ترک کر دیا تو ہمارے نزدیک اس صورت میں بھی اگر پانچویں رکعت کا سجدہ نہیں کیا ہے تو اس کی نماز فاسد نہ ہوگی جس طرح کہ بھول کر کھڑے ہونے کی صورت میں نماز فاسد نہیں ہوتی۔ اور امام شافعی نے فرمایا کہ یہ شخص جو نہی پانچویں رکعت کے لئے عمداً کھڑا ہوا تو اس کی نماز فاسد ہوگی۔

حاصل یہ ہے کہ اس مسئلے میں ہمارے اور شوافع کے درمیان دو جگہ اختلاف ہے۔ ایک تو یہ کہ بھول کر اگر ایک رکعت زیادہ کر دی جائے چار کے بجائے پانچ ہو گئیں، تو ہمارے نزدیک پانچویں رکعت کو نہ چھوڑے بلکہ چھٹی رکعت اس کے ساتھ اور ملالے اور امام شافعی کے نزدیک پانچویں رکعت کو اسی طرح چھوڑ دیا جائے گا جس طرح ایک رکعت سے کم کو چھوڑ کر قعدہ کی طرف عود کرنے کا حکم ہے۔ دوم یہ کہ اگر ایک رکعت سے کم کی زیادتی عمداً کی گئی ہے تو ہمارے نزدیک نماز فاسد نہ ہوگی اور امام شافعی کے نزدیک فاسد ہو جائے گی۔

اگر پانچویں رکعت کے لئے بھول کر کھڑا ہوا اور اس کو سجدہ کے ساتھ بھی مقید کر دیا تو ہمارے نزدیک اس کا فرض باطل ہو گیا۔ امام شافعی نے فرمایا کہ اس کا فرض باطل نہیں ہوا۔ اس پر امام شافعی کی دلیل یہ روایت ہے ان النبی ﷺ صلی الظهر خمسا آنحضرت ﷺ نے ظہر کی پانچ رکعتیں پڑھیں اور یہ منقول نہیں ہے کہ آپ ﷺ نے چوتھی رکعت پر قعدہ کیا اور نہ یہ منقول ہے کہ آپ نے اپنی نماز کا اعادہ کیا ہے۔ دوسری دلیل یہ کہ اس شخص نے اپنی نماز میں بھول کر اس چیز کا اضافہ کیا ہے جو داخل نماز نہیں ہے لہذا اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی۔ جیسا کہ ایک رکعت سے کم یا زیادہ کرنے کی صورت میں نماز فاسد نہیں ہوتی۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ شخص مع السجدہ پانچویں رکعت پڑھنے کی وجہ سے نفل کو شروع کرنے والا ہو گیا حالانکہ ابھی تک فرض نماز تمام ارکان مکمل نہیں ہو سکے کیونکہ قعدہ اخیرہ جو رکن ہے وہ نہیں پایا گیا اور فرض نماز کے تمام ارکان مکمل ہونے سے پہلے پختگی کے ساتھ نماز شروع کرنا فرض نماز کو فاسد کرنے والا ہے۔ اس لئے کہ فرض اور نفل کے درمیان منافات ہے۔ اور حسب احد المتنافیین متحقق ہو گیا۔ تو آخر یعنی فرض متقی ہو گیا۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ رکعت بلا سجدہ حقیقہ نماز نہیں ہے اور سجدہ کے ساتھ حقیقہ صلوٰۃ ہے۔ چنانچہ اگر کسی نے قسم کھائی اور وہ اصل صلوٰۃ کا حصہ ہے تو اس کا فرض باطل ہو جائے گا۔

امام ابو الحسن قدوری نے فرمایا کہ پانچویں رکعت کو سجدہ کے ساتھ مقید کرنے کی وجہ سے فرض کے باطل ہونے میں اختلاف ہے۔ ہمارے نزدیک وصف فرضیت باطل ہوا ہے نہ کہ اصل صلوٰۃ یعنی فرض ہونا باطل ہو گیا البتہ نفل ہونا باقی ہے اور امام محمد کے نزدیک اصل صلوٰۃ باطل ہو گئی یعنی یہ نماز جو بغیر قعدہ اخیرہ کے پڑھی گئی ہے نہ فرض شمار ہوگی اور نہ نفل شمار ہوگی۔ فریقین کے دلائل باب قضاء الغواصت میں چکے ہیں کہ شیخین کے نزدیک بطلان وصف، بطلان اصل کو مستلزم نہیں ہے اور امام محمد کے نزدیک بطلان وصف بطلان اصل کو مستلزم ہوتا ہے۔ امام شافعی کی پیش کردہ حدیث کا جواب تو صاحب عنایہ نے فرمایا ہے کہ حضور ﷺ چوتھی رکعت پر قعدہ اخیرہ میں بیٹھے ہیں امام محمد اس بات کی یہ ہے کہ راوی نے کہا ہے صلی الظهر خمسا اور ظہر نام ہے تمام ارکان صلوٰۃ کا اور تمام ارکان میں قعدہ بھی ہے۔

کے بعد ہی فرض باطل ہوگا۔ اس سے پہلے باطل نہیں ہوگا۔

امام محمدؒ نے اپنے قول کی تائید میں کہا ولم یصح مع الحدث یعنی حدث کے ساتھ سر اٹھانا درست نہیں ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اگر اتفاق ہے کہ جس رکن میں حدث پایا جائے اس رکن کا اعادہ واجب ہے پس امام محمدؒ نے فرمایا کہ اگر پانچویں رکعت کے بعد حدث لاحق ہو گیا تو اس کا اعادہ بالاتفاق واجب ہے اور جب اس کا اعادہ واجب ہو تو معلوم ہوا کہ فقط پیشانی ٹیکنے سے سجدہ مکمل نہیں ہوا اگر فقط پیشانی ٹیکنے سے سجدہ پورا ہو جاتا تو حدث پیش آنے کی صورت میں اس کا اعادہ واجب نہ ہوتا کیونکہ حدث پیش آنے سے پہلے ہی سجدہ پورا ہو گیا ہوتا۔ بہر حال یہ بات ثابت ہوگئی کہ سجدہ کی تکمیل پیشانی زمین سے اٹھا کر ہوتی ہے نہ کہ فقط زمین پر ٹیکنے سے۔

امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے درمیان اختلاف کا ثمرہ اس صورت میں ظاہر ہوگا کہ اس شخص کو پانچویں رکعت کے سجدے میں حدث لاحق ہو گیا پس یہ شخص وضو کرنے کے لئے گیا اب اس کو یاد آیا کہ چوتھی رکعت کے بعد قعدہ اخیرہ نہیں کیا ہے تو امام محمدؒ کے نزدیک یہ شخص وضو کرے اور قعدہ اخیرہ کی طرف عود کر کے اپنی فرض نماز کو پورا کرے بایں طور کہ تشهد پڑھے۔ سجدہ سہو کرے اور سلام پھیر دے کیونکہ امام محمدؒ کے نزدیک زمین پر سے سر اٹھانے سے پہلے پہلے سجدہ کامل نہیں ہوتا۔ اور حدث کے ساتھ سر اٹھانا درست نہیں ہے۔ پس گویا امام محمدؒ کے نزدیک یہ سجدہ معتبر نہیں ہوا اور جب سجدہ معتبر نہیں ہوا تو گویا پانچویں رکعت کو سجدہ کے ساتھ مقید کرنا نہیں پایا گیا اور جب پانچویں رکعت کو سجدہ کے ساتھ مقید کرنا نہیں پایا گیا تو اس کا فرض بھی باطل نہیں ہوا اور جب فرض باطل نہیں ہوا تو قعدہ اخیرہ کی طرف عود کر کے فرض کو پورا کر لے۔ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ شخص اپنی نماز پر بنا نہ کرے کیونکہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک پیشانی زمین پر ٹیکنے سے سجدہ مکمل ہو گیا ہے اور جب پانچویں رکعت کا سجدہ مکمل ہو گیا تو اس کا فرض باطل ہو گیا اور جب فرض باطل ہو گیا تو اس پر بناء کرنا جائز نہیں کیونکہ باطل پر بناء نہیں کی جاتی۔

قعدہ اخیرہ مقدار تشهد بیٹھا پھر سلام پھیرے بغیر پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہو

گیا جب پانچویں رکعت کا سجدہ نہیں کیا لوٹ آئے

ولو قعد فی الرابعة ثم قام ولم یسلم عاد الی القعدة مالم یسجد للخامسة وسلم، لان التسليم فی حالة التمام غیر مشروع وامکنه الاقامة علی وجهه بالعود لان ما دون الركعة بمحل الرقص

ترجمہ..... اور اگر چوتھی رکعت پر قعدہ کیا پھر کھڑا ہو گیا اور سلام نہیں پھیرا تو قعدہ کی طرف عود کرے جب تک کہ پانچویں رکعت کے سجدہ نہیں کیا اور سلام پھیرے کیونکہ قیام کی حالت میں سلام پھیرنا مشروع نہیں ہے اور وجہ مشروع پر قعدہ کی طرف عود کرنے کے ساتھ کو قائم کرنا ممکن بھی ہے کیونکہ ایک رکعت سے کم چھوڑے جانے کا نفل ہے۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر مصلیٰ نے مقدار تشهد چوتھی رکعت پر قاعدہ کیا، اور سلام نہیں پھیرا بلکہ بھول کر کھڑا ہو گیا تو جب پانچویں رکعت کے لئے سجدہ نہیں کیا قعدہ کی طرف لوٹ جائے لیکن قعدہ کی طرف لوٹ آنے کے بعد تشهد کا اعادہ نہ کرے بلکہ سجدہ کے سلام پھیر دے۔

دلیل نقلی تو یہ ہے کہ ایک بار آنحضرت ﷺ پانچویں رکعت کے لئے کھڑے ہو گئے پیچھے سے کسی نے بذریعہ تسبیح آپ ﷺ کو متنبہ کیا

تعدہ کی طرف لوٹ گئے۔ پھر آپ ﷺ نے سلام پھیرا اور سجدہ سہو کیا۔ عقلی دلیل یہ ہے کہ قیام کی حالت میں سلام پھیرنا مشروع نہیں ہے اور مشروع طریقہ پر سلام پھیرنا ممکن ہے بایں طور کہ قعدہ کی طرف لوٹ جائے۔ رہی یہ بات کہ اس صورت میں پانچویں رکعت کا چھوڑنا لازم آتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ پانچویں رکعت کا سجدہ کرنے سے پہلے پہلے وہ ایک رکعت سے کم ہے اور ایک رکعت سے کم چھوڑنے کے لئے مکمل ہے یعنی ایک رکعت سے کم کو چھوڑنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے جیسے ایک شخص کسی نماز کی رکعت اولیٰ میں ہے اور ابھی تک اس کو سجدہ کے ساتھ مقید نہیں کیا ہے یہاں تک کہ مؤذن نے تکبیر شروع کر دی تو اس شخص کو چاہئے کہ وہ اس رکعت کو چھوڑ کر جماعت میں شریک ہو جائے۔ رہی یہ بات کہ ایک رکعت سے کم کو کیوں چھوڑا جا سکتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ رکعت کو جب سجدہ کے ساتھ مقید کر دیا اور رکعت پوری ہو گئی تو اس کو نماز کا حکم حاصل ہو گیا اور نماز کو باطل کرنا جائز نہیں ہے اس لئے کہ ارشاد خداوندی ہے لَا تُبْطَلُوا عَمَلَكُمْ لیکن جب تک سجدہ کے ساتھ مقید نہیں کیا گیا تو وہ رکعت ناقص ہے اس کو نماز کا حکم حاصل نہیں ہے اور جب اس کو نماز کا حکم حاصل نہیں ہو تو اس کو باطل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کیونکہ وہ لَا تُبْطَلُوا عَمَلَكُمْ کے تحت داخل ہوگا۔

پانچویں رکعت کا سجدہ کر لیا تو چھٹی رکعت ملا لے

وان قید الخماسۃ بالسجدۃ ثم تذکر ضم الیہا رکعۃ اخری، وتم فرضہ، لان الباقی اصابۃ لفظۃ السلام وہی واجبۃ، وانما یضم الیہا اخری لتصیر الرکعتان نفلًا، لان الرکعۃ الواحدۃ لا تجزیہ لہنیہ علیہ السلام عن البتیراء ثم لا تنوبان عن سنۃ الظہر هو الصحیح، لان المواظبۃ علیہا بتحریمۃ مبتدأ.

ترجمہ..... اور اگر اس نے پانچویں رکعت کو سجدہ کے ساتھ مقید کر دیا پھر اس کو یاد آیا کہ (یہ پانچویں رکعت ہے) تو اس کے ساتھ ایک رکعت اور ملا لے اور اس کا فرض پورا ہو چکا کیونکہ باقی تو فقط لفظ سلام ہے اور وہ واجب ہے اور دوسری رکعت اور ملا لے اور اس کا فرض پورا ہو چکا کیونکہ باقی تو فقط لفظ سلام ہے اور وہ واجب ہے اور دوسری رکعت اسی واسطے ملا لے تاکہ دو رکعت نفل ہو جائیں کیونکہ ایک رکعت جائز نہیں ہے اس لئے کہ حضور ﷺ نے صلوة بتیراء سے منع فرمایا ہے پھر یہ دو رکعتیں سنت ظہر کے قائم مقام نہ ہوں گی۔ یہ صحیح ہے کیونکہ اس دوگانہ پر آنحضرت ﷺ کی مواظبت نے تحریمہ کے ساتھ ہے۔

تشریح..... مسئلہ، اگر کوئی شخص چوتھی رکعت پر بیٹھا پھر بھول کر کھڑا ہو گیا۔ اور پانچویں رکعت کا سجدہ بھی کر لیا۔ اب اس کو یاد آیا کہ یہ چوتھی رکعت نہیں ہے بلکہ پانچویں رکعت ہے تو اس کو چاہئے کہ چھٹی رکعت بھی ملا لے اس صورت میں فرض نماز پوری ہو گئی اور پانچویں اور چھٹی دونوں رکعتیں نفل ہو جائیں گی۔ فرض نماز تو اس لئے پوری ہو گئی کہ لفظ سلام کے ساتھ نماز سے نکلنا ہمارے نزدیک واجب ہے۔ اور اس صورت میں لفظ سلام ہی باقی رہ گیا اور ترک واجب سے نماز فاسد نہیں ہوتی لہذا اس صورت میں بھی فرض نماز فاسد نہ ہوگی۔ رہا ترک واجب کی وجہ سے نقصان کا پیدا ہونا تو وہ سجدہ سہو سے پورا ہو جائے گا۔ امام شافعی نے فرمایا ہے کہ اس صورت میں اگر چھٹی رکعت ملا لی گئی تو اس کی فرض نماز فاسد ہو جائیگی۔ اس لئے کہ اس صورت میں یہ شخص دوسری نماز کی طرف منتقل ہو گیا حالانکہ لفظ سلام ابھی باقی ہے اور لفظ سلام امام شافعی کے نزدیک فرض ہے اور ترک فرض سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اس لئے اس صورت میں نماز فاسد ہو جائے گی۔

صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ چھٹی رکعت ملانے کا حکم اس لئے دیا گیا ہے تاکہ دو رکعت نفل ہو جائیں کیونکہ حضور ﷺ کے صلاۃ بہتیرا سے منع کر دینے کی وجہ سے ایک رکعت پڑھنا جائز نہیں ہے اور چونکہ امام شافعی کے نزدیک ایک رکعت پڑھنا بھی جائز ہے اس لئے ان کے نزدیک چھٹی رکعت ملانے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔

صاحب قدوری کی عبارت سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ چھٹی رکعت کا ملانا واجب ہے یا مستحب ہے، جائز ہے لیکن مبسوط کی عبارت ہے علیہ ان یضیف اور کلمہ علی ایجاب کے لئے آتا ہے پس مبسوط کی عبارت سے وجوب پر دلالت ہوئی۔

صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ یہ دو رکعتیں یعنی پانچویں اور چھٹی ظہر کے بعد کی دو سنتوں کے قائم مقام نہ ہوں گی قول صحیح یہی ہے۔ لیکن بعض حضرات کا مذہب یہ ہے کہ یہ دونوں رکعتیں ظہر کی سنت کے قائم مقام ہو جائیں گی۔ قول صحیح کی دلیل یہ ہے کہ سنت نام ہے آنحضرت ﷺ کے طریقہ کا اور آنحضرت ﷺ ظہر کی سنت نے تحریمہ سے پڑھا کرتے تھے اور چونکہ مذکورۃ الصدر صورت میں نیا تحریمہ نہیں پایا گیا۔ اس لئے یہ دو رکعتیں ظہر کی سنت کے قائم مقام بھی نہیں ہوں گی۔

چھٹی رکعت ملانے کے بعد سجدہ سہو کرے گا یا نہیں، اقوال فقہاء

و یسجد للسهو استحسانا لتمکن النقصان فی الفرض بالخروج لا علی الوجه المسنون و فی النفل بالدخول لا علی الوجه المسنون ولو قطعها لم یلزمہ القضاء لانه مظنون ولو اقتدی بہ انسان فیہا یصلی ستا عند محمد لانه المؤدی بہذہ التحریمة وعندہما رکعتین لانه استحکم خروجہ عن الفرض ولو افسدہ المقتدی لا قضاء علیہ عند محمد اعتبارا بالامام وعند ابی یوسف یقضی رکعتین لان السقوط بعراض یخص الامام

ترجمہ..... اور استحساناً سجدہ سہو کرے کیونکہ نقصان فرض میں غیر مسنون طریقہ پر نکلنے کی وجہ سے پیدا ہو گیا ہے اور نفل میں غیر مسنون طریقہ پر داخل ہونے کی وجہ اور اگر اس نفل کو قطع کر دیا تو قضاء لازم نہ ہوگی۔ کیونکہ وہ مظنون ہے اور اگر ان دو رکعتوں میں کسی انسان نے اس کی اقتداء کی تو امام محمد کے نزدیک مقتدی چھ رکعتیں پڑھے کیونکہ اس تحریمہ سے یہی تعداد ادا کی گئی ہے اور شیخین کے نزدیک صرف دو رکعت پڑھے گا۔ کیونکہ فرض سے اس کا نکلنا مستحکم ہو گیا ہے۔ اور اگر مقتدی نے اس کو فاسد کر دیا تو امام محمد کے نزدیک اس پر قضاء نہیں ہے امام ابو قیاس کیا جائے گا اور ابو یوسف کے نزدیک دو رکعت کی قضا کرے اس لئے کہ عارض کی وجہ سے ساقط ہونا امام کے لئے مخصوص ہے۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ جب مصلی چار رکعت پر مقدار تشہد بیٹھا پھر بھول کر پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہو گیا اور اس کو سجدہ کے ساتھ بھی متذکر دیا، تو اب یہ حکم ہے کہ اس کے ساتھ چھٹی رکعت ملانے اور سجدہ سہو کرے۔ اس صورت میں پہلی چار رکعت فرض ہوئیں اور بعد کی دو رکعت نفل ہوں گی۔ صاحب ہدایہ کہتے ہیں سجدہ سہو کا حکم استحسانی ہے۔ ورنہ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ سجدہ سہو واجب نہ ہو۔ قیاس کی وجہ یہ ہے کہ سہو فرضوں میں واقع ہوا ہے (بایں طور کہ لفظ سلام جو واجب ہے وہ ترک ہو گیا ہے) اور یہ مصلی پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہو کر فرض سے نفل کی طرف منتقل ہو گیا۔ اور جس شخص کو ایک نماز میں سہو ہوا ہو اس پر اسی نماز میں سجدہ سہو واجب ہوتا ہے دوسری نماز میں سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا۔ پس یہاں اگر سجدہ سہو واجب کیا جائے تو یہی لازم آئے گا کہ سہو تو ہوا فرض میں اور سجدہ سہو گیا نفل میں حالانکہ یہ درست نہیں ہے۔ پس بمقتضی قیاس یہ ثابت ہو گیا کہ اس پر سجدہ واجب نہیں ہے۔

یوجہ استحسان سے پہلے یہ ذہن نشین کر لیجئے کہ نقصان فرض اور نفل دونوں میں متمکن ہو گیا ہے۔ فرض میں تو اس وجہ سے کہ چار رکعت کے بعد لفظ سلام کے ساتھ نکلنا واجب ہے اور حال یہ کہ اس نے لفظ سلام کو ترک کر دیا ہے پس اس ترک واجب کی وجہ سے فرض میں نقصان پیدا ہو گیا یہ مذہب امام محمد کا ہے۔ اور امام ابو یوسف کے نزدیک نفل میں نقصان اس لئے پیدا ہو گیا ہے کہ ان کے نزدیک نفل کو مستقل نئے تحریمہ کے ساتھ شروع کرنا واجب ہے اور اس واجب کو اس نے ترک کر دیا ہے۔ حاصل یہ کہ امام محمد کے نزدیک لفظ سلام چھوڑنے کی وجہ سے فرض میں نقصان پیدا ہوا ہے اور امام ابو یوسف کے نزدیک نفل کے لئے نیا تحریمہ نہ پائے جانے کی وجہ سے نفل میں نقصان پیدا ہو گیا ہے۔

اس تمہید کے بعد عرض ہے کہ مذکورہ بالا صورت میں سجدہ سہو کو استحساناً واجب ہونا فقط امام محمد کے مذہب پر ہے۔ کیونکہ امام محمد کے نزدیک نقصان فرض میں پایا گیا اور پھر فرض سے نفل کی طرف منتقل ہو گیا تو قیاس تقاضا تو یہی تھا کہ فرض کے نقصان کی تلافی نفل نماز میں نہ ہو جیسا کہ پچھلی سطروں میں بیان ہوا ہے۔ لیکن چونکہ نفل کی بناء بھی تحریمہ اولیٰ پر ہے کسی نئے تحریمہ سے نفل کو شروع نہیں کیا گیا ہے اس لئے سجدہ سہو واجب ہونے کے حق میں کہا جائے گا کہ یہ ایک ہی نماز ہے اور جب ایک نماز ہے اور اس میں واجب یعنی لفظ سلام ترک ہو گیا تو سجدہ سہو واجب ہو جائے گا۔

اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ ایک شخص نے ایک سلام کے ساتھ چھ رکعت نفل نماز پڑھنی شروع کی پھر شفع اول میں سہو ہو گیا تو آخر صلاۃ میں سجدہ سہو کرے گا اگرچہ نفل کا ہر شفع علیحدہ نماز ہے۔ لیکن تحریمہ واحدہ کی وجہ سے چھ کی چھ رکعتیں صلاۃ واحدہ کے حکم میں ہیں۔ اور امام ابو یوسف کے نزدیک چونکہ نیا تحریمہ نہ پائے جانے کی وجہ سے نفل کے اندر نقصان پیدا ہوا ہے اس لئے ان کے نزدیک سجدہ سہو قیاساً بھی واجب ہوگا اور استحساناً بھی۔

صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ اگر اس نفل نماز کو قطع کر دیا مثلاً پانچویں رکعت پوری کرنے کے بعد نماز کو توڑ دیا تو اس پر ان دور رکعتوں کی قضاء واجب نہیں ہے اور امام زفر نے فرمایا کہ ان دور رکعتوں کی قضا کرنا واجب ہے بنیاد اختلاف یہ ہے کہ نماز یا روزہ کو اگر علی وجہ الظن شروع کیا جائے تو وہ ہمارے نزدیک لازم نہیں ہوتا اور امام زفر کے نزدیک لازم ہو جاتا ہے پس چونکہ اس شخص نے فرض کے گمان سے پانچویں رکعت کو شروع کیا ہے حالانکہ اس پر فرض باقی نہ تھا اس لئے ہمارے نزدیک یہ شروع کرنا نفل کو لازم کرنے والا نہیں ہوگا اور جب نفل لازم نہیں رہا تو قطع کرنے کی وجہ سے اس کی قضاء بھی واجب نہ ہوگی۔ اور امام زفر کے نزدیک شروع فی الظن علی وجہ الظن چونکہ مقدم ہے اس لئے قطع کرنے سے ان کے نزدیک قضا بھی واجب ہو جائے گی۔

ولو اقتدی بہ انسان الخ سے فاضل مصنف نے فرمایا کہ اگر کسی انسان نے ان دونوں رکعتوں یعنی پانچویں اور چھٹی میں اس شخص کی اقتداء کی تو امام محمد کے نزدیک یہ مقتدی چھ رکعتیں پڑھے گا یعنی اگر پانچویں میں اقتداء کی گئی ہے تو امام کے سلام پھیرنے کے بعد چار رکعتیں اور پڑھے گا اور اگر چھٹی رکعت میں اقتداء کی گئی تو امام کے فارغ ہونے کے بعد پانچ رکعتیں اور پڑھے بایں طور کہ ایک رکعت پڑھ کر قعدہ کرے پھر دو رکعت پڑھے پھر دو رکعت پڑھے اور سلام پھیرے۔

امام محمد کی دلیل یہ ہے کہ اس مقتدی نے امام کے تحریمہ کے ساتھ نماز شروع کی ہے۔ لہذا جس قدر امام نے ادا کی ہے اسی قدر مقتدی

پر لازم ہوگی پس چونکہ امام نے چھ رکعات پڑھی ہیں اس لئے مقتدی پر بھی چھ رکعتیں لازم ہوں گی۔ شیخین نے کہا کہ یہ مقتدی فقط دو رکعت پڑھے۔ شیخین کی دلیل یہ ہے کہ امام جب پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہو گیا تو امام کا فرض نماز سے نکلنا مستحکم اور متیقن ہو گیا پس جب فرض سے نکلنا متیقن ہو گیا تو اس کا فرض نماز کا تحریمہ بھی منقطع ہو گیا کیونکہ ایک وقت میں مختلف دو نمازوں کے تحریموں میں ہونا ناممکن ہے پس حاصل یہ ہوا کہ فرض کا تحریمہ منقطع ہو کر نفل کا تحریمہ شروع ہو گیا ہے اور ظاہر ہے کہ اس مقتدی نے نفل کے تحریمہ میں اقتداء کی ہے اس لئے اس پر اس شفع نفل کی دو رکعتوں کے علاوہ اور کچھ واجب نہ ہوگا۔

ولو افسد المقتدی الخ اس عبارت سے حاصل یہ ہے کہ اگر کسی نے پانچویں اور چھٹی رکعت میں امام کی اقتداء کرنے کے بعد اس کو فاسد کر دیا تو امام محمد کے نزدیک اس مقتدی پر قضاء واجب نہیں ہے اور امام ابو یوسف کے نزدیک مقتدی دو رکعتوں کی قضا کرے گا۔ امام محمد کی دلیل قیاس ہے یعنی امام محمد مقتدی کے حال کو امام کے حال پر قیاس کرتے ہیں۔ اور چند سطریں پہلے گذر چکا ہے کہ امام نے اگر دو رکعتوں کی فاسد کر دیا تو اس پر قضاء واجب نہیں ہے پس امام کے حال پر قیاس کرتے ہوئے کہا گیا کہ ان دو رکعتوں کی قضاء مقتدی پر بھی واجب نہ ہوگی۔ امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے کہ قیاس کا تقاضا تو یہی تھا کہ امام پر بھی قضاء واجب ہو کیونکہ امام نے بھی پانچویں اور چھٹی رکعت یعنی نفل نماز شروع کر دینے کے بعد اس کو باطل کر دیا ہے اور نفل شروع کر دینے کے بعد اگر باطل کر دیا جائے تو اس کی قضاء واجب ہوتی ہے لہذا اس صورت میں امام پر بھی قضاء واجب ہونی چاہئے تھی لیکن عارض کی وجہ سے قضاء ساقط کر دی گئی ہے اور عارض یہ ہے کہ امام نے فرض ادا کرنے کے ارادہ سے نفل شروع کیا ہے اور یہ عارض امام کے ساتھ مخصوص ہے اور جو چیز امام کے ساتھ مخصوص ہو وہ غیر کی طرف متعدی نہیں ہوتی اس لئے اس عارض کی وجہ سے امام کے ذمہ سے فقط ساقط کر دی گئی ہے اور چونکہ مقتدی کے حق میں یہ عارض موجود نہیں ہے اس لئے اس پر قضاء واجب ہوگی۔

نفل کی دو رکعتیں پڑھیں ان میں بھولا اور سجدہ سہو بھی کر لیا دو اور رکعتوں کی بنا پہلی پر کر سکتا ہے یا نہیں

قال ومن صلی رکعتین تطوعا فسہی فیہما وسجد للسهو ثم اراد ان یصلی اخرین لم یبطل لان السجود یبطل لوقوعہ فی وسط الصلوۃ بخلاف المسافر اذا سجد للسهو ثم نوى الاقامة حیث یبطل لانه لو لم یبطل جمیع الصلوۃ ومع هذا لو ادى صح لبقاء التحریمة ویبطل سجود السهو هو الصحیح

ترجمہ..... امام محمد نے جامع صغیر میں کہا ہے کہ جس شخص نے دو رکعت نفل نماز پڑھیں اور ان میں سہو ہو گیا اور سہو کا سجدہ کیا پھر چاہا کہ دوسری دو رکعت پڑھے تو بناء نہ کرے کیونکہ سجدہ سہو اس کو باطل کرتا ہے اس لئے کہ سجدہ وسط صلوۃ میں پڑ گیا ہے بخلاف مسافر کے جب اس نے سجدہ سہو کیا پھر اقامت کی نیت کر لی تو وہ بناء کرے گا۔ کیونکہ مسافر اگر بناء نہ کرے تو پوری ہی نماز باطل ہو جائے گی۔ اس کے باوجود اگر اس نے ادا کیا تو صحیح ہے کیونکہ تحریمہ باقی ہے اور سجدہ سہو باطل ہو جائے گا یہی قول صحیح ہے۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے نفل کی دو رکعتیں پڑھیں لیکن ان میں کوئی سہو ہو گیا جس کی وجہ سے سجدہ سہو کیا۔ پھر اس نے چاہا کہ ان دو رکعتوں پر اور دو رکعت نفل کی بناء کرے تو اس شخص کو بناء کی اجازت نہیں ہے بلکہ سلام پھیر کر علیحدہ تحریمہ کرے ساتھ دو رکعت نفل پڑھے دلیل سے پہلے یہ بات ذہن نشین رکھئے کہ سجدہ سہو نماز کے آخر میں مشروع کیا گیا ہے نماز کے دو شفعوں

کے درمیان شروع نہیں ہے۔ اب دلیل کا حاصل یہ ہوگا کہ اس صورت میں سجدہ سہو کرنے کے بعد دوسری دو رکعت کی بناء کرنا سجدہ سہو کو بلا ضرورت باطل کر دینا کیونکہ سجدہ سہو درمیان صلوٰۃ میں واقع ہو گیا ہے حالانکہ درمیان صلاۃ میں سجدہ سہو شروع نہیں ہوا ہے بلکہ صلاۃ میں شروع کیا گیا ہے ہم نے بلا ضرورت اس لئے کہا ہے کہ یہ شخص دوسرے دوگانہ کو اگر نئے تحریمہ کے ساتھ ادا کر لیتا تو بغیر بناء کے درست ہو جاتا۔ اس لئے بناء کر کے سجدہ سہو کو باطل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے بناء کرنے کی صورت میں ایک سلام کے ساتھ چار رکعت ادا کرنے کی فضیلت حاصل ہو جائے گی کیونکہ ایک سلام کے ساتھ چار رکعت پڑھنا افضل ہے بہ نسبت دو سلام کے ساتھ پڑھنے کے اس کا جواب یہ ہے کہ بناء کی صورت میں بلاشبہ چار رکعت پر مد اومت کرنے کی فضیلت حاصل ہو جائے گی لیکن اس صورت میں نقض واجب لازم آئے گا یعنی سجدہ سہو جو واجب ہے درمیان صلاۃ میں واقع ہونے کی وجہ سے باطل ہو جائے گا اور نقض واجب سے پچنا اولیٰ ہے بہ نسبت فضیلت حاصل کرنے کے اس لئے کہا گیا کہ یہ شخص پہلے دوگانہ پر بناء نہ کرے بلکہ نئے تحریمہ کے ساتھ دوسرے دوگانہ کو ادا کرے۔

صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ بلاشبہ اس شخص کو بناء نہ کرنی چاہئے لیکن اس کے باوجود اگر بناء کر لی اور دوسرا دوگانہ بھی ادا کر لیا تو صحیح ہے کیونکہ ابھی تک تحریمہ باقی ہے البتہ سجدہ سہو باطل ہو جائے گا کیونکہ جب بناء کی تو سجدہ سہو نماز کے درمیان میں واقع ہو گیا ہے حالانکہ نماز کے درمیان میں سجدہ سہو شروع نہیں ہوا ہے اس لئے یہ سجدہ غیر معتبر ہوگا اور اس پر سجدہ سہو کا اعادہ واجب ہوگا۔

بخلاف المسافر الخ، اس عبارت کا حکم مسئلہ متن کے خلاف ہے حاصل یہ ہے کہ مسافر نے فرض رباعی کا قصر کرتے ہوئے دو رکعت پڑھیں اور سہو پیش آنے کی وجہ سے سجدہ سہو کیا پھر سلام پھیرنے سے پہلے اقامت کی نیت کی تو یہ مسافر اسی تحریمہ پر بناء کرے اور چار رکعت پوری کر کے سلام پھیرے کیونکہ اقامت کی نیت سے اس پر چار رکعت پوری کرنا لازم ہو گیا ہے اب اگر یہ شخص بناء نہ کرے تو اس کی پوری نماز باطل ہو جائے گی۔ اور بناء کرنے میں نقض واجب ہے کیونکہ سجدہ سہو کا باطل کرنا ہے اور نقض واجب ادنیٰ ہے بہ نسبت ابطال فرض کے اور قاعدہ ہے کہ بڑی برائی کو دور کرنے کے لئے چھوٹی برائی کو برداشت کیا جاسکتا ہے اس لئے اعلیٰ یعنی فرض نماز کو باطل ہونے سے بچانے کے لئے ادنیٰ یعنی سجدہ سہو کے نقض کو برداشت کر لیا جائے گا۔

امام نے سلام پھیرا اور امام پر سجدہ سہو تھا مقتدی نے سلام کے بعد امام کی اقتداء کی اگر امام سجدہ

سہو کر لے تو مقتدی کی اقتداء شمار ہوگی ورنہ نہیں..... اقوال فقہاء

ومن سلم وعلیہ سجدنا السہو فدخل رجل فی صلواتہ بعد التسلیم فان سجد الامام کان داخلا والا
لاولہذا عند ابی حنیفہ وابی یوسف وقال محمد ہو داخل سجد الامام اولم یسجد لان عنده سلام من علیہ
سہو لا یخرجه عن الصلوٰۃ اصلا لانہا وجبت جبر النقصان فلا بد ان یکون فی احرام الصلوٰۃ و
نسلہما یخرجه علی سبیل التوقف لانه محلل فی نفسه وانما لا یعمل لحاجتہ الی اذا السجدة فلا یظہر
دونہا ولا حاجۃ علی اعتبار عدم العود ویظہر الاختلاف فی هذا وفي انتقاص الطہارة بالقہقہة وتغیر
الفرض بنیۃ الاقامة فی هذه الحالة

ترجمہ..... ایک شخص نے (نماز کے آخر میں) سلام پھیرا حالانکہ اس پر سجدہ سہولازم ہے پھر سلام پھیرنے کے بعد ایک شخص اس مصلیٰ کی نماز میں داخل ہو گیا پس اگر امام نے سجدہ کیا تو یہ مقتدی اس کی نماز میں داخل ہو گیا ورنہ تو نہیں۔ اور یہ حکم شیخین کے نزدیک ہے اور امام نے فرمایا کہ یہ داخل ہے امام سجدہ کرے یا نہ کرے۔ اس لئے کہ امام محمد کے نزدیک اس شخص کا سلام جس پر سجدہ سہولازم ہے اس کو اصلاً نماز سے خارج نہیں کرتا۔ کیونکہ سجدہ سہو تو نقصان کو پورا کرنے کے لئے واجب ہوا ہے اس لئے ضروری ہے کہ وہ شخص نماز کے احرام میں ہو اور شیخین کے نزدیک اس کو علی سبیل التوقف نکال دے گا کیونکہ سلام تو بذات خود تحلیل کرنے والا ہے اور (یہاں) عمل نہیں کرے گا کیونکہ ادائے سجدہ کی ضرورت ہے پس بغیر سجدہ کے ظاہر نہ ہوگا اور عدم عود کا اعتبار کرتے ہوئے کوئی ضرورت نہیں اور اختلاف ظاہر ہوگا اس مسئلہ میں اور قہقہہ سے طہارت ٹوٹنے میں اس حالت میں اقامت کی نیت کرنے سے فرض متغیر ہو جانے میں۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص جس پر سجدہ سہو واجب تھا اس نے سلام پھیرا ایک آدمی اس کے سلام پھیرنے کے بعد اس کی نماز میں اقتداء کی نیت کر کے شامل ہو گیا تو شیخین کے نزدیک حکم یہ ہے کہ اگر امام نے سجدہ سہو کیا تو یہ مقتدی اس کی نماز میں داخل ہو گیا اور اگر امام نے سجدہ سہو نہیں کیا تو اس کی نماز میں شامل ہونے والا شمار نہیں ہوگا۔

سجدہ سہو والے کا سلام حرمت صلوة سے نکال دیتا ہے یا نہیں: یہ مسئلہ اور اس کے علاوہ بہت سے مسائل اس اصول پر موقوف ہیں کہ جس پر سجدہ سہو واجب ہے اس کا سلام کو حرمت صلاۃ سے نکال دیتا ہے یا نہیں؟ اس بارے میں امام محمد کا مذہب یہ ہے کہ اس شخص کا سلام اس کو نماز سے خارج نہیں کرتا نہ موقوفاً اور نہ باناً (غیر موقوف) یہی امام زفر کا قول ہے۔ اور شیخین کا مذہب یہ ہے کہ اس کا سلام اس کو نماز سے موقوفاً خارج کر دیتا ہے۔ موقوفاً کا مطلب یہ ہے کہ سلام کے بعد اگر اس نے سجدہ سہو کر لیا تو کہا جائے گا کہ تحریمہ باقی ہے اور جب تحریمہ باقی ہے تو دوسرے مصلیٰ کا اقتداء کرنا بھی درست ہے اور اگر سلام کے بعد سجدہ نہیں کیا تو کہا جائے گا کہ تحریمہ باقی نہیں رہا اور جب تحریمہ باقی نہیں رہا تو اقتداء کرنا بھی درست نہ ہوگا۔ امام محمد کی دلیل یہ ہے کہ سجدہ سہو اس نقصان کی تلافی کے لئے واجب ہے جو نقصان مودی یعنی ادا کی ہوئی نماز میں پیدا ہو گیا ہے اور تلافی کرنا اسی وقت متحقق ہوگا جب کہ وہ چیز موجود ہو جس کی تلافی کرنا مقصود ہے۔ یعنی سجدہ کے ذریعہ نماز کے نقصان کی تلافی اسی وقت ہو سکتی ہے جبکہ نماز موجود ہو اور نماز کا قیام بقاء تحریمہ پر موقوف ہے پس معلوم ہوا کہ جس پر سجدہ واجب ہے اس کا سلام اس کو احرام صلوة سے خارج نہیں کرتا بلکہ سلام کے باوجود تحریمہ باقی رہتا ہے پس جب سلام کے بعد تحریمہ باقی ہے تو سلام کے بعد اس کی اقتداء کرنا بھی درست ہوگا امام خواہ سہو کا سجدہ کرے یا نہ کرے۔

شیخین کی دلیل یہ ہے کہ سلام بذات خود محلل یعنی نماز سے خارج کرنے والا ہے چنانچہ ارشاد نبوی ہے تحلیلہا التسلیم ہاں اگر مانع پیش آجائے تو لفظ سلام اپنا عمل نہیں کرے گا۔ اور مانع عمل سجدہ سہو ادا کرنے کی ضرورت ہے پس اگر سلام کے بعد سجدہ سہو کیا تو چونکہ مانع پایا گیا اس لئے لفظ سلام اپنا عمل نہیں کرے گا یعنی اس مصلیٰ کو نماز سے خارج نہیں کرے گا۔ اور اگر سجدہ سہو نہیں کیا تو چونکہ مانع تحلیل نہیں پایا گیا اس لئے لفظ سلام اپنا عمل کرے گا یعنی اس مصلیٰ کو نماز سے خارج کر دے گا۔ اس دلیل سے ثابت ہو گیا کہ جس شخص پر سجدہ سہو واجب ہو اس کا سلام اس کو علی سبیل التوقف نماز سے خارج کرتا ہے۔

صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ امام محمد اور شیخین کا اختلاف اس مسئلہ میں ظاہر ہوگا اور اس کے علاوہ دوسرے دو مسئلوں میں ظاہر ہوگا۔ ایک یہ کہ سلام کے بعد اس شخص نے قہقہہ لگایا جس پر سجدہ سہو واجب ہے تو اس قہقہہ سے امام محمد اور امام زفر کے نزدیک وضو ٹوٹ جائے گا کیونکہ

ہے بالغ ہونے کے بعد سے نماز کے اندر کبھی کوئی سہواً واقع نہیں ہوا ہے قول اول راجح ہے۔ جمیل احمد

اگر سہو بار بار پیش آتا ہو پھر کیا کرے

وان كان يعرض له كثير ابني علي اكبر رايه لقوله عليه السلام من شك في صلوته فليتحجر الصواب وان لم يكن له رأى بنى علي اليقين لقوله عليه السلام من شك في صلوته فلم يدر أثلثا صلى ام اربعا بنى علي الاقل والا استقبال بالسلام اولى لانه عرف محللا دون الكلام ومجرد النية تلغو وعند البناء علي الاقل يقعدہ في كل موضع يتوهم آخر صلاته كيلا يصير تاركا فرض القعدة والله اعلم

ترجمہ..... اگر اس کو یہ شک بہت پیش آتا ہو تو اپنی غالب رائے پر بناء کرے کیونکہ اللہ کے حبیب ﷺ نے فرمایا ہے جو کوئی نماز میں شک کرے تو وہ ٹھیک بات کے لئے دل سے تحری کرے۔ اور اس کی کچھ رائے نہ ہو تو یقین پر عمل کرے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا جس نے اپنی نماز میں شک کیا ہے اس کو معلوم نہیں کہ اس نے تین رکعت پڑھیں یا چار تو کمتر پر بناء کرے اور نئے سرے سے سلام کے ساتھ پڑھنا اولیٰ ہے۔ کیونکہ سلام محلل ہو کر معلوم ہوا ہے نہ کہ کلام اور خالی نیت لغو ہوگی اور اقل پر بناء کرنے کی صورت میں ہر اس مقام پر جس کا آخری نماز تو ہم کرے قعدہ کرے تاکہ وہ فرض قعدہ کا ترک کرنے والا نہ ہو جائے واللہ اعلم۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر ادا کی ہوئی رکعتوں کی مقدار کے بارے میں بکثرت شک ہوتا ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں یا تو اس کو کسی ایک طرف کا ظن غالب ہوگا یا نہیں اگر ظن غالب ہے تو اسی کے مطابق عمل کرے کیونکہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے۔ من شک فی صلاتہ فیتحجر الصواب ملا علی قاری نے صحیحین کے حوالے سے اس حدیث کو قدرے تفصیل سے ذکر کیا ہے عن ابن مسعود ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا شک احدکم فلیتحجر الصواب ولیتم علیہ ثم لیسلم ثم لیسجد سجدة نیتین جب تم میں سے کسی کو شک پیش آجائے تو وہ درست بات کے لئے دل سے تحری کرے اور ظن غالب کے مطابق ہی عمل کرے پھر سلام پھیرے اور دو سجدے کرے۔

عقلی دلیل: یہ ہے کہ اگر ہر بار نماز کے اعادہ کا حکم دیا جائے گا تو حرج واقع ہوگا اس لئے حرج کو دور کرنے کے لئے ظن غالب پر عمل کیا جائے گا۔ اور اگر اس کو کسی طرف کا ظن غالب نہ ہو تو اقل پر عمل کرے یعنی اگر تین یا چار رکعت ہونے میں شک ہو اور کسی ایک کا غالب گمان نہ ہو تو تین رکعت خیال کرے دلیل رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان ہے من سک فی صلاتہ فلم یدر أثلثا صلى ام اربعا بنى علي الاقل امام ترمذی نے اس حدیث کو ان الفاظ کی ساتھ ذکر کیا ہے۔ عن عبد الرحمن بن عوف قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول اذا سہی احدکم فی صلاتہ فلم یدر واحدة صلی او ثنتين فلیبن علی واحدة فان لم یدر ثنتين صلی او ثلثا فلیبن علی ثنتين فاذا لم یدر ثلاثا او اربعا فلیبن علی ثلث والا استقبال بالسلام سے مقصد صرف یہ ہے کہ اگر از سر نو نماز پڑھنے کا ارادہ ہو تو موجودہ مشکوک فیہ نماز کو سلام کے ساتھ قطع کرنا اولیٰ ہے یعنی باقاعدہ سلام پھیرے اور از سر نو نماز پڑھے کلام کے ساتھ نماز قطع کرنا بہتر نہیں ہے۔ کیونکہ شریعت میں سلام کو محلل کہا گیا ہے کلام کو نہیں۔ کلام تو مفسد نماز ہے۔ حدیث نبوی ﷺ ہے تحلیلتها التسليم پس جب شریعت اسلام اور حدیث رسول میں سلام کا محلل (نماز سے خارج کر نیوالا) ہونا معلوم ہوا ہے

کلام ہی کے ساتھ نماز سے نکلنا اولیٰ ہوگا نہ کہ کلام کے ساتھ اور اگر نماز سے نکلنے کی فقط نیت کی گئی اور قاطع نماز عمل نہیں پایا گیا تو یہ کافی ہے بلکہ نیت جب تک قاطع نماز عمل کے ساتھ متصل نہ ہو لغو ہے اس کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔

وعند البناء علی الاقل اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ اقل پر بناء کرنے کی صورت میں ہر رکعت پر قعدہ کرے اور تشہد پڑھے مثلاً اولیٰ نماز میں مصلیٰ کو یہ شک پیش آیا کہ یہ پہلی رکعت ہے یا دوسری رکعت ہے اور کسی طرف غالب گمان بھی نہیں ہے تو وہ اس کو پہلی رکعت کے لیکن اس رکعت کو پورا کرنے کے بعد قعدہ کرے کیونکہ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ دوسری رکعت ہو اور دوسری رکعت پر قعدہ واجب ہے اس قعدہ کرے پھر کھڑا ہو جائے اور دوسری رکعت پڑھے اور قعدہ کرے کیونکہ مصلیٰ نے اس کو دوسری رکعت کے حکم میں مان رکھا ہے۔ کھڑا ہو کر تیسری رکعت پڑھے اور پھر قعدہ کرے اس لئے کہ ممکن ہے کہ یہ چوتھی رکعت ہو اور چوتھی رکعت پر قعدہ فرض ہے پھر کھڑا ہو کر پانچویں رکعت پڑھے اور قعدہ کرے اس لئے کہ مصلیٰ کے نزدیک یہ چوتھی رکعت کے حکم میں ہے اور چوتھی رکعت پر قعدہ فرض ہے۔ حاصل یہ کہ قعدہ مفروضہ اور قعدہ واجبہ کے چھوٹنے کے اندیشہ سے ہر رکعت پر قعدہ کرے جس کی صورت خادم نے بالتفصیل بیان دی ہے، واللہ اعلم، جمیل احمد۔

باب صلوة المریض

ترجمہ..... (یہ) باب بیمار آدمی کی نماز (کے بیان) میں ہے

صلوة کی اضافت مریض کی طرف اضافت فعل الی الفاعل کے قبیل سے ہے مصنف ہدایہ نے بیمار کی نماز کا ذکر جو دوسرے کے بعد کیے کیا ہے کہ مرض اور سہو دونوں عوارض ساویہ میں سے ہیں اور سہو چونکہ عام ہے مریض اور تندرست سب کو عارض ہوتا ہے اس لئے کہ عجز کا ذکر اولاً کیا گیا اور بیمار کی نماز کا ذکر ثانیاً کیا گیا ہے۔

قیام پر قادر نہ ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھے

عجز المریض عن القيام صلی قاعد ابرکع ویسجد لقوله علیه السلام لعمران بن حصین صل قائما فان نستطیع فقاعد افان لم نستطیع فعلى الجنب تؤمی ایماء ولان الطاعة بحسب الطاقة

ترجمہ..... مریض جب کھڑا ہونے سے عاجز ہو جائے تو بیٹھ کر رکوع سجدہ کے ساتھ نماز پڑھے۔ کیونکہ حضور ﷺ نے عمران بن حصین کو بواویر کا مرض تھا (کو فرمایا تھا کہ کھڑے ہو کر نماز پڑھ پھر اگر تجھ کو اس کی استطاعت نہ ہو تو بیٹھ کر پڑھ پھر استطاعت نہ ہو تو کروٹ لگا کر نماز پڑھ) اور اس لئے کہ اطاعت بقدر طاقت ہوتی ہے۔

صورت مسئلہ یہ ہے کہ بیمار آدمی اگر کھڑا ہونے پر قادر نہ ہو بایں طور کہ کھڑا ہونے میں صحت یابی کی تاخیر کا ڈر ہے یا کھڑا ہونے میں ضعف شدید لاحق ہوتا ہے یا درد وغیرہ ہوتا ہے تو اس کے واسطے قیام کا ترک کرنا جائز ہے اور یہ شخص بیٹھ کر رکوع سجدے کے ساتھ نماز ادا کرے۔ دلیل عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے قال كنت بسی بو اسیر فسألت النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن الصلاة فقال صل قائما فان لم تستطع فقاعد افان لم تستطع فعلى جنب، امام نسائی نے یہ لفظ زیادہ کیا۔ قال لم تستطع فسمتلقيا لا یكلف اللہ نفسا الا وسعها عمران بن حصین نے کہا ہے کہ مجھ کو بواویر کا مرض تھا میں نے سید

الانبياء ﷺ سے اس حالت میں نماز کے بارے میں دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ کھڑے ہو کر نماز ادا کر لو اور اگر اس کی طاقت ہو بیٹھ کر ادا کر لو اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو کروٹ پر اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو چپ لیٹ کر ادا کرو اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں کرتے۔

صاحب ہدایہ نے عقلی دلیل بیان کرتے ہوئے اس جملہ کا حاصل ذکر کیا ہے چنانچہ فرمایا ہے کہ طاعت بقدر طاقت ہوتی ہے بشرطیکہ قدر ممکن ہو اور جس طرح ممکن ہو اسی طرح اور اسی قدر طاعت کر لے۔

فوائد..... اگر مریض تھوڑے سے قیام پر قادر ہے مثلاً ایک آیت پڑھنے کی مقدار یا تکبیر کہنے کی مقدار پورے قیام پر قادر نہیں ہے تو یہی مقدار قیام کا حکم دیا جائے گا۔ جب عاجز ہو جائے تو بیٹھ جائے کیونکہ طاقت کے مطابق ہی طاعت ہوتی ہے۔ اسی طرح اگر مریض کو لگا کر یا لاشی پر ٹیک لگا کر کھڑا ہو سکتا ہو تو اس کے لئے قیام کو ترک کرنا جائز نہیں ہے۔ واللہ اعلم

رکوع اور سجدہ کی طاقت نہ ہو تو اشارہ سے رکوع سجدہ کرے

قال فان لم يستطع الركوع والسجود اومى ايماذ يعنى قاعدا لانه وسع مثله وجعل سجوده اخفض من ركوعه لانه قائم مقامها فاخذ حكمها ولا يرفع الي وجهه شىء يسجد عليه لقوله عليه السلام ان قدرت ان تسجد على الارض فاسجد والا فامم برأسك وان فعل ذلك وهو يخفض رأسه اجزاه لوجود الانماء ووضع ذلك على جبهته لا يجزيه لانعدامه

ترجمہ..... قدوری نے کہا کہ اگر رکوع اور سجدہ کی قدرت نہ ہو تو اشارہ کرے یعنی بیٹھ کر کیونکہ یہی اس کی وسعت میں ہے۔ اور اپنے چہرے کو بہ نسبت رکوع کے پست کر دے کیونکہ اشارہ ان دونوں کے قائم مقام ہے۔ اور اپنے چہرے کی طرف ایسی چیز نہ اٹھائے جس پر رکوع کرے کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ اگر تو زمین پر سجدہ کی قدرت رکھتا ہے تو زمین پر سجدہ کر ورنہ تو اپنے سر سے اشارہ کر اور اگر اس نے کیا اور حال یہ ہے کہ وہ اپنا سر جھکا تا ہے تو اس کو کافی ہو گیا اس لئے کہ اشارہ پایا گیا ہے اور اگر اس نے اس چیز کو اپنی پیشانی پر رکھا ہے جائز نہیں ہوگا کیونکہ اشارہ معدوم ہے۔

تشریح..... صاحب قدوری نے فرمایا ہے کہ اگر رکوع اور سجدہ کرنے کی قدرت نہ ہو تو بیٹھ کر رکوع اور سجدہ اشارہ کے ساتھ ادا کرے۔ اس وقت اس کی طاقت اسی قدر ہے اور پہلے گزر چکا کہ طاعت بقدر طاقت ہوتی ہے البتہ سجدہ کا اشارہ بہ نسبت رکوع کے اشارہ سے پست کرے یعنی سجدہ کا اشارہ کرتے وقت سر زیادہ جھکا ہوا ہے۔ دلیل یہ ہے کہ اشارہ رکوع اور سجدہ کے قائم مقام ہے لہذا رکوع اور سجدہ کے حکم میں ہوگا۔ اور چونکہ حقیقی سجدہ بہ نسبت حقیقی رکوع کے پست ہوتا ہے اس لئے سجدہ کا اشارہ بھی بہ نسبت رکوع کے اشارہ کے پست ہوگا۔

شیخ ابوالحسن قدوری نے کہا کہ سجدہ کرنے کے لئے کوئی چیز اپنے چہرے کی طرف نہ اٹھائے دلیل حدیث رسول ﷺ ہے قدرت ان تسجد على الارض فاسجد والا فامم برأسك امام بزار نے اپنے مسند میں یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ

ابن جابر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم عاد مریضا فراه یصلی علی و سادۃ فاخذہا فرمی بہا
 فاخذہ عود الیصلی علیہ فاخذہ فرمی بہا وقال صل علی الارض ان استطعت والا فادم ایماء وجعل
 سجودک اخفض من رکوعک یعنی حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ آنحضرت ﷺ ایک بیمار کی عیادت کو تشریف
 لے تو دیکھا کہ وہ تکیہ پر نماز پڑھتا ہے پس آپ ﷺ نے تکیہ لے کر پھینک دیا پھر اس نے ایک لکڑی لی تاکہ اس پر نماز پڑھے آپ ﷺ
 نے اس کو بھی پھینک دیا اور فرمایا کہ زمین پر نماز پڑھا اگر قدرت ہو ورنہ اشارہ کر اور اپنے سجود کو اپنے رکوع سے پست کر۔ یہ حدیث اس
 حدیث پر محمول ہے کہ وہ بیمار تکیہ اٹھا کر پیشانی سے لگا تا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے اس سے منع فرمایا پس اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سجدہ کرنے
 کے لئے کسی چیز کو اٹھا کر پیشانی سے لگانا درست نہیں ہے۔

صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ مریض نے اگر تکیہ اٹھا کر پیشانی سے لگایا تو دو حال سے خالی نہیں۔ رکوع اور سجدہ کے لئے اپنا سر جھکاتا ہے
 پس اگر سر جھکاتا ہے تو کافی ہو گیا کیونکہ سر جھکانے سے اشارہ پایا گیا اور یہی اس پر فرض ہے البتہ مکروہ ہے۔ اور اگر تکیہ اٹھا کر پیشانی پر
 لگا اور سر قطعاً پست نہیں ہوا تو اس سے رکوع اور سجدہ ادا نہیں ہوگا کیونکہ اس صورت میں اشارہ معدوم ہو گیا حالانکہ یہ فرض تھا۔

بیٹھنے کی قدرت نہ ہو تو لیٹ کر نماز پڑھے اور اس کا طریقہ

لم یستطع القعود استلقى علی ظہرہ وجعل رجلیہ الی القبلة و اومی بالرکوع والسجود لقولہ علیہ
 سلام یصلی المریض قائما فان لم یستطع فقاعد افان لم یستطع فعلى قفاه یومی ایماء فان لم یستطع فالله
 اعلم بحق بقبول العذر منه

ترجمہ۔۔۔ اور اگر مریض کو بیٹھنے کی بھی قدرت نہ ہو تو اپنی پشت پر لیٹ جائے اور اپنے پاؤں قبلہ کی طرف رکھے اور رکوع اور سجدہ کے
 لئے اشارہ کرے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ بیمار کھڑے ہو کر نماز پڑھے۔ اگر اس کی قدرت نہ ہو تو بیٹھ کر پڑھے اور اگر اس کی بھی
 قدرت نہ ہو تو گدی کے بل لیٹ کر اشارہ کرے پھر اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو اللہ تعالیٰ زیادہ لائق ہیں اس سے عذر قبول کریں۔

ترجمہ۔۔۔ اگر مریض کو بیٹھنے کی قدرت نہ ہو تو اپنی پشت کے بل چپٹ لیٹ کر جائے اور اپنے سر کے نیچے اونچا سا تکیہ رکھے تاکہ بیٹھے
 سنے کے مشابہ ہو جائے اور رکوع اور سجدہ کا اشارہ کرنا ممکن ہو کیونکہ اس کے بغیر تندرست آدمی اشارہ نہیں کر سکتا چہ جائے کہ بیمار
 ہو پاؤں قبلہ کی طرف کر لے اور رکوع اور سجدہ کا اشارہ کرے۔ دلیل آنحضرت ﷺ کا قول ہے یصلی المریض قائما فان لم
 یستطع فقاعد افان لم یستطع فعلى قفاه یومی ایماء فان لم یستطع فالله اعلم بحق بقبول العذر منه حدیث کے
 معنی ہیں فاللہ اعلم بحق بقبول العذر منه، کی تفسیر میں علماء کا اختلاف ہے بعض علماء نے کہا ہے کہ اشارہ پر قادر نہ ہونے کی صورت میں
 تندرست نہیں ہوتی البتہ نماز کو مؤخر کیا جاسکتا ہے جب تندرست ہو جائے قضاء کرے۔ ان حضرات کے نزدیک اس جز کی تفسیر یہ ہوگی
 اللہ تعالیٰ عذر تاخیر کو قبول کرنے کے لئے زیادہ لائق ہیں۔ اور بعض نے کہا ہے کہ ایسی حالت میں قضاء ساقط ہو جاتی ہے ان حضرات
 کے نزدیک تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عذر اسقاط کو قبول کرنے کے زیادہ لائق ہیں۔ صاحبنا نے اسی قول کو اسح کہا ہے۔

لیٹ کر پہلو کے بل نماز پڑھنے کا حکم

وان استلقى على جنبه ووجهه الى القبلة جاز لماروينا من قبل الا ان الاولى هو الاولى عندنا خلافا للشافعي لان اشارة المستلقى تقع الى هواء الكعبة و اشارة المضطجع على جنبه الى جانب قدميه و به تتادى الصلوة

ترجمہ..... اور اگر بیمار کروٹ پر لیٹا اور اس کا منہ بجانب قبلہ ہے تو جائز ہے اس حدیث کی وجہ سے جو ہم نے پہلے روایت کی ہے کہ بیٹ ہمارے نزدیک اولیٰ ہے امام شافعی کا اختلاف ہے کیونکہ چت لیٹنے والے کا اشارہ ہوا کعبہ کی طرف پڑتا ہے اور کروٹ پر لیٹنے والے کا اشارہ اس کے دونوں قدموں کی جانب پڑتا ہے اور اسی کے ساتھ نماز ادا ہوتی ہے۔

تشریح..... صاحب قدوری نے کہا ہے کہ بیمار اگر کروٹ پر لیٹ کر اشارے سے نماز پڑھے درحالیکہ اس کا منہ قبلہ کی جانب ہے تو بھی جائز ہے دلیل حدیث عمران بن حصین ہے جو اول باب میں مذکور ہو چکی ہے اور باری تعالیٰ کا قول يَدْخُرُونَ اللَّيْلَةَ قِيَامًا وَفُتُوهُ عَلَى جُنُوبِهِمْ بھی اس پر دال ہے۔ حاصل یہ ہے کہ عمران بن حصین کی حدیث فان لم تستطع فعلى الجنب يومى ايما، عبد اللہ بن عمر کی حدیث فان لم يستطع فعلى قفا يومى ايما متعارض ہیں کیونکہ حدیث عمران ابن حصین میں کروٹ پر لیٹ کر نماز پڑھنا مذکور ہے اور عبد اللہ بن عمر کی حدیث میں چت لیٹ کر نماز پڑھنا مذکور ہے۔ اور بیمار کی حالت عذر کی حالت ہے اس لئے ان دونوں حالتوں میں سے ہر ایک بیٹ پر نماز پڑھنا جائز ہے البتہ اولویت میں اختلاف ہے چنانچہ ہمارے نزدیک بیٹ اولیٰ (چت لیٹ کر) نماز پڑھنا اولیٰ ہے اور امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک بیٹ ثانیہ (کروٹ) پر نماز پڑھنا اولیٰ ہے ہمارے نزدیک وجہ اولویت ہے کہ چت لیٹ کر نماز ادا کرنے کا اشارہ کعبہ کی قضاء کی طرف پڑتا ہے اور کروٹ پر لیٹ کر نماز ادا کرنے والے کا اشارہ اس کے قدموں کی طرف پڑتا ہے اور نماز اس سے ادا ہوتی ہے کہ اشارہ قضاء کعبہ کی طرف پڑے اس لئے چت لیٹ کر نماز ادا کرنا اولیٰ ہوگا۔

سر کے اشارہ تک سے عاجز ہو تو نماز کب تک مؤخر کرے گا

فان لم يستطع الايماء براسه اخرت عنه ولا يؤمى بعينه ولا بقلبه ولا بحاجبيه خلافا لزفر لما روينا من ان ولان نصب الابدال بالرأى ممتنع ولا قياس على الرأس لانه يتادى به ركن الصلوة دون العين واحتيجها وفان اخرت عنه اشارة الى انه لا تسقط الصلوة عنه وان كان العجز اكثر من يوم ليلة اذا كان مفيقا وهو الصحيح لانه يفهم مضمون الخطاب بخلاف المغمى عليه

ترجمہ..... پھر اگر مریض اپنے سر سے بھی اشارہ کی قدرت نہ رکھتا ہو تو اس سے نماز کو مؤخر کر دیا جائے گا اور اشارہ نہیں کرے گا اپنی آنکھوں سے اور نہ اپنے دل سے اور نہ اپنی ہنصوں سے امام زفر کا اختلاف ہے اس حدیث کی وجہ سے جس کو ہم پہلے روایت کر چکے ہیں اور اس بیٹ سے کہ بدل کارائے سے مقرر کرنا ممتنع ہے اور سر پر قیاس نہیں کیا جاسکتا ہے کیونکہ سر کے ساتھ نماز کا ایک رکن ادا ہوتا ہے نہ کہ آنکھ اور اس کے آئین (ہنصوں اور قلب) سے اور امام قدوری کا قول اخرت عنه اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس سے نماز ساقط نہ ہوگی اور اگر چہ نماز دن رات سے زائد ہو بشرطیکہ وہ شخص افاقہ میں ہو۔ یہی صحیح ہے کیونکہ یہ مریض مضمون خطاب کو سمجھتا ہے۔ اس کے برخلاف وہ

س پر بے ہوشی طاری ہو گئی ہے۔

شرح..... شیخ ابوالحسن قدوری نے فرمایا ہے کہ مرض اگر اس قدر بڑھ گیا کہ سر کے ساتھ اشارہ کرنے کی قدرت بھی باقی نہ رہی ہو تو نماز کو ترک کر دی جائے گی لیکن آنکھوں، قلب اور بھنوں کے ساتھ اشارہ کرنا کافی نہ ہوگا۔ امام زفر کہتے ہیں کہ ایسا مریض اپنی آنکھوں اور قلب کے ساتھ اشارہ کر کے نماز ادا کرے اور تندرست ہونے پر اس کا اعادہ کر لے۔ اسی کے قائل امام شافعی ہیں ہماری دلیل وہ حدیث ہے جو سابق میں گذر چکی یعنی ان قدرت ان تسجد علی الارض فاسجد والا فادم بر آسک اس حدیث کے اندر مقام بیان کے موقع پر سر پر اکتفاء کیا ہے۔ اگر سر کے علاوہ کے ساتھ اشارہ کرنا جزء ہوتا تو آنحضرت ﷺ اس کو نہ در بیان فرماتے۔ آپ کا بیان نہ فرمانا عدم جواز کی دلیل ہے۔

عقلی دلیل: یہ ہے کہ اشارہ درحقیقت رکوع اور سجدہ کا بدل ہے اور بدل کارائے سے مقرر کرنا ممنوع ہے اور حدیث کے اندر فقط سر کے ساتھ اشارہ کا ذکر ہے نہ کہ آنکھ وغیرہ کے ساتھ اشارہ کا۔ پس اگر ان چیزوں کے ساتھ اشارہ کرنے کی اجازت دے دی جائے تو بدل کارائے سے مقرر کرنا لازم آئے گا حالانکہ یہ جائز نہیں ہے اس لئے آنکھ وغیرہ کے ساتھ اشارہ کرنا کافی نہ ہوگا۔ اور اگر آپ یہ کہیں کہ رائے سے بدل کا مقرر کرنا نہیں ہے بلکہ یہ تو سر کے حکم پر قیاس کرنا ہے یعنی جس طرح سر کے ساتھ اشارہ کرنا رکوع اور سجدہ کے لئے کافی ہے۔ اسی طرح آنکھ وغیرہ کے ساتھ اشارہ کرنا بھی کافی ہونا چاہئے۔ تو جواب یہ ہوگا کہ آنکھ وغیرہ کو سر پر قیاس کرنا درست نہیں ہے کیونکہ سر کے ساتھ نماز کا ایک رکن یعنی سجدہ ادا ہوتا ہے اور آنکھ قلب بھنوں کے ساتھ سجدہ ادا نہیں ہوتا یعنی ان تینوں اعضاء کو سجدہ کی ادائیگی میں کوئی دخل نہیں ہے۔ پس اس فرق کے ساتھ ایک کا دوسرے پر قیاس کرنا کیسے درست ہو سکتا ہے قدوری کی عبارت آخرت عنہ سے اس بات کی نشاندہی ہوتی ہے کہ ایسے مریض کے ذمہ سے نماز ساقط نہ ہوگی بلکہ نماز اس کے ذمہ باقی رہے گی صحت یاب ہونے پر قضاء واجب ہوگی اگرچہ یہ حالت ایک دن رات سے زائد ہی ہو بشرطیکہ اس عرصہ میں مریض باہوش رہا ہو۔ یہی قول صحیح ہے کیونکہ یہ مریض جب افاقہ و ہوش میں ہے تو نماز کے حکم ادا کو سمجھتا ہے۔ اور جب حکم کو سمجھتا ہے تو اس پر حکم متوجہ ہے جس سے اس کے ذمہ ادا واجب ہوگی مگر عذر کی وجہ سے بالفعل ادا سے مہلت دیدی گئی ہے یہاں تک کہ قدرت حاصل ہو اس کے برخلاف وہ شخص جو ایک دن رات سے زائد بے ہوش رہا تو چونکہ وہ فہم خطاب سے عاجز ہے اس لئے نماز اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گی۔

بعض حضرات نے کہا ہے کہ بیماری کی یہ حالت کہ جس میں سر کے ساتھ اشارہ پر بھی قدرت نہ ہو اگر ایک دن رات سے زائد ہے تو اس پر قضاء واجب نہ ہوگی اور ایک دن رات سے کم ہے تو قضاء لازم ہو جائے گی۔

قیام پر قادر ہو رکوع سجدہ پر قادر نہ ہو اس کے لئے کیا حکم ہے

وان قدر علی القيام ولم يقدر علی الركوع والسجود لم يلزمه القيام و یصلی قاعدا یومی الایماء لان رکنیة القيام لیتوسل بہ الی السجدة لما فیہا من نہایة التعظیم فاذا کان لا یتعقبہ السجود لایکون رکناً فیتخیر والافضل هو الایماء قاعدا لانه اشبه بالسجود

ترجمہ..... اور اگر مریض کو قیام پر قدرت ہے اور رکوع اور سجود پر قدرت نہیں ہے تو اس پر قیام کرنا لازم نہ رہا۔ اور بیٹھ کر پڑھے درانحالیکہ

اشارہ کرتا ہو اس لئے کہ قیام کا رکن ہونا اس غرض سے ہے کہ قیام کے وسیلہ سے سجدہ ادا ہو کیونکہ ایسے سجدہ میں انتہائی تعظیم ہے پس جب قیام ایسا ہو کہ اس کے بعد سجدہ نہ ہو تو قیام رکن نہیں رہے گا۔ اس لئے مریض کو اختیار ہے افضل تو بیٹھ کر اشارہ کرنا ہے کیونکہ بیٹھ کر اشارہ کرنا حقیقی سجدہ کے زیادہ مشابہ ہے۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ایسا بیمار ہے کہ وہ قیام پر تو قادر ہے لیکن رکوع اور سجدہ کرنے پر قدرت نہیں ہے تو اس پر قیام لازم نہ ہوگا۔ بلکہ وہ بیٹھ کر اشارہ کے ساتھ نماز ادا کرے۔ امام زفر اور امام شافعی نے فرمایا کہ اگر قیام پر قدرت ہو اور رکوع اور سجود پر قدرت نہ ہو تو قیام اس کے ذمہ سے ساقط نہ ہوگا ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ قیام رکن ہے اور مریض اس سے عاجز نہیں ہے بلکہ دوسرے رکن یعنی رکوع اور سجدہ سے عاجز ہے پس رکوع اور سجدہ سے عاجز ہونے کی وجہ سے قیام کیونکر ساقط ہوگا ہماری دلیل یہ ہے کہ قیام فقط اس غرض سے رکن ہے کہ وہ ادائے سجدہ کا وسیلہ ہوتا ہے اور قیام ادائے سجدہ کا وسیلہ اس لئے ہے کہ قیام کے بعد سجدہ کرنے میں انتہائی تعظیم ہے پس جب قیام کے بعد سجدہ نہ ہو وہ قیام رکن نہیں ہوگا اور جب اس حالت میں قیام رکن نہ رہا تو بیمار مصلیٰ کو قیام کرنے اور نہ کرنے میں اختیار ہے البتہ افضل یہ ہے کہ بیٹھ کر رکوع سجدہ کا اشارہ کرے کیونکہ بیٹھ کر سجدہ کا اشارہ کرنا حقیقی سجدہ کے زیادہ مشابہ ہے اس لئے کہ بیٹھ کر اشارہ کرتے وقت سر زمین سے زیادہ قریب ہو جائے گا بہ نسبت کھڑے ہو کر اشارہ کرنے کے۔

تندرست نے نماز کھڑے ہو کر شروع کی پھر مرض لاحق ہو گیا بیٹھ کر مکمل کرے

وان صلی الصحیح بعض صلوتہ قائما ثم حدث بہ مرض اتمہا قاعدا یرکع و یرسجد ا یومی ان لم یقدر ان
مستلقیا ان لم یقدر لانه بنی الادنی علی الاعلی فصار کالافتاء

ترجمہ..... اور اگر تندرست آدمی نے نماز کا کچھ حصہ کھڑے ہو کر پڑھا پس اس کو مرض حادث ہو گیا تو بیٹھ کر نماز کو پورا کرے درانحالیکہ رکوع اور سجدہ کرے یا اشارہ کرے اگر (رکوع سجدہ پر) قادر نہ ہو یا لیٹ کر (نماز پوری کرے) اگر (بیٹھنے پر) قادر نہ ہو کیونکہ اس نے ادنیٰ کو اعلیٰ پر مبنی کیا ہے لہذا اقتداء کے مانند ہو گیا۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ اگر تندرست آدمی نے نماز کا ایک حصہ کھڑے ہو کر ادا کیا پھر درمیان نماز ایسا مرض لاحق ہو گیا کہ قیام پر قادر نہ رہا تو اگر رکوع سجدہ پر قدرت ہو تو بیٹھ کر رکوع سجدہ کے ساتھ نماز پوری کرے اور اگر رکوع سجدہ پر قدرت نہ ہو تو رکوع سجدہ کا اشارہ کرے اور نماز پوری کرے اور اگر اس قدر مریض ہو گیا کہ بیٹھنے پر بھی قدرت نہ رہی تو چت لیٹ کر نماز پوری کرے۔ دلیل یہ ہے کہ ان تینوں صورتوں میں ادنیٰ کی بناء اعلیٰ پر کی گئی ہے اور ادنیٰ کی بناء اعلیٰ پر کرنا جائز ہے جیسے کہ ادنیٰ حال والے کا اعلیٰ حال والے کی اقتداء کرنا جائز ہے یعنی جس طرح بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کا کھڑے ہو کر پڑھنے والے کی اقتداء جائز ہے اسی طرح خود اپنے حق میں یہ بات جائز ہے کہ نماز کا اول حصہ کھڑے ہو کر پڑھے پھر عذر کی وجہ سے بعد کا حصہ بیٹھ کر پڑھے۔

حالت مرض میں بیٹھ کر نماز پڑھی اور رکوع سجدہ اشارہ سے کیا پھر تندرست ہو گیا کھڑے ہو کر پہلی نماز پر بنا کر سکتا ہے یا نہیں، اقوال فقہاء

ومن صلی قاعدا ی رکع ویسجد لمرض ثم صح بنی علی صلاتہ قائما عند ابی حنیفہ و ابی یوسف و قال محمد استقبال بناء علی اختلافہم فی الاقتداء وقد تقدم بیانہ

ترجمہ..... اور جو شخص کسی مرض کی وجہ سے بیٹھ کر رکوع سجدہ کے ساتھ نماز پڑھتا ہے پھر تندرست ہو گیا تو شیخین کے نزدیک اپنی نماز کرے ہو کر بنا کرے اور امام محمد نے فرمایا از سر نو پڑھے (یہ اختلاف ان کے اقتداء کے اندر اختلاف پر مبنی ہے اور اس کا بیان پہلے گذر چکا ہے۔

شرح..... صورت مسئلہ ایک شخص نے مرض کی وجہ سے رکوع اور سجدہ کے ساتھ بیٹھ کر نماز کا ایک حصہ ادا کیا پھر نماز کے درمیان ہی تندرست ہو کر قیام پر قادر ہو گیا تو شیخین کے نزدیک کھڑے ہو کر اپنی نماز پر بنا کرے اور امام محمد کے نزدیک از سر نو نماز پڑھے۔ امام محمد اور شیخین کا اصل اختلاف اس بات میں ہے کہ قائم قاعد کے پیچھے اقتداء کر سکتا ہے یا نہیں؟ امام محمد نے فرمایا کہ قائم کا قاعد کے پیچھے اقتداء کرنا جائز نہیں ہے اور شیخین نے فرمایا کہ جائز ہے پس چونکہ امام محمد کے نزدیک قائم کا قاعد کے پیچھے اقتداء کرنا ناجائز ہے تو اس کی قیام نماز کی بنا کرنا بحالت قعود نماز پر بھی ناجائز ہے اور شیخین کے نزدیک قائم کا قاعد کے پیچھے اقتداء کرنا چونکہ جائز ہے لہذا اپنے وقت میں بھی حالت قیام کی نماز کو حالت قعود کی نماز پر مبنی کرنا جائز ہوگا۔

نماز کی کچھ رکعتیں اشارے سے پڑھیں پھر رکوع سجدہ پر قادر ہو گیا بالاتفاق نئے سرے سے نماز پڑھے

ان صلی بعض صلوتہ بایماء ثم قدر علی الرکوع والسجود استأنف عنہم جمیعا لانہ لایجوز اقتداء بالکعب بالمومی فکذا البناء

ترجمہ..... اور اگر نماز کا ایک حصہ اشارے کے ساتھ ادا کیا پھر رکوع اور سجدہ پر قادر ہو گیا تو ائمہ ثلاثہ کے نزدیک نماز از سر نو پڑھے۔ اس کے رکوع کرنے والے کا اشارہ کرنے والے کی اقتداء کرنا جائز نہیں ہے۔ یہی حال بناء کا ہے۔

شرح..... مسئلہ ایک شخص نے عجز کی وجہ سے نماز کا ایک حصہ اشارے کے ساتھ ادا کیا پھر درمیان نماز رکوع اور سجدہ پر قادر ہو گیا تو ائمہ ثلاثہ (ابو حنیفہ صاحبین) کے نزدیک از سر نو نماز پڑھے امام زفر نے فرمایا کہ اس صورت میں بھی بناء کرنا جائز ہے۔ دلیل یہ ہے کہ سے نزدیک رکوع کرنے والے کا اشارہ کرنے والے کی اقتداء کرنا جائز نہیں ہے اور امام زفر کے نزدیک جائز ہے پس یہی حال بناء کے لئے ہے۔

نقل کھڑے ہو کر شروع کئے پھر ٹیک لگالی تو کیا حکم ہے

بافتح التطوع قائما ثم اعنی لا بأس ان یتوکأ علی عصا او حائط او یقع لان هذا عذر وان کان الاقتداء

بغیر عذر یکرہ لانہ اساءۃ فی الادب و قیل لایکرہ عند ابی حنیفہ لانہ لو قعدہ عندہ یجوز من غیر عذر
فکذا لایکرہ الاتکاء وعندہما یکرہ لانہ لا یجوز القعود عندہما فیکرہ الاتکاء

ترجمہ..... اور جس شخص نے نفل کو کھڑے ہو کر شروع کیا پھر وہ تھک گیا تو اس بات میں کوئی حرج نہیں کہ وہ لائچی یا دیوار پر ٹیک لگا کر بیٹھ جائے کیونکہ یہ عذر ہے اور اگر ٹیک لگانا بغیر عذر ہو تو مکروہ ہے کیونکہ یہ بے ادبی ہے اور کہا گیا کہ ابو حنیفہ کے نزدیک مکروہ نہیں ہے اس لئے کہ ان کے نزدیک اگر بغیر عذر بیٹھ گیا تو جائز ہے اسی طرح ٹیک لگانا بھی مکروہ نہیں ہے اور صاحبین کے نزدیک مکروہ ہے کیونکہ ان کے نزدیک بیٹھنا ناجائز ہے پس ٹیک لگانا بھی مکروہ ہے۔

تشریح..... اگر کسی نے نفل نماز کھڑے ہو کر شروع کی پھر کسی چیز پر ٹیک لگائی تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ ٹیک لگانا عذر کی وجہ سے ہوگا یا عذر کے بغیر ہوگا اگر اول ہے تو مثلاً تکان ہو گیا تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور اگر ثانی صورت ہے تو بعض مشائخ نے کہا ہے کہ بالکل اجتناف مکروہ ہے۔ وجہ کراہت یہ ہے کہ بلا عذر ٹیک لگانے میں سوائے ادب اور بے ادبی ہے۔ لیکن اس قول کی بنیاد پر امام ابو حنیفہ کی طرف سے بلا عذر بیٹھنے اور بلا عذر ٹیک لگانے میں فرق بیان کرنا ضروری ہو گیا کیونکہ امام صاحب کے نزدیک بلا عذر بیٹھنا غیر مکروہ ہے اور بلا عذر ٹیک لگانا مکروہ ہے سو وجہ فرق یہ ہے کہ ابتداء کھڑے ہو کر نفل شروع کرنے میں اور بیٹھ کر شروع کرنے میں نفل پڑھنے والے اختیار ہے پس یہ اختیار انتہاء بھی بلا کراہت باقی رہے گا۔

البتہ اس کو یہ اختیار نہیں کہ ابتداء نفل نماز ٹیک لگا کر پڑھے یا بغیر ٹیک لگانے پڑھے پس جب ابتداء یہ اختیار نہیں ہے تو انتہاء بھی اختیار نہ ہوگا بعض مشائخ نے کہا ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک نماز کے درمیان اگر بغیر عذر کے ٹیک لگائی تو بلا کراہت جائز ہے۔ لیکن یہ ہے کہ امام صاحب کے نزدیک بغیر عذر نفل نماز کے درمیان بیٹھنا مکروہ نہیں ہے لہذا ٹیک لگانا بھی مکروہ نہ ہوگا کیونکہ بیٹھنا جو منافی قیام ہے جب وہ مکروہ نہیں تو ٹیک لگانا جو قیام کے منافی بھی نہیں ہے وہ بدرجہ اولیٰ مکروہ نہ ہوگا۔ صاحبین کے نزدیک بلا عذر ٹیک لگانا مکروہ ہے اس کی یہ ہے کہ ان کے نزدیک بلا عذر بیٹھنا مکروہ ہے لہذا ٹیک لگانا بھی مکروہ ہوگا۔

بغیر عذر کے بیٹھ کر نماز پڑھنا مکروہ ہے

وان قعد بغیر عذر یکرہ بالاتفاق و تجوز الصلوة عندہ ولا تجوز عندہما وقد مر فی باب النوافل

ترجمہ..... اور اگر بغیر عذر بیٹھ گیا تو بالاتفاق مکروہ ہے اور امام صاحب کے نزدیک نماز جائز اور صاحبین کے نزدیک ناجائز ہے اور یہ النوافل میں یہ مسئلہ گذر چکا ہے۔

تشریح..... مسئلہ اگر کسی آدمی نے کھڑے ہو کر نفل نماز شروع کی پھر بلا عذر بیٹھ گیا تو بالاتفاق مکروہ ہے لیکن امام ابو حنیفہ کے نزدیک کراہت کے باوجود نماز جائز ہو جائے گی اور صاحبین کے نزدیک اس صورت میں نماز ہی ناجائز نہ ہوگی۔

اس عبارت میں قدرے تسامح ہے اس طور پر کہ صاحبین اس صورت میں عدم جواز کے قائل ہیں اور عدم جواز کو کراہت کے ساتھ متصف نہیں کیا جاتا ہے لہذا صاحبین کے مسلک کی بناء پر یکرہ بالاتفاق کہنا کس طرح درست ہوگا دوسری بات یہ ہے کہ اس

امام ابوحنیفہ کا مذہب بیان کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ نفل نماز کے درمیان بلا عذر بیٹھنا مکروہ ہے اور اس سے پہلے مسئلہ میں خادم نے ایسا کیا ہے کہ امام صاحب کے نزدیک بلا عذر بیٹھنا غیر مکروہ ہے سو تطبیق یہ ہے کہ مہسوط کے بیان کے مطابق حضرت امام صاحب کا قول صحیح ہے اور ایک قول کراہت کا ہے پس گذشتہ مسئلہ میں قول صحیح ذکر کیا گیا ہے اور اس مسئلہ میں دوسرا قول ذکر کر دیا گیا ہے۔

کشتی میں بغیر عذر کے بیٹھ کر نماز پڑھنے کا حکم..... اقوال فقہاء

من صلی فی السفینۃ قاعدا من غیر علة اجزاہ عند ابی حنیفۃ والقیام افضل و قال لا یجزیہ الا من عذر لان القیام مقدور علیہ فلا یتروک ولہ ان الغالب فیہا دوران الرأس وهو کالمتحقق الا ان القیام افضل لانه ابعد من شہۃ الخلاف والخروج افضل ما امکنہ لانه اسکن لقلبہ والخلاف فی غیر المربوطۃ والمربوطۃ ناشط هو الصحیح

ترجمہ..... اور جس شخص نے بغیر کسی بیماری کے چلتی ہوئی کشتی میں بیٹھ کر نماز پڑھی تو ابوحنیفہ کے نزدیک جائز ہے اور کھڑا ہونا افضل ہے اور صاحبین کے نزدیک جائز نہ ہوگی مگر عذر سے کیونکہ قیام پر اس کو قدرت حاصل ہے تو وہ ترک نہ کیا جائے گا اور امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ کشتی کے اندر بالعموم سر گھومتا ہے اور وہ متحقق کے مانند ہے۔ مگر یہ کہ قیام افضل ہے اس لئے کہ وہ شبہ خلاف سے دور تر ہے اور جس قدر کشتی سے باہر نکل آنا افضل ہے کیونکہ اس میں اطمینان قلب ہے اور اختلاف بغیر بندھی ہوئی کشتی میں ہے اور بندھی ہوئی کشتی دریا کے کنارے کے مانند ہے یہی صحیح ہے۔

ترجمہ..... صاحب عنایہ نے فرمایا کہ کشتی میں نماز پڑھنے والا قیام سے عاجز ہوگا یا عاجز نہیں ہوگا۔ اگر عاجز ہے تو بالاتفاق بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہے اور اگر قیام سے عاجز نہیں تو اس کی بھی دو صورتیں ہیں۔ کشتی ٹھہری ہوئی ہوگی یا چلتی ہوئی ہوگی اگر اول ہے تو بالاتفاق بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز نہیں ہے اور اگر ثانی ہے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک بغیر کسی بیماری کے بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہے لیکن کھڑے ہو کر پڑھنا افضل ہے اور صاحبین نے فرمایا کہ بغیر عذر کے بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز نہیں ہے یہی مذہب امام مالک، امام شافعی، امام احمد کا ہے صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ قیام پر اس کو قدرت حاصل ہے اور قدرت علی القیام کی صورت میں قیام کو ترک نہیں کیا جاتا۔ لہذا اس صورت میں بھی قیام کو ترک نہیں کیا جائے گا۔ امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ چلتی ہوئی کشتی میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے بالعموم دوران رأس (سر کا چکر) ہوتا ہے اور غالب بمنزلہ متحقق کے ہوتا ہے مثلاً کروٹ پر سونے کو حدث کہا گیا ہے کیونکہ اس حالت میں بالعموم اعضاء کے ڈھیلے پڑ جانے کا وجہ سے ریح خارج ہو جاتی ہے پس غالب کو متحقق کرے مرتبہ میں اتار کر نقض وضو کا حکم لگا دیا جاتا ہے۔ اسی طرح یہاں دوران رأس کا غالب احتمال کو متحقق کے مرتبہ میں اتار کر یہ کہا گیا ہے کہ گویا یہ شخص قیام سے عاجز ہے اور جب قیام سے عاجز ہے تو بیٹھ کر نماز پڑھنے کو واجب قباحت نہیں ہے۔ البتہ امام صاحب کے نزدیک بھی کھڑے ہو کر پڑھنا افضل ہے کیونکہ کھڑے ہو کر پڑھنا اختلاف کے شبہ سے دور ہے یعنی بیٹھ کر نماز پڑھنے میں علماء کا اختلاف ہے لیکن کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی صورت میں اختلاف کی زحمت سے نجات مل جائے۔ صاحبہ ایہ فرماتے ہیں کہ اگر ممکن ہو تو نماز کے لئے کشتی سے باہر نکل آنا افضل ہے کیونکہ اس میں ہر ایک کے قلب کو سب سے

زیادہ اطمینان ہے لیکن اگر کشتی سے نکلنا ممکن ہو مگر اس کے باوجود نہیں نکلا بلکہ کشتی ہی میں نماز پڑھی تو بھی جائز ہے۔

صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ بغیر عذر بیٹھ کر نماز پڑھنے کے جواز اور عدم جواز کا اختلاف ایسی کشتی میں ہے جو کنارے پر بندھی ہو لیکن بلکہ چلتی ہو اور جو کشتی دریا کے کنارے بندھی ہو وہ دریا کے کنارے کے مانند ہے یعنی جس طرح بغیر عذر زمین پر دریا کے کنارے پر نماز پڑھنا جائز نہیں ہے اسی طرح بندھی ہوئی کشتی میں بھی بلا عذر بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز نہیں ہے صحیح قول یہی ہے۔

پانچ یا پانچ سے کم نمازوں میں بے ہوشی طاری رہی تو قضاء ہے اور اس سے زیادہ میں نہیں

ومن اغمی علیہ خمس صلوات او دونہا قضی وان کان اکثر من ذلک لم یقض وهذا استحسانا والقبایر ان لاقضاء علیہ اذا استوعب الاغماء وقت صلوة کامل لتحقق العجز فشبہ الجنون وجہ الاستحسان ان المدة اذا طالت کثرت الفوائت فیخرج فی الادا و اذا قصرت قلت فلا حرج والکثیر ان تزیید علی یوم ولیلة لانه یدخل فی حد التکرار والجنون کالاعضاء کذا ذکرہ ابو سلیمان بخلاف النوم لان امتدادہ نادر فیلحق بالقاصر ثم الزیادة تعتبر من حیث الاوقات عند محمد لان التکرار یتحقق بہ وعندہما من حیث الساعات هو الماثور عن علی و ابن عمر و اللہ اعلم بالصواب

ترجمہ..... اور جس پر پانچ نمازوں تک یا اس سے کم بے ہوشی طاری ہوئی تو ان کی قضاء کرے اور اگر ان سے زیادہ تو قضاء نہ کرے اور استحسان ہے اور قیاس یہ ہے کہ اس پر قضاء نہ ہو جب کہ اغماء نے ایک نماز کا پورا وقت گھیر لیا کیونکہ عجز متحقق ہو گیا پس اغماء جنون کے مشابہ ہو گیا اور استحسان کی وجہ یہ ہے کہ مدت اغماء جب دراز ہو جائے گی تو قضاء نمازیں بہت ہو جائیں گی پس ان کی قضاء کرنے میں حرج میں پڑ جائے گا۔ اور مدت تھوڑی ہوگی تو قضا نہیں تھوڑی ہوں گی اس لئے حرج میں نہ پڑے گا۔ اور کثیر یہ ہے کہ قضا میں ایک دن رات سے بڑھ جائیں کیونکہ وہ تکرار کی حد میں داخل ہو جاتی ہیں اور جنون اغماء کے مانند ہے ایسا ہی ابو سلیمان نے ذکر کیا ہے۔ بخلاف نیند کے لئے کہ نیند کا اس قدر دراز ہونا نادر ہے تو نیند کو عذر قاصر کے ساتھ الحق کیا جائے گا پھر زیارت اور کثرت امام محمد کے نزدیک اوقات کے شمار سے معتبر ہے کیونکہ تکرار اسی کے ساتھ متحقق ہوگا۔ اور شیخین کے نزدیک ساعات سے شمار ہے۔ یہی حضرت علی اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے واللہ اعلم بالصواب

تشریح..... مسئلہ اگر کوئی شخص پانچ نمازوں سے زائد بے ہوش رہا تو ان کی قضاء واجب نہیں ہے یہ حکم بنظر استحسان ہے اور قیاس کا قائل یہ ہے کہ اگر بے ہوشی نے ایک نماز کا پورا وقت گھیر لیا تو اس پر قضاء واجب نہ ہوگی۔ اسی کے قائل امام مالک اور امام شافعی ہیں حنا بلکہ یہ ہے کہ فوت شدہ نمازوں کی قضاء واجب ہے اگرچہ ایک ہزار نمازیں ہوں۔ حاصل یہ ہے کہ حنا بلکہ کے نزدیک اغماء کی وجہ سے فوت شدہ نمازیں تھوڑی ہوں یا زیادہ بہر صورت قضاء کرنا واجب ہے اور امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک اگر اغماء نے ایک نماز کا پورا وقت گھیر لیا اور ایک ہی نماز فوت ہوئی تو بھی قضاء واجب نہ ہوگی یعنی اغماء کی وجہ سے فوت شدہ نمازیں تھوڑی ہوں یا زیادہ دونوں صورتوں میں قضاء واجب نہ ہوگی۔ ہمارے علماء نے درمیانی راہ اختیار کرتے ہوئے کہا ہے کہ اگر اغماء کی وجہ سے فوت شدہ نمازیں قلیل ہیں تو ان کی قضاء کرنا واجب ہے۔ اور اگر کثیر ہیں تو قضاء کرنا واجب نہیں ہے۔

تھابہ کی دلیل یہ ہے کہ اغما ایک قسم کا مرض ہے اور مرض کے اندر جس قدر نمازیں فوت ہو جائیں ان کی قضاء واجب ہوتی ہے لہذا صورت میں بھی قضاء واجب ہوگی خواہ فوت شدہ نمازیں کثیر ہی کیوں نہ ہوں۔ امام مالک اور امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ جب اغما نماز کا پورا وقت گھیر لیا تو عجز متحقق ہو گیا اور بقول بعض جنون کے مشابہ ہو گیا پس بعض حضرات کے نزدیک جس طرح ایک نماز کے وقت کا جنون قضاء واجب نہیں کرتا اسی طرح اغما کی صورت میں بھی قضاء واجب نہ ہوگی۔

وجہ احتساب جو علماء احناف کی دلیل ہے یہ ہے کہ مدت اغما جب دراز ہو جائے گی تو فوت شدہ نمازیں کثیر ہو جائیں گی۔ اب اگر ان وقت کثیرہ کی قضاء کا حکم دیا جائے گا تو وہ شخص حرج میں پڑ جائے اور چونکہ شریعت اسلام میں حرج کو دور کیا گیا ہے اس لئے ان فوائت قلیلہ کی قضاء واجب نہیں کی گئی۔ اور اگر مدت اغما کم ہے تو فوت شدہ نمازیں قلیل ہوں گی اور فوائت قلیلہ کی قضاء کرنے میں چونکہ کوئی عجز نہیں ہے اس لئے فوائت قلیلہ کی قضاء کا حکم دیا گیا ہے احناف کی دلیل کو اس طرح بھی بیان کیا جاسکتا ہے کہ عذر تین طرح کے ہیں اول یہ جیسے بچپن تو یہ بالا جماع مانع فرضیت ہے دوم قاصر جیسے نیند کہ وہ بالاتفاق مانع نہیں حتیٰ کہ نیند کی وجہ سے اگر نماز فوت ہوگئی تو اس کی قضا واجب ہے سوم جو درمیانی درجہ پر ہے جنون اور اغما پر اگر یہ دراز ہو جائیں تو ممتد کے ساتھ الاحق ہوں گے حتیٰ کہ قضاء ساقط ہو جائے اور اگر کم ہوں تو قاصر کے ساتھ الاحق ہونگے حتیٰ کہ قضاء واجب ہوگی۔

واضح ہو کہ کثیرہ حد یہ ہے کہ فوت شدہ نمازیں ایک رات و دن سے بڑھ جائیں حتیٰ کہ چھٹی نماز کا وقت نکل جائے کیونکہ جب چھٹی کا وقت نکل گیا تو نمازوں میں تکرار شروع ہو گیا اور تکرار کے بعد کثرت کا ظاہر ہونا امر لا بدی ہے۔

صاحب ہدایہ نے ”والجنون کالاعماء“ سے امام مالک اور امام شافعی کے قیاس کا جواب دیا ہے جو اب کا حاصل یہ ہے کہ اغما جنون کے مانند نہیں بلکہ جنون اغما کے مانند ہے یعنی جنون اگر پانچ نمازوں سے زائد رہا تو قضاء ساقط ہوگی اور اگر کم ہے تو ساقط نہ ہوگی۔ ایمان نے یہی ذکر کیا ہے اس کے برخلاف نیند کہ اگر وہ زائد ہوگی، ونب نجی قضاء ساقط نہ ہوگی کیونکہ نیند کا ممتد ہونا نادر ہے لہذا اس کو قاصر کے ساتھ الاحق کیا جائے گا نہ کہ عذر ممتد کے ساتھ۔

علماء احناف اس بات پر متفق ہیں کہ کثیر کی حد یہ ہے کہ قضاء نمازیں ایک رات دن سے بڑھ جائیں لیکن اس میں اختلاف ہے کہ یہ دن یا من حیث الاوقات معتبر ہے یا من حیث الساعات معتبر ہے؟ امام محمد نے فرمایا کہ من حیث الاوقات معتبر ہے یعنی اگرچہ چھ نمازیں نہ ہوگی اور چھٹی نماز کا وقت گذر گیا تو کثرت ثابت ہو جائے گی اور کثرت فوائت کی وجہ سے قضاء واجب نہ ہوگی اور اگر چھٹی نماز کا وقت نہیں گذرا بلکہ کچھ ساعتیں گذری ہیں تو امام محمد کے نزدیک کثرت ثابت نہ ہوگی اور اس کے ذمہ سے قضاء ساقط نہ ہوگی۔

ہدایہ نے امام محمد کی دلیل ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ تکرار چھ نمازوں کے فوت ہونے سے ہی متحقق ہوگا اور چھ نمازوں کا فوت ہونا من حیث الساعات معتبر ہے جو قضاء کو ساقط کرنے والا ہے لہذا کثرت کی تحدید میں نمازوں کا فوت ہونا ہی معتبر ہے شیخین نے کہا ہے کہ کثرت من حیث الساعات معتبر ہیں نہ کہ اوقات یعنی ایک دن رات سے اگر ایک دو ساعت بھی زیادہ ہوگئی تو کثرت ثابت نہ ہو جائے گی یہی دلیل ہے اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے منقول ہے۔ ثمرۃ اختلاف اس صورت میں ظاہر ہوگا کہ ایک شخص پر چاشت کے وقت شہنشاہی ہوگئی پھر اگلے دن زوال سے ایک ساعت پہلے اتفاق ہو گیا (ہوش آ گیا) تو یہ ساعت کے اعتبار سے ایک دن رات سے لہذا شیخین کے نزدیک اس پر قضاء واجب نہ ہوگی اور امام محمد کے نزدیک اس پر قضاء واجب ہوگی کیونکہ اس صورت میں نمازوں کے

اندر پانچ پر اضافہ نہیں ہوا ہے صحیح حکم کو خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ جمیل احمد غنی عنہ۔

باب فی سجدة التلاوة

ترجمہ..... (یہ) بات تلاوت کے سجدہ (کے بیان) میں ہے۔

تشریح..... مناسب بات یہ تھی کہ سجدہ تلاوت کو سجدہ سہو کے فوراً بعد ذکر کیا جاتا اس لئے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک سجدہ ہے مگر نہ مریض کی نماز عارض سماوی کی وجہ سے ہے اور نہ سہو بھی عارض سماوی سے ہوتا ہے اس مناسبت کی وجہ سے سجدہ سہو کے بعد صلوة مریض کا بیان کیا گیا ہے پس جب اس مناسبت کی وجہ سے سجدہ سہو کے بعد صلوة مریض کو بیان کیا گیا ہے تو سجدہ تلاوت کا بیان لازم طور ہو جائے گا۔ سجدہ تلاوت میں حکم کی اضافت سبب کی طرف کی گئی ہے کیونکہ تلاوت کے سجدہ کا سبب تلاوت ہی ہے لیکن اگر کوئی اعتراض ایل کے کہ تلاوت کے علاوہ سماع بھی سجدہ کا سبب ہے تو اس طرح کہنا چاہئے تھا کہ سجود التلاوت والسماع اس کا جواب یہ ہے کہ تلاوت جس طرح سجدہ کا سبب ہے اسی طرح سماع کا بھی سبب ہے پس تلاوت کا ذکر من وجہ سماع کے ذکر کو بھی مشتمل ہے اس لئے تلاوت ذکر پر اکتفاء کیا گیا ہے۔

قرآن کریم میں کل کتنے سجدے ہیں اور کون کون سی سورت میں ہیں

قال سجود التلاوة فی القرآن اربعة عشر فی اخر الاعراف و فی الرعد و النحل و بنی اسرائیل و ہود و الاولیٰ من الحج و الفرقان و النمل و الم تنزیل و ص و خم السجدة و النجم و اذا السماء انشقت و الفرقان کتب فی مصحف عثمان و هو المعتمد و السجدة الثانیة فی الحج للصلوة عندنا و موضع السجدة فی م السجدة عند قوله لا یسأمون فی قول عمرو و هو الماخوذ للاحتیاط

ترجمہ..... صاحب قدوری نے کہا کہ قرآن میں تلاوت کے سجدے چودہ ہیں سورہ اعراف کے آخر میں سورہ رعد میں سورہ نحل میں سورہ بنی اسرائیل میں سورہ ہود میں پہلا سجدہ سورہ حج میں سورہ فرقان میں سورہ نمل میں سورہ الم تنزیل میں سورہ ص میں سورہ تم السجدة سورہ النجم میں سورہ اذا السماء انشقت میں اور سورہ اعراف میں اسی طرح حضرت عثمان کے مصحف میں لکھا ہوا ہے اور بنی اسرائیل میں سورہ حج میں دوسرا سجدہ ہمارے نزدیک نماز کے لئے ہے۔ اور حم السجدة میں موضع سجدہ حضرت عمرؓ کے قول کے مطابق لا یسأمون ہے اور یہی قول بنظر احتیاط لیا گیا ہے۔

تشریح..... صاحب قدوری نے کہا ہے کہ قرآن پاک میں آیات سجدہ چودہ ہیں،

- (۱) سورہ اعراف کے آخر میں، اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَ یُسَبِّحُوْهُ وَ لَهُ یَسْجُدُوْنَ (پ ۱۹)
- (۲) سورہ رعد میں ہے، وَ لِلّٰهِ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ طَوْعًا وَ كَرْهًا وَ ظُلْمًا لَّهُمْ بِالْغُدُوِّ وَ الْاَصَالِ (پ ۱۳)
- (۳) سورہ نمل میں ہے، یَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِنْ فَوْقِهِمْ وَ یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ۔ (پ ۱۳)
- (۴) سورہ بنی اسرائیل میں ہے، وَ یَخْرُوْنَ لِلاَّذْقَانِ یَبْكُوْنَ وَ یَزِدُّهُمْ خُشُوْعًا۔ (پ ۱۳)

- (۵) سورۃ مریم میں ہے، اِذَا تُلِيٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوا سُجَّدًا وَّ بَكِيًّا - (پ ۱۶، ع ۷)
- (۶) سورۃ حج کا پہلا سجدہ ہے، فَمَنْ يُّهِنَ اللّٰهُ فَمَا لَهُ مِنْ مُّكْرِمٍ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ - (پ ۱۷، ع ۹)
- (۷) سورۃ فرقان میں ہے، وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ اَنْسُجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا (پ ۱۹، ع ۳)
- (۸) سورۃ نمل میں ہے، مَا تَخْفَوْنَ وَّمَا تُعْلِنُوْنَ. اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ - (پ ۱۹، ع ۱۷)
- (۹) سورۃ سجدہ (الم تنزیل) میں ہے، اِنَّمَا يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَّ سَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ - (پ ۲۱، ع ۱۵)
- (۱۰) سورۃ ص میں ہے، فَغَفَرْنَا لَهُ ذٰلِكَ وَاِنْ لَّدُنَّوْنَا لَلرُّغْمٰى وَحُسْنِ مَّآبٍ - (پ ۲۳، ع ۱۱)
- (۱۱) سورۃ حم سجدہ میں ہے، يُسَبِّحُوْنَ لَهُ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا يَسْأَمُوْنَ - (پ ۲۴، ع ۱۹)
- (۱۲) سورۃ النجم میں ہے، فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاَعْبُدُوْا - (پ ۲۷، ع ۷)
- (۱۳) سورۃ اذا السماء انشقت میں ہے، وَاِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنُ لَا يَسْجُدُوْنَ - (پ ۳۰، ع ۹)
- (۱۴) سورۃ علق میں ہے، وَاَسْجُدْ وَاَقْتَرِبْ - (پ ۳۰، ع ۲۱)

صاحب ہدایہ نے ان چودہ مواضع سجدہ پر مصحف عثمان سے استدلال کیا ہے اور مصحف عثمان ہی معتمد ہے۔

والسجدة الثانية في الحج الخ سے ایک اختلاف کی طرف اشارہ ہے وہ یہ کہ امام شافعی کے نزدیک بھی آیات سجدہ چودہ ہیں لیکن ان کے نزدیک سورۃ حج میں دونوں سجدے سجدہ تلاوت ہیں اور سورۃ ص میں سجدہ تلاوت نہیں ہے بلکہ سجدہ شکر ہے اور ہمارے نزدیک سورۃ حج کا پہلا سجدہ سجدہ تلاوت ہے دوسرے سجدہ سے نماز کا سجدہ مراد ہے نہ کہ سجدہ تلاوت اور سورۃ ص میں ہمارے نزدیک سجدہ تلاوت ہے سورۃ حج میں دو سجدے ہوئے پر امام شافعی کا متدل عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فصلت الحج بسجدتين من لم يسجد همالا يقرهما، یعنی سورۃ حج کو دو سجدوں کے ساتھ فضیلت دی گئی ہے جس نے ان دونوں کو نہیں کیا گویا ان کو نہیں پڑھا۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے قالاً سجدة التلاوة في الحج هي الاولى والثانية سجدة الصلوة فرمایا کہ سورۃ حج کے اندر تلاوت کا سجدہ پہلا ہے اور دوسرا نماز کا سجدہ ہے اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ دوسرے سجدے کو رکوع کے ساتھ ملا کر ذکر کیا ہے چنانچہ فرمایا ہے وار كعو واسجدوا قاعده ہے کہ جو سجدہ رکوع کے ساتھ مقترن ہو اس سے نماز کا سجدہ مراد ہوتا ہے جیسے حضرت مریم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے واسجدى وار كعى اور عقبہ بن عامر کی حدیث کا جواب یہ ہے کہ حضور ﷺ کے قول فصلت بسجدتين کی تاویل یہ ہے کہ پہلا سجدہ تلاوت کا ہے اور دوسرا سجدہ نماز کا ہے۔

رہا یہ کہ سورۃ ص کے اندر سجدہ شکر ہونے پر امام شافعی کی دلیل کیا ہے سو صاحب عنایہ کے بیان کے مطابق یہ حدیث متدل ہے تلافی خطبہ سورۃ ص فتشزن الناس السجود فقال علام تشزنتم انها تويبة نبي وقال صلى الله عليه وسلم

مسجدھا د ازد تسبۃ ونحن نسجدھا شکرا یعنی آنحضرت ﷺ نے اپنے خطبہ میں سورہ ص کی تلاوت فرمائی (آیت سجدہ کی تلاوت کے وقت) لوگوں نے سجدہ کرنے کی تیاری کی تو آپ نے فرمایا کہ تم لوگ سجدہ کے لئے کیوں تیار ہو گئے یہ تو نبی کی توبہ ہے اور حضور ﷺ کا قول ہے کہ اس جگہ حضرت داؤد علیہ السلام نے سجدہ کیا ہے توبہ کے طور پر اور ہم سجدہ کرتے ہیں شکر کے طور پر ہماری طرف سے اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ سجدہ شکر سجدہ تلاوت کے منافی نہیں ہے کیونکہ کوئی عبادت ایسی نہیں ہے جس میں شکر کے معنی نہ ہوں اور یہ بھی ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دوران خطبہ تلاوت کا سجدہ کیا ہے پس اس سے سورہ ص کے اندر آیت سجدہ کا سجدہ تلاوت ہونا ثابت ہو گیا ہے اور اگر یہ بات مان لی جائے کہ آپ نے اس موقع پر سجدہ نہیں کیا ہے تو یہ جواز تاخیر کی تعلیم کے لئے تھا نہ اس لئے کہ اس جگہ سجدہ تلاوت واجب نہیں ہے۔ ہمارے مذہب کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ ایک صحابی نے کہا کہ اللہ کے رسول اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے کہ سویا ہوا آدمی خواب میں دیکھتا ہے کہ میں سورہ ص لکھ رہا ہوں پس جب موضع سجدہ پر پہنچا تو دو ات اور قلم نے سجدہ کیا۔ یہ سن کر حضور ﷺ نے فرمایا کہ دو ات اور قلم کی بہ نسبت ہم زیادہ حقدار ہیں کہ سجدہ کریں پس آپ نے حکم دیا حتیٰ کہ آیت سجدہ پڑھی گئی اور آپ ﷺ نے صحابہ کے ساتھ سجدہ کیا۔

صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ ہم سجدہ میں آیت سجدہ لایسا مون پر ہے جیسا کہ حضرت عمر کا قول ہے اور اسی پر عمل کرنے میں احتیاط ہے۔

ان تمام مواضع میں قاری اور سامع پر سجدہ تلاوت ہے

والسجدة واجبة فی هذه المواضع علی التالی والسامع سواء قصد سماع القرآن اولم یقصد لقوله علیہ السلام السجدة علی من سمعها و علی من تلاها و هی کلمة ایجاب و هو غیر مقید بالقصد

ترجمہ..... اور سجدہ کرنا ان مواضع میں واجب ہے تلاوت کرنے والے پر بھی اور سننے والے پر بھی خواہ قرآن سننے کا ارادہ کیا ہو یا ارادہ نہ کیا ہو کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ سجدہ اس پر بھی ہے جس نے سنا اور اس پر بھی ہے جس نے اس کو پڑھا۔ اور یہ کلمہ ایجاب کا ہے اور وہ قصد کے ساتھ مقید نہیں ہے۔

تشریح..... امام ابو الحسن قدوری نے کہا ہے کہ مذکورہ چودہ مقامات پر سجدہ کرنا قاری اور سامع دونوں پر واجب ہے سامع نے سننے کا قصد کیا ہو یا قصد نہ کیا ہو۔ امام مالک امام شافعی اور حنابلہ کے نزدیک سجدہ تلاوت سنت ہے۔ ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ زید ابن ثابت نے نبی اکرم ﷺ کے سامنے سورہ النجم کی تلاوت کی لیکن زید بن ثابت نے سجدہ کیا اور نہ آنحضرت ﷺ نے۔ اس واقعہ سے ثابت ہو گیا کہ سجدہ تلاوت واجب نہیں ہے بلکہ سنت ہے کیونکہ اگر واجب ہوتا تو نہ آنحضرت ﷺ ترک فرماتے اور نہ زید بن ثابت۔

ہماری دلیل یہ حدیث ہے السجدة علی من سمعها و علی من تلاها جواستدلال یہ ہے کہ حدیث کے اندر لفظ "علی" آیا ہے جو الزام پر دلالت کرتا ہے اور یہ حدیث چونکہ قصد کی قید کے ساتھ مقید نہیں ہے اس لئے ہر سننے والے پر سجدہ تلاوت واجب ہوگا خواہ سننے کا قصد کیا ہو یا قصد نہ کیا ہو امام مالک وغیرہ کی طرف سے پیش کردہ حدیث کا جواب یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فوری طور پر سجدہ نہیں کیا اور فوری طور پر سجدہ نہ کرنا ہمارے نزدیک جائز ہے۔ نیز فوری طور پر سجدہ کرنے سے علی الاطلاق سجدہ نہ کرنا لازم نہیں آتا۔ پس ہو سکتا ہے کہ

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد میں سجدہ کر لیا ہو۔ اس احتمال کی موجودگی میں سجدہ تلاوت کا عدم وجوب ثابت نہ ہو سکے گا۔

امام نے آیت سجدہ تلاوت کی تو امام و مقتدی پر سجدہ تلاوت ہے، اور اگر مقتدی نے آیت سجدہ تلاوت کی تو سجدہ کا حکم..... اقوال فقہاء

فالتلا الا امام آية السجدة سجدها و سجدها المأموم معه لا لتزام متابعتہ و اذا تلا المأموم لم يسجد الا امام لا المأموم فی الصلوة ولا بعد الفراغ عند ابی حنیفہ و ابی یوسف و قال محمد يسجد ونها اذا فرغوا لان سبب قد تقرر ولا مانع بخلاف حالة الصلوة لانه يؤدي الى خلاف وضع الامامة او التلاوة ولهما ان مقتدی محجوز عن القراءة لنها تصرف الامام عليه و تصرف المحجوز لا حکم له بخلاف الجنب الحائض لا نهما منهيان عن القراءة الا انه لا يجب على الحائض بتلاوتها كما لا يجب بسماعها لانعدام بلية الصلوة بخلاف الجنب

جمہ..... اور جب امام نے آیت سجدہ کی تلاوت کی تو امام سجدہ کرے اور اس کے ساتھ مقتدی بھی سجدہ کرے۔ اس لئے کہ مقتدی نے اس کی متابعت اپنے اوپر لازم کی ہے۔ اور جب مقتدی نے تلاوت کی تو ابو حنیفہ اور ابو یوسف کے نزدیک نہ امام سجدہ کرے گا اور نہ مقتدی نماز کے اندر اور نہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد اور امام محمد نے فرمایا ہے جب نماز سے فارغ ہو جائیں تو امام اور مقتدی سب سجدہ کریں بلکہ سب مقرر ہو چکا ہے اور مانع کوئی نہیں برخلاف نماز کی حالت کے کیونکہ یہ پہنچا دے گا وضع امامت یا وضع تلاوت کے خلاف تک اور شیخین کی دلیل یہ ہے کہ مقتدی کو قرأت سے روک دیا گیا ہے کیونکہ اس پر امام کا تصرف نافذ ہے اور مجبور کے تصرف کا کچھ حکم نہیں بر خلاف جنسی اور حائضہ کے کہ ان دونوں کو قرأت سے روک دیا گیا ہے مگر حائضہ پر اس کی تلاوت سے واجب نہیں ہوگا۔ جیسا کہ اس کے لئے واجب نہیں ہوتا کیونکہ نماز کی اہلیت معدوم ہے برخلاف جنسی کے۔

ترجیح..... مسئلہ یہ ہے کہ امام نے سجدہ کی آیت تلاوت کی تو امام نماز میں فوراً سجدہ کرے اور اس کے ساتھ مقتدی بھی سجدہ کرے دلیل ہے کہ مقتدی نے اقتداء کی نیت کر کے امام کی متابعت کو اپنے اوپر لازم کر لیا ہے ایسی صورت میں اگر مقتدی نے امام کے ساتھ سجدہ نہ کیا تو امام کی مخالفت کرنا لازم آئے گا۔ اور اگر مقتدی نے آیت سجدہ تلاوت کی تو شیخین کے نزدیک امام اور مقتدی دونوں سجدہ نہ کریں نہ نماز کے اندر اور نہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد یہی مذہب عامۃ العلماء کا ہے حضرت امام محمد کی دلیل یہ ہے کہ سجدہ کا سبب یعنی تلاوت کا آیت سجدہ پڑھنا اور باقی حضرات کا اس کو سننا پایا گیا اور مانع سجدہ یعنی ان کا نماز کے اندر ہونا دور ہو گیا اور قاعدہ ہے کہ جب کسی کو مانع پایا جائے اور مانع دور ہو جائے تو وہ چیز بالیقین متحقق ہو جاتی ہے اس لئے نماز سے فراغت کے بعد امام و مقتدی دونوں پر سجدہ واجب ہوگا۔ اس کے برخلاف نماز کی حالت ہے یعنی نماز کے اندر امام و مقتدی دونوں سجدہ نہ کریں کیونکہ نماز کے اندر سجدہ کرنے کی نیت میں موضوع امامت کے خلاف لازم آئے گا یا موضوع تلاوت کے خلاف لازم آئے گا اس لئے کہ مقتدی جس نے آیت سجدہ تلاوت کی ہے پہلے وہ سجدہ کرے گا یا امام پہلے سجدہ کرے گا اگر تالی یعنی مقتدی نے پہلے سجدہ کیا اور امام نے اس کی متابعت کی تو موضوع امامت کے خلاف لازم آئے گا یعنی امام جو متبوع تھا وہ تابع ہو جائے گا اور مقتدی جو تابع تھا متبوع ہو جائے گا۔ اور اگر امام پہلے سجدہ کرے

اور تالی یعنی مقتدی اس کی متابعت کرے تو موضوع تلاوت کے خلاف لازم آئے گا اس لئے کہ تالی سامع کا امام ہوتا ہے لہذا تالی کے سجدہ کا مقدم ہونا واجب ہے حضور ﷺ نے تالی (تلاوت کرنے والے) سے فرمایا ہے کسبت امامنا فلو سجدت المسجد نامعک تو ہمارا امام ہے اگر تو سجدہ کرتا تو تیرے ساتھ ہم بھی سجدہ کرتے حاصل یہ کہ تالی پر سجدہ کا واجب ہونا مقدم ہے۔ اور یہاں معاملہ برعکس ہو گیا کہ امام نے سجدہ پہلے کیا اور تالی نے بعد میں کیا بہر حال نماز کی حالت میں سجدہ کرنے سے چونکہ کوئی نہ کوئی خرابی لازم آتی ہے اس لئے نماز کی حالت میں نہ امام سجدہ کرے اور نہ مقتدی۔

شیخین کی دلیل یہ ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی کے لئے شرعاً قرأت کرنا ممنوع ہے مقتدی کے لئے قرأت کرنا اس لئے ممنوع ہے کہ امام کا تصرف پر نافذ ہوتا ہے یعنی امام کی قرأت مقتدی کی طرف سے بھی قرأت شمار ہوتی ہے چنانچہ حبیب خدا کا ارشاد ہے حسن کان له امام فقراءة الامام له قرآنہ۔

بہر حال مقتدی ممنوع عن القراءة ہے اور جو شخص کسی تصرف سے روک دیا گیا ہو اس تصرف کا کوئی حکم نہیں ہوتا۔ پس مقتدی چونکہ ممنوع عن القراءة ہے اس لئے اس کی قرأت کا کوئی حکم نہ ہوگا اور جب اس کی قرأت کا کوئی حکم نہیں ہے تو اس پر سجدہ تلاوت بھی واجب نہ ہوگا اور جب تالی پر سجدہ واجب نہیں ہو تو اس کے سامع یعنی امام پر بھی سجدہ واجب نہ ہوگا۔

بسحلاف الجنب و الحائض الخ سے ایک قیاس کا جواب ہے قیاس یہ ہے کہ مقتدی ممنوع عن القراءة ہونے میں جنبی اور حائضہ کے مانند ہے اور سجدہ ان دونوں کی قرأت سننے سے واجب ہو جاتا ہے یعنی ان دونوں میں سے کسی نے اگر آیت سجدہ کی تلاوت کی اور دوسرے کسی آدمی نے سن لیا تو سننے والے پر سجدہ تلاوت واجب ہو جائے گا پس اسی طرح مقتدی اگر مجبور عن القراءة ہے لیکن اس کے باوجود اس نے اگر آیت سجدہ کی تلاوت کی اور امام نے اس کی قرأت سن لی تو امام پر سجدہ تلاوت واجب ہونا چاہئے تھا حالانکہ شیخین امام پر بھی وجوب سجدہ کے قائل نہیں ہیں۔

جواب..... جنبی اور حائضہ ممنوع عن القراءة ہیں اور مقتدی مجبور عن القراءة ہے اور ممنوع (منہی) اور مجبور کے درمیان فرق یہ ہے کہ مجبور عندہ کافعل غیر معتبر ہوتا ہے نہ حرام ہوتا ہے ورنہ مکروہ اور ممنوع (جسکو منع کیا گیا ہے) کا فعل معتبر ہوتا ہے خواہ حرام ہو یا مکروہ مثلاً بیع فاسد ممنوع (منہی) ہے لیکن اگر کسی نے بیع فاسد کر لی اور مشتری نے بیع پر قبضہ کر لیا تو مشتری کی ملک ثابت ہو جائے گی اور اگر مجبور عندہ مثلاً نابالغ بچہ یا مجنون نے عقد بیع کا معاملہ کیا اور مشتری نے بیع پر قبضہ بھی کر لیا تو مشتری کے لئے ملک ثابت نہ ہوگی پس چونکہ جنبی اور حائضہ ممنوع عن القراءة ہیں نہ کہ مجبور عن القراءة اس لئے ان کی تلاوت سبب سجدہ ہوگی۔ اور اس کا یہ اثر ہوگا کہ جو شخص ان سے آیت سجدہ کی سماعت کرے گا اس پر سجدہ تلاوت واجب ہوگا۔ اس کے برخلاف مقتدی کہ وہ مجبور عن القراءة ہے نہ اس کی قرأت معتبر ہوگی اور نہ ہی سبب سجدہ ہوگی۔

صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ ممنوع عن القراءة ہونے میں جنبی اور حائضہ دونوں برابر ہیں لیکن اتنا فرق ہے کہ حائضہ عورت پر نہ خود اپنی تلاوت سے سجدہ واجب ہوگا اور نہ دوسرے کی تلاوت سننے سے اور جنبی آدمی آیت سجدہ کی تلاوت کرے تب بھی سجدہ تلاوت واجب ہوگا اور اگر دوسرے سے سنے تب بھی واجب ہوگا۔ وجہ یہ ہے کہ سجدہ تلاوت واجب ہونے میں نماز کی اہلیت معتبر ہوگی خواہ ادا ہو خواہ قضاء ہو اور حائضہ عورت میں نماز کی اہلیت دونوں طرح نہیں ہے۔ اور جنبی کے اندر نماز کی اہلیت موجود

ہے بایں طور کہ اگر وقت کے اندر اندر غسل کر لیا تو ادا واجب ہوگی ورنہ قضاء واجب ہوگی۔

نماز سے باہر آیت سجدہ سننے والے پر سجدہ تلاوت لازم ہے

ولو سمعها رجل خارج الصلوة سجدها هو الصحيح لان الحجر ثبت في حقهم فلا يعدوهم

ترجمہ..... اور اگر (امام یا مقتدی سے) آیت سجدہ کو کسی ایسے آدمی نے سنا جو خارج صلوٰۃ ہے تو وہ سجدہ تلاوت کرے۔ یہی قول صحیح ہے کیونکہ مجبور ہونا مقتدیوں کے حق میں ثابت ہوا ہے لہذا ان سے متجاوز نہ ہوگا۔

تشریح..... مسئلہ کسی ایسے آدمی نے جو نماز سے باہر ہے امام یا مقتدی سے سجدہ کی آیت سنی اور یہ شخص آیت سجدہ سن کر نماز میں شامل بھی نہیں ہوا تو بالاتفاق اس پر سجدہ تلاوت واجب ہوگا یہی قول صحیح ہے بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہ حکم مختلف فیہ چنانچہ شیخین کے نزدیک یہ آیت سجدہ نہیں کرے گا اور امام محمد کے نزدیک سجدہ کرے گا۔ قول صحیح کی دلیل یہ ہے کہ مجبور عن القرأت ہونا مقتدیوں کے حق میں ثابت ہوا ہے لہذا ان سے متجاوز نہ ہوگا اور جب ان سے متجاوز نہ ہوا تو ان کے علاوہ دوسرے لوگوں پر اس کا اثر بھی نہ ہوگا اور جب مقتدیوں کے علاوہ دوسروں پر مجبور عن القرأت ہونے کا اثر نہیں پڑا تو آیت سجدہ سننے کی وجہ سے ان پر سجدہ واجب ہوگا۔

نماز میں کسی تیسرے شخص سے سجدہ تلاوت کی آیت سنی جو ان کے ساتھ نماز میں نہیں ہے
نماز میں یا نماز کے بعد سجدہ کریں گے یا نہیں

وان سمعوا وهم في الصلوة سجدة من رجل ليس معهم في الصلوة لم يسجدوها في الصلوة لانها ليست
مستلانية لان سماعهم هذه السجدة ليس من افعال الصلوة و سجدوها بعدها لتحقق سيها

ترجمہ..... اور اگر لوگوں نے در انحالیکہ وہ نماز میں ہیں کسی ایسے آدمی سے آیت سجدہ کو سنا جو ان کے ساتھ نماز میں نہیں تو یہ لوگ نماز میں سجدہ نہ کریں کیونکہ یہ سجدہ نماز کا سجدہ نہیں ہے کیونکہ ان لوگوں کا اس آیت سجدہ کو سن لینا نماز کے افعال سے نہیں ہے اور نماز کے بعد سجدہ کریں کیونکہ اس کا سبب متحقق ہو چکا۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کچھ لوگوں نے بحالت نماز کسی ایسے شخص سے آیت سجدہ سنی جو ان کے ساتھ نماز میں شریک نہیں ہے تو یہ لوگ نماز کی حالت میں سجدہ تلاوت نہ کریں کیونکہ یہ سجدہ نماز کا سجدہ نہیں ہے اور نماز کا سجدہ اس لئے نہیں ہے کہ ان لوگوں کا اس آیت سجدہ کو سننا نماز کے افعال میں سے نہیں ہے کیونکہ نماز کے افعال یا تو فرض ہوتے ہیں یا واجب یا سنت اس آیت سجدہ کو سننا ان میں سے کچھ بھی نہیں ہے۔ حاصل یہ کہ سجدہ نماز کے افعال میں سے نہیں ہے اور جو چیز نماز کے افعال میں سے نہ ہو اس کا نماز کے اندر ادا کرنا بھی جائز نہیں ہے پس ثابت ہوا کہ یہ لوگ نماز کے اندر سجدہ تلاوت نہ کریں۔ ہاں البتہ نماز کے بعد سجدہ تلاوت کرنا واجب ہوگا کیونکہ سجدہ کا سبب یعنی آیت سجدہ کا سننا پایا گیا۔

نماز میں سجدہ کر لیا تو یہ سجدہ کافی نہیں

و لو سجدوها فی الصلوٰۃ لم یجزہم لانہ ناقص لمکان النهی فلا یتادی بہ الکامل

ترجمہ..... اور اگر ان لوگوں نے نماز کے اندر ہی سجدہ کر لیا تو ان کو کافی نہ ہوگا کیونکہ یہ ادا ناقص ہے اس لئے کہ نبی موجود ہے۔ پس ان سے کامل ادا نہ ہوگا۔

تشریح..... مسئلہ پہلے مسئلہ میں گذر چکا ہے کہ ان لوگوں کے لئے نماز کے اندر سجدہ کرنا ممنوع ہے لیکن اس ممانعت کے باوجود اگر سجدہ کر لیا تو وہ معتبر نہ ہوگا البتہ نماز بھی فاسد نہ ہوگی۔ سجدہ معتبر نہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ یہ سجدہ ناقص ہے اس لئے کہ شریعت نے نماز کے اندر ہر اس چیز کو داخل کرنے سے منع کیا ہے جو چیز نماز کے افعال سے نہ ہو۔ بہر حال یہ سجدہ ناقص ہے اور سماع کی وجہ سے جو سجدہ واجب ہوا ہے وہ کامل ہے اور قاعدہ ہے کہ واجب کامل ناقص طور پر ادا کرنے سے ادا نہیں ہوتا اس لئے ان حضرات کے نماز کے اندر سجدہ کرنے سے سجدہ تلاوت ادا نہ ہوگا۔

سجدہ کا اعادہ لازم ہے نماز کا اعادہ نہیں

قال واعادوها لتفرد سببها ولم یعيدوا الصلوٰۃ لان مجرد السجدة لا ینافی اجرم الصلوٰۃ وفي النوادر انہا تنفس لانہم زادوا فیہا مالیس منها و قيل هو قول محمدؐ

ترجمہ..... مصنف نے کہا کہ اس سجدہ کا اعادہ کریں کیونکہ اس کا سبب ثابت ہو چکا ہے۔ اور نماز کا اعادہ نہ کریں اس لئے کہ محض سجدہ کرنا احرام نماز کے منافی نہیں ہے اور نوادر میں ہے کہ نماز فاسد ہو جائے گی اس لئے کہ ان لوگوں نے اپنی نماز میں ایسا سجدہ بڑھایا ہے جو نماز میں سے نہیں ہے اور کہا گیا ہے کہ یہ امام محمدؐ کا قول ہے۔

تشریح..... صاحب کتاب کہتے ہیں کہ ان لوگوں نے نماز کے اندر جو سجدہ تلاوت کیا ہے چونکہ وہ شرعاً معتبر نہیں ہے اس لئے نماز کے بعد اس سجدہ کا اعادہ کریں کیونکہ سجدہ تلاوت کا سبب (سماع) پایا گیا اور چونکہ نماز فاسد نہیں ہوئی اس لئے نماز کا اعادہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور نماز کا فاسد نہ ہونا اس لئے ہے کہ نماز یا تو فاسد ہوتی ہے کسی رکن کو ترک کرنے سے اور یا فاسد ہوتی ہے منافی نماز چیز پیش آنے سے اور یہاں دونوں باتیں نہیں پائی گئیں کیونکہ سجدہ نماز کے منافی نہیں ہے نوادر کی روایت یہ ہے کہ اس صورت میں نماز فاسد ہو جائے گی کیونکہ ان لوگوں نے نماز کے اندر ایسی چیز کا اضافہ کیا ہے کہ جو نماز کے افعال سے نہیں ہے بعض حضرات نے کہا ہے کہ نماز کا فاسد ہونا امام محمدؐ کا قول ہے شیخین کے نزدیک اس صورت میں نماز فاسد نہ ہوگی بنیاد اختلاف یہ ہے کہ امام محمدؐ کے نزدیک سجدہ کی زیادتی مفسد نماز ہے اور شیخین کے نزدیک ایک رکعت سے کم کی زیادتی نماز فاسد نہیں کرتی۔

امام نے آیت سجدہ کی تلاوت کی اور ایسے شخص نے سنی جو نماز میں نہیں تھا
امام کے سجدہ کر لینے کے بعد نماز میں داخل ہوا اس پر سجدہ نہیں

ان قرأها الامام و سمعها رجل ليس معه في الصلوة فدخل معه بعد ما سجدها الامام لم يكن عليه ان
سجدها لانه صار مدر كالها باذراك الركعة وان دخل معه قبل ان يسجدها سجدها معه لانها لو لم
سمعها سجدها معه فهنا اولي وان لم يدخل معه سجدها لتحقق السبب

ترجمہ..... پھر اگر امام نے آیت سجدہ پڑھی اور اس کو کسی ایسے آدمی نے سنا جو اس کے ساتھ نماز میں نہیں ہے۔ پھر امام کے سجدہ کرنے
کے بعد وہ شخص امام کے ساتھ شامل ہو گیا تو اس پر سجدہ کرنا واجب نہ رہا۔ کیونکہ یہ شخص رکعت پانے سے سجدہ پانے والا ہو گیا اور اگر امام
کے سجدہ کرنے سے پہلے وہ امام کے ساتھ داخل ہو گیا تو امام کے ساتھ سجدہ کرے کیونکہ اگر اس نے آیت سجدہ کو سنا بھی نہ ہوتا تو امام کے
ساتھ اس پر سجدہ واجب ہوتا پس اب درجہ اولی واجب ہے اور اگر وہ امام کے ساتھ داخل نہ ہو تو یہ سجدہ ادا کرے اس لئے کہ سبب متحقق
ہو چکا ہے۔

شرح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ امام نے آیت سجدہ کی تلاوت کی اور اس کو ایسے آدمی نے سنا جو اس کے ساتھ نماز میں شریک نہیں ہے
یہ شخص امام کے ساتھ نماز میں شامل ہو گیا تو ادا کی دو صورتیں ہیں۔ امام کے سجدہ کرنے کے بعد شامل ہوا۔ یا اس کے سجدہ کرنے سے
پہلے اگر اول ہے تو اس پر سجدہ تلاوت کرنا واجب نہ رہا۔ کیونکہ اس رکعت کو پالینے کی وجہ سے وہ شخص سجدہ پانے والا ہو گیا۔ اور اگر اس نے
دوسری رکعت میں امام کے ساتھ شرکت کی تو نماز سے فراغت کے بعد سجدہ تلاوت کرے کیونکہ جب اس شخص نے اس رکعت کو نہیں پایا
اس میں آیت پڑھی گئی ہے تو اس نے نہ قرأت کو پایا اور نہ اس کی تعلقات یعنی سجدہ کو پایا۔ اور جب سجدہ کو نہیں پایا تو نماز سے فارغ ہونے
کے بعد سجدہ کرنا واجب ہوگا۔

اور اگر ثانی صورت ہے یعنی امام کے سجدہ کرنے سے پہلے امام کے ساتھ شریک ہو گیا تو امام کے ساتھ سجدہ کرے کیونکہ یہ شخص اگر
آیت سجدہ کو نہ سن پاتا یا اس طور کہ امام آہستہ پڑھتا تو بھی امام کے ساتھ سجدہ کرنا واجب ہوتا پس اس صورت میں جب کہ اس نے آیت
سجدہ کو سنا بھی ہے بدرجہ اولی امام کے ساتھ سجدہ کرنا واجب ہے۔ اور یہ شخص امام سے آیت سجدہ کو سن کر امام کے ساتھ نماز میں شامل نہیں
ہوا تو نماز سے باہر اس پر سجدہ کرنا واجب ہوگا اس لئے کہ سجدہ کا سبب یعنی آیت سجدہ کو سنا پایا گیا۔

ہر وہ سجدہ جو نماز میں واجب ہو غیر نماز میں سجدہ کرنا کافی نہیں ہوگا

وكل سجدة و جيت في الصلوة فلم يسجدها فيها لم تقض خارج الصلوة لانها صلاتية ولها منزلة الصلوة
فلاتنادى بالناقص

ترجمہ..... اور اگر وہ سجدہ جو نماز میں واجب ہوا ہے پھر اس کو نماز میں ادا نہ کیا تو پھر وہ نماز سے خارج میں ادا نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ سجدہ جو نماز کا
ہو گیا ہے اور نماز کے سجدہ کو نماز کی فضیلت حاصل ہے تو وہ ناقص سے ادا نہ ہوگا۔

تشریح..... صاحب قدوری نے ایک ضابطہ کلیہ کی طرف اشارہ کیا ہے ضابطہ یہ ہے کہ ہر وہ سجدہ جو نماز کے اندر آیت سجدة تلاوت کرنے کی وجہ سے واجب ہوا لیکن نماز میں سجدہ نہیں کیا تو نماز سے باہر ادا کرنے سے ادا نہ ہوگا۔ دلیل یہ ہے کہ یہ سجدہ نماز کا سجدہ ہے نماز کا سجدہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آیت سجدة کی تلاوت جو موجب سجدہ ہے نماز کے افعال میں سے ہے اور نماز کے سجدہ کو نماز کی فضیلت حاصل ہے۔ اس لئے نماز کے اندر سجدہ تلاوت کا وجوب کامل ہوا اور جو چیز کامل واجب ہوتی ہے وہ ناقص کے ساتھ ادا کرنے سے ادا نہیں ہوتی۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ نماز سے باہر چونکہ نماز کی فضیلت نہیں ہے۔ اس لئے نماز سے باہر جو سجدہ ادا کیا جائے گا وہ ناقص ہوگا۔

آیت سجدة کی تلاوت کی اور سجدہ نہیں کیا پھر نماز میں داخل ہو کر دوبارہ وہی آیت پڑھی اور

سجدہ کیا یہ سجدہ دونوں تلاوتوں سے کفایت کرے گا

ومن تلا سجدة فلم يسجدها حتى دخل في صلوة فاعادها و سجد اجزائه السجدة عن التلاوتين لان الثانية اقوى لكونها صلاحية فاستتبعت الاولى و في النوادر يسجد اخرى بعد الفراغ لان للاولى قوة سبق فاستوتنا قلنا للثانية قوة اتصال المقصود فترجحت بها

ترجمہ..... اور جس شخص نے آیت سجدة کو تلاوت کیا پھر اس کو ادا نہ یا حتیٰ کہ کسی نماز میں داخل ہوا پھر اسی آیت سجدة کو دوبارہ (نماز میں) پڑھا اور سجدہ کیا تو یہ سجدہ اس کو دونوں تلاوتوں سے کافی ہو گیا کیونکہ دوسرا سجدہ تو اقویٰ ہے اس لئے کہ وہ نماز کا سجدہ ہے پس وہ پہلے سجدہ کو متضمن ہو گیا اور نوادر میں ہے کہ دوسرا سجدہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد کرے کیونکہ پہلے سجدہ کو تقدم کی قوت حاصل ہے اس لئے دونوں برابر ہو گئے ہم جواب دیتے ہیں کہ دوسرے سجدہ کو مقصود سے متصل ہونے کی قوت حاصل ہے اس لئے دوسرے سجدہ کو ترجیح ہوگی۔

تشریح..... اس عبارت میں سجدہ تلاوت کے داخل کا بیان ہے چنانچہ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے خارج صلاة آیت سجدة کی تلاوت کی اور سجدہ نہیں کیا حتیٰ کہ کسی نفل یا فرض نماز میں داخل ہو گیا پھر اسی آیت سجدة کی دوبارہ تلاوت کی اور نماز ہی میں سجدہ تلاوت کیا تو یہ دونوں تلاوتوں کے لئے کافی ہوگا۔ دلیل یہ ہے کہ دوسرا سجدہ اقویٰ ہے اور اقویٰ اس لئے ہے کہ وہ نماز کا سجدہ ہے بہر حال دوسرا سجدہ جب اقویٰ ہے تو پہلا جو خارج صلاة واجب ہوا تھا اس کے تابع ہے اور چونکہ متبوع تابع کو متضمن ہوتا ہے اس لئے دوسرا سجدہ پہلے سجدہ کو متضمن ہوگا اور دوسرا سجدہ ادا کرنے سے پہلے سجدہ بھی ادا ہو جائے گا۔

نوادر میں ہے کہ نماز کے اندر سجدہ تلاوت کرنے سے ایک سجدہ ادا ہوگا۔ دوسرا سجدہ نماز سے فراغت کے بعد ادا کرنا ضروری ہے۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ دوسرا سجدہ صلاتی ہونے کی وجہ سے اگر اقویٰ ہے تو پہلے سجدہ کو تقدم کی وجہ سے قوت حاصل ہے پس قوت میں دونوں برابر ہو گئے۔ ان میں سے ایک دوسرے کے تابع نہیں ہوگا۔ اور جب ایک دوسرے کے تابع نہیں ہے تو ایک سجدہ ادا کرنے سے دوسرا سجدہ ادا نہیں ہوگا۔

ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ دوسرے سجدے کو تسادی کے بعد ایک قوت اور حاصل ہے اور وہ قوت یہ ہے کہ تلاوت ادا کے سجدہ کے ساتھ متصل ہے یعنی جب دوسری یا نماز کے اندر آیت سجدة کی تلاوت کی ہے تو اس کے ساتھ ہی سجدہ ادا کر لیا ہے اس کے برخلاف

جب نماز سے باہر اسی آیت کی تلاوت کی گئی تھی تو سجدہ ادا نہیں کیا گیا تھا بہر حال بہ نسبت پہلے سجدہ کے دوسرا سجدہ اقویٰ ٹھہرا پس اسی قوت کی وجہ سے دوسرے سجدہ کو ترجیح دی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ دوسرا سجدہ ادا کرنے سے پہلا سجدہ بھی ادا ہو جائے گا۔

آیت سجدہ کی تلاوت کی پھر سجدہ کیا نماز میں دوبارہ آیت سجدہ کی تلاوت کی اب پہلے والا سجدہ کافی نہیں

وان تلاها فسجد ثم دخل فی الصلوة فتلاھا سجد لها لان الثانية هی المستتبعة ولا وحده الی الحاقها بالاولی لانه یؤدی الی سبق الحکم علی السبب

ترجمہ..... اور اگر (خارج صلوة) تلاوت کر کے سجدہ کر لیا پھر نماز میں داخل ہو کر اسی آیت سجدہ کی تلاوت کی تو اس کے واسطے سجدہ کرے کیونکہ دوسرا سجدہ تو تابع بنانے والا ہے اور اول سجدہ کے ساتھ اس کو لاحق کرنے کی کوئی وجہ موجود نہیں ہے اس لئے یہ سبب پر تقدم حکم کا باعث ہوگا۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے نماز سے باہر آیت سجدہ کی تلاوت کر کے سجدہ تلاوت کر لیا پھر نماز میں داخل ہو کر اسی آیت سجدہ کی تلاوت کی تو اس پر نماز کے اندر تلاوت کرنے کی وجہ سے سجدہ تلاوت واجب ہو گیا۔ دلیل یہ ہے کہ پہلے مسئلہ میں گذر چکا ہے کہ دوسرا سجدہ نماز کا سجدہ ہونے کی وجہ سے اقویٰ ہے اور اقویٰ ہونے کی وجہ سے وہ پہلے سجدہ کو تابع بنانے والا ہے اور جب دوسرا سجدہ پہلے سجدہ کو تابع بنانے والا ہے تو دوسرے سجدہ کو پہلے سجدہ کے ساتھ لاحق کرنے کی کوئی وجہ موجود نہیں ہے۔ اس لئے کہ اگر سجدہ ثانیہ کو پہلے سجدہ کے ساتھ لاحق کیا گیا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ دوسرے سجدہ کے لئے تلاوت بعد میں کی گئی ہے اور سجدہ پہلے کر لیا گیا ہے اور یہ بات واضح ہے کہ سجدہ تلاوت کے وجوب کا سبب تلاوت ہے پس اس صورت میں سبب کا موخر ہونا اور حکم کا مقدم ہونا لازم آئے گا حالانکہ یہ بات درست نہیں ہے پس ثابت ہوا کہ اس صورت میں داخل متعذر ہے۔ اور جب داخل متعذر ہے تو سجدہ ثانیہ تلاوت ثانیہ کی وجہ سے واجب ہوگا۔

ایک مجلس میں کئی بار آیت سجدہ کی تلاوت کی تو ایک ہی سجدہ کافی ہے

ومن كرر تلاوة سجدة واحدة في مجلس واحد اجزأته سجدة واحدة فان قرأها في مجلسه فسجدها ثم ذهب ورجع فقرأها سجدها ثانية وان لم يكن سجد للاولى فعليه سجدتان والاصل ان مبنى السجدة على التداخل دفعا للخرج وهو تدلاخل في السبب دون الحكم وهو اليق بالعبادات والثاني بالعقوبات وان كان التداخل عند اتحاد المجلس لكونه جامعا للمتفرقات فاذا اختلف عاد الحكم الى الاصل ولا يختلف بمجرد القيام بخلاف المخيرة لانه دليل الاعراض وهو المبطل هنا لك وفي تسدية الثوب يتكرر الوجوب وفي المنتقل من غصن الى غصن كذلك في الاصح وكذا في الدياسة للاحتياط

ترجمہ..... اور جس شخص نے ایک مجلس میں ایک آیت سجدہ کی تلاوت کو مکرر کیا تو اس کو ایک سجدہ کافی ہو جائے گا۔ اور اگر اپنی مجلس میں اس کو پڑھا پھر سجدہ کیا پھر کہیں جا کر واپس آیا پھر اسی آیت سجدہ کو پڑھا تو دوبارہ سجدہ کرے اور اگر اس نے پہلے مجلس کا سجدہ نہیں کیا۔ تو اس پر

دو سجدے واجب ہوں گے۔ اور اصل یہ ہے کہ دفع حرج کے لئے سجدہ کا مدار تداخل پر ہے اور یہ سبب میں تداخل ہے نہ کہ حکم میں اور عبارت کے یہی تداخل زیادہ مناسب ہے اور ثانی عقوبات کے زیادہ مناسب ہے اور تداخل کا ممکن ہونا اتحاد مجلس کے وقت ہے اس لئے کہ مجلس متفرق چیزوں کو جمع کرتی ہے پس جب مجلس مختلف ہوگئی تو حکم اصل کی طرف عود کرے گا اور مجلس محض کھڑے ہونے سے مختلف نہیں ہوتی۔ برخلاف تخیرہ کے اس وجہ سے کہ کھڑا ہونا اعراض کی دلیل ہے۔ اور اعراض کرنا یہاں اختیار کو باطل کرتا ہے۔ اور تانا تنے کی آمد و رفت میں وجوب سجدہ مکرر ہوگا اور اصح قول کی بناء پر ایک شاخ سے دوسری شاخ کی طرف منتقل ہونے میں بھی یہی حکم ہے اور احتیاط کی وجہ سے یہی حکم کھلیان روندنے میں ہے۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے ایک مجلس میں ایک آیت سجدہ کو بار بار تلاوت کیا تو امام تلاوتوں کے لیے ایک سجدہ کافی ہو جائے گا دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے ایک مجلس میں آیت سجدہ تلاوت کر کے سجدہ تلاوت کر لیا پھر کہیں جا کر واپس آیا پھر اس آیت کو پڑھا تو دوبارہ سجدہ تلاوت کرے اور اگر اس نے پہلے مجلس کا سجدہ ادا نہ کیا تو اس پر دو سجدے واجب ہوں گے۔

صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ اصل یہ ہے کہ استحسانا سجدہ کی بناء تداخل پر ہے ورنہ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ ہر تلاوت کی وجہ سے سجدہ واجب ہو مجلس خواہ متحد ہو خواہ مختلف ہو کیونکہ سجدہ تلاوت کا حکم ہے اور حکم سبب کے مکرر ہونے سے مکرر ہو جاتا ہے اس لئے تلاوت کے مکرر ہونے سے سجدہ مکرر ہونا چاہئے تلاوت کا تکرار ایک مجلس میں ہو یا مختلف مجالس میں ہو۔

وجہ استحسان لوگوں سے حرج کو دور کرتا ہے۔ کیونکہ مسلمان قرآن کی تعلیم و تعلم کے محتاج ہیں اور تعلیم و تعلم بغیر تکرار کے حاصل نہیں ہوگا۔ پس ایک مجلس میں ایک آیت سجدہ کو بار بار پڑھنے کی وجہ سے اگر تکرار سجدہ لازم کیا گیا تو مفصلی الی الحرج ہوگا اور حرج کو شرعاً دور کیا گیا ہے اس لئے کہا گیا کہ اس صورت میں ایک ہی سجدہ واجب ہوگا۔ حدیث بھی اسی کی شاہد ہے چنانچہ مروی ہے جبریل امین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک آیت سجدہ لے کر اترتے اور اس کو بار بار پڑھتے لیکن آپ ﷺ اس کی وجہ سے ایک سجدہ کرتے حالانکہ سجدہ تلاوت کا سبب جس طرح تلاوت ہے اسی طرح سماع بھی ہے نیز حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ مسجد کوفہ میں بیٹھ کر لوگوں کو قرآن کی تعلیم دیتے اور اگر آیت سجدہ کہاجاتی تو اس کو بھی بار بار پڑھتے مگر چونکہ مجلس ایک ہوتی تھی اس لئے ایک سجدہ کرتے تھے۔

(الکفایہ - عنایہ)

تداخل کی اقسام: صاحب ہدایہ نے کہا کہ تداخل کی دو قسمیں ہیں ایک تداخل فی السبب دوم تداخل فی الحکم عبادات کے مناسب تداخل فی السبب ہے عقوبات کے مناسب تداخل فی الحکم ہے سبب کے اندر تداخل عبادات کے مناسب اس لئے ہے کہ اگر حکم کیا اندر تداخل ہو اور سبب کے اندر تداخل نہ ہو تو اسباب کا تعدد باقی رہے گا اور جب اسباب کا تعدد باقی رہا تو وہ سبب جو موجب للعبادة ہے بغیر عبادت کے پایا جائے گا اور اس میں ترک احتیاط ہے حالانکہ عبادات کو ادا کرنے میں احتیاط ہے نہ کہ ترک کرنے میں اس لئے ہم نے کہا کہ عبادات کے اندر اسباب میں تداخل ہے تاکہ تمام اسباب بمنزلہ ایک سبب کے ہوں اور پھر اس پر اس کا حکم مرتب ہو جائے۔ اس کے برخلاف عقوبات کہ ان کو ادا کرنے میں احتیاط نہیں ہے بلکہ ان کو دفع کرنے میں احتیاط ہے اس لئے عقوبات کے اندر حکم میں تداخل ہوگا کہ سبب میں تاکہ سبب موجب کے پائے جانے کے باوجود حکم نہ پایا جائے اور سبب موجب کے موجود ہونے کے باوجود عقوبت کا نہ پایا جانا محض اللہ کے عفو و کرم کا نتیجہ ہوگا کیونکہ کریم کبھی کبھی سبب عقوبت کے پائے جانے کے باوجود معاف کر دیتا ہے۔

اختلاف کا ثمرہ: ثمرہ اختلاف اس مثال میں ظاہر ہوگا کہ ایک شخص نے زنا کیا اس کو حد لگا دی گئی پھر دوبارہ زنا کیا تو دوبارہ حد جاری کی جائے گی۔

اور اگر آیت سجدہ تلاوت کی اور سجدہ کر لیا پھر اسی آیت کی اسی مجلس میں تلاوت کی تو اس پر دوسرا سجدہ واجب نہ ہوگا کیونکہ سبب کے اندر تداخل کی وجہ سے دونوں تلاوتیں بمنزلہ ایک سبب کے ہو گئی ہیں۔

تداخل کی شرط: واما مكان التداخل سے تداخل کی شرط بتائی گئی ہے چنانچہ فرمایا ہے کہ تداخل کی شرط آیت سجدہ اور مجلس کا متحد ہونا ہے کیونکہ نص اجماع اور حرج مجلس واحدہ اور آیت واحدہ کی صورت میں پائے جاتے ہیں پس اس کے علاوہ تمام صورتیں اصل قیاس پر باقی رہیں گی دوسری دلیل: یہ ہے کہ تداخل اس وقت درست ہوگا جب کوئی ایسا جامع پایا جائے جو تمام اسباب کو جمع کرے اور تمام اسباب کو سبب واحد کے مرتبے میں کر دے۔ اور ایسا جامع مجلس ہے کیونکہ مجلس متفرق چیزوں کو جمع کرنے والی ہے مثلاً ایک مجلس میں اگر ایجاب اور قبول دونوں پائے جائیں تو کہا جاتا ہے کہ قبول ایجاب سے متصل ہے حالانکہ حقیقتہً منقطع ہے پس معلوم ہوا کہ مجلس ایجاب و قبول کو جامع ہے اسی طرح ایک مجلس میں اگر تھوڑی تھوڑی متعدد بار تہ کی تو وہ ایک ہی تہ شمار ہوتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ مجلس جامع متفرقات ہے پس جب تک اتحاد مجلس ہے تو تلاوت کے تکرار کے باوجود ایک ہی سجدہ واجب ہوگا لیکن اگر مجلس بدل گئی تو حکم اپنی اصل کی طرف لوٹ آئے گا یعنی ایک ہی آیت سجدہ کو بار بار تلاوت کرنے سے بار بار سجدہ واجب ہوگا۔

اتحاد مجلس اور اختلاف مجلس کب متحقق ہوگا: رہی یہ بات کی مجلس کا بدلنا کب متحقق ہوگا تو اس بارے میں صاحب کفایہ کہتے ہیں کہ پہلی مجلس سے اٹھ کر اگر کہیں دور چلا گیا تو مجلس بدلنے کا حکم لگا دیا جائے گا اور اگر قریب میں گیا تو اتحاد مجلس باقی رہے گا اور قریب اور بید میں فاصلہ یہ ہے کہ دو یا تین قدموں کی مقدار تو قریب ہے اور اس سے زائد بعید ہے۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ محض قیام سے مجلس مختلف نہیں ہوتی برخلاف مخیرہ کے، مخیرہ اس عورت کو کہا جاتا ہے جس کے شوہر نے اس کو "اختاری نفسک" کہہ کر طلاق کا اختیار دیا ہو۔ پس مخیرہ الفاظ اختیار سن کر اگر کھڑی ہو گئی تو اس کا اختیار باطل ہو جائے گا مگر اختیار کا باطل ہونا اس لئے نہیں ہے کہ مجلس بدل گئی بلکہ اس لئے ہے کہ کھڑا ہونا اعراض کی دلیل ہے اور اعراض صراحتہً ہو یا دلالتہً خیار مخیرہ کو باطل کر دیتا ہے۔

فاضل مصنف نے کہا ہے کہ تانا تننے کی آمد و رفت میں وجوب سجدہ مکرر ہو جائے گا یعنی تانا تننے وقت اگر ایک آیت سجدہ کو بار بار تلاوت کیا تو جتنی بار تلاوت کی ہے اسی قدر سجدے واجب ہوں گے کیونکہ یہ آمد و رفت میں مجلس بدل جاتی ہے اسی طرح اگر درخت کی ایک شاخ پر بیٹھ کر ایک آیت سجدہ تلاوت کی پھر دوسری شاخ کی طرف منتقل ہو کر اسی آیت کو دوبارہ پڑھا تو دو سجدے واجب ہوں گے۔

یہی حکم اس وقت ہے جب کہ جانوروں سے اناج کو گاہا جائے ہمارے علاقہ میں اس کو دائیں چلانا کہتے ہیں پس دائیں چلاتے وقت یعنی اناج گاہتے وقت اگر ایک آیت سجدہ کو بار بار پڑھتا رہا تو بار بار سجدہ واجب ہوں گے۔ یہ قول احتیاط پر مبنی ہے۔

سامع کی مجلس بدل گئی تلاوت کرنے والے کی مجلس نہیں بدلی تو سامع پر

مکرر سجدہ ہے نہ کہ تلاوت کرنے والے پر

والو تبدل مجلس السامع دون التالی يتكرر الوجوب على السامع لان السبب في حقه السماع و كذا اذا

ترجمہ..... اور اگر سننے والے کی مجلس بدل گئی نہ کہ تلاوت کرنے والے کی تو سامع پر وجوب مکرر ہوگا کیونکہ سجدہ واجب ہونے کا سبب ال کے حق میں تلاوت کا سننا ہے اور یہی طرح اگر بغیر سامع کے تالی کی مجلس بدل گئی اسی بناء پر جو کہا گیا ہے۔ اور صحیح بات یہ ہے کہ سننے والے پر وجوب مکرر نہیں ہوگا اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے بیان کی ہے۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ اگر آیت سننے والے کی مجلس بدل گئی اور تلاوت کرنے والے کی مجلس نہیں بدلی تو بالاتفاق وجوب سجدہ سامع پر مکرر ہوگا۔ دلیل: یہ ہے کہ سامع کے حق میں سجدہ تلاوت واجب ہونے کا سبب سامع ہے اور چونکہ مجلس بدلنے کی وجہ سے سامع مکرر ہوا ہے اس لئے وجوب سجدہ بھی مکرر ہوگا۔ اور اگر تلاوت کنندہ کی مجلس بدل گئی لیکن سامع کی مجلس نہیں بدلی تو علامہ فخر الاسلام کے قول کے مطابق اس صورت میں بھی سجدہ کا وجوب سامع پر مکرر ہوگا۔ دلیل: یہ ہے کہ آیت سجدہ کا سننا تلاوت پر مبنی ہے اور مجلس تلاوت بدل گئی کہنا سامع کو بھی تلاوت پر قیاس کیا جائے گا یعنی یوں کہا جائے گا کہ جب تلاوت کی مجلس بدل گئی تو حکماً سامع کی مجلس بھی بدل گئی بعض حضرات نے یہ دلیل بیان کی ہے کہ سجدہ تلاوت کا سبب تالی اور سامع دونوں کے حق میں تلاوت ہے اور تبدیل مجلس کی وجہ سے تلاوت مکرر ہوتی ہے۔ اس لئے سجدہ کا وجوب تالی اور سامع دونوں پر مکرر ہوگا۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ صحیح بات یہ ہے کہ اس صورت میں سامع پر وجوب سجدہ مکرر نہیں ہوگا کیونکہ سامع کے حق میں سجدہ واجب ہونے کا سبب سامع ہے اور سامع کی مجلس میں تکرار نہیں ہوا لہذا اس پر وجوب سجدہ بھی مکرر نہ ہوگا۔

سجدہ کرنے کا طریقہ

ومن اراد السجود کبر ولم یرفع یدیه وسجد ثم کبر و رفع رأسه اعتباراً بسجدة الصلوة وهو المروء عن ابن مسعود ولا تشهد علیہ ولا سلام لان ذلك للتحلل وهو يستدعی سبق التحریمة وھی منعذہ

ترجمہ..... اور جس نے سجدہ تلاوت کرنے کا ارادہ کیا تو وہ تکبیر کہے اور ہاتھ نہ اٹھائے اور سجدہ کرے پھر تکبیر کہہ کر اپنا سر اٹھالے نماز کا سجدہ پر قیاس کرتے ہوئے اور یہی ابن مسعود سے مروی ہے اور اس پر نہ تشهد ہے اور نہ سلام ہے کیونکہ سلام تو نماز سے نکلنے کے لئے ہے اور وہ تقاضا کرتا ہے سبقت تحریمہ کا اور تحریمہ معدوم ہے۔

تشریح..... اس عبارت میں سجدہ تلاوت کی کیفیت کا بیان ہے سو کیفیت یہ ہے کہ جب سجدہ تلاوت کرنے کا ارادہ ہو تو بغیر دونوں ہاتھ اٹھائے تکبیر کہہ کر سجدہ کرے پھر تکبیر کہہ کر اپنا سر زمین سے اٹھالے۔ دلیل: نماز کے سجدہ پر قیاس ہے یہی عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے یہ ذہن میں رہے کہ یہ دونوں تکبیریں مسنون ہیں واجب نہیں ہیں۔ صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ سجدہ تلاوت کرنے والے پر نہ تشهد ہے نہ سلام ہے کیونکہ تشهد اور سلام نماز سے نکلنے کے لئے مشروع ہوئے ہیں اور نماز سے نکلنا تقاضا کرتا ہے کہ پہلے تحریمہ ہو اور تحریمہ اس جگہ معدوم ہے پس جب تحریمہ معدوم ہے تو تحلل بھی نہیں ہوگا اور جب تحلل نہیں ہے تو تشهد اور سلام بھی نہیں ہوں گے۔

فوائد..... قدوری اور ہدایہ کی عبارت اس بارے میں خاموش ہے کہ سجدہ تلاوت میں کیا پڑھے۔ سو اس سلسلے میں بعض نے تو یہ کہا ہے کہ نماز کے سجدہ میں جو پڑھا جاتا ہے وہی تلاوت میں پڑھے اور بعض کا قول ہے کہ سجدہ تلاوت میں یہ کہے سبحان ربنا ان کان وعنا

نماز یا غیر نماز میں سورت پڑھنے کے دوران آیت سجدہ، سجدہ چھوڑنا مکروہ ہے

قال ويكره ان يقرأ السورة في صلوة او غيرها ويدع آية السجدة لانه يشبه الاستنكاف عنها ولا بأس بان يقرأ آية السجدة ويدع ماسواها لانه مبادرة اليها قال مجمّد احب الي ان يقرأ قبلها آية او آيتين دفعا لوهم التفضيل واستحسنوا اخفاءها شفقة على السامعين والله اعلم

ترجمہ..... امام محمدؒ نے کہا کہ نماز یا غیر نماز میں سورت پڑھنا اور آیت سجدہ کو چھوڑ دینا مکروہ ہے کیونکہ یہ فعل سجدہ سے منہ موڑنے کے مشابہ ہے اور اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ آیت سجدہ کو پڑھے اور اس کے علاوہ کو چھوڑ دے۔ کیونکہ یہ تو سجدہ کی طرف پیش قدمی ہے۔ امام محمدؒ کا قول ہے کہ میرے نزدیک محبوب بات یہ ہے کہ آیت سجدہ سے پہلے ایک یا دو آیتیں پڑھ لے تفصیل کے وہم کو دور کرنے کے لئے اور علماء نے اس کے اخفاء کو مستحسن سمجھا ہے سننے والوں پر شفقت کے پیش نظر۔ اللہ زیادہ بہتر جاننے والا ہے۔

تشریح..... امام محمدؒ نے فرمایا ہے کہ نماز یا غیر نماز میں پوری سورت کو پڑھنا اور آیت سجدہ کو چھوڑ دینا مکروہ ہے وجہ گراہت یہ ہے کہ یہ عمل آیت سجدہ سے اعراض کرنے کے مشابہ ہے اور قرآن پاک کی کسی آیت سے اعراض کرنا حرام ہے کیونکہ یہ تو کفر ہے۔ پس جب حقیقتاً اعراض کرنا حرام ہے تو جو چیز اس کے مشابہ ہو وہ مکروہ ضرور ہوگی اور اگر کسی نے آیت سجدہ کی تلاوت کی اور باقی پوری سورت کو چھوڑ دیا تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ سجدہ کی طرف مبادرت اور پیش قدمی ہے۔ البتہ امام محمدؒ نے فرمایا ہے کہ پسندیدہ بات یہ ہے کہ آیت سجدہ سے پہلے ایک یا دو آیتیں پڑھ لے تاکہ یہ وہم نہ ہو کہ آیت سجدہ کو اوروں پر فضیلت ہے۔ حالانکہ قرآن ہونے میں سب آیات برابر ہیں۔ علماء نے اس بات کو مستحسن قرار دیا ہے کہ آیت سجدہ کو آہستہ پڑھے تاکہ سننے والوں پر گراہت نہ گذرے۔ صاحب عنایہ نے محیط کے حوالہ سے تحریر کیا ہے کہ اگر تلاوت کرنے والا تنہا ہے تو جس طرح چاہے پڑھے خواہ سر آخواہ جہر اور اگر اس کے ساتھ اور لوگ ہیں تو مشائخ احناف نے کہا ہے کہ وہ لوگ اگر با وضو ہیں اور ان پر سجدہ کرنے میں کچھ گراہت نہ ہوگی تو جہر سے پڑھنا چاہئے اور اگر وہ لوگ بے وضو ہیں یا یہ سمجھے کہ وہ سن کر سجدہ نہ کریں گے یا ان پر گراہت ہوگا تو آہستہ پڑھے۔ واللہ اعلم بالصواب، جمیل احمد عفی عنہ۔

باب صلوة المسافر

ترجمہ..... یہ باب مسافر کی نماز (کے بیان میں) ہے۔

تشریح..... چونکہ تلاوت کی طرح سفر بھی ان عوارض میں سے ہے جن کا انسان کسب کرتا ہے اس لئے سجدہ تلاوت کے احکام بیان کرنے کے بعد سفر کے احکام ذکر کئے گئے اور چونکہ تلاوت اور سجدہ تلاوت عبادت ہے اور سفر عبادت نہیں اس لئے سجدہ تلاوت کو مقدم اور سفر کے حکام کو مؤخر کیا گیا۔

سفر کے لغوی معنی مسافت طے کرنے کے ہیں اور شریعت کی اصطلاح میں سفر وہ ہے جس سے احکام متغیر ہو جاتے ہیں مثلاً نماز کا قصر، رمضان کے اندر افطار کی اجازت مدت مسح کا تین دن تک دراز ہو جانا، جمعہ عیدین اور قربانی کے وجوب کا ساقط ہو جانا، بغیر محرم کے آزاد

عورت کے نکلنے کا حرام ہونا۔ خیال رہے کہ سفر کا شرعاً اعتبار اس وقت ہوگا جبکہ سفر کی نیت ہو اور عملاً سفر موجود ہو۔ چنانچہ اگر کسی نے تین دن کی مسافت کی نیت کے بغیر پوری دنیا کا چکر لگایا تو یہ شخص شریعت کی نظر میں مسافر نہیں کہلائے گا اور اگر سفر کی نیت کی لیکن عملاً سفر نہیں کیا تو بھی مسافر نہیں ہوگا۔ سفر کی وجہ سے احکام کے اندر تغیر اسی وقت ہوگا جب کہ نیت سفر اور فعل سفر دونوں علی سبیل الاجتماع موجود ہوں۔

سوال..... اقامت کے لئے محض نیت کافی ہے لیکن سفر کے لئے محض نیت کافی نہیں ہے بلکہ فعل منع بھی ضروری ہے۔ ایسا کیوں ہے؟
جواب..... سفر فعل ہے اور فعل کے اندر محض ارادہ اور قصد کافی نہیں ہوتا۔ بلکہ عمل کی ضرورت پڑتی ہے۔ مثلاً نماز ایک فعلی چیز ہے اس میں فقط نیت کافی نہیں ہوتی بلکہ نیت کے ساتھ قیام رکوع سجدہ وغیرہ ہوں گے تو نماز ہوگی ورنہ نہیں۔ اور اقامت ترک فعل کا نام ہے اور ترک فعل محض نیت سے حاصل ہو جاتا ہے۔

یہی ایک قول امام شافعی

سفر شرعی کی مسافت

السفر الذى يتغير به الاحكام ان يقصد مسيرة ثلاثة ايام ولياليها بسير الابل ومشى الاقدام لقوله عليه السلام
بمسح المقيم كمال يوم وليلة والمسافر ثلاثة ايام ولياليها عمت الرخصة الجنس ومن ضرورته عبود
التقدير وقدر ابو يوسف بيومين واكثر اليوم الثالث والشافعى بيوم وليلة فى قول وكفى بالسنة حجة عليها

ترجمہ..... وہ سفر جس سے احکام بدل جاتے ہیں یہ ہے کہ اونٹ کی رفتار کے ذریعہ یا قدموں کی چال سے تین دن اور تین رات کی رفتار کا ارادہ کرے۔ کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ مقيم پورے ایک دن ایک رات مسح کرے اور مسافر تین دن اور تین رات (یہ) رخصت جنس کو عام ہے اور اس کے لوازمات میں سے عموم تقدیر ہے۔ اور امام ابو یوسف نے سفر کی مقدار دو یوم اور تیسرے دن کا اکثر قرار دی ہے اور امام شافعی نے ایک قول کے مطابق ایک دن اور ایک رات مقرر کی ہے اور حدیث مذکور دونوں کے خلاف حجت ہونے کے لئے کافی ہے۔
تشریح..... صاحب قدوری نے فرمایا ہے کہ جس سفر سے احکام متغیر ہو جاتے ہیں وہ سفر یہ ہے کہ انسان تین دن تین رات کے چلنے کا ارادہ کرے چال کے اندر اونٹ کی چال معتبر ہے یا پیدل کی یا بیل گاڑی کی۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ ہر ملک کے سال میں سب سے چھوٹا دن معتبر ہے۔ جیسے ہمارے یہاں شاملی ہند میں خوب جاڑے میں سب سے چھوٹا دن ہوتا ہے نیز رات و دن ۲۴ گھنٹہ کا پیمانہ مراد نہیں بلکہ ہر روز صبح سے زوال کے وقت تک کا چلنا مراد ہے کیونکہ ۲۴ گھنٹہ چلتے رہنا نہ انسان کے بس میں ہے اور نہ ہی سواری کے جانور کی طاقت میں۔ بہر حال ہر روز صبح سے زوال تک کسی منزل پر پہنچ کر آرام کر کے تین دن اور تین رات میں جو مسافت طے ہو وہ مسافت سفر ہے۔

تین دن اور تین رات کی تقدیر پر حدیث رسول بمسح المقيم كمال يوم وليلة والمسافر ثلاثة ايام ولياليها استدل کیا گیا ہے وجہ استدلال یہ ہے کہ المسافر کا الف لام استغراقی ہے پس مسح کی رخصت ہر مسافر کو شامل ہوگی یعنی ہر مسافر تین دن اور تین رات مسح کرنے پر قادر ہوگا اور ہر مسافر تین رات دن مسح کرنے پر اسی وقت قادر ہو سکتا ہے جبکہ اقل مدت سفر تین رات دن ہو۔ اقل مدت سفر اس سے کم مانی جائے تو ہر مسافر کا تین دن اور تین رات مسح کرنے پر قادر ہونا ممکن نہیں رہے گا۔ حالانکہ حدیث سے ہر مسافر کے لئے تین دن اور تین رات مسح کرنے کی قدرت ثابت ہے پس ثابت ہو گیا کہ سفر کی کم از کم مدت تین دن اور تین راتیں ہیں۔

ہمارے مذہب کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے لا تسافر المرأة فوق ثلاثة ايام وليا ليها الا ومعها زوجها
 بطور حرم محرم منها۔ حدیث میں لفظ فوق زائد ہے جیسے فاضر بوافوق الاعناق میں لفظ فوق زائد ہے اب حدیث کا مطلب یہ
 ہے کہ کوئی عورت تین دن اور تین رات سفر نہ کرے مگر یہ کہ اس کے ساتھ اس کا شوہر ہو یا کوئی زوی رحم محرم ہو یہ بات مسلم ہے کہ عورت کے
 لئے مدت سفر سے کم بغیر محرم کے سفر کرنے کی اجازت ہے پس چونکہ حدیث میں تین دن اور تین رات عورت کو بغیر محرم کے سفر کرنے سے
 منع کیا گیا ہے اس لئے مدت سفر تین دن اور تین رات ہوگی۔

علماء احناف میں سے امام ابو یوسف نے فرمایا ہے کہ اقل مدت سفر دو یوم کامل اور تیسرے دن کا اکثر حصہ ہے۔ امام شافعی کے نزدیک
 یہ قول کے مطابق ایک دن اور ایک رات کم از کم سفر کی مدت ہے۔ امام مالک اور امام احمد نے فرمایا ہے کہ چار فرسخ اقل مدت سفر ہے۔
 یہ ایک قول امام شافعی کا ہے، صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ ہماری پیش کردہ حدیث دونوں مخالف اقوال کے خلاف حجت ہے۔

متوسط رفتار معتبر ہے

السير المذکور هو الوسط وعن ابی حنیفۃ التقدير بالمراحل وهو قریب من الاول ولا معتبر بالفراسخ هو
 صحیح

ترجمہ..... اور جس رفتار کا ذکر کیا گیا ہے وہ اوسط درجہ کی رفتار ہے۔ اور ابو حنیفہ سے مرحلوں کے ساتھ اندازہ مروی ہے۔ اور یہ قول اول
 سے قریب ہے اور فرسخوں کے ساتھ اندازہ کرنا معتبر نہیں ہے۔ یہی صحیح ہے۔

ترجمہ..... صاحب قدوری کہتے ہیں کہ اونٹ یا قدوں کی رفتار میں معتدل اور اوسط درجہ کی رفتار مراد ہے نہ بہت تیز ہو اور نہ بہت
 سست بلکہ درمیانی چال ہو۔ امام ابو حنیفہ سے ایک روایت ہے کہ ادنیٰ مدت سفر تین منزل ہیں یعنی اگر کسی نے تین منزل کے ارادے
 سے سفر شروع کیا تو وہ شرعاً مسافر کہلائے گا۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ حضرت امام صاحب کا یہ قول بھی قول اول سے قریب ہے۔
 چونکہ انسان عادتاً ایک دن میں ایک منزل کا سفر کرتا ہے بالخصوص چھوٹے دنوں میں لہذا مدت سفر تین دن بیان کرنا یا تین منزل بیان
 کرنا ایک ہی بات ہے۔ صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ صحیح قول کے مطابق مدت سفر کی تعیین میں فراسخ کا اعتبار نہیں کیا گیا ہے ایک فرسخ
 آٹھ میل کا ہوتا ہے عامۃ المشائخ نے فرسخوں کا اعتبار کیا ہے۔ چنانچہ بعض مشائخ نے گیارہ فرسخوں کا ذکر کیا ہے بعض نے اٹھارہ کا
 ذکر کیا ہے۔ (واعلم عند اللہ)

دریا میں خشکی کی رفتار معتبر نہیں

لا يعتبر السير في الماء معناه لا يعتبر به السير في البر، فاما المعتبر في البحر فما يليق بحاله كما في الجبل

ترجمہ..... اور دریا میں رفتار معتبر نہیں ہے۔ اس کے معنی ہیں کہ دریائی رفتار کے ساتھ خشکی کی رفتار معتبر نہیں ہوگی رہا دریا کے اندر اعتبار سو وہ
 ہے جو اس کے حال کے مناسب ہو۔ جیسا کہ پہاڑ کے اندر ہے۔

ترجمہ..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ دریا کے اندر اگر کشتی سے سفر کیا جائے تو اس کے حال کے مناسب کا اعتبار کیا جائے گا یعنی ہوا گرنے

موافقی ہونہ مخالف تو اس میں تین دن اور تین رات میں جس قدر مسافت طے کرے گا وہ مدت سفر کہلائے گی جس طرح پہاڑوں کے سفر میں تین دن اور تین رات کی مسافت معتبر ہے اگرچہ ہموار زمین میں اتنی مسافت اس سے کم مدت میں طے ہو جاتی ہو۔

متن کی عبارت کا حاصل یہ ہے کہ دریائی سفر میں خشکی کی رفتار معتبر نہ ہوگی مثلاً ایک مقام پر پہنچنے کے دو راستے ہیں ایک دریا کا دوسرا خشکی کا خشکی کے راستے میں اس مقام تک پہنچنے کے لئے تین دن اور تین رات کی مسافت ہے اور دریا کے راستے سے دو یوم کی مسافت ہے پس اگر کوئی شخص یہ مسافت خشکی کے راستے سے طے کرے گا تو اس کے لئے مسافروں کی رخصت حاصل ہوگی اور اگر دریائی راستے سے گیا تو رخصت سفر حاصل نہ ہوگی۔

قصر نماز کی شرعی حیثیت

قال وفرض المسافر فی الرباعیۃ رکعتان لایزید علیہما وقال الشافعی فرضہ الاربع والقصر رخصۃ اعتبار بالصوم ولسنا ان الشفع الثانی لایقضی و لا یأثم علی ترکہ و هذا آیۃ النافلۃ بخلاف الصوم لانه یقضی

ترجمہ..... شیخ قدوری نے کہا ہے کہ مسافر کی رباعی نماز دو رکعت ہیں۔ ان پر زیادتی نہ کرے اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ اس کا فرض تو چار ہی رکعت ہیں۔ اور قصر کرنا رخصت ہے روزہ پر قیاس کرتے ہوئے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ شفع ثانی کی نہ تو قضاء کی جاتی ہے اور نہ اس کے ترک کرنے پر گنہگار ہوتا اور یہ علامت ہے اس کے نفل ہونے کی برخلاف روزہ کے کیونکہ اس کی قضاء کی جاتی ہے۔

تشریح..... قدوری نے فرمایا ہے کہ ہمارے نزدیک رباعی نماز مسافر پر دو رکعت فرض ہیں۔ ان پر اضافہ جائز نہیں ہے حاصل یہ کہ ہمارے نزدیک مسافر کے حق میں قصر رخصت اسقاط ہے۔ یعنی رباعی نماز میں دو رکعت ساقط ہو کر دو رکعت رہ گئیں ہیں۔ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ مسافر کے حق میں قصر رخصت ترفیہ ہے اور اتمام افضل ہے یعنی مسافر کی سہولت کے پیش نظر اس کو دو رکعت پڑھنے کی اجازت دی گئی ہے ورنہ رباعی نماز میں اس پر چار رکعت ہی فرض ہیں۔ اور چار ہی کا پڑھنا افضل ہے اس کے قائل امام احمدؒ ہیں اور امام مالکؒ کا بھی ایک قول یہی ہے۔ امام شافعیؒ کی دلیل روزہ پر قیاس ہے۔ یعنی جس طرح مسافر کے لئے رمضان المبارک میں افطار کی اجازت ہے اور روزہ رکھنا افضل ہے۔ اسی طرح رباعی نماز میں قصر کی اجازت دی گئی ہے ورنہ اتمام افضل ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ خداوند قدوس نے فرمایا ہے فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ یعنی نماز کا قصر کرنے میں تم پر کوئی حرج نہیں ہے۔ آیت سے استدلال اس طور پر ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے قصر لفظ لا جناح کے ساتھ مشروع کیا ہے اور لفظ اباحت کے لئے ذکر کیا جاتا ہے نہ کہ وجوب کے لئے جیسا کہ دوسری آیت میں ہے لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَقْتُمْ النِّسَاءَ بِسَبْتٍ ثَابِتٍ ہوا کہ قصر مباح ہے۔ واجب نہیں اور جب قصر کا مباح ہونا ثابت ہوا تو دوسرے مباحات کی طرح قصر کے اندر بھی مسافر کو اختیار ہوگا کہ قصر کرے یا اتمام کرے۔ تیسری دلیل حدیث عمرؓ سے مروی ہے کہ یہ آیت مجھ پر مشتبہ ہوگئی تو میں نے رسول خداؐ سے دریافت کیا کہ کیا ہم قصر کریں؟ حالانکہ ہم مامون ہیں ہمیں کسی چیز کا خوف نہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان خقسم فرمایا ہے۔ یعنی خوف کو قصر کے ساتھ مشروع کیا ہے (یہ سن کر) آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ یہ خداوند قدوس کی طرف سے صدقہ ہے اللہ تعالیٰ کا صدقہ قبول کرو۔

حدیث میں قصر کو قبول کے ساتھ معلق کیا ہی اور قصر کا نام صدقہ رکھا ہے اور قاعدہ ہے کہ جس پر صدقہ کیا جاتا ہے اس کو صدقہ میں اختیار

ہے اس پر قبول کرنا لازم نہیں ہوتا۔ (فتح القدیر) ہماری دلیل یہ ہے کہ مسافر اگر قصر کرے اور آخری دو رکعتوں کو ترک کر دے تو مقیم کے بعد ان کی قضاء کی جاتی ہے اور نہ ہی ان کے چھوڑنے پر گنہگار ہوتا ہے اور قضاء کا واجب نہ ہونا اور گنہگار نہ ہونا شفع ثانی کے ہونے کی علامت ہے پس ثابت ہوا کہ مسافر پر رباعی نماز میں فقط دو رکعتیں واجب ہیں۔ دوسری نقلی دلیل عن عائشہ قالت وضت الصلوة رکعتین رکعتین فاقرت صلوة السفر وزیدت فی الحضر۔ (بخاری و مسلم) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ نماز دو رکعت فرض کی گئی ہے پس سفر کی نماز کو (اسی حال پر) باقی رکھا گیا اور حضر کی نماز میں اضافہ کر دیا گیا۔ عن ابن عباس قال فرض اللہ الصلوة علی لسان نبیکم فی الحضر اربع رکعات ونی السفر رکعتین ابن عباس نے فرمایا کہ نبی نے تمہارے رسول کی زبانی مضر میں چار رکعتیں فرض کیں اور سفر میں دو رکعت طہرانی کی روایت ہے۔ اقتصر رض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکعتین فی السفر کما افترض فی الحضر اربعاً۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں دو رکعتیں لکھی ہیں۔ جیسا کہ حضر میں چار رکعت فرض کی ہیں لسانی و ابن ماجہ میں ہے عن ابن ابی لیلی عن عمر قال صلوة السفر لثمان و صلوة الاضحی رکعتان و صلوة الفطر رکعتان و صلوة الجمعة رکعتان تمام غیر قصر علی لسان محمد حضرت عمر نے فرمایا کہ سفر کی نماز دو رکعت ہیں عید الاضحیٰ کی نماز دو رکعت ہیں عید الفطر کی نماز دو رکعت ہیں اور جمعہ کی نماز دو رکعت۔ اور یہ پوری نماز ہے بغیر قصر کے پیغمبر خدا ﷺ کی زبانی۔

بخاری شریف میں ابن عمر سے مروی ہے صحبت رسول اللہ ﷺ فی السفر لم یزد علی رکعتین حتی قبضہ اللہ صحبت عمر فلم یزد علی رکعتین حتی قبضہ اللہ و صحبت عثمان فلم یزد علی رکعتین حتی قبضہ اللہ وقد قال اللہ تعالیٰ لقد کان لکم فی رسول اللہ اُسوة حسنة۔ ابن عمر سے مروی ہے کہ میں سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہا آپ ﷺ نے دو رکعت پر زیادتی نہیں کی حتیٰ کہ آپ ﷺ کا وصال ہو گیا اور والد محترم حضرت عمر کے ساتھ سفر میں رہا انہوں نے بھی دو رکعت پر اضافہ نہیں کیا یہاں تک کہ آپ کا وصال ہو گیا۔ حضرت عثمان کے ساتھ سفر کیا آپ نے بھی تاحین حیات دو رکعت پر اضافہ کیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کو اسوۂ حسنہ فرمایا ہے۔ اس لئے اسی کا اتباع کیا جائے۔ ان تمام روایت سے سفر کی نماز کا دو رکعت ہونا ثابت ہوتا ہے اگر سفر کی نماز میں چار رکعت پڑھنا افضل ہوتا جیسا کہ امام شافعی کا خیال ہے تو قدرت ﷺ اور آپ کے صحابہ اس فضیلت کو کبھی ترک نہ فرماتے۔

حضرت امام شافعی کے قیاس کا جواب یہ ہے کہ مسافر کی قصر نماز کو اس کے روزہ پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔ اس لئے بلاشبہ مسافر کو نماز میں افطار کی اجازت دی گئی ہے لیکن فرق ہے وہ یہ کہ مسافر پر رباعی کے اندر قصر کرنے کی صورت میں آخرین کی قضاء واجب نہیں ہے۔ اور روزہ کی قضاء واجب ہے پس اس فرق کے ساتھ ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا کیسے درست ہوگا۔ حاصل یہ کہ کسی چیز کو اس حال میں ترک نہ اس کا بدلہ واجب ہونے کے ترک پر گناہ ہو تو یہ اس چیز کے نفل ہونے کی علامت ہے رہا روزہ تو اس کا ترک بلا بدلہ نہیں ہے اس کا بدلہ موجود ہے یعنی قضاء۔ امام شافعی کی طرف سے پیش کردہ آیت کا جواب یہ ہے کہ آیت میں اوصاف کا قصر مراد ہے یعنی خوف کی وجہ سے قیام کو چھوڑ کر قعود اختیار کرنا رکوع و سجود کو چھوڑ کر اشارہ کے ساتھ نماز پڑھنا اور ہمارے نزدیک خوف کے وقت اوصاف کا قصر واجب نہیں ہے۔ پس جب آیت میں اوصاف کا قصر مراد ہے تو اس سے رکعات کے قصر پر استدلال نہیں کیا جاسکتا۔

تسلیم کر لیا جائے کہ آیت میں اصل نماز کا قصر مراد ہے تو ہم کہتے ہیں کہ امام شافعی کا یہ کہنا کہ لفظ لا جناح اباحت کے لئے ذکر کیا جاتا ہے و جب کے لئے نہیں غلط ہے کیونکہ آیت اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ النَّبِيَّ اَوْ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطْوِفَ بِهِمَا فِي لَاجِنَا حِجَابٍ سے سنی بین الصفا والمروة کے وجوب کو ذکر کیا گیا ہے۔ خود امام شافعی بھی اس موقع پر اباحت مراد نہیں لیتے جیسا کہ جلالین میں مذکور ہے۔

امام شافعی کی پیش کردہ حدیث عمر کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث ہماری دلیل ہے نہ کہ آپ کی اس لئے کہ حدیث کے اندر فاقبلوا امر کا صیغہ ہے اور امر وجوب کے لئے آتا ہے پس قصر جس کو صدقہ کہا گیا ہے اس کا قبول کرنا واجب ہو نہ کہ مباح دوسرا جواب یہ ہے کہ صدقہ دو طرح کا ہوتا ہے ایک تملیکات کے قبیلہ سے جیسے مال کا صدقہ دوم استقاعات کے قبیلہ سے جیسے عمیق (آزاد کرنا) اور قصاص کو معاف کرنا قاعدہ یہ ہے کہ جو صدقہ تملیکات کے قبیلہ سے ہو اگر اس کو رد کر دیا جائے تو وہ رد ہو جائے گا۔ البتہ جو استقاعات کے قبیلہ سے ہو وہ رد کرنے سے رد نہیں ہوتا۔ پس قصر صلوة ایسا صدقہ ہے جو قبیل استقاعات ہے۔ لہذا یہ رد کرنے سے رد نہیں ہوگا اور جب مصدق علیہ کے رد کرنے سے رد نہیں ہوا تو گویا واجب ہوا۔ پس ثابت ہوا کہ قصر واجب ہے۔

اگر قصر کے بجائے اتمام کیا تو کیا حکم ہے

وان صلی اربعاً وقعد فی الثانیة قدر التشهد اجزائه الاولیان عن الفرض والاخریان له نافلة اعتباراً بالفجر ویصیر مسیناً لتأخیر السلام وان لم یقعد فی الثانیة قدرها بطلت لاختلاط النافلة بها قبل اكمال ارکانها

ترجمہ..... اور اگر مسافر نے چار رکعتیں پڑھیں اور دوسری رکعت پر تشہد کی مقدار پر بیٹھ گیا تو پہلی دو رکعتیں فرض سے اس کو کافی ہو جائیں گی اور بعد کی دو رکعتیں اس کے لئے نفل ہوں گی فجر پر قیاس کرتے ہوئے اور تاخیر سلام کی وجہ سے گنہگار ہوگا۔ اور اگر دوسری رکعت پر بقدر تشہد نہیں بیٹھا تو یہ نماز باطل ہوگی کیونکہ نفل فرض کے ساتھ اس کے ارکان مکمل ہونے سے پہلے مخلوط ہو گیا۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ مسافر نے بجائے دو رکعت کے چار رکعت پڑھیں اور تشہد کی مقدار دوسری رکعت پر بیٹھ بھی گیا تو پہلی دو رکعتیں فرض اور بعد کی دو رکعتیں نفل شمار ہوں گی۔ صاحب ہدایہ نے فجر کی نماز پر قیاس کیا ہے یعنی اگر فجر کی چار رکعتیں پڑھیں اور دوسری رکعت پر بیٹھ گیا تو فجر کی دو رکعت فرض ادا ہو جائیں گی۔ البتہ سلام میں تاخیر کی وجہ سے گنہگار ہوگا۔ اور اگر یہ مسافر دوسری رکعت پر تشہد کی مقدار نہیں بیٹھا تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔ دلیل یہ ہے کہ ارکان فرض مکمل ہونے سے پہلے فرض کے ساتھ نفل مخلوط ہو گیا ہے۔ ارکان اس لئے مکمل نہیں ہوئے کہ تعدد اخیرہ جو رکن ہے اس کو ترک کر دیا۔ اور فرض کے ارکان مکمل ہونے سے پہلے فرض کو نفل کے ساتھ مخلوط کر دینا مبطل صلوة ہے۔ اس لئے اس کی نماز باطل ہوگی۔

قصر نماز کہاں سے شروع کرے

واذا فارق المسافر بیوت المصر صلی رکعتین، لان الإقامة تتعلق بدخولها فيتعلق السفر بالخروج عنها وفيه الاثر عن علی لو جاوزنا هذا النخص لقصرنا

ترجمہ..... اور جب مسافر نے شہر کے گھروں کو چھوڑا تو دو رکعت پڑھے کیونکہ اقامت (کا حکم) ان گھروں کے اندر داخل ہونے سے

متعلق ہوتا ہے لہذا سفر (کا حکم) ان گھروں سے نکلنے کے ساتھ متعلق ہوگا۔ اور اس باب میں حضرت علیؑ کا اثر ہے کہ اگر ہم ان چھوٹی چیزوں سے تجاوز کر جائیں تو قصر پڑھیں۔

تشریح سوال یہ ہے کہ آغاز سفر کے بعد قصر پڑھنا کب شروع کرے سو اس کا حکم یہ ہے کہ جب آبادی سے باہر نکل جائے تو اس پر قصر پڑھنا واجب ہو گیا۔ دلیل یہ ہے کہ مسافر جب اپنے وطنی شہر کی آبادی میں داخل ہوتا ہے تو اقامت کا حکم متعلق ہو جاتا ہے پس جب اس آبادی سے باہر نکل گیا تو سفر کا حکم متعلق ہو جائے گا۔ اس سلسلہ میں حضرت علیؑ کا اثر بھی منقول ہے سو جاوزنا هذا الحوض لنصرنا۔ خص کہتے ہیں بانس یا لکڑی کی جھونپڑی کو۔ حاصل یہ کہ حضرت علیؑ نے فرمایا ہے کہ اگر ہم ان چھوٹی چیزوں سے آگے بڑھ جائیں تو نماز قصر پڑھیں۔ اسی کی تائید حدیث انس سے ہوتی ہے قال صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الظهر بالمدينة اربعاً والعصر بذي الحليفة ركعتين۔ حضرت انسؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مدینہ منورہ میں ظہر کی چار رکعتیں پڑھیں اور عصر ذوالحلیفہ میں دو رکعت پڑھی۔

مقیم بننے کے لئے کتنے دن کی اقامت کی نیت ضروری ہے

ولا يزال على حكم السفر حتى ينوي الإقامة في بلدة او قرية خمسة عشر يوماً او اكثر وان نوى اقل من ذلك قصر لانه لا بد من اعتبار مدة لان السفر يجامعه اللبس فقد رناها بمدة الطهر لانهما مدتان موجبتان وهو ما ثور عن ابن عباس وابن عمر والاثار في مثله كالخبر والتقييد بالبلدة والقرية يشير الى انه لا تصح نية الإقامة في المفازة وهو الظاهر

ترجمہ اور سفر کے حکم پر ہمیشہ باقی رہے گا یہاں تک کہ کسی شہر یا گاؤں میں پندرہ دن یا اس سے زیادہ قیام کی نیت کرے۔ اور اگر اس سے کم کی نیت کی تو قصر کرے کیونکہ قیام کے اندر مدت کا اعتبار کرنا ضروری ہے۔ اس لئے کہ سفر کے اندر بھی ٹھہراؤ موجود ہوتا ہے پس ہم نے مدت اقامت کا مدت طہر کے ساتھ اندازہ کیا کیونکہ یہ دونوں مدتیں واجب کرنے والی ہیں۔ اور یہی مقدار ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ سے منقول ہے۔ اور اس جیسے باب میں صحابی کا قول رسول اکرم ﷺ کے قول کے مانند ہوتا ہے شہر اور گاؤں کی قید لگانا اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ جنگل کے اندر اقامت کی نیت کرنا صحیح نہیں ہے یہی ظاہر ہے۔

تشریح مسئلہ یہ ہے کہ سفر کا حکم اس وقت باقی رہے گا جب تک کہ کسی شہر یا گاؤں میں پندرہ دن یا اس سے زیادہ قیام کی نیت نہ کرے پس جب پندرہ دن یا اس سے زیادہ کے قیام کی نیت کرے گا تو سفر کا حکم ختم ہو جائے گا۔ اور یہ شخص مقیم کہلائے گا۔ اور اگر پندرہ دن سے کم ٹھہرنے کی نیت کی تو ہمارے نزدیک یہ شخص مقیم نہیں ہوگا۔ بلکہ قصر نماز پڑھے گا۔

حضرت امام مالکؒ اور امام شافعیؒ نے فرمایا ہے کہ چار دن قیام کی نیت سے مقیم ہو جائے گا۔ امام شافعیؒ کا ایک قول یہ ہے کہ جب چار دن سے زائد قیام کیا تو یہ مقیم ہو گیا۔ خواہ نیت کرے یا نیت نہ کرے حاصل یہ کہ ہمارے اور امام شافعیؒ کی درمیان دو جگہ اختلاف ہے۔ ایک یہ کہ مقیم ہونے کے لئے کم از کم کتنے دن کے قیام کی نیت ضروری ہے سو ہمارے نزدیک پندرہ دن کی نیت سے مقیم ہو جائے گا۔ اور ان کے نزدیک چار دن کی نیت سے مقیم ہو جائے گا۔ امام شافعیؒ نے اپنے اس قول پر قرآن سے استدلال کیا ہے ارشاد خداوندی ہے اِذَا ضَرَبْتُمْ فِی

الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ضرب فی الارض یعنی چلنے سے قصر کو مباح کیا ہے اس کا مفہوم مخالف یہی کہ اگر ضرب فی الارض نہ ہو تو قصر مباح نہیں ہے پس جب مسافر نے اقامت کی نیت کی تو اس نے ضرب فی الارض کو چھوڑ دیا۔ اور جب ضرب فی الارض کو چھوڑ دیا تو اس کے واسطے قصر کرنا مباح نہ رہا لیکن اس پر سوال ہوگا کہ اگر چار دن سے کم قیام کی نیت کرے تو بھی قصر کرنے کی اجازت نہ ہونی چاہئے کیونکہ ضرب فی الارض اس صورت میں بھی نہیں پایا گیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ نص کا تقاضا تو یہی ہے کہ چار دن سے کم قیام کرنے سے قصر کا حکم باقی نہ رہے۔ مگر ہم نے دلیل اجماع کی وجہ سے چار دن سے کم میں اس نص کو ترک کر دیا ہے اس لئے کہ اس میں کم قیام کی نیت سے مقیم ہونے کا کوئی قائل نہیں ہے۔

اقامت کے لئے نیت شرط ہے: دوسرا اختلاف یہ ہے کہ اقامت کے لئے ہمارے نزدیک اصل نیت شرط ہے چنانچہ ہمارے نزدیک بلا نیت اقامت مقیم نہیں ہوگا۔ خواہ پندرہ دن سے زائد قیام کرے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک مقیم ہونے کے لئے نیت شرط نہیں ہے۔ امام شافعیؒ کی دلیل حضرت عثمانؓ کا قول من اقام اربعاً امم ہے یعنی جو شخص چار دن قیام کرے وہ پوری نماز پڑھے اس قول میں نیت کا ذکر نہیں ہے لہذا ثابت ہوا کہ مقیم ہونے کے لئے نیت کرنا ضروری نہیں ہے۔ اقامت کے لئے پندرہ یوم کا اعتبار کرنے میں امام اعظمؒ کی دلیل یہ ہے کہ مسافر کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ شب و روز ۲۴ گھنٹے چلتا رہے۔ بلکہ وہ بسا اوقات ٹھہرتا بھی ہے اور کافی دیر تک ٹھہر جاتا ہے پس معلوم ہوا کہ سفر اور لبث (ٹھہرنا دونوں جمع ہو جاتے ہیں۔ یہ بات بھی اظہر من الشمس ہے کہ ٹھہرنے کا نام ہی اقامت اور مقیم ہونا ہے پس چونکہ ان دونوں کے درمیان فرق کرنے کے لئے ایک مدت کا اعتبار کرنا ضروری ہے۔ اس لئے ہم نے مدت طہر پر قیاس کر کے مدت اقامت پندرہ یوم مقرر کی ہے۔ رہی بات یہ کہ قیاس کی علت مشترک کیا ہے۔ سو اس بارے میں صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ مدت طہر اور مدت اقامت دونوں کا موجب ہونا علت مشترک ہے۔ یعنی حیض کی وجہ سے جو عبادت ساقط ہوگئی تھی مدت طہر کی وجہ سے جس طرح وہ عود کرتی ہے اسی طرح سفر کی وجہ سے ساقط شدہ عبادت بھی مدت اقامت کی وجہ سے عود کرتی ہے پس اس قیاس کی بنیاد پر جس طرح ادنی مدت طہر پندرہ دن ہیں اسی طرح ادنی مدت اقامت بھی پندرہ یوم ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ طہر کی ضد حیض کی ادنی مدت تین دن ہیں۔ تو اقامت کی ضد سفر کی ادنی مدت بھی تین دن ہیں۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ مدت اقامت کا پندرہ دن ہونا حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔ چنانچہ مجاہد نے روایت کی ہے عن ابن عباس وابن عمر رضی اللہ عنہما قالوا اذا دخلت بلدة وانت مسافر وفي عزمك ان تقیم بها خمسة عشر يوماً فأكمل الصلوة وان كنت لا تدري متى تطعن فاقصر یعنی ان دونوں حضرات صحابہ نے فرمایا کہ جب تو کسی شہر میں داخل ہو۔ حالانکہ تو مسافر ہے۔ اور تیرا ارادہ پندرہ دن قیام کا ہے تو نماز پوری پڑھ اور اگر تجھ کو یہ علم نہیں کہ کب سفر کرے گا تو قصر کرتا رہ۔ صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ پندرہ دن کی تحدید مقدرات شرعیہ میں سے ہے اور ایام کی تقدیر و تحدید ایسی چیز ہے جس کی طرف عقل بھی راہ یاب نہیں ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ ما لا یعقل کے اندر اثر صحابی بمنزلہ خبر اور حدیث کے ہوتا ہے۔ گویا ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ نے پندرہ یوم کی تعیین حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر بیان کی ہے۔

صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ امام ابو الحسن قدوری کا اقامت کے لئے بلکہ یا قریہ کی قید لگانا اس طرف مشیر ہے کہ جنگل میں اقامت کی نیت کرنا درست نہیں ہے۔ یہی ظاہر الروایۃ ہے۔ اگرچہ قاضی ابو یوسفؒ نے فرمایا ہے کہ چرواہے اگر گھاس پانی کی جگہ خیر

پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کر لیں تو مقیم ہو جائیں گے۔

ایک شہر سے آج کل نکلنے کا ارادہ کیا لیکن دو سال تک ٹھہرا ہوا تو نماز قصر پڑھے گا

لو دخل مصر اعلى عزم ان يخرج غذا او بعد غد ولم ينو مدة الاقامة حتى بقى على ذلك سنين قصر لان
من عمر اقام باذر بيجان ستة اشهر و كان يقصر وعن جماعة من الصحابة مثل ذلك

ترجمہ..... اور اگر کوئی مسافر شہر میں اس ارادہ کے ساتھ داخل ہوا کہ کل یا پرسوں کوچ کرے گا اور مدت اقامت کی نیت نہیں کی یہاں تک کہ اسی ارادہ کے ساتھ چند سال ٹھہرا ہوا تو قصر کرتا رہے گا۔ کیونکہ ابن عمرؓ نے آذربجان میں چھ ماہ قیام کیا حالانکہ قصر پڑھا کرتے تھے۔ صحابہؓ کی ایک جماعت سے اسی کے مثل مروی ہے۔

تشریح..... پہلے مسئلہ میں گذر چکا ہے کہ اقامت کے واسطے پندرہ دن کے قیام کی نیت کرنا ضروری ہے اسی پر متفرع کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر مسافر کسی شہر میں اس نیت کے ساتھ داخل ہوا کہ کل یا پرسوں روانہ ہو جاؤں گا۔ مدت اقامت یعنی پندرہ روز کے قیام کی نیت نہیں کی حتیٰ کہ اسی آج کل میں چند سال گذر گئے تو یہ قصر پڑھتا رہے گا مقیم نہیں کہلائے گا۔ دلیل یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے مقام آذربجان میں چھ ماہ قیام کیا مگر چونکہ حضرت ابن عمرؓ نے بیک وقت پندرہ دن قیام کرنے کی نیت نہیں کی تھی اس لئے وہ قصر نماز ہی پڑھتے رہے۔ اسی کے مثل دوسرے صحابہؓ سے مروی ہے۔ چنانچہ سعد بن ابی وقاص کے بارے میں مروی ہے۔ کہ انہوں نے نیشاپور کے کسی مکان میں دو ماہ قیام کیا اور قصر پڑھتے رہے اسی طرح علقمہ بن قیس نے خوارزم میں دو سال قیام کیا اور قصر نماز پڑھی۔

لشکر کی دارالحرب میں اقامت کی نیت معتبر ہے یا نہیں

واذا دخل العسكر ارض الحرب فنو والاقامة بها قصر و اذا حاصروا فيها مدينة او حصنا لان الداخل
بين ان يهزم فيفرو وبين ان يهزن فيقصر فلم تكن دار اقامة

ترجمہ..... اور جب اسلامی لشکر کفار کے ملک میں داخل ہو اور اس میں پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کی تو بھی قصر کریں گے۔ اور یوں ہی جب دارالحرب میں کسی شہر یا قلعہ کا محاصرہ کیا ہو۔ کیونکہ داخل ہونے والا لشکر (دو باتوں کے درمیان) متردد ہے ایک یہ کہ شکست کھا کر ہٹا جائے دوم یہ کہ شکست دے کر قیام پذیر ہو جائے اس لئے یہ دار اقامت نہیں ہوگا۔

تشریح..... اسلامی لشکر نے دارالحرب میں داخل ہو کر پندرہ دن کے قیام کی نیت کی تو بھی حکم یہ ہے کہ یہ فوجی مسلمان قصر نماز پڑھیں۔ یعنی حکم اس وقت ہے جبکہ اسلامی فوج نے دارالحرب میں گھس کر کسی شہر یا قلعہ کا محاصرہ کر لیا ہو۔ حاصل یہ کہ دارالحرب کے اندر اسلامی لشکر کی اقامت کے سلسلہ میں نیت معتبر نہیں ہے۔ کیونکہ اقامت کی نیت کا محل وہ جگہ ہوتی ہے جہاں انسان کو حتمی طور پر قرار اور ٹھہراؤ میسر ہو۔ اور یہاں صورت یہ ہے کہ اسلامی لشکر قرار اور فرار کے مابین متردد ہے۔ اس لئے کہ شکست کی صورت میں راہ فرار اختیار کرنی پڑے گی۔ اور فتح کی صورت میں قرار نصیب ہوگا۔ پس فرار اور قرار کی کشمکش میں دارالحرب کو اسلامی لشکر کے لئے دار اقامت نہیں کہا جاسکتا۔ جیسے دارالاسلام میں جنگل دار اقامت نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جنگل میں اقامت کی نیت معتبر نہیں ہے۔

دارالاسلام میں لشکر اسلامی لشکر نے باغیوں پر حملہ کیا اور اقامت کی نیت کی تو ان کی نیت معتبر ہوگی یا نہیں

و کذا اذا حاصروا اهل البغی فی دار الاسلام فی غیر مصر او حاصر وہم فی البحر لان حالہم مبطل عزیمتہم وعند زفر یصح فی الوجهین اذا كانت الشوكة لهم للتمكن من القرار و ظاہر او عند ابی یوسف یصح اذا كانوا فی بیوت المدر لانه موضع اقامة و نية الاقامة من اهل الکلاء و ہم اهل الاخبية قیل لا تصح و الاصح انہم مقیمون یروی ذلک عن ابی یوسف لان الاقامة اصل فلا تبطل بالانتقال من مرعی الی مرعی

ترجمہ..... اور یونہی جب لشکر اسلام نے دارالاسلام کے اندر شہر کے علاوہ میں باغیوں کا محاصرہ کیا یا سمندر میں انکا محاصرہ کیا۔ کیونکہ ان کی حالت ان کے ارادہ کو باطل کرتی ہے۔ اور امام زفر کے نزدیک دونوں صورتوں میں صحیح ہے بشرطیکہ شوکت لشکر اسلام کو حاصل ہو۔ کیونکہ بظاہر ان کو ٹھہرنے پر قابو حاصل ہے۔ اور ابو یوسف کے نزدیک اس وقت صحیح ہے جبکہ اسلامی لشکر کا قیام مٹی کے گھروں میں ہو اس لئے کہ وہ ٹھہرنے کی جگہ ہیں اور اقامت کی نیت کرنا گھاس والوں کا درنا خالی کہ وہ خیمہ بردار لوگ ہیں کہا گیا صحیح نہیں ہے۔ اور اصح یہ ہے کہ یہ مقیم ہیں۔ امام ابو یوسف سے یوں ہی روایت کیا جاتا ہے کیونکہ اقامت اصل ہے لہذا ایک چراگاہ سے دوسری چراگاہ کی طرف منتقل ہونے سے باطل نہیں ہوگی۔

تشریح..... مسئلہ اگر اسلامی لشکر نے دارالاسلام کے اندر شہر کے علاوہ جنگل وغیرہ میں باغیوں کا محاصرہ کیا یا سمندر کے اندر کسی جزیرہ میں باغیوں کا محاصرہ کیا اور اسلامی لشکر نے پندرہ دن اقامت کی نیت کی تو ان کی نیت معتبر نہیں ہوگی۔ بلکہ ان پر قصر نماز پڑھنا لازم ہوگا۔ دلیل یہ ہے کہ اسلامی لشکر اس صورت میں بھی قرار اور فرار کے درمیان متردد ہے۔ پس ان کی حالت تردوان کے عزم اور اقامت کی نیت باطل کرتی ہے۔ اس لئے کہ جس طرح فتح پا کر اسلامی لشکر کا قرار ممکن ہے اسی طرح شکست کھا کر فرار کا بھی امکان ہے۔ صاحب ہدایہ کی بیان کردہ دلیل سے معلوم ہوتا ہے کہ عبارت میں فی غیر مصر اور فی البحر کی قید اتفاقی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی لشکر اگر باغیوں کے شہر میں قیام پذیر ہو اور قلعہ کے اندر ان کا محاصرہ کیا تو بھی اسلامی لشکر کی نیت اقامت صحیح نہ ہوگی اس لئے کہ باغیوں کا شہر حصول مقصود (فتح) کے بعد جنگل کے مانند ہے۔ کیونکہ اسلامی لشکر اس میں مقیم نہیں ہوگا بلکہ واپس چلا جائے گا۔

امام زفر نے فرمایا ہے کہ اسلامی لشکر نے حربوں کا محاصرہ کیا ہو یا باغیوں کا دونوں صورتوں میں اقامت کی نیت کرنا صحیح ہے۔ لیکن یہ حکم اس صورت میں ہے کہ جبکہ اسلامی لشکر کو ملک کے اندر قوت و شہ حاصل ہو کیونکہ اس صورت میں بظاہر قرار پر قدرت حاصل ہے۔ امام ابو یوسف کا مذہب یہ ہے کہ اسلامی لشکر کا اہل حرب یا باغیوں کا محاصرہ کرنے کی صورت میں اقامت کی نیت کرنا اس وقت صحیح ہے جبکہ اسلامی لشکر کا قیام مٹی کے گھروں اور عمارتوں میں ہو۔ اور اگر خیموں میں قیام ہو تو ان کی نیت معتبر نہیں ہے۔ دلیل یہ ہے کہ اقامت کی جگہ اور محل مکانات اور عمارتیں ہیں۔ خیمے اقامت کی جگہ نہیں ہیں۔

صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ وہ لوگ جن کی معاش کا دار و مدار جانوروں پر ہے وہ جہاں گھاس اور پانی دیکھتے ہیں خیمہ لگا کر ٹھہر جاتے ہیں پھر جب وہاں گھاس ختم ہوگئی تو روانہ ہو کر کسی موقع پر یونہی ٹھہر جاتے ہیں۔ ان کی نیت اقامت کے صحیح اور غیر صحیح ہونے میں علماء کا اختلاف ہے۔ چنانچہ بعض علماء کا خیال ہے کہ ان لوگوں کی نیت اقامت صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ یہ لوگ اقامت کی جگہ نہیں ہیں اصح قول یہ

ہے کہ یہ لوگ مقیم ہیں یعنی ابتداء سے مسافر ہی نہیں ہوئے۔ کیونکہ اقامت اصل ہے اور سفر اس پر عارض ہوتا ہے پس اقامت اس وقت باطل ہوگی جب اس کو سفر عارض ہو یعنی انہوں نے ایک مقام سے ایسے دوسرے مقام کا قصد کیا ہو جو تین دن کی مسافت پر ہے تو یہ لوگ راستہ میں مسافر ہوں گے اور ایک چراگاہ سے دوسری چراگاہ کی طرف منتقل ہونا سفر نہیں کہلاتا لہذا ایک چراگاہ سے دوسری چراگاہ کی طرف منتقل ہونا اقامت کو باطل نہیں کرے گا۔ اور جب اقامت باطل نہیں ہوتی تو یہ لوگ مقیم ہوں گے مسافر نہ ہوں گے۔

مسافر کے لئے مقیم کی اقتداء کا حکم

وان اقتدی المسافر بالمقیم فی الوقت اتم اربعا لانه یتغیر فرضہ الی اربع للتبعیۃ کما یتغیر بنیۃ الاقامۃ لاتصال المغیر بالسبب وهو الوقت

ترجمہ..... اور اگر وقت کے اندر مسافر نے مقیم کی اقتداء کی تو پوری چار رکعت پڑھے۔ کیونکہ تابع ہونے کی وجہ سے مسافر کا فریضہ چار رکعت کی طرف متغیر ہو جاتا ہے جیسے اقامت کی نیت سے متغیر ہو جاتا ہے کیونکہ متغیر کرنے والا سبب یعنی وقت کے ساتھ متصل ہو گیا ہے۔ تشریح..... یہاں سے دو باتوں کا حکم بیان کیا گیا ہے ایک مسافر کا مقیم کی اقتداء کرنے کا حکم، دوم مقیم کا مسافر کی اقتداء کا حکم۔ پہلی صورت وقت کے اندر تو جائز ہے لیکن وقت نکلنے کے بعد جائز نہیں ہے۔ اور دوسری صورت وقت کے اندر بھی جائز ہے اور وقت کے بعد بھی۔ صاحب قدوری نے پہلی صورت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر مسافر نے وقت کے اندر مقیم کی اقتداء کی یعنی رباعی ادا نماز میں مسافر نے مقیم کی اقتداء کی تو مسافر پوری چار رکعت پڑھے گا۔ دلیل یہ ہے کہ مسافر نے اس شخص کی متابعت کا التزام کیا ہے جس کی فرض نماز چار رکعت ہیں اور جو شخص اس کی متابعت کا التزام کرے جس کا فریضہ چار رکعت ہیں تو تابع ہونے کی وجہ سے اس کا فریضہ چار رکعت کی طرف متبدل ہو جائے گا۔ جس طرح اقامت کی نیت سے مسافر کا فریضہ چار رکعت کی طرف متبدل ہو جاتا ہے۔

لاتصال المغیر سے علت جامعہ کا بیان ہے۔ یعنی یہاں جامع موجود ہے۔ وہ یہ کہ مغیر (دو رکعت کو چار میں تبدیل کرنے والا) سبب کے ساتھ متصل ہے۔ چنانچہ مغیر، اول میں اقتداء ہے جو سبب یعنی وقت کے ساتھ متصل ہے جیسا کہ ثانی کے اندر مغیر یعنی نیت اقامت سبب یعنی وقت کے ساتھ متصل ہے۔

مسافر کے لئے فوت شدہ نماز کی اقتداء کا حکم

وان دخل معہ فی فائتۃ لم تجزہ لانه لا یتغیر بعد الوقت لانقضاء السبب کما لا تتغیر بنیۃ الاق فیكون اقتداء المفترض بالمتنقل فی حق القعدة او القراءۃ

ترجمہ..... اور اگر مسافر، مقیم کے ساتھ کسی فائتہ نماز میں داخل ہوا تو جائز نہ ہوگا۔ کیونکہ مسافر کا فریضہ وقت کے بعد متغیر نہ ہوگا اس لئے کہ سبب تو گذر چکا۔ جیسے (قضاء نماز) نیت اقامت سے نہیں بدلتی تو قعدہ یا قرأت کے حق میں مفترض کا متنقل کی اقتداء کرنا لازم آئے گا۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ مسافر نے اگر قضاء نماز کے اندر مقیم کی اقتداء کی تو یہ جائز نہیں ہے۔ کیونکہ وقت گذرنے کے بعد مسافر کا امر متغیر نہیں ہوگا اس لئے کہ فرض نماز کا سبب تو وقت ہے اور اقتداء جو تغیر دینے والا ہے وہ سبب سے متصل ہو کر کارآمد ہوتا ہے اور چونکہ قضاء

نماز میں سبب یعنی وقت گذر جانے کی وجہ سے یہ اتصال نہیں پایا گیا۔ اس لئے مسافر کا فرض دو رکعت سے چار رکعت کی طرف متبدل بھی نہیں ہوگا۔ جیسا کہ قضاء نماز نیت اقامت سے نہیں بدلتی حالانکہ نیت اقامت بھی دو رکعت کو چار رکعت میں تبدیل کرنے والی ہے لیکن اقتداء المفترض بالمتنفل الخ سے ما قبل کا نتیجہ مذکور ہے۔ حاصل یہ کہ وقت نماز نکلنے کے بعد اگر مسافر نے رباعی قضاء نماز میں مقیم کی اقتداء کی تو دو خرابیوں میں سے ایک خرابی ضروری لازم آئے گی۔ یا تو اپنے امام کی مخالفت کرنا لازم آئے گا۔ یا اقتداء مفترض بالمتنفل لازم آئے گا اس لئے کہ مسافر نے اگر قضاء رباعی نماز میں مقیم کی اقتداء کی تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ مسافر مقتدی دو رکعت پر سلام پھرے گا یا چار پڑا اگر مسافر نے دو رکعت پر سلام پھیر دیا تو وہ اپنے امام کے مخالف ہوا۔ اور مخالفت امام مفسد نماز ہے۔ اور اگر مسافر آخر تک امام کے ساتھ شریک رہا تو اب اس کی بھی دو صورتیں ہیں۔ مسافر نے شروع ہی سے اقتداء کی ہے یا آخر کی دو رکعتوں میں اگر اول صورت ہے تو دو رکعت پر قعدہ مسافر کے حق میں فرض ہے۔ اس لئے کہ اس کے حق میں یہ قعدہ اخیرہ ہے۔ اور امام مقیم کے حق میں فرض نہیں ہے کیونکہ اس کے حق میں یہ قعدہ اولیٰ ہے اور قعدہ اولیٰ فرض نہیں ہوتا۔ پس اس صورت میں قعدہ کے حق میں فرضی ادا کرنے والا نفل ادا کرنے والے کا مقتدی ہوگا اور اگر آخر کی دو رکعتوں میں اقتداء کی گئی ہے تو آخر میں امام یعنی مقیم کی قرأت نفل ہے اور مقتدی یعنی مسافر کی فرض ہے۔ پس اس صورت میں قرأت کے حق میں فرض ادا کرنے والے کا نفل ادا کرنے والے کی اقتداء کرنا لازم آئے گا۔ اور یہ امر مسلم ہے کہ ہمارے نزدیک اقتداء مفترض بالمتنفل ناجائز ہے۔

حاصل یہ ہے کہ وقت نکل جانے کے بعد مسافر کو مقیم کا مقتدی بننے میں جب دونوں صورتوں میں فساد ہے تو وقت کے بعد یہ اقتداء ہی جائز نہ ہوگی۔

مسافر مقیمین کا امام بن سکتا ہے

وان صلی المسافر بالمقیمین رکعتین سلم واتم المقیمون صلاتہم لان المقتدی التزم الموافقة فی الرکعتین فینفرد فی الباقی کالمسبوق الا انه لایقرافی الاصح لانه مقتد تحریمة لافعلا والفرض صار مؤدی فیترکھا احتیاطا بخلاف المسبوق لانه ادرك قراءۃ نافلۃ فلم یتادی الفرض فکان الایتان اولیٰ

ترجمہ..... اگر مسافر نے مقیموں کو دو رکعت نماز پڑھائی تو امام مسافر سلام پھیر دے اور مقیم لوگ اپنی نماز پوری کر لیں۔ کیونکہ مقتدی نے دو رکعت میں موافقت کا التزام کیا ہے تو باقی دو رکعت میں وہ مسبوق کی مانند تھا ہوگا مگر اصح قول کی بناء پر وہ قرأت نہ کرے۔ کیونکہ وہ تحریمہ کے اعتبار سے مقتدی ہے نہ کہ نفل کے اعتبار سے اور فرض تو ادا ہو چکا ہے لہذا احتیاطاً قرأت کو چھوڑ دے برخلاف مسبوق کے کیونکہ مسبوق نے نفل قرأت پائی ہے لیکن ابھی تک فرض قرأت ادا نہیں ہوئی ہے اس لئے قرأت کرنا اولیٰ ہوگا۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر مقیم لوگوں نے مسافر کی اقتداء کی تو مسافر ان کو دو رکعت پڑھا کر قعدہ کے بعد سلام پھیر دے۔ اور مقیم لوگ اپنی نماز پوری کر لیں۔ دلیل یہ ہے کہ مقیم مقتدی نے امام کو مسافر جان کر دو رکعت میں موافقت کا التزام کیا تھا۔ اور جس کا التزام کیا تھا وہ ادا کر چکا۔ حالانکہ مقیم مقتدی کی نماز ابھی پوری نہیں ہوئی ہے اس لئے مقیم مقتدی باقی دو رکعتوں میں منفرد ہوگا۔ جیسے امام کے سلام پھیرنے کے بعد مسبوق منفرد ہوتا ہے مگر ان دونوں میں اتنا فرق ہے کہ مقیم مقتدی اصح قول کی بناء پر ان رکعتوں میں قرأت

نہیں کرے گا۔ جو مسافر امام کے سلام پھیرنے کے بعد پڑھتا ہے اور مسبوق قرأت کرتا ہے۔ قول صحیح کی دلیل یہ ہے کہ مقیم آخر کی دو رکعتوں میں تحریمہ کے اعتبار سے مقتدی ہے۔ لیکن فعل کے اعتبار سے مقتدی نہیں ہے۔ تحریمہ کے اعتبار سے تو مقتدی اس لئے ہے کہ اس نے اول تحریمہ میں امام کے ساتھ ادا کرنے کا التزام کیا ہے۔ اور فعل کے اعتبار سے مقتدی اس لئے نہیں ہے کہ دو رکعت پر سلام کے ذریعہ امام مسافر کا فعل ختم ہو چکا ہے۔ اور جو شخص ایسا ہو یعنی تحریمہ کے اعتبار سے مقتدی اور فعل کے اعتبار سے غیر مقتدی تو وہ لاحق کہلاتا ہے۔ اور لاحق پر قرأت نہیں ہوتی کیونکہ تحریمہ کے اعتبار سے اس کے مقتدی ہونے پر نظر کی جائے تو اس پر قرأت کرنا حرام ہوگا اور اگر فعل کے اعتبار سے غیر مقتدی ہونے پر نظر کی جائے تو اس کے لئے قرأت کرنا مستحب ہوگا۔ اس لئے کہ جن پہلی دو رکعتوں میں قرأت فرض تھی وہ ادا ہو چکی ہے حاصل یہ کہ آخر کی دو رکعتوں میں مقیم مقتدی کے لئے قرأت کرنا حرام اور مستحب کے درمیان دائرہ ہے۔ پس حرام کو ترجیح دیتے ہوئے احتیاط اس میں ہے کہ مقیم مقتدی آخر کی دو رکعتوں میں قراۃ چھوڑ دے۔ برخلاف مسبوق کے۔ یہاں مسبوق سے مراد وہ مسبوق ہے جس کو ربائی نماز میں پہلی دو رکعتیں امام کے ساتھ نہیں مل سکیں بلکہ آخر کی دو رکعتوں میں امام کے ساتھ شریک ہوا۔

بہر حال امام کے سلام پھیرنے کے بعد مسبوق جب اپنی قوت شدہ دو رکعتیں پڑھے گا۔ تو اس پر ان میں قرأت کرنا واجب ہوگا۔ کیونکہ مسبوق نے آخر کی دو رکعتوں میں امام کی جو قرأت پائی ہے وہ نفل قرأت ہے اور پہلی دو رکعتوں میں جو مفروضہ قرأت تھی اس کو ابھی تک ادا نہیں کر سکا۔ اس لئے مسبوق پر قرأت کرنا واجب ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

مسافر امام کے لئے اتموا صلاتکم فانما قوم سطر کہنا مستحب ہے

قال ويستحب للامام اذا سلم ان يقول اتموا صلاتکم فانما قوم سفر لانه عليه السلام قاله حين صلى باهل مكة وهو مسافر

ترجمہ اور امام کے لئے مستحب یہ ہے کہ جب وہ سلام پھیرے تو یوں کہے کہ تم لوگ اپنی نماز پوری کر لو، ہم تو مسافر قوم ہیں کیونکہ حضور ﷺ نے جس وقت اہل مکہ کو نماز پڑھائی در انحالیکہ آپ مسافر تھے تو یہی فرمایا تھا۔

تشریح امام اگر مسافر ہو تو دو رکعت پر سلام پھیرنے کے بعد مقتدیوں سے یوں کہے آپ حضرات اپنی نماز پوری کر لیں میں تو مسافر ہوں۔ دلیل ابوداؤد اور ترمذی کی روایت کردہ حدیث ہے عن عمران حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال غزوت مع رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم وشهدت معه الفتح فاقام بمكة ثمان عشر ليلة لا یصلی الا رکعتین یقول یا اهل مكة صلوا اربعاً فان اقول سفر عمران بن حصین کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ کیا آپ ﷺ کے ساتھ فتح مکہ میں شریک رہا۔ آپ ﷺ نے اٹھارہ رات مکة المکرمہ میں قیام فرمایا۔ اس عرصہ میں آپ ﷺ (رباعی نماز) میں فقط دو رکعت پڑھتے اور فرمایا کرتے اے مکہ والو! تم چار رکعت ہی پڑھو میں تو مسافر ہوں۔

فائدہ قدوری کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ شرط نہیں ہے کہ نماز شروع کرنے سے پہلے مقتدی کو امام کے مسافر یا مقیم ہونے کا علم ہو اس لئے کہ اگر مقتدیوں کو امام کے مسافر ہونے کا علم پہلے سے ہے تو سلام پھیرنے کے بعد امام مسافر کا قول اتموا صلاتکم مبث ہے۔ اور اگر اس کے مقیم ہونے کا علم ہے تو مسافر اپنے قول انا قوم سفر میں کاذب ہوگا۔

مسافر شہر میں داخل ہو جائے تو مکمل نماز پڑھے گا اگرچہ اقامت کی نیت نہ کی ہو

وإذا دخل المسافر في مضره اتم الصلوة وان لم ينو المقام فيه لانه عليه السلام واصحابه رضوان الله عليهم كانوا يسافرون ويعودون الى اوطانهم مقيمين من غير عزم جديد

ترجمہ..... اور جب مسافر اپنے وطن میں داخل ہوا تو نماز پوری پڑھے اگرچہ اس میں قیام کی نیت نہ کی ہو۔ اس لئے کہ حضور ﷺ اور آپ کے صحابہ سفر کیا کرتے اور اپنے وطنوں کی جانب واپس آتے ہی بغیر کسی عزم جدید کے مقیم ہو جاتے۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ جب مسافر نے تین دن کی مسافت طے کر کے سفر مکمل کر لیا، پھر وہ اپنے وطن اصلی میں داخل ہوا تو آبادی میں داخل ہوتے ہی مقیم ہو گیا اگرچہ اقامت کی نیت نہ کی ہو۔ دلیل یہ ہے کہ رسول خدا ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سفر کیا کرتے تھے اور تکمیل سفر کے بعد جب وطن لوٹ کر آتے تو بغیر اقامت کی نیت کے مقیم ہو جاتے۔

وطن اقامت وطن اقامت سے باطل ہو جاتا ہے

ومن كان له وطن فانتقل منه واستوطن غيره ثم سافر فدخل وطنه الاول قصر لانه لم يبق وطن له الا يرى انه عليه السلام بعد الهجرة عد نفسه بمكة من المسافرين وهذا لان الاصل ان الوطن الاصلى تبطل بمثله دون السفر ووطن الاقامة تبطل بمثله و بالسفر و بالاصلى

ترجمہ..... اور جس شخص کا کوئی وطن تھا پھر اس وطن سے وہ منتقل ہو گیا اور اس کے علاوہ کو وطن بنا لیا پھر سفر کیا۔ اور اپنے پہلے وطن میں داخل ہو گیا تو نماز قصر کرے کیونکہ وہ اب اس کا وطن نہیں رہا کیا دیکھا نہیں جاتا کہ حضور ﷺ نے ہجرت کے بعد مکہ المکرمہ میں اپنے آپ کو مسافروں میں شمار کیا اور یہ اس لئے کہ ضابطہ یہ ہے کہ وطن اصلی اپنے مثل (وطن اصلی) سے باطل ہوتا ہے نہ کہ سفر سے اور وطن اقامت باطل ہو جاتا ہے اپنے مثل وطن اقامت سے اور سفر سے اور وطن اصلی سے۔

تشریح..... علامۃ المشائخ نے وطن کی تین قسمیں بیان کی ہیں وطن اصلی وطن اقامت، وطن سکنی، وطن اصلی انسان کی اپنی جائے پیدائش ہے یا وہ شہر جس میں اس کے اہل و عیال رہتے ہوں۔ اور اس سے منتقل ہونے کا ارادہ نہ ہو۔ وطن اقامت وہ شہر یا گاؤں ہے جس میں مسافر نے پندرہ دن قیام کا ارادہ کر لیا ہو۔ اس کا دوسرا نام وطن سفر بھی ہے۔ وطن سکنی وہ شہر ہے جس میں مسافر نے پندرہ دن سے کم قیام کا ارادہ کیا ہو محققین نے وطن کو دو قسموں پر منقسم کیا ہے۔ وطن اصلی اور وطن اقامت ان حضرات نے وطن سکنی کا اعتبار نہیں کیا ہے اس لئے کہ وطن سکنی میں اقامت ثابت نہیں ہوتی بلکہ سفر کا حکم باقی رہ جاتا ہے۔ ضابطہ یہ ہے کہ وطن اصلی وطن اصلی سے باطل ہوتا ہے نہ وطن اقامت ہی باطل ہوتا ہے۔ اور نہ ایجاد سفر سے۔ وطن اقامت، وطن اقامت سے بھی باطل ہو جاتا ہے سفر سے بھی اور وطن اصلی سے بھی دلیل اس کی یہ ہے کہ شے اپنے سے بڑی چیز سے باطل ہوتی ہے یا مساوی درجہ کی چیز سے اور یہ بات مسلم ہے کہ وطن اصلی سے اوپر کوئی چیز نہیں ہے۔ لہذا وطن اصلی اپنے مساوی یعنی وطن اصلی سے باطل ہو جائے گا۔ صورت اس کی یہ ہے کہ ایک شخص کا ایک وطن ہے وہ اس سے منتقل ہو گیا اور دوسری جگہ کو اپنا وطن بنا لیا تو پہلا وطن اصلی باطل ہو گیا چنانچہ اگر شرعی سفر کے بعد وہ اپنے پہلے وطن میں داخل ہوا تو مقیم

نیک ہوگا۔ بلکہ قصر پڑھے گا یہی وجہ ہے کہ صاحب شریعت علیہ السلام کا وطن اصلی مکہ المکرمہ تھا لیکن آپ ﷺ جب ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ اور مدینہ کو اپنا وطن بنا لیا تو مکہ وطن اصلی نہیں رہا چنانچہ ہجرت کے بعد جب آپ ﷺ مکہ مکرمہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے خود کو مسافر شمار کیا۔ اور فرمایا اتموا صلاحکم فانما قوم سفر۔

اور چونکہ وطن اصلی وطن اقامت سے مافوق ہے اس لئے وطن اقامت وطن اصلی سے باطل ہو جائے گا۔ اور وطن اقامت وطن اقامت کا مساوی ہے اس لئے وطن اقامت وطن اقامت سے بھی باطل ہو جائے گا۔ اور وطن اقامت سفر سے اس لئے باطل ہو جائے گا۔ کہ سفر وطن اقامت کی ضد ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ شے اپنی ضد سے باطل ہو جاتی ہے۔ اور اگر سوال کیا جائے کہ سفر تو وطن اصلی کی بھی ضد ہے لہذا وطن اصلی بھی سفر سے باطل ہونا چاہئے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

جواب..... وطن اصلی کا سفر کی وجہ سے عدم بطلان اثر کی وجہ سے ہے کیونکہ مروی ہے کہ حضور ﷺ غزوات کے لئے مدینہ منورہ سے نکل کر در دراز تشریف لے جاتے۔ لیکن اس کے باوجود مدینہ منورہ آپ کا وطن اصلی رہا چنانچہ آپ ﷺ جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو اقامت کی نیت نہ فرماتے۔ اگر وطن اصلی سفر سے باطل ہو جاتا تو واپسی پر آنحضرت ﷺ اقامت کی نیت ضرور فرماتے۔

مسافر کے لئے دو شہروں میں اقامت کی نیت کا اعتبار نہیں

وإذا نوى المسافر ان يقيم بمكة و منى خمسة عشر يوما لم يتم الصلوة لان اعتبارا النية في موضعين يقتضى اعتبارها في مواضع وهو ممتنع لان السفر لا يعرى عنه الا اذا نوى ان يقيم بالليل في احدهما فيصير مقيما بدخوله لان اقامة المرء مضافة الى مبيته

ترجمہ..... اور جب مسافر نے مکہ اور منی میں پندرہ دن کی اقامت کی نیت کی تو وہ نماز پوری نہ پڑھے کیونکہ دو مقام میں نیت کا معتبر ہونا مقتضی ہے کہ چند جگہوں میں نیت معتبر ہو اور یہ ممنوع ہے کیونکہ سفر اس سے خالی نہیں ہوتا۔ ہاں اگر ان دونوں میں سے ایک میں رات میں قیام کی نیت کرے تو اس مقام میں داخل ہونے کے ساتھ ہی مقیم ہو جائے گا۔ کیونکہ آدمی کا مقیم ہونا اس کی شب باشی کے مقام کی جانب منسوب ہوتا ہے۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ مسافر نے ایسے مقام میں پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کی جن میں سے ایک نہیں مستقل ہے۔ مثالیہ کہ مکہ اور منی میں اقامت کی نیت کی تو یہ مقیم نہ ہوگا۔ بلکہ مسافر ہی رہے گا۔ اور نماز قصر پڑھے گا۔ کیونکہ دو مقام میں اقامت کی نیت کا معتبر ہونا اس بات کا مقتضی ہے کہ دو سے زائد مقامات میں بھی نیت معتبر ہو ورنہ ترجیح بلا مرجح لازم آئے گا۔ اور مسافر کا بہت سے مقامات پر قیام کی نیت کرنا ممنوع ہے کیونکہ سفر متعدد مقامات پر قیام کرنے سے خالی نہیں ہوتا بلکہ بہت سے مقامات پر قیام کرنا ضروری ہوتا ہے پس اگر متعدد مقامات میں اقامت کی نیت کا اعتبار کر لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آدمی کبھی مسافر ہی نہ ہو یاں اگر صورت یہ ہے کہ دو مقام میں پندرہ یوم اقامت کی نیت کی اور ان دونوں میں سے ایک متعینہ مقام میں رات گزارنے کی نیت کی تو یہ نیت معتبر ہوگی اب اگر یہ شخص پہلے اس جگہ گیا جہاں دن گزارنے کی نیت کی ہے تو یہ مقیم نہ ہوگا۔ اور اگر پہلے اس جگہ گیا جہاں رات گزارنے کا ارادہ کیا ہے تو اس بستی میں داخل ہوتے ہی مقیم ہو جائے گا۔ پھر اس بستی کی طرف نکلنے سے مسافر نہ ہوگا جہاں دن گزارنے کی نیت کی ہے کیونکہ آدمی کی اقامت اس کی

شب باشی کی طرف منسوب کی جاتی ہے۔ چنانچہ آپ دیکھئے جو شخص بازار میں کاروبار کرتا ہے اس سے اگر دریاقت کیا جائے کہ اس وقت کہاں رہتے ہو تو وہ اس محلہ کا پتہ بتلائے گا جہاں وہ رات گزارتا ہے۔

سفر کی نماز حضر میں قصر پڑھی جائے گی اور حضر کی نماز سفر میں مکمل پڑھی جائے گی

و من فاتتہ صلوة فی السفر قضاء ہا فی الحضر رکعتین ومن فاتتہ فی الحضر قضاہا فی السفر اربع لان القضاء بحسب الاداء والمعتبر فی ذلك آخر الوقت لانه المعتبر فی السیة عند عدم الاداء فی الوقت

ترجمہ..... اور جس شخص کی کوئی نماز سفر میں فوت ہوگئی تو حضر میں اس کو دو رکعت قضاء کرے اور جس کی نماز حضر میں فوت ہوگئی تو اس کو قصر میں چار رکعت قضاء کرے کیونکہ قضاء ادا کے موافق ہوتی ہے اور اس میں معتبر آخر وقت ہے کیونکہ آخری وقت ہی سبب ہونے میں معتبر ہوتا ہے جبکہ وقت کے اندر ادا نہ ہو۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ سفر کی حالت میں اگر رباعی نماز فوت ہوگئی اور حضر میں اس کو قضاء کرنا چاہا تو دو رکعت قضاء کرے اور حضر کے زمانے میں کوئی رباعی نماز فوت ہوگئی پھر سفر کی حالت میں اس کو قضاء کرنا چاہا تو چار رکعت قضاء کرے۔ دلیل یہ ہے کہ قضاء ادا کے موافق واجب ہوتی ہے یعنی جس شخص پر ادا چار رکعت واجب ہوئی تو وہ قضاء بھی چار رکعت کرے گا۔ اور جس پر دو رکعت ادا کرنا واجب ہوا۔ اس پر قضاء بھی دو رکعت کی واجب ہوگی۔ اور ادا کے اندر وقت کا آخر معتبر ہے آخر وقت سے مراد مقدار تحریمہ ہے مثلاً اگر ظہر کے اول وقت میں مقیم تھا پھر وقت ختم ہونے سے پہلے سفر کے لئے نکلا اور آبادی سے باہر اس وقت ہو جب کہ وقت صرف ایک رکعت کا یا کم باقی ہے تو اس پر دو رکعت کی قضاء واجب ہوگی کیونکہ آخر وقت میں وہ مسافر ہو چکا۔ اور یہی معتبر ہے۔ اور ادا کے اندر وقت کا آخر اس لئے معتبر ہے کہ وقت کے اندر ادا کرنے کی صورت میں وجوب نما کا سبب ہونے میں آخر وقت معتبر ہے۔ اس موقع پر ایک اعتراض ہو سکتا ہے وہ یہ کہ ہمارا کلام قضاء نماز میں ہے۔ اور نماز جب اپنے وقت سے فوت ہوگئی تو اصل فقہ کے بیان کے مطابق پورا وقت نماز کا سبب ہوتا ہے نہ کہ آخری جز: جواب بعض مشائخ کے نزدیک نماز فوت ہونے کی صورت میں وقت کا آخری جزء سبب ہوتا ہے۔ بہت ممکن ہی کہ مصنف ہدایہ نے اسی کو اختیار کیا ہو۔

سفر کی رخصت مطہج اور عاصی دونوں کے لئے ہے یا نہیں، اقوال فقہاء

والعاصی والمطہج فی سفرہ فی الرخصة سواء وقال الشافعی سفر المعصية لا یفید الرخصة لانها تنبت تخفیفاً فلا تتعلق بما یوجب التغلیظ ولنا اطلاق النصوص ولان نفس السفر لیس بمعصية وانما المعصية ما یكون بعده او یجناورہ فصلاح متعلق الرخصة واللہ اعلم

ترجمہ..... اور جو شخص اپنے سفر میں نافرمان ہے اور جو شخص اپنے سفر میں فرمانبردار ہے۔ دونوں رخصت میں برابر ہیں۔ اور امام شافعی نے فرمایا ہے کہ معصیت کا سفر رخصت کا فائدہ نہیں دیتا کیونکہ رخصت تو تخفیف ثابت کرتی ہے پس رخصت ایسی چیز ہے سے متعلق نہ ہوگی جس سختی کو واجب کرتی ہے۔ ہماری دلیل نصوص کا اطلاق ہے۔ لہذا اس لئے کہ نفس سفر گناہ نہیں ہے اور یہی معصیت تو وہ چیز ہے جو

کے بعد پیدا ہوگی یا سفر کے ساتھ ساتھ ہوگی۔ پس سفر اس کو لائق ہوا کہ رخصت اس سے متعلق ہو۔

تشریح فقہاء کے بیان کے مطابق سفر تین قسمیں ہیں۔ سفر طاعت جیسے حج اور جہاد، سفر مباح جیسے تجارت، سفر معصیت جیسے ڈاکہ خانی کے ارادہ سے سفر کرنا یا عورت کا بغیر محرم کے حج کے لئے سفر کرنا۔ اول کی دو قسمیں بالاتفاق رخصت کا سبب ہیں اور تیسری قسم ناریزدیک تو رخصت کا سبب ہے لیکن امام شافعی کے نزدیک سبب نہیں ہے۔ امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ رخصت مکلف پر تخفیف کر دیتی ہے اور جو چیز مکلف پر تخفیف کرتی ہے وہ ایسی چیز کے ساتھ متعلق نہیں ہوتی جو سختی کو واجب کرتی ہے اس لئے رخصت ایسی چیز کے ساتھ متعلق نہیں ہوگی جو سختی کو واجب کرتی ہے یعنی معصیت اور نافرمانی تو سختی اور عذاب واجب کرتی ہے اس کے ساتھ رخصت اور تخفیف متعلق نہیں ہو سکتی۔ آپ اس کو اس طرح بھی کہہ سکتے ہیں کہ رخصت تو رحمت و انعام ہی وہ عذاب کے مستحق کو نہیں ملے گی۔

ہماری دلیل نصوص کا مطلق ہونا ہے یعنی جن نصوص میں رخصت ملی ہے وہ علی الاطلاق ہر مسافر کو شامل ہے مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے
مَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے فرض المسافر رکعتان دوسری جگہ
ثُمَّ لَا يَمَسُّهُ الْمَقِيمُ يَوْمًا "دلیلتہ" ز المسافر ثلاثہ ایام ولیا لیہا ان نصوص میں مطیع اور عاصی کی کوئی تفصیل نہیں ہے بلکہ
مسافر کو شامل ہے خواہ اپنے سفر میں مطیع ہو یا عاصی ہو۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ نفس سفر معصیت نہیں ہے کیونکہ سفر نام ہے قطع مسافت کا،
اور اس معنی میں کوئی معصیت نہیں معصیت تو وہ ہے جو قطع مسافت کے بعد ہوگی مثلاً ڈاکہ زنی یا چوری یا معصیت سفر کے ساتھ ساتھ ہوتی
ہے جیسے غلام کا بھاگ جانا۔ پس جب ذات سفر معصیت نہیں ہے تو اس کے ساتھ رخصت متعلق ہو سکتی ہے۔ واللہ اعلم، جمیل احمد القاسمی
رضی اللہ عنہ

باب صلوة الجمعة

ترجمہ (یہ) باب جمعہ کی نماز (کے بیان میں) ہے

تشریح یہ باب پہلے باب کے مناسب ہے اس لئے دونوں میں تصنیف ہے البتہ قصر کے اندر سفر کے واسطے سے تصنیف کی گئی ہے
اور جمعہ کے اندر خطبہ کے واسطے سے مگر چونکہ سفر ہر رباعی نماز کے لئے تصنیف کر دیتا ہے۔ اور خطبہ جمعہ فقط ظہر کی نماز کی تصنیف کرتا ہے
اس لئے سفر ہر رباعی نماز کی تصنیف کو عام ہوا اور خطبہ فقط ظہر کی نماز کی تصنیف کو خاص ہے۔ اور خاص کا ذکر چونکہ عام کے بعد ہوتا ہے اس
لئے صلوة سفر کے بعد صلوة جمعہ کا بیان ہوا۔

جمعہ اجتماع سے ہے جیسے فرقت افتراق سے ہے لفظ جمعہ عیم کے ضمہ کے ساتھ ہے اور سکون کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے بعض حضرات
لئے عیم کے فتح کے ساتھ بھی نقل کیا ہے جمعہ کو جمعہ اس لئے کہتے ہیں کہ لوگ اس دن میں اکٹھا ہوتے ہیں۔ نماز جمعہ کی فرضیت کتاب سنت
سنت اور دلیل عقلی چاروں سے ثابت ہے۔ کتاب اللہ سے تو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ
فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ مشہور قول کے مطابق ذکر اللہ سے مراد خطبہ ہے۔ اور اسعوا امر کا صیغہ
سنت کے لئے ہے۔ پس آیت سے خطبہ کی طرف سعی کا واجب ہونا ثابت ہوا اور سعی الی الخطبہ جمعہ کی نماز کے شرائط میں سے ہے پس جب
نماز جمعہ کی شرط یعنی سعی الی الخطبہ کا واجب ہونا ثابت ہوا تو نماز جمعہ جو مقصود ہی بدرجہ اولیٰ واجب (فرض) ہوگی اس وجوب کو مؤکد کرنے کے

لے فرمایا و ذروا البیع یعنی اذان جمعہ کے بعد خرید و فروخت کہ حرام کیا گیا حالانکہ خرید و فروخت مباح ہے اور یہ اصول ہے کہ اللہ تعالیٰ امر مباح کو کسی امر واجب کی وجہ سے ہی حرام کرتے ہیں پس ثابت ہوا کہ جمعہ جس کی وجہ سے اذان کے بعد بیع کو حرام کیا گیا واجب (فرض) ہے۔ علامہ ابن الہمام نے فرمایا کہ ظاہر یہ ہے کہ ذکر اللہ سے نماز مراد ہو اس صورت میں براہ راست نماز جمعہ کا فرض ہونا ثابت ہوگا۔ مفسرین نے ذکر اللہ کی تفسیر نماز اور خطبہ دونوں سے کی ہے علامہ ابن الہمام نے کہا ہے کہ یہ زیادہ مناسب ہے کیونکہ اس صورت میں آیت نماز اور خطبہ دونوں پر صادق آئے گا۔

حدیث جس سے نماز جمعہ کی فرضیت ثابت ہوتی ہے۔ یہ ہے اعلیٰ سوا ان اللہ کتب علیکم الجمعة فی یومی ہذا فی شہری ہذا فی مقامی ہذا جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر جمعہ فرض کیا ہے میرے اس دن میں میرے اس مہینہ میں میرے اس سال مقام میں۔ دوسری حدیث الجمعة حق واجب علی کل مسلم فی جماعة الاربعہ مملوک او مرأة او صحی او مریض رواہ ابوداؤد جمعہ کی نماز ہر مسلمان پر جماعت کے ساتھ پڑھنا حق واجب یعنی فرض ہے مگر چار آدمیوں پر غلام عورت نابالغ بچہ اور بیمار پڑھنا تیسری حدیث قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ترک ثلاث جمعات من غیر عذر کتب من المنافقین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے تین جمعہ بغیر عذر چھوڑے اس کا شمار منافقین میں ہوگا۔ چوتھی حدیث من ترک الجمعة ثلاث جمع متوالیات فقد نبذ الاسلام وادخلہ فیہ جس نے مسلسل تین جمعوں کو ترک کر دیا اس نے اسلام پس پشت ڈال دیا۔ ان دونوں حدیثوں میں ترک جمعہ پر سخت وعید بیان کی گئی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ وعید فرض چھوڑنے پر آتی ہے۔ پس ان دونوں حدیثوں سے بھی جمعہ کا فرض ہونا ثابت ہوا۔ چونکہ پوری امت مسلمہ جمعہ کے فرض ہونے پر متفق ہو گئی اس لئے اجتماع سے بھی جمعہ کی نماز کا فرض ہونا ثابت ہوا۔ جمعہ کی فرضیت پر عقلی دلیل یہ ہے کہ ہم کو جمعہ قائم کرنے کے لئے ظہر کی نماز چھوڑنے کا امر کیا گیا ہے اور ظہر کی نماز بالیقین فرض ہے۔ اور یہ بات بھی مسلمات میں سے ہے کہ فرض کو فرض ہی کی وجہ سے چھوڑا جاسکتا ہے نفل کی وجہ سے نہیں پس اس سے بھی جمعہ فرض ہونا ثابت ہوا۔

آنحضرت ﷺ جب مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو آپ نے قباء کے اندر عمر بن عوف کے محلہ میں چودہ روز قیام فرمایا۔ اس دوران آپ نے ایک مسجد کی بنیاد ڈالی جو امام میں سب سے پہلی مسجد کہلاتی ہے جس کو قرآن حکیم نے لَمَسْجِدًا اَنْسَبَ عَلٰی التَّقْوٰی سے تعبیر فرمایا ہے پھر جب آپ قباء سے بجانب مدینہ جمعہ کے دن روانہ ہوئے تو راستہ میں سالم بن عوف کے محلہ میں نماز جمعہ کا وقت آ گیا تو آپ نے سواری سے اتر کر اس مسجد میں نماز جمعہ ادا کی جو طین وادی میں ہے یہ اسلام میں ادا کیا جانے والا سب سے پہلا جمعہ تھا۔ اس جمعہ میں سینکڑوں مسلمان شریک ہوئے۔ امام میں سب سے پہلے جمعہ اور خطبہ کی پوری تفصیل صحیح السیرت میں شرح سیر کبیر میں ملاحظہ فرمائیں۔

جمعہ فرض ہونے کی بارہ شرطیں ہیں۔ چھ شرطیں تو ایسی ہیں جن کا ذات مصلیٰ کے اندر پایا جانا ضروری ہے:-

(۱) آزاد ہونا چنانچہ غلام و عورت جمعہ فرض نہیں ہے۔ (۲) مذکر ہونا۔

(۳) عاقل و بالغ ہونا چھ عورت اور مسافر پر فرض نہیں ہے۔ (۴) تندرست ہونا یعنی ایسا بیمار نہ ہو کہ جمعہ میں حاضر ہونا باعث تکلیف ہو۔

(۵) پاؤں کا سلامت ہونا (۶) آنکھوں کا سلامت ہونا

پانچ پانچ اور ناپینا پر جمعہ فرض نہیں ہے۔ چھ شرطیں ایسی ہیں جن کا تعلق مصلیٰ کی ذات سے نہیں ہے:-

- (۲) جماعت
- (۳) وقت
- (۶) عام اجازت

شرائط صحت جمعہ

شرح الجمعة الا فی مصر جامع اوفی مصلی المصر ولا تجوز فی القرى لقوله عليه السلام لا جمعة تشریق ولا فطر ولا اضحی الا فی مصر جامع والمصر الجامع کل موضع له امیر وقاض ینفذ الاحکام یم الحدود وهذا عن ابی یوسف وعنه انهم اذا اجتمعوا فی اکبر مساجد هم لم یسعهم والاول اختیار لرخی وهو الظاهر والثانی اختیار الثلجی والحکم غیر مقصور علی المصلی بل یجوز فی جمیع افیة غیر لانها بمنزلة فی حوائج اہله

جمعہ صحیح نہیں ہوتا مگر شہر جامع میں یا شہر کی فناء میں اور جمعہ گاؤں میں جائز نہیں ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جمعہ تشریق، نماز عید اور نماز بقر عید جائز نہیں مگر شہر جامع میں۔ اور شہر جامع ہر وہ موضع کہ اس کا ایک امیر ہو اور قاضی ہو جو احکام کو نافذ ہو اور حدود کو قائم کرتا ہو۔ اور یہ ابو یوسف سے مروی ہے۔ اور ابو یوسف سے یہ بھی مروی ہے کہ جب لوگ وہاں کی سب سے بڑی میں جمع ہوں تو سب لوگوں کی اس میں سائی نہ ہو۔ قول اول کو امام کرخی نے اختیار کیا ہے اور یہی ظاہر مذہب ہے۔ اور قول ثانی کو امام نے اختیار کیا ہے۔ اور جواز کا حکم مسجد فناء پر منحصر نہیں ہے بلکہ شہر کے تمام فناءوں میں جائز ہے۔ کیونکہ اہل شہر کی ضروریات کے سلسلہ شہر کی فناء کی تمام جوائب بمنزلہ مصلیٰ کے نہیں ہے۔

متن میں دو لفظ مصر جامع اور مصلی المصر قابل تشریح ہیں۔ مصر جامع کی تعریف: مصر جامع کی تعریف میں اختلاف ہے امام ابو حنیفہ کے نزدیک مصر جامع وہ ہے جہاں سڑکیں ہوں بازار ہوں حاکم ہو جو ظالم اور مظلوم کے درمیان انصاف کرے اور عالم ہو۔ آمدہ حواث میں فتویٰ دے۔ حضرت امام ابو یوسف سے اس بارے میں تین روایتیں ہیں۔ ایک یہ کہ مصر جامع ہر وہ موضع ہے جس میں اور قاضی ہو جو احکام جاری کرنے اور شرعی سزاؤں کو قائم کرنے پر قادر ہو۔ ینفذ الاحکام کے بعد یقیم الحدود کی قید لگا کر محکم کو حکم اور فیصل بنایا گیا ہے اور عورت قاضیہ سے اجتراز کیا گیا ہے کیونکہ عورت کی قضاء جائز ہے مگر اس کو حدود و قصاص قائم کرنے کی تشریح نہیں ہوتی۔ مصر جامع کے سلسلہ میں یہی ظاہر مذہب ہے اور اسی کو امام کرخی نے اختیار کیا ہے دوسری روایت یہی کہ مصر جامع وہ ہے کہ اس موضع کی سب سے بڑی مسجد میں اگر اس موضع کے وہ لوگ جمع ہو جائیں جن پر جمعہ فرض ہے تو اس میں لوگ سناہ سہن بلکہ کے لئے دوسری مسجد بنانے کی ضرورت محسوس ہو۔ اس روایت کو ابو عبد اللہ علی نے اختیار کیا ہے۔ تیسری روایت یہ ہے کہ اہل ہزار کی ان کا موضع مصر جامع ہے سفیان ثوری کہتے ہیں کہ مصر جامع وہ ہے جس کو لوگ شہروں کے تذکرہ کے وقت شہر سمجھیں۔

دوسرا لفظ مصلیٰ ہے۔ شہر کا مصلیٰ عید گاہ ہوتا ہے لیکن یہاں مصلیٰ سے فناء شہر مراد ہے۔ فناء شہر شہر کے اس ماحول (ارد گرد) کو کہتے ہیں جو

شہر سے متصل اہل شہر کی مصالح کے لئے بنایا گیا ہو جیسے قبرستان، گھوڑ دوڑ کا میدان، چراگاہ، عید گاہ، مذبح اور ہمارے زمانہ میں پارک وغیرہ۔
 فناء شہر کی تحدید: فناء شہر کی تقدیر اور تحدید کے بارے میں اختلاف ہے۔ امام محمدؒ نے ایک غلوۃ کے ساتھ مقید کیا ہے اور غلوۃ کا
 اطلاق تین سو ذراع سے چار سو ذراع تک ہوتا ہے یعنی آبادی سے باہر چار سو ذراع تک فناء شہر کہلائے گا۔ امام ابو یوسفؒ نے ایک میل یا
 دو میل کی تحدید بیان کی ہے چنانچہ ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ اگر امام کی ضرورت کے پیش نظر اہل شہر کے ساتھ شہر سے نکل کر دو میل یا
 تک چلا گیا یہاں تک کہ جمعہ کا وقت ہو گیا تو اس کو جائز ہے کہ اسی جگہ جمعہ کی نماز ادا کرادے۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص
 شہر میں کھڑا ہو کر چیخ مارے یا مؤذن اذان دے تو جہاں تک آواز پہنچے گی وہاں تک فناء شہر کہلائے گا۔

صورت مسئلہ: اس تفصیل کے بعد ملاحظہ ہو کر صورت مسئلہ یہ ہے کہ نماز جمعہ شہر اور فناء شہر دونوں جگہ جائز ہے۔ البتہ گاؤں
 میں جائز نہیں ہے۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ گاؤں کے اندر بھی جواز جمعہ کے قائل ہیں۔ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ جس گاؤں میں چالیس
 آزاد مقیم لوگ آباد ہوں خانہ بدوش کی طرح گرمی اور سردی کے موسم میں کوچ نہ کرتے ہوں تو ان پر جمعہ فرض ہوگا۔ کہ جب جمعہ کے دن
 جمعہ کی اذان ہو تو لوگ فوراً حاضر ہوں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ کے لئے کسی خاص قسم کی بستی ہونے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ ہر جگہ
 جمعہ پڑھنا جائز ہے خواہ شہر ہو یا گاؤں خواہ بڑا گاؤں ہو یا چھوٹا گاؤں۔ دوسری دلیل ابن عباسؓ سے مروی ہے ان اول جمعہ
 جمعت فی الاسلام بعد المدینۃ ما جمعت بجوانا وھی قریۃ فی البحرین یعنی اسلام میں مدینہ منورہ کے بعد سب سے پہلا
 جمعہ جوانا میں پڑھا گیا اور جوانا بحرین کا ایک قریہ (گاؤں) ہے۔

تیسری دلیل قیاس ہے وہ یہ کہ جمعہ ایک نماز ہے پس دوسری نمازوں کی طرح اس کا بھی ہر جگہ پڑھنا جائز ہے۔

ہماری دلیل حضور ﷺ کا قول لا جمعة ولا تشریق الحدیث ہے۔ یعنی جمعہ کی نماز تکبیرات تشریف عید الفطر اور عید الفصحی صرف
 شہر میں جائز ہے۔ اس قول کو صاحب ہدایہ نے آنحضرت ﷺ کا قول قرار دیا ہے مگر صحیح بات یہ ہے کہ یہ آنحضرت کا قول نہیں بلکہ حضرت
 علیؓ کا قول ہے جیسا کہ صاحب فتح القدیر نے تحریر کیا ہے کہ ابن ابی شیبہ نے اس قول کو حضرت علیؓ پر موقوف کیا ہے۔

امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کی پہلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ آیت فاسعوا الی ذکر اللہ آپ کے نزدیک بھی اپنے اطلاق پر
 نہیں ہے کیونکہ آیت کا اطلاق تقاضا کرتا ہے کہ جمعہ ہر جگہ جائز ہو آبادی میں بھی اور جنگل میں بھی حالانکہ خود آپ کے نزدیک جمعہ
 جنگل میں جائز ہے۔ اور نہ ایسی بستی میں جس کے باشندے گرمی یا سردی کے زمانے میں کوچ کر جاتے ہوں۔ پس آیت
 میں بالاتفاق مخصوص جگہ مراد ہے آپ نے مخصوص جگہ سے گاؤں مراد لیا اور ہم نے شہر مراد لیا ہے۔ شہر مراد لینا انبہ ہے۔ کیونکہ
 حضرت علیؓ کا قول اس کا مؤید ہے۔

دوسری دلیل یعنی حدیث ابن عباسؓ کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں قریہ سے مراد شہر ہے۔ اس لئے کہ ابتداء زمانہ میں قریہ کا اطلاق شہر
 پر کیا جاتا تھا جیسا کہ خود قرآن حکیم میں ہے وَقَالُوا لَوْلَا نَزَّلَ هَذَا الْقُرْآنَ عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الْقُرَیَّتِیْنِ عَظِیْمٍ۔ قریبتین سے مراد مکہ
 اور طائف ہیں اور مکہ بالیقین شہر ہے۔ پس ثابت ہوا کہ حدیث کے اندر قریہ سے مراد شہر ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ جوانا بحرین کے ایک
 قلعہ کا نام ہے۔ اور قلعہ کے لئے حاکم اور عالم کا ہونا ضروری ہے۔ پس اس سے بھی اس کا شہر ہونا ثابت ہوا۔ اسی وجہ سے مبسوط میں کہا ہے
 کہ جوانا بحرین کے شہر کا نام ہے۔

تیسری دلیل یعنی قیاس کا جواب یہ ہے کہ آیت ہر جگہ جمعہ کے جائز ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود حضرت علیؑ نے بعض جگہوں پر جمعہ کے جواز کی نفی کی ہے مثلاً گاؤں میں اور جنگل میں حضرت علیؑ کا بعض جگہوں پر جمعہ کو جائز کہنا اور بعض جگہوں پر جواز کی نفی کرنا یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر ہی ہو سکتا ہے کیونکہ یہ خلاف قیاس ہے۔ پس جب شہر کے اندر جمعہ کا جواز اور گاؤں میں عدم جواز خلاف قیاس ہو تو اس کو دوسری نمازوں پر قیاس کرنا درست نہ ہوگا۔

والحکم غیر مقصور علی المصلی الخ کا مطلب یہ ہے کہ جمعہ کی نماز جس طرح عید گاہ میں جائز ہے کیونکہ وہ فنا شہر ہے۔ اسی طرح شہر کے چاروں طرف جہاں جہاں تک فنا شہر کا اطلاق ہوتا ہے نماز جمعہ جائز ہے کیونکہ اہل شہر کی ضروریات پوری کرنے کے سلسلہ میں فنا شہر شہر کے مرتبہ میں ہے۔

منی میں جمعہ کا حکم

وبجوز بمنی ان كان الامير امير الحجاز او كان الخليفة مسافرا عند ابى حنيفة وابو يوسف وقال محمد لا جمعة بمنى لانها من القرى حتى لا يعيد بها ولهما انها تتمصر في ايام الموسم وعدم التعيد للتخفيف ولا جمعة بعرفات في قولهم جميعا لانها فضاء ومنى ابنة والتقييد بالخليفة وامير الحجاز لان الولاية لها اما امير الموسم فيلى امور الحج لا غير

ترجمہ..... اور مقام منی میں جمعہ پڑھنا جائز ہے۔ اگر امیر حجاز کا امیر ہو۔ یا خلیفہ المسلمین خود مسافر کے طور پر یہاں موجود ہو (یہ جواز) ابو حنیفہ اور ابو یوسف کے نزدیک ہے۔ اور امام محمدؒ نے فرمایا ہے کہ منی میں جمعہ نہیں ہے کیونکہ منی تو گاؤں میں سے ایک گاؤں ہے حتیٰ کہ اس میں بقر عید کی نماز نہیں پڑھی جاتی۔ اور شیخین کی دلیل یہ ہے کہ منی موسم حج میں شہر بن جاتا ہے اور نماز عید وہاں نہ ہونا آسانی دینے کے پیش نظر ہے۔ اور عرفات میں بالاتفاق جمعہ جائز نہیں ہے۔ کیونکہ عرفات تو خالی میدان ہے اور منی میں مکانات بنے ہوئے ہیں۔ اور خلیفہ اور امیر حجاز کے موجود ہونے کی قید لگانا اس لئے ہے کہ ولایت تو انہیں دونوں کی ہے۔ رہا امیر موسم تو فقط حج کے امور کا متولی ہے۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ایام حج، منی کے اندر جمعہ کی نماز ادا کرنا جائز ہے مگر اس شرط کے ساتھ کہ امیر حج وہ شخص ہو جو صوبہ حجاز کا حاکم ہے، صرف حج کرانے کے لئے امیر نہ بنایا گیا ہو یا خلیفہ المسلمین بذات خود حج کے ارادے سے سفر کر کے یہاں موجود ہو، خلیفہ کے ساتھ مسافر ہونے کی قید اس لئے لگائی ہے کہ خلیفہ اگر منی میں مقیم ہو تو بدرجہ اولیٰ جمعہ کی نماز پڑھنا جائز ہوگا۔ دوم اس وہم کو دور کرنے کے لئے کہ امیر موسم اگر مسافر ہو تو وہ جمعہ قائم نہیں کر سکتا پس اسی طرح خلیفہ بھی مسافر ہونے کی صورت میں جمعہ قائم نہیں کر سکتا، صاحب قدوریؒ نے اس وہم کو دور کرنے کے لئے فرمایا کہ امیر موسم مسافر ہونے کی صورت میں بلاشبہ جمعہ قائم نہیں کر سکتا، لیکن خلیفہ المسلمین مسافر ہونے کے باوجود جمعہ قائم کر سکتا ہے اس سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ خلیفہ یا بادشاہ اگر اپنی مملکت میں دورہ کرے تو ہر شہر میں اس پر جمعہ واجب ہوگا۔ پس جس شہر میں جمعہ کا دن پڑ جائے اسی میں جمعہ ادا کرانے کی دلیل یہ ہے کہ جب اس کے حکم سے دوسروں کو امام جمعہ مقرر کرنا جائز ہے تو خود اس کو جمعہ کی امامت کرنا بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا اگرچہ مسافر ہو۔ بہر حال شیخین کے نزدیک اس شرط کے ساتھ منی میں جمعہ جائز ہے۔ حضرت امام محمدؒ نے فرمایا ہے کہ منی میں قطعاً جمعہ جائز نہیں ہے

اور امام محمد کی دلیل یہ ہے کہ منی نہ تو شہر ہے اور نہ فنا شہر ہے بلکہ ایک گاؤں ہے اور گاؤں میں جمعہ جائز نہیں۔ اس لئے منی میں جائز نہ ہوگا۔ وجہ ہے کہ منی میں بقرعید کی نماز نہیں ادا کی جاتی۔

امام محمد کے نزدیک منی فنا شہر (مکہ) میں اس لئے داخل نہیں ہے کہ ان کے نزدیک فناء کا اطلاق ایک غلوۃ (چار سو ذراغ) تک ہے اور منی ایک غلوۃ کی مقدار سے زائد ہے۔

شیخین کی دلیل یہ ہے کہ منی بلاشبہ شہر نہیں ہے لیکن حج کے موسم میں شہر بن جاتا ہے کیونکہ وہاں موسم حج میں بازار لگ جاتے ہیں بادشاہ یا اس کا نائب اور قاضی اس موسم میں وہاں موجود ہوتے ہیں۔ چونکہ موسم حج کے علاوہ میں یہ سب شرطیں نہیں پائی جاتیں اس لئے موسم حج کے علاوہ وہاں جمعہ جائز نہیں ہے۔ رہی یہ بات کہ منی کے اندر بقرعید کی نماز نہیں پڑھی جاتی تو اس کی وجہ منی کا موسم حج میں شہر ہونا نہیں ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس روز حاجی لوگ مناسک حج رومی ذبح، حلق وغیرہ میں مشغول ہوتے ہیں۔ اور وقت تنگ ہونے سے اس لئے آسانی کے پیش نظر حج کو عید الاضحیٰ کی نماز نہ پڑھنے کی اجازت دیدی گئی۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ منی چونکہ حرم میں شامل ہے لہذا منی فنا مد میں سے ہے۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے هٰذَا بِلِغِ الْكَعْبَةِ اس آیت میں منی کو کعبہ کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے بایں طور پر قربانی اور ہدی کے جانور مکہ میں ذبح نہیں کئے جاتے بلکہ منی میں ذبح کئے جاتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ منی مکہ کے حکم میں ہے یا فناء مکہ کے اور جمعہ ادا کرنا جس طرح شہر کے اندر جائز ہے اسی طرح فنا شہر کے اندر بھی جائز ہے۔ میدان عرفات میں بالاتفاق جمعہ جائز نہیں ہے۔ وجہ یہ ہے کہ عرفات تو فقط میدان ہے۔ آبادی وغیرہ کچھ بھی نہیں اور فناء مکہ میں بھی داخل نہیں ہے۔ اس لئے عرفات میں ہے نہ حرم میں نہیں جب عرفات نہ شہر ہے اور نہ فنا شہر تو وہاں جمعہ قائم کرنا بھی جائز نہ ہوگا۔

صاحب قدوری نے منی کے اندر جواز جمعہ کے لئے امیر حجاز یا خلیفہ ہونے کی قید اس لئے لگائی ہے کہ جمعہ قائم کرنے کی ولایت انہیں دونوں کو ہے۔ اور رباہ و امیر جس کو امیر موسم کہتے ہیں وہ توحج کے امور کا متولی ہوتا ہے نہ کہ اس کے علاوہ کا اس لئے اس کو ولایت حاصل نہیں ہے۔

شرائط صحت اداء، پہلی شرط سلطان ہے

ولایجوز اقامتها الا للسلطان اولمن امره السلطان لانها تقام بجمع عظیم وقد تقع المنازعة فی التقدم والتقدیم وقد تقع فی غیره فلا بد منه تسمیما لامرہا

ترجمہ..... اور جمعہ قائم کرنا جائز نہیں مگر خلیفہ کے لئے یا اس کے لئے جس کو خلیفہ نے اجازت دیدی ہو۔ کیونکہ جمعہ ایک عظیم تہنیت کے ساتھ قائم کیا جاتا ہے اور کبھی آگے بڑھنے اور آگے بڑھانے میں جھگڑا واقع ہو جاتا ہے کبھی اس کے علاوہ اور بات میں جھگڑا پڑتا ہے تو جمعہ کا کام پورا کرنے کے لئے خلیفہ یا اس کے نائب کا ہونا ضروری ہے۔

تشریح..... ادا جمعہ کے لئے سلطان کا ہونا بھی شرط ہے۔ سلطان وہ والی ہوتا ہے جس کے اوپر کوئی دوسرا والی نہ ہو۔ جیسے خلیفہ یا دوسرے ہو جس کو سلطان نے حکم اور اجازت دیدی ہو۔ جیسے امیر قاضی یا خطیب بشرطیکہ ان کو جمعہ قائم کرنے کی اجازت ہو۔ حضرت امام شافعی کہتے ہیں کہ ادا جمعہ کے لئے سلطان یا اس کے نائب کا ہونا شرط نہیں ہے۔ (عنایہ) امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ جس زمانے میں خلیفہ

ہم حضرت عثمان غنیؓ بلو انہوں کے گھیرے میں اپنے مکان کے اندر مدینہ منورہ میں محصور تھے تو حضرت علیؓ نے لوگوں کو جمعہ کی نماز پڑھائی اور یہ مروی نہیں ہے کہ عثمان غنیؓ کے حکم سے پڑھائی ہے۔ حالانکہ اس وقت خلافت حضرت عثمانؓ کے ہاتھ میں تھی اس سے معلوم ہوا کہ جمعہ کے لئے سلطان یا اس کے نائب کا ہونا شرط نہیں ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ جمعہ ایک عظیم جماعت کے ساتھ ادا کیا جاتا ہے کیونکہ وہ جامع الجماعات ہے۔ اور حال یہ ہے کہ کبھی جھگڑا واقع ہوتا ہے آگے ہونے میں ایک کہتا ہے کہ میں امامت کروں گا اور دوسرا کہتا ہے کہ میں امامت کروں گا اور کبھی آگے کرنے میں جھگڑا واقع ہوتا ہے ایک گروہ کہتا ہے کہ ہم فلاں بزرگ کو امام کریں گے اور دوسرا گروہ کہتا ہے کہ نہیں بلکہ فلاں کو امام کریں گے۔ اور کبھی تقدیم اور تقدیم کے علاوہ دوسری بات میں جھگڑا ہوتا ہے مثلاً کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہماری مسجد میں جمعہ ادا کیا جائے اور کچھ کی رائے اس کے خلاف ہے کچھ کہتے ہیں کہ جلدی ادا کیا جائے اور کچھ دیر میں چاہتے ہیں پس مجمع عظیم کے اس اختلاف سے شیطان کو فتنہ پردازی کا خوب موقع ملے گا۔ اس لئے ہم نے کہا کہ ادا جمعہ کے لئے خلیفہ یا اس کے نائب کا ہونا ضروری ہے خلیفہ عادل ہو یا ظالم ہو امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کے حکم سے جمعہ کی نماز پڑھائی ہو۔ اور اگر تسلیم کر لیں کہ حضرت عثمانؓ نے حکم نہیں دیا تھا تو ہم جو اب دین گے کہ جب لوگ حضرت علیؓ کے پاس جمع ہو گئے اور لوگ اقامت جمعہ کے محتاج بھی تھے تو حضرت علیؓ کے لئے جمعہ پڑھانا جائز ہو گیا کیونکہ جب خلیفہ سے اجازت حاصل کرنا مستعذر ہو گیا تو جس پر لوگ اتفاق کریں وہ پڑھائے۔

شرائط ادا میں سے ایک شرط وقت ہے

ومن شرائطها الوقت فتصح في وقت الظهر ولا تصح بعده لقوله عليه السلام اذا مالت الشمس فصل بالناس الجمعة ولو خرج الوقت وهو فيها استقبل الظهر ولا يسيه عليها لاختلافهما

ترجمہ..... اور جمعہ کی شرائط میں سے وقت ہے پس جمعہ وقت ظہر میں صحیح ہوگا اور وقت ظہر کے بعد صحیح نہ ہوگا۔ کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے جب آفتاب ڈھل جائے لوگوں کو جمعہ پڑھانا اور اگر یہ وقت نکل گیا حالانکہ مصلیٰ نماز جمعہ میں ہے تو از سر نو ظہر پڑھے اور ظہر کو جمعہ پر بانہ کرے کیونکہ جمعہ اور ظہر دونوں میں اختلاف ہے۔

تشریح..... جمعہ کے شرائط میں سے وقت بھی ہے یعنی جمعہ کی نماز ظہر کے وقت میں صحیح ہے اس کے بعد صحیح نہیں۔ دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مصعب بن عمیر کو جب مدینہ منورہ بھیجا تو فرمایا تھا اذا مالت الشمس فصل بالناس الجمعة یعنی جب سورج ڈھل جائے تو لوگوں کو جمعہ کی نماز پڑھانا بخاری کی روایت ہے عن انس كان النبي صلى الله عليه وسلم يصلي الجمعة حين تميل الشمس حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت آفتاب ڈھل جاتا جمعہ کی نماز پڑھتے۔ مسلم میں ہے عن سلمه بن الاكوع رضى الله تعالى عنه كنان جمع مع رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا زالت الشمس یعنی ہم لوگ جمعہ پڑھتے جب آفتاب ڈھل جاتا تھا۔ صاحب قدوری نے کہا ہے کہ اگر ظہر کی نماز کا وقت اس حال میں نکل گیا کہ امام نماز جمعہ میں مشغول ہے تو جمعہ کی نماز فاسد ہوگی۔ اب از سر نو ظہر کی نماز ادا کرے گا۔ جمعہ پر ظہر کی بناء کرنا جائز نہ ہوگا۔ امام شافعیؒ اور امام زفرؒ کے نزدیک بناء کرنا جائز ہے ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ جمعہ ظہر کی قصر نماز ہے چنانچہ جو وقت ظہر کا ہے وہی جمعہ کا ہے پس جب جمعہ ظہر ہی سے تو جمعہ

کی نماز پر ظہر کی بناء کرنا درست ہوگا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ جمعہ اور ظہر کے درمیان اسماء کما، کیفا اور شرائط کے اعتبار سے اختلاف اور تغایر ہے۔ اسماء تو اس لئے ایک کا نام جمعہ ہے اور دوسرے کا نام ظہر ہے کما، اس لئے کہ ظہر کی چار رکعت ہیں اور جمعہ کی دو رکعتیں ہیں۔ کیفا اس لئے کہ جمعہ کے قرأت جہری ہے اور ظہر کے اندر سری اور شرائط کے اعتبار سے اس لئے اختلاف ہے کہ ادا جمعہ کے واسطے کچھ شرائط مخصوص ہیں جو ظہر میں نہیں ہیں۔ بہر حال جمعہ اور ظہر کے درمیان تغایر اور اختلاف ہے اور تغایر بناء کو روکتا ہے۔ جیسے اقتداء کو روکتا ہے۔ اس لئے ہم نے ظہر کی بناء جمعہ پر کرنا درست نہیں ہے۔

تیسری شرط خطبہ ہے

ومنها الخطبة لأن النبي ﷺ ماصلاها بدون الخطبة في عمره وهي قبل الصلوة بعد الزوال به وردت السنة ويخطب خطبتين يفصل بينهما بقعدة به جرى التوارث

ترجمہ..... اور شرائط جمعہ میں سے خطبہ ہے کیونکہ حضور ﷺ نے عمر بھر بغیر خطبہ کے کوئی جمعہ نہیں پڑھا۔ اور خطبہ نماز جمعہ سے پہلے اور زوال کے بعد شرط ہے اسی کے ساتھ سنت وارد ہوئی ہے اور دوہ خطبہ پڑھے دونوں کے درمیان بیٹھک سے جدائی کر دے اسی کے ساتھ توارث جاری ہوا۔

تشریح..... جمعہ کی ایک شرط خطبہ ہے چنانچہ خطبہ کے بغیر نماز جمعہ ادا نہ ہوگی۔ دلیل یہ ہے کہ بانی شریعت مطہرہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں کوئی جمعہ بغیر خطبہ کے نہیں پڑھا۔ اگر خطبہ شرائط جمعہ میں سے نہ ہوتا تو بیان جواز کے لئے ایک مرتبہ آپ خطبہ ضرور ترک فرماتے۔ جمعہ کا خطبہ نماز جمعہ سے پہلے اور زوال کے بعد واجب ہے۔ چنانچہ اگر جمعہ کی نماز کے بعد پڑھایا زوال سے پہلے پڑھا تو جائز نہیں ہے۔ دلیل یہ ہے کہ جمعہ ظہر کے قائم مقام خلاف قیاس ہے۔ اور سنت اسی طور سے وارد ہوئی کہ جمعہ خطبہ کے ساتھ مقید ہو جیسا کہ حدیث آچکی کہ رسول خدا نے کوئی جمعہ بغیر خطبہ کے نہیں پڑھا اور قاعدہ ہے کہ جو چیز خلاف قیاس ثابت ہو وہ اپنے مورد کے ساتھ خاص ہوتی ہے پس جمعہ کی مشروعیت اسی طور پر ہوگی خطبہ نماز سے پہلے پڑھا جائے امام قدوری نے کہا ہے کہ دو خطبہ واجب ہیں۔ دونوں کے درمیان تین آیات کی مقدار بیٹھک سے فصل کرے۔ اسی کے ساتھ توارث جاری ہوا ہے۔ یعنی بزرگوں سے نسلاً بعد نسل یوں ہی چلا آتا منقول ہے۔ ہمارے نزدیک یہ قعدہ شرط نہیں ہے بلکہ استراحت کے لئے ہے اور امام شافعی نے فرمایا کہ شرط ہے حتیٰ کہ ان کے نزدیک ایک خطبہ پر اکتفا کرنا جائز نہیں ہے۔ امام شافعی کی دلیل روارث ہے۔ ہماری دلیل جابر بن سمرہ کی حدیث ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یخطب قائماً خطبة واحدة فلما سن جعلها خطبتين بجلس بينهما جلسة، یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر ایک خطبہ پڑھتے تھے پس جب آپ کبر سنی کو پہنچ گئے تو آپ دو خطبہ پڑھنے لگے ان دونوں کے درمیان جلسہ فرمایا کرتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایک خطبہ پر اکتفاء کرنا جائز ہے۔

کھڑے ہو کر خطبہ دینے کا حکم

ويخطب قائما على الطهارة لان القيام فيها متوارث ثم هي شرط الصلوة فيستحب فيها الطهارة كالأذان و لو خطب قاعدا او على غير طهارة جاز لحصول المقصود الا انه يكره لمخالفة التوارث وللفضل بينها وبين الصلوة

ترجمہ اور خطبہ طہارت کے ساتھ کھڑے ہو کر پڑھے کیونکہ خطبہ میں کھڑا ہونا تو متوارث ہے پھر خطبہ نماز جمعہ کی شرط ہے تو خطبہ میں طہارت مستحب ہے۔ جیسے اذان میں اور اگر بیٹھ کر خطبہ پڑھایا یا بغیر طہارت کے تو بھی جائز ہے کیونکہ مقصود حاصل ہو گیا مگر یہ مکروہ ہے توارث کی مخالفت کی وجہ سے اور نماز اور خطبہ کے درمیان فاصلہ واقع ہونے کی وجہ سے۔

تشریح صاحب قدوری نے کہا ہے کہ خطبہ کھڑے ہو کر طہارت کے ساتھ پڑھا جائے خطبہ کے اندر قیام ہمارے نزدیک سنت ہے۔ اور امام شافعی نے فرمایا ہے کہ بیٹھ کر خطبہ پڑھنا جائز نہیں ہے۔ اور ایک روایت کے مطابق امام مالک بھی اسی کے قائل ہیں۔ اور یہی امام احمد کا قول ہے خطبہ کے وقت طہارت کا ہونا ہمارے نزدیک تو سنت ہے لیکن امام ابو یوسف اور امام شافعی کے نزدیک شرط ہے حتیٰ کہ ان کے نزدیک بغیر طہارت کے خطبہ پڑھنا جائز نہ ہوگا خطبہ کے اندر قیام پر توارث دلیل ہے یعنی برزگوں سے خطبہ جمعہ کھڑے ہو کر پڑھنا متوارث چلا آ رہا ہے مروی ہے کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا الاست تسلو قولہ تعالیٰ وَتَرَكَوْكَ قَائِمًا اِيك بار حضور ﷺ کھڑے ہو کر خطبہ دے رہے تھے کہ اسی اثناء میں ایک تجارتی قافلہ آ گیا تو لوگ حضور ﷺ کو چھوڑ کر اس کی طرف چل دیئے اس پر یہ آیت نازل ہوئی وَ اِذَا رَاوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوًا اِنْفَضُوْا اِلَيْهَا وَ تَرَكَوْكَ قَائِمًا یعنی جب انہوں نے دیکھا کسی تجارت کو یا لہو کو تو چل دیئے اس کی جانب کو اور تجھے کھڑا چھوڑ گئے اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کھڑے ہو کر خطبہ دیا کرتے تھے۔

صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ خطبہ چونکہ نماز کی شرط ہے اس لئے خطبہ پڑھنے میں طہارت مستحب ہے جیسے اذان میں ہے صاحب کتاب نے خطبہ کو اذان کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ وجہ تشبیہ شرط ہونا ہے یعنی جس طرح خطبہ نماز جمعہ کی شرط ہے اسی طرح اذان بھی شرط ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے اذان کا نماز کی شرط ہونا قطعاً غلط ہے۔

صاحب عنایہ نے فرمایا ہے کہ کالا اذان کا تعلق فیستحب الطہارة سے کہے نہ کہ وہی شرط للصلوة سے اب مطلب یہ ہوگا کہ جس طرح اذان کے لئے طہارت مستحب ہے۔ اسی طرح خطبہ کے لئے بھی طہارت مستحب ہے۔ علامۃ الہند مولانا عبدالحمی صاحب نے حاشیہ ہدایہ میں لکھا ہے کہ وجہ تشبیہ یہ ہے کہ جس طرح اذان دخول وقت کے بعد ہے اسی طرح خطبہ بھی دخول وقت کے بعد ہے۔

امام قدوری نے فرمایا کہ اگر خطبہ بیٹھ کر پڑھایا یا بغیر طہارت کے پڑھا تو جائز ہے البتہ مکروہ ہے جائز تو اس لئے ہے کہ مقصود خطبہ یعنی وعظ و تذکیر حاصل ہو گیا اور بیٹھ کر خطبہ دینا مکروہ اس لئے ہے کہ توارث کے خلاف ہے۔ اور بغیر طہارت اس لئے مکروہ ہے کہ اس صورت میں نماز اور خطبہ کے درمیان فصل ہو جائے گا کیونکہ بغیر طہارت دینے کی صورت میں خطبہ کے بعد طہارت حاصل کرے گا پھر نماز شروع کرے گا۔ اس طرح یقیناً فصل ہو جائے گا۔

امام شافعی کی دلیل ان کے اس قول پر کہ بیٹھ کر خطبہ پڑھنا جائز نہیں ہے یہ ہے کہ خطبہ دو رکعت کے قائم مقام ہے پس جس طرح نماز

کے لئے قیام شرط ہے اسی طرح خطبہ کے لئے بھی قیام شرط ہوگا۔

امام ابو یوسف اور امام شافعی کی دلیل اس بات پر کہ طہارت خطبہ کے لئے شرط ہے یہ ہے کہ خطبہ نصف نماز کے مرتبہ میں ہے چنانچہ مروی ہے کہ ان ابن عمر وعائشہ قالوا انما قصر الجمعة لمكان الخطبة پس جس طرح نماز کے واسطے طہارت شرط ہے اسی طرح خطبہ کے لئے بھی شرط ہے۔

خطبہ میں ذکر پر اکتفاء جائز ہے یا نہیں، اقوال فقہاء

فان اقتصر علی ذکر اللہ جاز عند ابی حنیفہ وقال لا بد من ذکر طویل یسمى خطبة لان الخطبة هی الواجبة والتسیحة والتحمیة لاتسمى خطبة وقال الشافعی لا یجوز حتی یخطب خطبتین اعتبار اللمتعارف ولہ قوله تعالیٰ فاسعوا الی ذکر اللہ من غیر فصل وعن عثمان انه قال الحمد لله فارتج علیہ فنزل وصلى

ترجمہ..... پس اگر خطیب نے ذکر اللہ پر اکتفاء کیا تو ابو حنیفہ کے نزدیک جائز ہے اور صاحبین نے فرمایا کہ طویل ذکر جس کا نام خطبہ رکھا جاتا ہے ضروری ہے کیونکہ واجب تو خطبہ ہے اور ایک تسبیح یا ایک تمہید خطبہ نہیں ہوتا۔ اور امام شافعی نے کہا جائز نہیں ہے یہاں تک کہ دو خطبہ پڑھے عادت کا اعتبار کرتے ہوئے۔ اور ابو حنیفہ کی دلیل باری تعالیٰ کا قول فاسعوا الی ذکر اللہ ہے بغیر تفصیل کے۔ اور حضرت عثمان کا حال مروی ہے کہ آپ نے الحمد لله کہا آپ کی زبان رک گئی تو آپ منبر سے اترے اور نماز پڑھائی۔

تشریح..... خطبہ کی مقدار میں خود علماء احناف مختلف ہیں۔ چنانچہ امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک اگر خطبہ کے ارادہ سے فقط الحمد لله یا سبحان اللہ کہا یا لا الہ الا اللہ کہا تو جائز ہے اور اگر چھینکنے کی وجہ سے خطیب نے الحمد لله کہا یا تعجب کی وجہ سے سبحان اللہ کہا تو بالاتفاق خطبہ جائز نہ ہوگا۔ صاحبین نے فرمایا کہ اس قدر طویل کا ہونا ضروری ہے جس کو عرفاً خطبہ کہا جاسکے۔ متعارف خطبہ یہ ہے کہ خطیب اللہ کی حمد بیان کرے، رسول اللہ پر درود بھیجے اور تمام مسلمانوں کے لئے خیر کی دعا کرے۔ امام کرخی کے نزدیک متعارف خطبہ کی مقدار تین آیات ہیں اور بعض کے نزدیک تشہد کی مقدار ہے یعنی التبیات سے عبده و رسولہ تک۔ صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ واجب تو وہ ہے جس کو خطبہ کہا جاسکے اور الحمد لله کہنا یا سبحان اللہ کہنا یا لا الہ الا اللہ کہنا اس کا نام خطبہ نہیں ہے پس اگر خطیب نے فقط یہ کلمہ کہا تو خطبہ واجبہ ادا نہ ہوگا۔ امام شافعی نے فرمایا ہے کہ دو خطبہ واجب ہیں پہلا خطبہ اللہ کی حمد، صلوة علی النبی، تقویٰ کی وصیت اور کم از کم ایک آیت پر مشتمل ہو۔ اور دوسرے خطبہ میں آیت کی جگہ مسلمان مردوں اور عورتوں کے لئے دعا ہو۔ امام شافعی کی دلیل عرف اور عادت الناس ہے یعنی اس سے کم کولوگوں کی عادت اور عرف میں خطبہ نہیں کہا جاتا اور بالعموم خطیب حضرات اس سے کم خطبہ نہیں دیتے۔

امام ابو حنیفہ کی دلیل باری تعالیٰ کا قول فاسعوا الی ذکر اللہ ہے بایں طور کہ تمام مفسرین کے نزدیک ذکر اللہ سے خطبہ مراد ہے اور اس میں قلیل و کثیر کی کوئی تفصیل بھی نہیں ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ مطلقاً ذکر اللہ سے خواہ قلیل ہو یا کثیر ہو خطبہ واجبہ ادا ہو جائے گا۔ حضرت عثمان کا حال مروی ہے کہ خلیفہ ہونے کے بعد جب پہلی بار خطبہ جمعہ پڑھنے کے لئے منبر پر چڑھے اور الحمد لله کہا تو آپ کی زبان بند ہوئی۔ آپ منبر سے اتر گئے۔ اور لوگوں کو جمعہ کی نماز پڑھا دیا۔ اس وقت علماء صحابہ بھی موجود تھے مگر کسی نے حضرت عثمان کے اس فعل پر نکیر نہیں فرمائی۔ پس صحابہ کے اجماع سے بھی ثابت ہو گیا کہ اللہ کے ذکر پر اکتفاء کرنے سے خطبہ جائز ہو جائے گا۔ رہا صاحبین کا یہ کہنا کہ لفظ الحمد لله کو عرفاً خطبہ نہیں کہا جاتا۔ بلاشبہ اس کو عرفاً خطبہ نہیں کہا جاتا مگر لفظ خطبہ کہا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ نے اس شخص سے

جس نے من یطع اللہ ورسوله فقد رشد ومن یعصیہما فقد غوی کہا تھا بنس الخطیب انت فرمایا۔ دیکھئے اتنی ہی مقدار کام کرنے پر اس کو خطیب کہا۔ اس سے معلوم ہوا کہ خطیب کے لئے طویل ذکر کا ہونا ضروری نہیں ہے۔ (فتح القدر)

شرائط جمعہ میں سے ایک شرط جماعت ہے، جمعہ کے لئے تعداد افراد

ومن شرائطها الجماعة لان الجمعة مشتقة منها وقلہم عند ابی حنیفہ ثلثة سوی الامام وقالا اثنان سواہ قال والاصح ان هذا قول ابی یوسف وحده له ان فی المثنی معنی الاجتماع وہی متبئۃ عنہ ولہما ان الجمع الصحیح انما هو الثلاث لانه جمع تسمیۃ ومعنی والاجتماع شرط علی حدة وكذا الامام فلا یعتبر متبئ

ترجمہ..... اور جمعہ کی شرائط میں جماعت ہے کیونکہ جمعہ، جماعت ہی سے مشتق ہے۔ اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک کمتر جماعت علاوہ امام کے تین آدمی ہیں۔ اور صاحبین نے کہا کہ امام کے علاوہ دو ہوں مصنف نے کہا کہ اصح یہ ہے کہ یہ قول فقط امام ابو یوسف کا ہے۔ ابو یوسف کی دلیل یہ ہے کہ دو میں اجتماع کے معنی ہیں اور جمعہ اسی کی خبر دیتا ہے۔ طرفین کی دلیل یہ ہے کہ جمع صحیح تو تین ہی ہیں کیونکہ تین نام اور معنی دونوں طرح سے جمع ہے اور جماعت علیحدہ شرط ہے۔ اور ایسا ہی امام کا ہونا علاوہ شرط ہے اس لئے امام ان میں سے شمار نہ ہوگا۔

تشریح..... جماعت، بالاتفاق جمعہ کی شرط ہے، البتہ افراد کی تعداد میں اختلاف ہے۔ چنانچہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک امام کے علاوہ کم از کم تین آدمیوں کا ہونا ضروری ہے۔ یہی امام زفر کا قول ہے اور صاحبین کے نزدیک امام کے علاوہ کم از کم تین آدمیوں کا ہونا ضروری ہے۔ یہی امام زفر کا قول ہے۔ اور صاحبین کے نزدیک امام کے علاوہ دو بھی کافی ہیں۔ یہ تو صاحب قدوری کے بیان کے مطابق ہے صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ سبھی بات یہ ہے کہ امام کے علاوہ دو مقتدیوں کا ہونا فقط امام ابو یوسف کا قول ہے۔ اور رہے امام محمد تو ان کا قول امام صاحب کے قول کے موافق ہے۔ صاحب ہدایہ کے بیان کے مطابق حاصل یہ ہوا کہ طرفین کے نزدیک جماعت جمعہ کے لئے امام کے علاوہ تین آدمیوں کا ہونا شرط ہے۔ اور امام ابو یوسف کے نزدیک امام کے علاوہ دو آدمی بھی کافی ہے۔ جمعہ کے لئے جماعت کی شرط اس لئے ہے کہ جمعہ جماعت ہی سے مشتق ہے۔ لہذا جمعہ بغیر جماعت کے متحقق نہیں ہوگا۔ جیسے ضارب ضرب سے مشتق ہے تو ضارب بغیر ضرب کے متحقق نہ ہوگا۔

عدد جماعت کے۔ امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے کہ جمعہ کے لغوی معنی جمع ہونے کے ہیں اور دو میں اجتماع کے معنی موجود ہیں بایں طور کہ اس میں ایک کا دوسرے کے ساتھ اجتماع ہوتا ہے۔ پس جب جمعہ کے لغوی معنی دو کے عدد سے متحقق ہو گئے تو امام کے علاوہ دو آدمیوں کا ہونا جواز جمعہ کے لئے کافی ہے۔

طرفین کی دلیل یہ ہے کہ بلاشبہ جمعہ اجتماع کے معنی پر دلالت کرتا ہے لیکن باری تعالیٰ کے قول فاسعوا الی ذکر اللہ میں فاسعوا کے ذریعہ خطاب جمع سے ہے، یعنی خطاب کے لئے جمع کا صیغہ ذکر کیا گیا ہے۔ اور جمع صحیح کا اطلاق کم از کم تین پر ہوتا ہے کیونکہ تین کا عدد امام اور معنی دونوں اعتبار سے جمع ہے۔ اس لئے ہم نے کہا کہ امام کے علاوہ کم از کم تین آدمیوں کا ہونا ضروری ہے۔

اجتماع شرط علی حدة سے ایک سوال کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ امام ابو یوسف کے قول کے مطابق بھی امام کے ساتھ تین متبئ ہو جاتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جماعت علیحدہ شرط ہے اور امام کا ہونا علیحدہ شرط ہے۔ اس لئے کہ باری تعالیٰ کا قول فاسعوا

صیغہ جمع تین افراد کا متقاضی ہے اور انسی ذکر اللہ ایک ذاکر (امام) کا متقاضی ہے۔ پس آیت سے چار آدمیوں کا ہونا ثابت ہوا۔ یعنی ایک امام ہو اور اس کے علاوہ تین مقتدی ہوں۔ اس سے ظاہر ہوا کہ امام کا شمار ان تین میں نہیں ہوگا بلکہ امام کے علاوہ تین آدمیوں کی جماعت کا ہونا شرط جمعہ ہے۔

امام کے رکوع اور سجدہ سے پہلے لوگ چل دیئے اور صرف عورتیں اور بچے

رہ گئے تو ظہر کی نماز کا کیا حکم ہے..... اقوال فقہاء

وان نفر الناس قبل ان یرکع الامام ویسجد الا النساء والصبيان استقبل الظهر عند ابی حنیفہ وقالوا اذا نفر واعنه بعد ما افتتح الصلوة صلی الجمعة فان نفر واعنه بعد مارکع وسجد سجدة بنی علی الجمعة خلافا لزرہو یقول انه شرط فلا بد من دوامه كالوقت ولهما ان الجماعة شرط الانعقاد فلا يشترط دوامها كالخطبة ولا بنی حنیفہ ان الانعقاد بالشروع فی الصلاة ولا يتم ذلك الا بتمام الركعة لان مادونها ليس بصلوة فلا بد من دوامها اليها بخلاف الخطبة فانها تنافی الصلوة فلا يشترط دوامها ولا معتبر ببقاء النسوان وكذا الصبيان لانه لا تنعقد بهم الجمعة فلا تتم بهم الجماعة

ترجمہ..... اور اگر امام کے رکوع اور سجدہ کرنے سے پہلے لوگ چل دیئے علاوہ عورتوں اور بچوں کے تو ابو حنیفہ کے نزدیک امام از سر نو ظہر پڑھے اور صاحبین نے فرمایا ہے کہ اگر امام کے نماز جمعہ شروع کرنے کے بعد لوگ امام کو چھوڑ کر بھاگ گئے تو امام جمعہ پڑھے اور اگر رکوع اور ایک سجدہ کرنے کے بعد امام کو چھوڑ بھاگے تو امام جمعہ پر بناء کرے برخلاف امام زفر کے امام زفر فرماتے ہیں کہ جماعت تو شرط ہے لہذا اس کا آخر تک برابر رہنا ضروری ہے جیسے وقت۔ صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ جماعت انعقاد جمعہ کی شرط ہے۔ اس لئے جماعت کا آخر تک رہنا شرط نہیں ہے جیسے خطبہ، اور ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ جمعہ کا انعقاد نماز شروع کر کے ہوتا ہے اور انعقاد پورا نہیں ہوگا مگر ایک رکعت پوری کرنے سے کیونکہ ایک رکعت سے کم تو نماز ہی نہیں ہے اس لئے ایک رکعت تک جماعت کا دوام ضروری ہے۔ برخلاف خطبہ کے کیونکہ خطبہ تو نماز کے منافی ہے پس خطبہ کا رکعت تک دوام شرط نہیں ہو اور عورتوں اور بچوں کے باقی رہ جانے کا کچھ اعتبار نہیں۔ اس لئے کہ عورتوں اور بچوں کے ساتھ جمعہ منعقد نہیں ہوتا۔ پس ان کے ساتھ جماعت (کی شرط بھی) پوری نہ ہوگی۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ اگر نماز جمعہ شروع کرنے سے پہلے لوگ امام کو تنہا چھوڑ کر فرار ہو گئے تو بالا جماع امام ظہر کی نماز پڑھے جمعہ کی نماز پڑھنے کی اجازت نہ ہوگی۔ اور اگر نماز جمعہ شروع کرنے کے بعد امام کے رکوع اور سجدہ کرنے سے پہلے لوگ امام کو چھوڑ کر چلے گئے تو حضرت امام صاحب کے نزدیک امام اس صورت میں بھی از سر نو ظہر پڑھے اور صاحبین کے نزدیک امام جمعہ پر بناء کرے یعنی جمعہ ہی کی نماز پڑھے ظہر پڑھنے کی قطعاً ضرورت نہیں۔ اور اگر امام کے رکوع اور ایک سجدہ کرنے کے بعد لوگ امام کو چھوڑ کر بھاگ گئے تو ائمہ ثلاثہ (ابو حنیفہ، صاحبین) کے نزدیک جمعہ پر بناء کرے۔ یعنی جمعہ کی نماز پوری کرے۔ اور امام زفر کے نزدیک اس صورت میں بھی ظہر پڑھے۔ امام زفر کی دلیل یہ ہے کہ جماعت ادا جمعہ کی شرط ہے جیسے وقت شرط ادا ہے پس جس طرح وقت کا اول تا آخر پایا جانا ضروری ہے۔ اسی طرح اول تحریمہ سے آخر تک جماعت کا پایا جانا ضروری ہے مذکورہ صورت میں چونکہ اول تا آخر جماعت نہیں پائی گئی بلکہ درمیان میں

جماعت فوت ہوگئی۔ اس لئے جمعہ فاسد ہو جائے گا امام پر ظہر پڑھنا لازم ہوگا۔

صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ جماعت کا ہونا ادائے جمعہ کی شرط نہیں ہے بلکہ جمعہ منعقد ہونے کی شرط ہے جیسے خطبہ انعقاد جمعہ کی شرط ہے۔ اور شرط انعقاد کا اول تا آخر پایا جانا ضروری نہیں ہوتا بلکہ منعقد ہونے کی حد تک پایا جانا ضروری ہے۔ اس کے بعد ضروری نہیں۔ پس بجز تحریمہ کے وقت جماعت پائی گئی تو جمعہ منعقد ہو گیا۔ اس کے بعد جماعت کا باقی رہنا شرط نہیں ہے۔ لہذا انعقاد جمعہ کے بعد جماعت کی فوت ہونے سے جمعہ فوت نہیں ہوگا۔ اور جب جمعہ فوت نہیں ہوا تو امام اسی کو پورا کرے ظہر کی نماز نہ پڑھے۔

امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ بلاشبہ جماعت انعقاد جمعہ کی شرط ہے جیسا کہ تم بھی کہتے ہو لیکن نماز کا انعقاد نماز شروع کرنے سے پہلے اور نماز کا اطلاق ایک رکعت مکمل ہونے سے ہوگا کیونکہ ایک رکعت سے کم کو نماز نہیں کہا جاتا یہی وجہ ہے کہ ایک رکعت سے کم کو اگر پھیر دیا گیا تو وہ لا تَبْطَلُوا اَعْمَالَكُمْ کے تحت نہیں آتا۔ پس ثابت ہوا کہ نماز کا اطلاق کم از کم ایک رکعت پر ہوگا۔ حاصل یہ ہوا کہ جماعت انعقاد جمعہ کی شرط ہے اور جمعہ منعقد ہوتا ہے نماز جمعہ شروع ہونے سے اور نماز کا اطلاق کم از کم ایک رکعت پر ہوتا ہے تو گویا نماز بعد ایک رکعت پوری ہونے سے شروع ہوگی۔ پس ایک رکعت پوری ہونے تک جماعت کا پایا جانا شرط ہوگا۔ اور رکعت پوری ہوتی ہے رکوع اور سجدہ سے تو پہلی رکعت کے رکوع سجدہ تک اگر جماعت پائی گئی تو جمعہ منعقد ہو گیا۔ اب اگر امام کے رکوع سجدہ کرنے کے بعد لوگ بھاگ گئے۔ اور جماعت فوت ہوگئی تو جمعہ فوت نہیں ہوگا۔ اور اگر اس سے پہلے بھاگ گئے تو جماعت فوت ہو جائے گی تو چونکہ نماز جمعہ منعقد ہونے سے پہلے شرط انعقاد یعنی جماعت ہوگئی اس لئے جمعہ فاسد ہو جائے گا اور امام پر ظہر پڑھنا واجب ہوگا۔ رہا یہ کہ خطبہ جمعہ بھی انعقاد جمعہ کی شرط ہے لیکن ایک رکعت پوری ہونے تک اس کا پایا جانا ضروری نہیں ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ بلاشبہ خطبہ جمعہ انعقاد جمعہ کی شرط ہے مگر چونکہ خطبہ نماز کے منافی ہے۔ اگر نماز میں خطبہ پڑھا دیا تو نماز ہی فاسد ہو جائے گی۔ اس لئے ایک رکعت پوری ہونے تک اس کی بقاء شرط قرار نہیں دی گئی۔

صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ اگر نماز جمعہ کو چھوڑ کر لوگ فرار ہو گئے اور عورتیں اور بچے باقی رہ گئے تو ان کا اعتبار نہ ہوگا۔ کیونکہ تنہا عورتوں اور بچوں سے جب جمعہ منعقد نہیں ہوتا تو ان کے ساتھ شرط جماعت بھی پوری نہ ہوگی۔

فوائد۔ امام صاحب کی دلیل پر ایک اشکال ہو سکتا ہے وہ یہ ہے کہ جب ایک رکعت سے کم سے نماز منعقد نہیں ہوتی تو نفل شروع کر کے توڑنے سے قضاء واجب نہ ہونی چاہئے۔ جب تک کہ رکعت تک پڑھ کر نہ توڑے۔

جواب..... رکعت سے کم نماز میں دو حالت ہیں۔ اول یہ کہ تحریمہ پایا گیا پس اس جہت سے تو وہ نماز ہے اور چونکہ نماز نام قرأت و رکوع ہوگا ہے یہ نہیں پایا گیا تو اس جہت سے نماز نہیں پھر نفل توڑنے کے مسئلہ میں ہم نے احتیاط پر عمل کرتے ہوئے ادل جہت کا اعتبار کر کے قضاء واجب کی کہ اس میں بالیقین قصور سے بچ گیا۔ اور جمعہ کے مسئلہ میں ہم نے دوسری جہت کا اعتبار کیا۔ کیونکہ ظہر پڑھنے سے بالیقین فرض ادا ہوگا۔

کن افراد پر جمعہ فرض نہیں

ولا يجب الجمعة على مسافر ولا امرأة ولا مريض ولا عبد ولا اعمى لان المسافر يحرّج في الحضور وكذا

المريض والاعمى والعبد مشغول بخدمة المولى والمرأة بخدمة الزوج فعذر وادفع للحرج والضرر

ترجمہ..... اور جمعہ واجب نہیں کسی مسافر پر اور نہ عورت پر اور نہ بیمار پر اور نہ غلام پر اور نہ اندھے پر کیونکہ مسافر کو حاضری جمعہ سے لاحق ہوگا۔ اور یہی بیمار اور اندھے میں ہے اور غلام اپنے آقا کی خدمت میں مشغول ہے اور عورت اپنے شوہر کی خدمت میں مشغول ہے۔ پس یہ لوگ حرج اور ضرر کو دور کرنے کے واسطے معذور قرار دیئے گئے۔

تشریح..... ادا جمعہ نہ مسافر پر واجب ہے نہ عورت پر نہ بیمار پر نہ غلام پر اور نہ نابینا پر۔ دلیل یہ ہے کہ مسافر بیمار اور نابینا کو جمعہ میں ہونے سے حرج لاحق ہوگا اور غلام اپنے آقا کی خدمت میں اور عورت اپنے شوہر کی خدمت میں مشغول ہے۔ پس حرج اور ضرر کو دور کرنے کے لئے ان حضرات کو حاضری جمعہ سے معذور قرار دیا گیا۔

جن پر جمعہ فرض نہیں اگر انہوں نے جمعہ پڑھا تو وقتی فرض ادا ہو جائے گا

فان حضروا فصلوا مع الناس اجزاءهم عن فرض الوقت لانهم تحملوه فصاروا كما لمسافر اذا صلا

ترجمہ..... پھر یہ لوگ حاضر ہوئے اور انہوں نے لوگوں کے ساتھ جمعہ پڑھا تو اس وقت کے فرض سے ان کو جمعہ کافی ہو گیا۔ کیونکہ ان لوگوں نے حرج اور مشقت کو برداشت کیا تو ایسے مسافر کے مانند ہو گئے جس نے روزہ رکھا۔

تشریح..... جن لوگوں کو ادا جمعہ سے معذور قرار دیا گیا ہے اگر انہوں نے جمعہ میں حاضر ہو کر لوگوں کے ساتھ نماز جمعہ ادا کی تو ان کو فریضہ وقت ادا ہو گیا۔ دلیل یہ ہے کہ ان لوگوں سے جمعہ کا ساقط ہونا کسی ایسے معنی کی وجہ سے نہیں تھا جو نماز میں پایا جائے بلکہ ان سے حرج اور ضرر کو دور کرنے کے لئے فریضہ جمعہ ان سے اٹھالی گئی ہے۔ لیکن جب ان لوگوں نے حرج اور مشقت کو برداشت کیا اور ہمت کر کے نماز جمعہ ادا کر لی تو یہ لوگ اس مسافر کے مانند ہو گئے جس نے حالت سفر میں روزہ رکھا۔ حالانکہ بنظر مشقت مسافر کو رمضان المبارک میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے لیکن اگر اس نے روزہ رکھ لیا تو جائز ہے بلکہ افضل ہے کیونکہ اس نے مقیم کی بہ نسبت زیادہ مشقت اٹھائی۔ ان طرح اگر ان لوگوں نے مشقت اٹھا کر جمعہ کی نماز پڑھی تو جائز ہے۔

کون کون جمعہ کی امامت کرا سکتا ہے

ويجوز للمسافر والعبد والمريض ان يؤم في الجمعة وقال زفر لايجزیه لانه لا فرض عليه فاشبهه الصبي والمرأة ولنا ان هذه رخصة فاذا حضروا يقع فرضا على ما بينا اما الصبي فمسلوب الاهلية والمرأة لاتصلح لامامة الرجال وتنعقد بهم الجمعة لانهم صلحوا للامامة فيصلحون للاقتداء بطريق الاولى

ترجمہ..... اور مسافر غلام اور بیمار کے لئے جمعہ میں امام بننا جائز ہے۔ اور امام زفر نے کہا ہے کہ جائز نہیں ہے کیونکہ اس پر جمعہ فرض نہیں ہے۔ پس (برائیک) بچہ اور عورت کے مشابہ ہو گیا اور ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ فرض نہ ہونا رخصت ہے۔ لیکن جب یہ لوگ حاضر ہو گئے تو یہ نماز فرض واقع ہوگی جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے۔ رہا بچہ تو (اس میں) امامت کی اہلیت نہیں ہے۔ اور عورت مردوں کی امامت کی اہلیت نہیں رکھتی۔ اور مسافر غلام بیمار کے ساتھ جمعہ منعقد ہو جاتا ہے کیونکہ یہ لوگ امامت کے لائق ہیں پس اقتداء کے واسطے

بطریق اولی لائق ہوں گے۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ مسافر بیمار اور غلام پر اگرچہ جمعہ فرض نہیں ہے لیکن ان کو جمعہ میں امام بنانا جائز ہے۔ امام شافعی کا صحیح قول بھی یہی ہے۔ امام زفر نے فرمایا ہے کہ ان میں سے کسی کا امام جمعہ ہونا جائز نہیں ہے۔ امام زفر کی دلیل یہ ہے کہ جمعہ فرض نہ ہونے میں یہ تینوں نابالغ بچہ اور عورت کے مشابہ ہیں پس جس طرح بچہ اور عورت کی امامت جمعہ جائز نہیں ہے اسی طرح ان کی امامت بھی جائز نہ ہوگی۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ مسافر غلام اور بیمار پر جمعہ کا فرض نہ ہونا بطور رخصت ہے یعنی جمعہ تو ہر ایک پر فرض عین ہے کیونکہ خطاب اذْأَسَدَى لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ عَامٍ هَلْ لَيْكِنْ مَسَافِرٍ وَغَيْرِهِ كَوَجْهِ دَوْرٍ كَرْنِي كَلَيْ لَيْكِنْ حَاضِرِي هُونِي كِي اِجَازَتِ دِيدِي كِي هِي۔ مگر جب یہ لوگ ادا جمعہ کے لئے حاضر ہو گئے اور حرج ضرر کی مشقت برداشت کر لی تو یہ نماز فرض ہوگی نہ کہ نفل جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔ پس جب مسافر وغیرہ کی نماز جمعہ فرض واقع ہوئی تو ان کو امام بنانا بھی جائز ہوگا۔ رہا بچہ اور عورت پر قیاس تو وہ صحیح نہیں ہے کیونکہ نابالغ بچہ میں امامت کی اہلیت ہی نہیں ہے۔ اور امامت کی اہلیت اس لئے نہیں کہ خطاب باری اس کو شامل نہیں ہے پس جب بچہ امامت کی اہلیت ہی نہیں رکھتا تو اس کو امام بنانا کیسے درست ہوگا۔ اور رہی عورت تو اس میں عورتوں کی امامت کی اہلیت تو ہے مگر مردوں کی امامت کی اہلیت نہیں ہے۔ اور جب مردوں کی امامت کی اہلیت نہیں تو عورت کو مردوں کی امامت کا حکم جو از بھی حاصل نہ ہوگا۔ حضرت امام شافعی کہتے ہیں کہ مسافر غلام اور بیمار کی امامت جمعہ تو درست ہے لیکن اگر جمعہ منعقد کرنے کے لئے فقط یہ لوگ ان تعداد کے مطابق بھی ہوں جس تعداد سے جمعہ منعقد ہو جاتا ہے۔ تو جمعہ منعقد نہیں ہوگا۔ صاحب ہدایہ نے امام شافعی کے اس قول کو رد کرتے ہوئے فرمایا کہ مسافر غلام اور بیمار کے جمع ہونے سے جماعت جمعہ منعقد ہو جائے گی۔ دلیل یہ ہے کہ جب یہ لوگ امامت کے لائق ہیں تو اقتداء کے لائق بدرجہ اولی ہوں گے۔

کسی نے جمعہ کے دن ظہر کی نماز امام سے پہلے پڑھ لی اور کوئی عذر مانع بھی نہیں تھا

تو ایسا کرنا مکروہ ہے آیا ظہر کی نماز ہوئی یا نہیں، اقوال فقہاء

ومن صلى الظهر في منزله يوم الجمعة قبل صلوة الامام ولا عذر له كره له ذلك و جازت صلاته وقال زفر لا يجزيه لان عنده الجمعة هي الفريضة اصالة والظهر كالبديل عنها ولا مصير الى البديل مع القدرة على الاصل ولنا اصل الفرض هو الظهر في حق الكافة هذا هو الظاهر الا انه مأمور باسقاطه باذا الجمعة وهذا لانه يمكن من اذا الظهر بنفسه دون الجمعة لتوقفها على شرائط لا تتم به وحده وعلى التكمن يدور التكليف

ترجمہ..... اور جس شخص نے جمعہ کے روز اپنے مقام پر امام کی نماز سے پہلے ظہر پڑھ لی حالانکہ اس کو کوئی عذر بھی نہیں ہے تو اس کے حق میں یہ مکروہ ہے۔ اور نماز جائز ہوگی۔ اور امام زفر نے کہا ہے کہ جائز نہیں ہے۔ کیونکہ امام زفر کے نزدیک اصلی فرض تو جمعہ اور ظہر اس کے بدل کے مانند ہے اور اصل پر قدرت کرے رہتے ہوئے بدل کی طرف رجوع نہیں کیا جاتا۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ تمام کے حق میں

فرض اصلی تو ظہر ہے۔ یہی ظاہر ہے مگر جمعہ ادا کر کے اس کو ساقط کر دینے کا حکم دیا گیا ہے اور ظہر کا اصل ہونا اس لئے ہے کہ ہر شخص ظہر کو ادا کرنے پر بذات خود قادر ہے نہ کہ ادائے جمعہ پر کیونکہ جمعہ ایسی شرائط پر موقوف ہے جو تنہا آدمی کے ساتھ پوری نہیں ہوتیں۔ حالانکہ قدرت ہی پر مکلف ہونے کا مدار ہے۔

تشریح صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے جمعہ کے دن امام کے نماز جمعہ پڑھانے سے پہلے اپنے گھر میں نماز ظہر پڑھی۔ حالانکہ اس کو کوئی عذر بھی نہیں ہے تو اس کی یہ نماز جائز تو ہو گئی لیکن مکروہ ہے۔ اور امام زقر نے فرمایا ہے کہ جائز نہیں ہوئی یہی امام مالک اور امام شافعی کا قول ہے۔ ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ جمعہ کے دن نماز جمعہ ہی اصلاً فرض ہے۔ اور ظہر اس کا بدل ہے کیونکہ نماز جمعہ کی طرف سعی کا امر کیا گیا ہے اور جب تک جمعہ فوت نہ ہو جائے ظہر پڑھنے سے منع کیا گیا ہے پس نماز جمعہ کا مامور بالاداء ہونا اور ظہر کا ممنوع ہونا نماز جمعہ کے فرض اصلی ہونے کی دلیل ہے اور یہ بات مسلم ہے کہ جب تک اصل پر قدرت ہو تو بدل کی طرف رجوع نہیں کیا جائے گا۔ لہذا نماز جمعہ پر قادر ہونے کی صورت میں ظہر کا ادا کرنا درست نہ ہوگا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ جمعہ کے دن اصلاً تو ظہر فرض ہے جیسا کہ دوسرے ایام میں ظہر فرض ہے۔ دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول اول وقت الظهر حين تزول الشمس ہے۔ بایں طور کہ حدیث مطلق ہے کسی دن کی تخصیص نہیں ہے۔ لہذا ازوال شمس کے بعد تمام ایام میں بلا استثنا ظہر کا وقت ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ تکلیف بحسب القدرت ہوتی ہے چنانچہ ارشاد بانی ہے لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا الْاَوْسَعَهَا اور اس وقت کے اندر نماز کا مکلف بذات خود ظہر ادا کرنے پر قادر ہے نہ کہ جمعہ ادا کرنے پر کیونکہ جمعہ ایسی شرائط پر موقوف ہے جو تنہا ایک آدمی کے ساتھ پوری نہیں ہوتیں مثلاً امام کا ہونا، جماعت کا ہونا وغیرہ پس جمعہ کا مکلف بنانا تکلیف مالا یطاق کے قبیل سے ہوگا۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ جمعہ کے دن جمعہ ادا کر کے ظہر کی نماز ساقط کرنے کا حکم دیا گیا ہے پس قدرت کے باوجود جمعہ سے اعراض کر کے ظہر ادا کرنا جائز مگر مکروہ ہوگا۔

ظہر پڑھنے والا جمعہ کی طرف چل پڑے تو ظہر باطل ہو جائے گی یا نہیں، اقوال فقہاء

فان بدا له ان يحضرها فتوجه اليها و الامام فيها بطل ظهره عند ابي حنيفة بالسعي و قال لا يبطل حتى يدخل مع الامام لان السعي دون الظهر فلا ينقضه بعد تمامه و الجمعة فوقها فينقضها و صار كما اذا توجه بعد فراغ الامام وله ان السعي الى الجمعة من خصائص الجمعة فينزل منزلتها في حق ارتقاض الظهر احتياطاً بخلاف ما بعد الفراغ منها لانه ليس بسعي اليها

ترجمہ پھر اگر اس کی رائے میں ظاہر ہو کہ جمعہ میں حاضر ہو جائے پس جمعہ کی طرف متوجہ ہو حال یہ کہ امام نماز جمعہ میں ہے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک چلنے کے ساتھ ہی اس کی ظہر باطل ہو جائے گی اور صاحبین نے فرمایا ہے کہ ظہر باطل نہ ہوگی یہاں تک کہ امام کے ساتھ داخل ہو جائے کیونکہ سعی ظہر سے کمتر ہے تو ظہر مکمل ہونے کے بعد سعی اس کو نہ توڑے گی۔ اور جمعہ ظہر سے بڑھ کر ہے۔ لہذا جمعہ ظہر کو توڑ دے گا اور ایسا ہو گیا جیسے امام کے فارغ ہونے کے بعد جمعہ کی طرف متوجہ ہوا۔ اور امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ سعی ان الجہود جمعہ کی خصوصیات میں سے ہے پس ظہر توڑنے کے حق میں احتیاطاً سعی کو جمعہ کے مرتبہ میں اتار لیا جائے گا برخلاف اس کے کہ امام جہد

سے فارغ ہو گیا ہے اس لئے کہ یہ جمعہ کی طرف سعی کرنا نہیں ہے۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص جس نے جمعہ کے دن اپنے گھر میں ظہر پڑھی درانحالیکہ ابھی تک نماز جمعہ ادا نہیں کی گئی ہے پھر اس کو خیال آیا کہ نماز جمعہ میں شرکت کرنی چاہئے۔ اس ارادہ کے ساتھ یہ شخص جامع مسجد کی طرف چلے یا تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ یا تو یہ امام کی ساتھ نماز جمعہ میں شریک ہو جائے گا یا شریک نہ ہو سکے گا۔ اگر اس نے امام کے ساتھ نماز جمعہ کو پایا یا تو اس کی نماز ظہر باطل ہو جائے گی اور نفل میں تبدیل ہو جائے گی۔ اور اگر یہ شخص جمعہ کے لئے روانہ تو اس وقت ہوا تھا جبکہ امام نماز جمعہ میں تھا لیکن اس کے پہنچنے پہنچنے امام نماز جمعہ سے فارغ ہو گیا اور یہ شخص نماز جمعہ کو امام کے ساتھ نہیں پاس کا تو اس بارے میں امام الہمام قدوة الانام امام اعظم کا مذہب یہ ہے کہ گھر سے چلنے کے ساتھ ہی اس کی نماز ظہر باطل ہوئی اب چونکہ اس کو نماز جمعہ تو مل نہیں سکی اور ادا کی ہوئی ظہر باطل ہوگئی اس لئے نماز ظہر اعادہ کرے۔ اور صاحبین کا مذہب یہ ہے کہ محض چلنے سے ظہر باطل نہ ہوگی بلکہ نماز جمعہ میں شرکت کرنے سے باطل ہوگی۔ یعنی اس شخص کے پہنچنے سے پہلے ہی اگر امام نماز جمعہ سے فارغ ہو گیا تو اس کی ظہر باطل نہ ہوگی۔ ہاں اگر امام کے ساتھ نماز جمعہ کے کسی حصہ میں شریک ہو گیا تو اس کی ظہر باطل ہو جائے گی۔

صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ سعی الی الجمعہ چونکہ بذاتہ مقصود نہیں ہے بلکہ ادا جمعہ کا وسیلہ ہے اور ظہر فرض مقصود ہے۔ اس لئے سعی الی الجمعہ بہ نسبت ظہر کے ادنیٰ اور کمتر ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ اعلیٰ ادنیٰ کی وجہ سے باطل نہیں ہوتا اس لئے محض سعی الی الجمعہ سے ظہر باطل نہیں ہوگی اور جمعہ چونکہ ظہر سے اعلیٰ اور برتر ہے اس لئے جمعہ کی نماز ظہر کو باطل کر دے گی۔ رہا یہ کہ جمعہ اعلیٰ کیوں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم کو شریعت اسلام نے یہ حکم دیا ہے کہ جمعہ کے دن ظہر کو ساقط کر کے جمعہ ادا کیا جائے، پس جمعہ کی وجہ سے ظہر کا ساقط ہونا جمعہ کے اعلیٰ اور برتر ہونے کی دلیل ہے۔ صاحب ہدایہ نے کہا کہ یہ ایسا ہو گیا جیسے امام کے نماز جمعہ سے فارغ ہونے کے بعد جمعہ کی طرف متوجہ ہوا کہ اس صورت میں بالاتفاق سعی ظہر کو باطل نہیں کرتی۔ کیونکہ یہ بیکار سعی ہے اسی طرح سعی الی الجمعہ ظہر کو اس صورت میں باطل نہیں کرے گی جبکہ سعی الی الجمعہ کرتے وقت امام نماز جمعہ میں تھا لیکن اس کے پہنچنے تک امام نماز جمعہ سے فارغ ہو گیا۔

امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ سعی یعنی جمعہ کے لئے چلنا جمعہ کے خصائص میں سے ہے۔ کیونکہ جمعہ ایسی نماز ہے جس کو ہر جگہ ادا نہیں کیا جاسکتا بلکہ اس کے واسطے مخصوص مکان کا ہونا ضروری ہے لہذا بغیر سعی الی الجمعہ کے جمعہ کا ادا کرنا ممکن نہیں ہوگا۔ پس ثابت ہو گیا کہ سعی الی الجمعہ، جمعہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور جب سعی جمعہ کے خصائص میں سے ہے تو سعی الی الجمعہ، جمعہ کے مرتبہ میں ہوگی۔ پس جس طرح ظہر ادا کرنے کے بعد نماز جمعہ میں شریک ہونا ظہر کو باطل کر دیتا ہے۔ اسی طرح نماز جمعہ کی طرف سعی کرنا بھی ظہر کو باطل کر دے گا۔ بشرطیکہ جس وقت سعی کی ہے اس وقت امام نماز جمعہ میں ہو۔ اس کے برخلاف اگر امام کے نماز جمعہ سے فارغ ہونے کے بعد سعی کی تو یہ سعی ظہر کو باطل نہیں کرے گی۔ کیونکہ یہ سعی جمعہ کے مرتبہ میں نہیں ہے اور جمعہ کے مرتبہ میں اس لئے نہیں کہ یہ جمعہ کی طرف سعی نہیں ہے۔

امام صاحب اور صاحبین کے درمیان ثمرۃ اختلاف اس مثال میں ظاہر ہوگا کہ ایک شخص اپنے گھر میں ظہر ادا کرنے کے بعد جمعہ کے لئے اس وقت چلا جبکہ امام نماز جمعہ میں مشغول ہے لیکن اس کے پہنچنے تک امام نماز جمعہ سے فارغ ہو گیا۔ تو امام صاحب کے نزدیک چونکہ سعی الی الجمعہ سے ظہر باطل ہوگئی ہے اس لئے ظہر کا اعادہ کرے اور صاحبین کے نزدیک چونکہ ظہر باطل نہیں ہوئی اس لئے

ظہر کا اعادہ نہ کرے۔

معدورین کے لئے جمعہ کے دن شہر میں ظہر کی نماز جماعت سے پڑھنے کا حکم

ویکسرہ ان یصلی المعدورون الظہر بجماعة یوم الجمعة فی المصر و کذا اهل السجن لمافیہ من الاخلال بالجمعة اذہی جامعة للجماعات والمعدور قد یقتدی بہ غیرہ بخلاف اهل السواد لانه لا جمعة علیہم ولو صلی قوم اجزأہم لاستجماع شرائطہ

ترجمہ..... اور معدور لوگوں کا جمعہ کے دن شہر کے اندر جماعت کے ساتھ ظہر ادا کرنا مکروہ ہے اسی طرح قیدیوں کا۔ کیونکہ اس عمل میں جوہر کے اندر خلل پیدا کرنا ہے۔ کیونکہ جمعہ تو تمام جماعتوں کو جمع کرنے والا ہے۔ اور معدور کے ساتھ کبھی غیر معدور بھی اقتدا کر لیتا ہے۔ برخلاف گاؤں والوں کے کہ ان پر جمعہ نہیں ہے اور اگر کسی قوم نے اس دن ظہر جماعت سے پڑھ لی تو ان کو کافی ہوگی۔ کیونکہ اس کی تمام شرطیں جمع ہو گئیں۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ معدور لوگ مثلاً غلام، مسافر، بیمار جمعہ کے دن شہر کے اندر جمعہ کی نماز سے پہلے یا بعد میں اگر باجماعت ظہر ادا کر لیں تو یہ عمل مکروہ ہے۔ یوں ہی قیدیوں کا جمعہ کے دن باجماعت ظہر ادا کرنا مکروہ ہے۔ دلیل یہ ہے کہ اس عمل میں جمعہ کے اندر خلل واقع ہوگا۔ خلل یہ ہے کہ جمعہ تمام جماعتوں کا جامع ہے پس جب کچھ لوگوں نے ظہر کو جماعت کے ساتھ ادا کیا تو جمعہ جامعۃ الجماعات نہ رہا۔ اس دلیل سے معلوم ہوا کہ ایک شہر میں متعدد جمعے جائز نہیں ہیں۔ حالانکہ ایک شہر میں کئی جگہ جمعہ ادا کرنا امام صاحب اور امام محمد کے نزدیک جائز ہے۔ پس صاحب ہدایہ کا کراہت جماعت کی دلیل میں اخلال بالجمعة بیان کرنا غیر معقول ہے۔ مناسب یہ ہے کہ کراہت کی دلیل یہ بیان کی جائے کہ جمعہ کے دن ظہر کو باجماعت ادا کرنے میں ظاہری صورت میں جمعہ کا معارضہ اور مقابلہ معلوم ہوتا ہے۔

والمعدور الخ سے سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب معدورین پر جمعہ فرض نہیں ہے تو ان کے ظہر کو باجماعت ادا کرنے میں جمعہ کے اندر خلل کا کیا سوال ہے۔ جواب: معدور کے ساتھ کبھی غیر معدور بھی اقتدا کر لیتا ہے لہذا غیر معدور کے اقتدا کرنے سے جمعہ میں خلل ہوگا۔ اس کے برخلاف گاؤں کے لوگ اگر باجماعت ظہر ادا کریں تو اس میں کوئی کراہت نہیں ہے۔ کیونکہ گاؤں والوں پر جمعہ فرض نہیں ہوا ہے اور معدور پر جمعہ فرض تھا مگر عذر کی وجہ سے ساقط ہو گیا۔ صاحب قدوری کہتے ہیں کہ جمعہ کے دن ظہر کی جماعت مکروہ ہونے کے باوجود اگر کچھ لوگوں نے ظہر کو جماعت کے ساتھ ادا کر لیا تو یہ جائز ہے کیونکہ نماز اپنی شرطوں کے ساتھ پائی گئی۔ رہی کراہت تو وہ اس کی ذات سے خارج حق جمعہ کی وجہ سے تھی سو وہ اب بھی ہے۔

جس نے امام کو جمعہ کی نماز میں پالیا نماز پڑھے اور جمعہ کی بنا کرے

ومن ادرک الامام یوم الجمعة صلی معہ ما ادرکہ و بنی علیہا الجمعة لقوله علیہ السلام ما ادرکم فصلوا و مافاتکم فاقضوا

ترجمہ..... اور جس شخص نے امام کو جمعہ کے دن پایا تو اس کے ساتھ اس کو پڑھے جس کو اس نے پایا ہے اور اسی پر جمعہ کی بنا کرے۔ کیونکہ

حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ تم جس قدر پاؤں اس کو پڑھ لو اور جو فوت ہو گئی اس کو قضاء کر لو۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے جمعہ کے دن امام کو نماز جمعہ میں پایا اور دوسری رکعت کے رکوع میں امام کے ساتھ شریک ہو گیا تو بالاتفاق یہ شخص امام کے ساتھ نماز جمعہ ادا کرے اور ایک رکعت جو فوت ہو گئی اس کو امام کے سلام پھیرنے کے بعد پورا کرے اس کی یہ نماز، جمعہ کی نماز شمار ہوگی نہ کی ظہر کی۔ دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا، ما ادر کتم فصلوا وما فاتکم فاقضوا۔ حدیث کے اندر صاحب حدیث کی مراد ہے ما فاتکم من صلوة الامام۔ کیونکہ ما ادر کتم فصلوا کے معنی ہیں من صلوة الامام یعنی امام کی نماز کا جو حصہ پایا اس کو پڑھ لو۔ اور جو حصہ فوت ہو گیا اس کو قضاء کر لو۔ یعنی امام کے سلام پھیرنے کے بعد پڑھ لو یہ بات ظاہر ہے کہ امام کی نماز کا جو حصہ فوت ہو گیا ہے وہ جمعہ ہے۔ لہذا مقتدی جمعہ ہی پڑھے گا نہ کہ اور کوئی نماز۔

اگر امام کو تشہد یا سجدہ سہو میں پایا تو جمعہ کی بنا درست ہے یا نہیں، اقوال فقہاء

وان كان ادر كه فى التشهد او فى سجود السهو بنى عليها الجمعة عندهما وقال محمد ان ادر ك معه اكثر الركعة الثانية بنى عليها الجمعة وان ادر ك اقلها بنى عليها الظهر لانه الجمعة من وجه ظهر من وجه لفوات بعض الشرائط فى حقه فيصلى اربعا اعتبارا للظهر ويقعد لا محالة على رأس الركعتين اعتبارا للجمعة ويسقر فى الاخيرين لا حتمال النفلية ولهما انه مدر ك للجمعة فى هذه الحالة حتى يشترط نية الجمعة وهى ركعتان ولا وجه لهما ذكر لانهما مختلفان فلا يبنى احدهما على تحريمه الآخر

ترجمہ..... اور اگر امام کو تشہد یا سجدہ سہو میں پایا تو شیخین کے نزدیک اس پر جمعہ کی بنا کرے اور امام محمد نے فرمایا ہے کہ اگر امام کے ساتھ دوسری رکعت کا اکثر حصہ پایا ہے تو اس پر جمعہ کی بنا کرے۔ اور اگر دوسری رکعت کا کم حصہ پایا تو اس پر ظہر کی بنا کرے۔ کیونکہ اس کی یہ نماز من وجہ جمعہ ہے اور من وجہ ظہر ہے۔ کیونکہ اس کے حق میں بعض شرطیں فوت ہو گئیں۔ پس ظہر کا اعتبار کرتے ہوئے چار رکعت پڑھے اور جمعہ کا اعتبار کرتے ہوئے دو رکعت پر بالیقین بیٹھے اور آخر کی دو رکعتوں میں قرأت کرے نفل کا احتمال ہونے کی وجہ سے اور شیخین کی دلیل یہ ہے کہ اس حالت میں وہ جمعہ کا پانے والا ہے حتی کہ اس پر جمعہ کی نیت کرنا شرط قرار دیا گیا ہے۔ اور جمعہ دو ہی رکعت ہے۔ اور جو امام محمد نے ذکر کیا ہے اس کی کوئی وجہ نہیں ہے کیونکہ یہ دونوں نمازیں مختلف ہیں اس لئے ایک کو دوسرے کے تحریمہ پر مبنی نہیں کر سکتے۔ تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے امام کو نماز جمعہ کے تشہد میں پایا یا سجدہ سہو میں پایا تو شیخین کے نزدیک یہ شخص جمعہ کی نماز پوری کرے۔ اور امام محمد نے فرمایا کہ اگر اس نے اکثر رکعت ثانیہ کو پایا مثلاً دوسری رکعت کے رکوع میں امام کے ساتھ شریک ہو گیا تو جمعہ کی نماز پوری کرے اور اگر دوسری رکعت کا اکثر حصہ نہیں پایا مثلاً رکوع کے بعد امام کے ساتھ شریک ہو تو ظہر کی نماز پوری کرے۔ یہی قول امام مالک اور امام شافعی کا ہے۔ امام محمد کی دلیل یہ ہے کہ تشہد یا سجدہ سہو میں امام کے ساتھ شریک ہونے والے کی یہ نماز من وجہ جمعہ ہے اور من وجہ ظہر ہے جمعہ تو اس لئے ہے کہ جمعہ کی نیت کرنا ضروری ہے اور ظہر اس لئے کہ اس کے حق میں جمعہ کی بعض شرطیں مثلاً جماعت فوت ہو چکی ہے کیونکہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد یہ شخص تنہا نماز جمعہ ادا کرے گا۔ پس اس شخص کی نماز جب ایک اعتبار سے جمعہ ہے اور ایک اعتبار سے ظہر۔ تو ظہر کا اعتبار کرتے ہوئے چار رکعت پڑھے اور جمعہ کا اعتبار کرتے ہوئے دو رکعت پر بالیقین بیٹھے۔ اور

چونکہ آخر کی دو رکعتوں میں نفل ہونے کا احتمال ہے اس لئے ان میں سورہ فاتحہ کے علاوہ سورت کی قرأت بھی کرے۔ امام محمد کے مذہب کی تائید شارح نقایہ ملا علی قاری کی پیش کردہ حدیث ابو ہریرہ سے بھی ہوتی ہے حدیث کے الفاظ یہ ہیں: من ادرک الركوع من الركعة الاخيرة فليصل الظهر اربعاً یعنی جس نے جمعہ کے دن دوسری رکعت کا رکوع پایا تو اس کے ساتھ دوسری رکعت ملا لے اور جس نے دوسری رکعت کا رکوع نہیں پایا تو ظہر کی چار رکعت پڑھے۔

شیخین کی دلیل یہ ہے کہ یہ شخص اس حالت میں جمعہ کا پانے والا ہے حتیٰ کہ اس کے لئے جمعہ کی نیت کرنا شرط ہے۔ اگر جمعہ کی نیت نہ کی تو اس کی اقتدا صحیح نہ ہوگی۔ حاصل یہ کہ تشہد یا سجدہ سہو میں امام کے ساتھ شریک ہو کر اس نے جمعہ کو پایا ہے اور جمعہ پانے والا جمعہ ہی ادا کرے گا نہ کہ ظہر اور جمعہ کی چونکہ دو رکعت ہیں۔ اس لئے یہ شخص دو رکعت پڑھے گا نہ کہ چار رکعتیں۔ رہا امام محمد کا بنظر احتیاط جمعہ اور ظہر دونوں پر عمل کرنا سو وہ نفل ہے۔ کیونکہ جمعہ اور ظہر دو مختلف نمازیں ہیں۔ لہذا ان میں سے ایک کا دوسرے کی تحریمہ پر بنا کرنا کس طرح درست ہوگا۔ شیخین کے مذہب کی تائید ابو ہریرہ کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اقيمت الصلوة فلاتا توها تسعون' و اتوها و عليكم السكينة فما ادر كنتم فصلوا و ما فاتكم فاتمو اوفى لفظ فاقضوا یعنی جب نماز جمعہ قائم کی جائے تو اس کی طرف دوڑ کر مت آؤ بلکہ وقار اور سکون کے ساتھ آؤ پس جو تم نے (امام کے ساتھ) پایا اس کو پڑھ لو اور جو فوت ہو گیا اس کی قضاء کر لو یعنی امام کے سلام پھیرنے کے بعد اس کو پورا کر لو۔ رہا امام محمد کی طرف سے پیش کردہ حدیث ابو ہریرہ کا جواب تو اس کو محدثین نے ضعیف کہا ہے۔ (عناہ)

امام جب خطبہ کے لئے نکلے تو لوگ نماز اور کلام ترک کریں گے یا نہیں، اقوال فقہاء

و اذا خرج الامام يوم الجمعة نرك الناس الصلوة والكلام حتى يعزغ من خطبة قال و هذا عند ابى حنيفة و قال لا بأس بالكلام اذا خرج الامام قبل ان يخطب و اذا نزل قبل ان يكبر لان الكراهة للاخلال بفرض الاستماع و لا استماع هنا بخلاف الصلوة لانها قد تمتد و لابی حنيفة قوله عليه السلام اذا خرج الامام فلا صلوة و لا كلام من غير فصل و لان الكلام قد يمتد طبعاً فاشبهه الصلوة

ترجمہ اور جب جمعہ کے روز امام نکلے تو لوگ نماز کو بھی چھوڑ دیں اور کلام کو بھی یہاں تک کہ امام خطبہ سے فارغ ہو مصنف نے کہا کہ یہ ابو حنیفہ کے نزدیک ہے۔ اور صاحبین نے کہا ہے کہ جب امام نکل کر باہر آیا تو خطبہ شروع کرنے سے پہلے کلام کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اور جب منبر سے اترے تو تکبیر کہنے سے پہلے (کلام کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے) کیونکہ کراہت تو سننے کے فرض میں خلل پڑنے کی وجہ سے ہے۔ اور یہاں کچھ سننا نہیں ہے۔ برخلاف نماز کے کہ نماز کبھی دراز ہو جاتی ہے۔ اور ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب امام نکلے تو نہ نماز ہے اور نہ کلام بغیر کسی تفصیل کے اور اس لئے کہ کبھی کلام طبعاً دراز ہو جاتا ہے پس نماز کے مشابہ ہو گیا۔

تشریح مسئلہ یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک جمعہ کے روز امام خطبہ دینے کے لئے جب اپنے حجرہ سے نکلا اور منبر کی طرف چلا تو

لوگ نہ داخل اور سنتیں پڑھیں اور نہ بات چیت کریں یہاں تک کہ امام خطبہ سے فارغ ہو۔ ہاں قضا نماز پڑھنے کی اجازت ہے۔ اسی طرح اصح قول کی بناء پر تسبیح پڑھنے کی اجازت ہے۔ بعض نے کہا کہ مطلقاً کلام ممنوع ہے۔ خواہ تسبیح ہو یا غیر تسبیح ہو صاحبین نے فرمایا کہ خطبہ شروع ہونے سے پہلے اور خطبہ کے بعد تکبیر سے پہلے گفتگو اور کلام کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ البتہ ان اوقات میں نماز پڑھنے کی اجازت نہیں ہے۔ صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ کلام فی نفسہ تو مباح ہے۔ لیکن خطبہ کے وقت کلام کرنا خطبہ کے سننے میں خلل پیدا کرے گا۔ حالانکہ خطبہ کا سننا فرض ہے۔ پس چونکہ کلام فرض استماع (سننے) میں خلل پیدا کرتا ہے۔ اس لئے عین خطبہ کے وقت کلام کرنا ممنوع قرار دیا گیا اور چونکہ خطبہ شروع کرنے سے پہلے اور خطبہ ختم کرنے کے بعد تکبیر سے پہلے کسی چیز کا سننا فرض نہیں اس لئے ان دونوں وقتوں میں کلام خلل بھی پیدا نہ کرے گا۔ اور خلل پیدا نہیں ہوا تو ان دونوں اوقات میں کلام کرنا بھی ممنوع نہ ہوگا۔ رہا یہ کہ ان دونوں اوقات میں نماز پڑھنے کی اجازت کیوں نہیں ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ نماز کبھی دراز ہو جاتی ہے مثلاً امام حجرہ سے نکل کر منبر کی طرف چلا کسی نے اس وقت سنتیں پڑھنا شروع کر دیں۔ پس امام نے منبر پر چڑھ کر خطبہ شروع کر دیا اور ان صاحب کی سنتیں ختم نہیں ہوئیں تو اس صورت میں خطبہ سننے میں خلل واقع ہوگا۔ اس لئے ہم نے ان دونوں اوقات میں نماز پڑھنے کی اجازت نہیں دی البتہ کلام کرنے کی اجازت دی ہے۔

امام ابو حنیفہ کی دلیل ابن عمر اور ابن عباس کی روایت ہے عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه قال اذا خرج الامام فلا صلوة ولا کلام اس حدیث میں خطبہ سے پہلے اور خطبہ کے بعد کی کوئی تفصیل نہیں ہے۔ اس لئے امام کے خطبہ کے واسطے حجرہ سے نکلنے کے بعد صلوة و کلام کو ممنوع قرار دیا گیا ہے خطبہ شروع ہونے سے پہلے بھی اور خطبہ ختم ہونے کے بعد تکبیر سے پہلے بھی صلوة و کلام کی ممانعت کی گئی۔

البتہ ایک دوسری حدیث اس کے معارض ہے وہ یہ ہے کہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا نزل عن المنبر سأل الناس عن حوائجہم وعن اسعار السوق ثم صلی یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب منبر سے اترتے تو لوگوں سے ان کی ضروریات اور بازار کے بھاؤ کے بارے میں دریافت فرماتے پھر نماز پڑھتے اس حدیث سے خطبہ کے بعد تکبیر سے پہلے کلام کرنے کا ثبوت ملتا ہے۔ جواب یہ اس وقت کی بات ہے جب نماز کے اندر بھی کلام کرنا مباح تھا۔ اور خطبہ کے اندر بھی پھر ان دونوں حالتوں میں کلام کرنے سے منع کر دیا گیا۔ اس وجہ سے یہ حدیث حجت نہ ہوگی۔ صاحبین کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ نماز کی طرح کبھی کلام بھی دراز ہو جاتا ہے پس جس طرح خطبہ شروع ہونے سے پہلے اور خطبہ ختم ہونے کے بعد تکبیر سے پہلے نماز مکروہ ہے۔ اسی طرح ان اوقات میں کلام کرنا بھی مکروہ ہوگا۔

بیع شراہ اذان اول پر ختم کر دیں

واذا اذن المؤذنون الاذان الاول ترک الناس البیع والشراء وتوجهوا الى الجمعة لقوله تعالى فاسمعوا لي
ذکر اللہ وذرّوا البیع واذ صعد الامام المنبر جلس واذن المؤذنون بین یدی المنبر بذلك جرى التوارث
ولم یکن علی عهد رسول اللہ ﷺ الا هذا الاذان ولهذا قيل هو المعتبر فی وجوب السعی وحرمة البیع
والاصح ان المعتبر هو الاول اذا كان بعد الزوال لحصول الاعلام به

نے فرمایا ہے اور تم لوگ اللہ کے ذکر کی طرف چلو اور خرید و فروخت کو چھوڑ دو۔ اور جب امام منبر پر چڑھ کر بیٹھا تو مؤذن لوگ منبر کے سامنے اذان دیں۔ اسی فعل کے ساتھ توارث جاری ہے اور آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں یہی اذان تھی۔ اسی وجہ سے کہا گیا کہ اذان واجب ہونے اور بیع حرام ہونے میں یہی اذان معتبر ہے۔ اور صحیح یہ ہے کہ اذان ادل معتبر ہے جبکہ زوال کے بعد ہو۔ اس لئے کہ اعلان اسی کے ساتھ حاصل ہوگا۔

تشریح مسئلہ یہ ہے کہ مؤذن لوگ جب پہلی اذان دیں تو لوگ خرید و فروخت کو چھوڑ کر جمعہ کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ دلیل باری تعالیٰ کا قول اذْأَنُودَى لِلصَّلَاةِ مِنْ یَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَى ذِکْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَیْعَ ہے۔ صاحب قدوری نے مؤذن کو بیعتِ بیع ذکر کیا ہے کیونکہ اذان جمعہ کے سلسلہ میں عادت یہ تھی کہ بہت سے مؤذن اذان دیتے تاکہ ان کی آوازیں شہر کے اطراف و جوانب میں پہنچ جائیں۔ رہی یہ بات کہ وہ کون سی اذان ہے جس کے بعد بیع حرام اور سعی واجب ہو جاتی ہے سو اس بارے میں اختلاف ہے امام طحاوی فرماتے ہیں کہ حرمت بیع اور سعی الی الجمعہ کے واجب ہونے میں وہ اذان معتبر ہے۔ جو امام کے حجرے سے نکلنے کے بعد منبر کے سامنے ہوتی ہے کیونکہ عہد رسول اللہ ﷺ عہد صدیقی اور عہد فاروقی میں جمعہ کے لئے یہی اذان اصل تھی۔ پس جب خلیفہ سوم حضرت عثمان کے عہد مبارک میں لوگوں کی کثرت ہو گئی تو اذان اول کو ایجاد کیا گیا پس قرآن پاک میں جس ندا کا ذکر کیا گیا ہے اس سے اذان ثانی مراد ہے۔ نہ کہ اذان اول حسن بن زیاد امام ابوحنیفہ سے روایت کر کے فرماتے ہیں کہ حرمت بیع اور سعی الی الجمعہ میں اذان اول معتبر ہے۔ دلیل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اذان ثانی پر خرید و فروخت چھوڑ کر سعی الی الجمعہ کرے گا تو جمعہ سے پہلے کی سنتیں فوت ہو جائیں گی خطبہ کا سننا فوت ہو جائے گا۔ اور اگر گھر جامع مسجد سے دور ہو تو جمعہ ہی فوت ہو سکتا ہے۔ اس لئے اذان اول ہی معتبر ہے۔ بشرطیکہ زوال کے بعد دی گئی ہو کیونکہ مقصد اعلان اس سے حاصل ہو گیا ہے واللہ اعلم۔ جمیل احمد عفی اللہ عنہ۔

باب العیدین

ترجمہ یہ باب عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے احکام کے بیان میں ہے۔

تشریح نماز جمعہ اور نماز عیدین میں مناسبت یہ ہے کہ دونوں دن کی نمازیں ہیں۔ دونوں کو کثیر جماعت کے ساتھ ادا کیا جاتا ہے دونوں کے اندر جہری قرأت نیز جو شرطیں جمعہ کی ہیں وہی شرطیں عیدین کی ہیں۔ سوائے خطبہ کے کہ خطبہ نماز جمعہ کے لئے شرط ہے۔ مگر عیدین کے لئے شرط نہیں ہے۔ اور جس پر جمعہ واجب ہے اس پر عیدین کی نماز بھی واجب ہے۔ مگر چونکہ جمعہ فرض ہونے کی وجہ سے قوی ہے۔ اور عیدین کی نماز فرض نہ ہونے کی وجہ سے اس کے مقابلہ میں اضعف ہے۔ اس لئے احکام جمعہ پہلے ذکر کئے گئے اور عیدین کے احکام بعد میں یا یہ کہ جمعہ کثیر الوقوع ہے۔ اس لئے جمعہ کو عیدین کے باب پر مقدم کیا گیا ہے۔

عید کی وجہ تسمیہ:

عید کا نام عید اس لئے رکھا گیا کہ اس میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر احسان کا اعادہ فرماتے ہیں۔ دوسری وجہ یہ کہ عاد و یعود کے معنی عود کرنا لینا ہے۔ چونکہ یہ مقدس دن بھی ہر سال عود کرتا ہے اس لئے اس کا نام عید رکھا گیا عید الفطر کی نماز سب سے پہلے ایشیہ میں پڑھی گئی۔ (شرہ نقایہ) مشر و عیت عیدین:

عیدین کی نماز مشروع ہونے میں اصل ابوداؤد کی روایت ہے عن انس قال قدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المدینة ولہم یومان یلعبون فیہما فقال ماہذان یومان قالوا کنا نلعب فیہما فی الجاہلیة فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ

اسلم ان اللہ قد ابدنکم بہما خیرا منها یوم الاضحیٰ ویوم الفطر انس فرماتے ہیں کہ اہل مدینہ کے لئے دو دن کھیل کود کے تھے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے واسطے ان دونوں سے بہتر دو دن بدل دیئے۔ ایک عید الاضحیٰ اور دوسرا عید الفطر۔

عید الفطر مقرر ہونے کا راز

(۱) ہر قوم میں کوئی نہ کوئی دن ایسا ضرور ہوتا ہے جس میں عام طور سے خوشی منائی جاتی ہے۔ بہت عمدہ لباس پہنا جاتا ہے اور عمدہ کھانے کھائے جاتے ہیں چنانچہ حدیث شریف میں ہے لکل قوم عید و لهذا عیدنا ہر قوم کی ایک عید ہے اور یہ ہماری عید ہے۔

(۲) یہ وہ دن ہے جب لوگ اپنے روزوں سے فارغ ہو چکے ہیں اور ایک طرح کی زکوٰۃ ادا کر چکے ہیں تو اس دن ان کے لئے دو قسم کی خوشیاں جمع ہو جاتی ہیں طبعی اور عقلی۔ طبعی خوشی تو ان کو اس لئے حاصل ہوتی ہے کہ روزہ کی عبادت شاقہ سے فارغ ہو جاتے ہیں۔ اور محتاجوں کو صدقہ مل جاتا ہے۔ اور عقلی خوشی یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے عبادت مفروضہ کے ادا کرنے کی ان کو توفیق عطا فرمائی اور ان کے اہل و عیال کو اس سال تک باقی رکھنے کا ان پر انعام کیا اس لئے ان خوشیوں کے اظہار کا حکم ہوا۔

عید قربان کے مقرر ہونے کی وجہ

عبادات کے اوقات مقرر ہونے میں یہ بھی حکمت ہے کہ اس وقت میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے جو طاقت و عبادت الہی کی ہو اور خدا تعالیٰ نے اس کو قبول کر لیا ہو اس وقت کے آنے سے ان کی جاں نثاری یا دلا کر اس عبادت کی طرف رغبت ہو پس یہ عید الاضحیٰ کا دن وہ دن ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بحکم پروردگار خدا تعالیٰ کے حضور میں ذبح کر کے پیش کرنے کا ارادہ فرمایا تھا اور خدا تعالیٰ نے حضرت اسماعیل کی جان کے بدلہ میں ایک ذبیحہ عظیمہ عنایت کیا اس لئے اس عید میں قربانی اس مصلحت سے مقرر کی گئی کہ اس میں ملت ابراہیمی کے ائمہ (حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما الصلوٰۃ والسلام) کے حالات اور ان کے جان و مال کو خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری میں خرچ کرنے اور ان کی غایت درجہ صبر کرنے کی یاد دہانی کر کے لوگوں کو عبرت دلائی گئی ہے اور نیز حاجیوں کے ساتھ تشبیہ اور ان کی عظمت ہے۔ اور جس کام میں وہ تجاج مصروف ہیں۔ اس کی طرف دوسرے لوگوں کو ترغیب ہے۔

(المصالح العقلیہ)

نماز عید کی شرعی حیثیت

وتجب صلوة العید علی کل من تجب علیہ صلوة الجمعة و فی الجامع الصغیر عیدان اجتماع فی یوم واحد فالاول سنة والثانی فریضة ولا یتبرک واحد منها قال وهذا اتنصیص علی السنة والاول علی الوجوب وهو رواۃ عن ابی حنیفة وجہ الاول مواظبة النبی ﷺ ووجہ الثانی قوله ﷺ فی حدیث الاعرابی عقب سؤالہ هل علی غیرہن قال لا الا ان تطوع والاول اصح و تسمیئہ سنة لوجوبہ بالسنة

ترجمہ..... اور عید کی نماز واجب ہوتی ہے ہر اس شخص پر جس پر جمعہ کی نماز واجب ہوتی ہے اور جامع صغیر میں ہے کہ ایک روز میں دو عیدیں جمع ہوئیں تو پہلی نسبت ہے۔ اور دوسری فرض ہے اور دونوں میں سے کسی کو نہ چھوڑا جائے۔ فاضل مصنف نے کہا کہ یہ عید کی نماز کے سنت ہونے کا صریحی بیان ہے اور اول واجب ہونے کا صریحی بیان ہے اور یہی ابوحنیفہ سے روایت ہے۔ قول اول کی وجہ یہ ہے کہ

حضور ﷺ نے اس پر مواظبت فرمائی ہے۔ اور قول ثانی کی وجہ حدیث اعرابی میں اس کے دوال کرنے کے بعد کہ کیا مجھ پر ان کے علاوہ بھی کوئی نماز ہے۔ حضور ﷺ کا یہ قول ہے کہ نہیں مگر یہ کہ اپنی طرف سے نیک کام کے طور پر کرے۔ اور قول اول اصح ہے اور اس کا سنت نام رکھنا اس لئے ہے کہ اس کا وجوب سنت سے ثابت ہے۔

تشریح..... قدوری کے بیان کے مطابق نماز عید واجب ہے کیونکہ قدوری نے فرمایا کہ نماز عید اس شخص پر واجب ہوتی ہے جس پر نماز جمعہ واجب ہوتی ہے جامع صغیر کے بیان کے مطابق عید کی نماز سنت ہے۔ کیونکہ امام محمد نے جامع صغیر میں کہا ہے کہ اگر ایک دن میں دو عیدیں جمع ہو جائیں یعنی جمعہ کے دن عید الفطر یا عید الاضحیٰ کا دن پڑ جائے تو اول یعنی عید کی نماز مسنون اور جمعہ کی نماز فرض ہے۔ شارح نقایہ اعلیٰ قاری نے تحریر فرمایا ہے کہ اصح قول کے مطابق ہمارے نزدیک عید کی نماز واجب ہے۔ یہی ابوحنیفہ سے مروی ہے امام مالک امام شافعی اور بعض احناف کے نزدیک عید کی نماز سنت ہے۔ امام احمد فرض کفایہ کے قائل ہیں۔

صلوٰۃ عیدین کے واجب ہونے کی دلیل

عیدین کی نماز پر..... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بغیر ترک کئے مواظبت اور ہمیشگی فرمانا ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مواظبت دلیل وجوب ہوتی ہے۔ قول ثانی یعنی مسنون ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اہل نجد میں سے ایک اعرابی شخص پریشان حال آیا۔ اس کا مقصد سفر اسلام کے بارے میں معلومات حاصل کرنا تھا چنانچہ حضور ﷺ نے اسلام کے ایک جز کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ دن رات میں پانچ نمازیں ہیں۔ یہ سن کر اس نے کہا اہل علی غیبر ہن کیا مجھ پر ان پانچ نمازوں کے سوا کبھی کوئی نماز ہے۔ آپ ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا لا ان تطوع نہیں مگر یہ کہ بطور نفل پڑھے اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ پانچ نمازوں کے علاوہ باقی تمام نمازیں غیر فرض ہیں یعنی نفل ہیں پس عیدین کی نماز کا واجب نہ ہونا ثابت ہو گیا ہماری طرف سے اس کا جواب تو یہ ہے کہ سائل گاؤں کا باشندہ تھا اور گاؤں والوں پر عید کی نماز واجب نہیں ہوتی اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے حسب حال جواب ارشاد فرمایا۔ دوسرا جواب یہ دیا گیا کہ بہت ممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ گفتگو نماز عید کے واجب ہونے سے پہلے کی ہو نماز عید کے وجوب پر باری تعالیٰ کا قول وَلِتُكَبِّرُوا لِلَّهِ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ بھی دلالت کرتا ہے کیونکہ وَلِتُكَبِّرُوا لِلَّهِ تفسیر صلوٰۃ عید کے ساتھ کی گئی ہے اور یہ امر کا صیغہ ہے جس کا موجب وجوب ہے۔ رہا امام محمد کا جامع صغیر میں صلوٰۃ عید کو سنت کہنا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ عید کی نماز کا وجوب سنت سے ثابت ہے یہ مطلب ہرگز نہیں کہ عید کی نماز سنت ہے۔

عیدین میں مسنون اعمال

وَيَسْتَجِبُ فِي يَوْمِ الْفِطْرِ أَنْ يَطْعَمَ قَبْلَ الْخُرُوجِ إِلَى الْمَصَلِيِّ وَيَغْتَسِلَ وَيَسْتَاكُ وَيَتَطَيَّبُ لِمَا رَوَى أَنَّهُ كَانَ يَطْعَمُ فِي يَوْمِ الْفِطْرِ قَبْلَ أَنْ يَخْرُجَ إِلَى الْمَصَلِيِّ وَكَانَ يَغْتَسِلُ فِي الْعِيدَيْنِ وَلِأَنَّهُ يَوْمُ اجْتِمَاعٍ فَيَسْنُ فِيهِ الْغَسْلَ وَالتَّطْيِبَ كَمَا فِي الْجُمُعَةِ وَيَلْبَسُ أَحْسَنَ ثِيَابِهِ لِأَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ لَهُ جَبَّةٌ فَنَكَ أَوْ صُوفٌ يَلْبَسُهَا فِي الْأَعْيَادِ

ترجمہ..... مستحب یہ ہے کہ عید الفطر کے دن مصلیٰ عید گاہ جانے سے پہلے کچھ کھالے اور غسل کرے، مسواک کرے، خوشبو لگائے

کیونکہ مروی ہے کہ رسول خدا ﷺ عید گاہ جانے سے پہلے عید الفطر کے دن کھاتے تھے اور آپ عیدین کے دن غسل کرتے تھے۔ اور اس لئے کہ عید مجتمع ہونے کا دن ہے اس لئے اس میں بھی غسل کرنا اور خوشبو لگانا مسنون ہوگا۔ جیسے جمعہ میں ہے اور اپنے کپڑوں میں سے اتنے کپڑے پہنے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس فنک یا صوف کا جبہ تھا آپ اس کو عیدوں میں پہنا کرتے تھے۔

تشریح..... عید کے دن کے مستحبات میں سے ایک یہ ہے کہ عید گاہ جانے سے پہلے کوئی میٹھی چیز تناول کرے۔ امام بخاری نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یغد و یوم الفطر حتی یا کل ثمرات و یا کلہن و سراً حضرت انسؓ نے فرمایا ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر کے دن (نماز عید کے لئے) تشریف نہ لیجاتے یہاں تک کہ طاق عدد چوبارے نہ کھالیتے۔ اور ترمذی اور ابن ماجہ میں ہے ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان لا یخرج یوم الفطر حتی ینکل و کان لا یا کل یوم النحر حتی یصلی یعنی عید الفطر کے دن بغیر کچھ کھائے نہ نکلتے۔ اور عید الاضحیٰ کے دن بغیر نماز پڑھے نہ کھاتے تھے۔ دوسرا مستحب عمل غسل ہے۔ چنانچہ ابن ماجہ نے فاکہ بن سعد کی حدیث روایت کی ہے۔ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یغتسل یوم الفطر و یوم لنحر و یوم العرفۃ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر کے دن عید الاضحیٰ کے دن اور عرفہ کے دن غسل فرمایا کرتے تھے عقلی دلیل یہ ہے کہ عیدین کا دن لوگوں کے جمع ہونے کا دن ہے اس لئے اس میں غسل کرنا خوشبو لگانا مسنون ہے جیسا کہ جمعہ کے دن یہ دونوں عمل مسنون ہیں۔ تیسرا مستحب عمل یہ ہے کہ اپنے موجودہ کپڑوں میں سے جو کپڑے عمدہ اور اچھے ہوں ان کو زیب تن کرنے کیونکہ نبی کریم ﷺ کے پاس فنک یا صوف کا جبہ تھا عید وغیرہ کے موقع پر آپ اس کو پہنا کرتے تھے فنک ایک جانور ہے جس کی کھال کی پوستین بہت عمدہ ہوتی ہے۔ ایک دوسری روایت میں ہے عن جابر بن عبد اللہ قال کان للنبی صلی اللہ علیہ وسلم برد احمر یلبسہ فی الجمعة و العید جابر بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سرخ دھاری داریمنی چادر تھی جس کو آپ جمعہ اور عید میں پہنتے تھے۔

صدقۃ الفطر کی ادائیگی کا وقت

و یؤدی صدقۃ الفطر اغناء للفقیر لیتفرغ قلبہ للصلوۃ و یتوجہ الی المصلی و لا یکبر عند ابی حنیفۃ فی طریق المصلی و عندہما یکبر اعتباراً بالاضحیٰ ولہ ان الاصل فی الثناء الاخفاء و الشرع ورد بہ فی الاضحیٰ لاند یوم تکبیر ولا کذلک الفطر

ترجمہ..... اور محتاج کو بے نیاز کرنے کے لئے صدقہ فطر ادا کرے تاکہ نماز کے لئے اس کا دل فارغ ہو جائے اور عید گاہ کی طرف متوجہ ہو۔ اور ابو حنیفہؒ کے نزدیک عید گاہ کے راستہ میں تکبیر نہ کہے اور صاحبین کے نزدیک عید الاضحیٰ پر قیاس کرتے ہوئے تکبیر کہے۔ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ ثناء اور ذکر میں اصل اخفاء ہے اور جہر کے ساتھ شریعت عید الاضحیٰ میں دارود ہوئی ہے کیونکہ عید الاضحیٰ تکبیر کا دن ہے اور عید الفطر ایسا نہیں ہے۔

تشریح..... نماز عید سے پہلے صدقہ فطر ادا کرنا واجب ہے کیونکہ صحیحین میں ابن عمر کی حدیث ہے۔ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم امر بکواۃ الفطر ان یؤدی قبل خروج الناس الی الصلوۃ و کان ہو یؤدیہا قبل ذالک بیوم او بیومین (رواہ ابو داؤد)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ فطر یعنی صدقۃ الفطر کا حکم فرمایا کہ اس کو لوگوں کے نماز کی طرف سے نکلنے سے پہلے ادا کر دیا جائے اور آپ خود عید سے ایک دن یا دو دن پہلے ادا کرتے تھے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ اس میں مسارعۃ الی الخیر اور فقیر کے دل کو ناز کے لئے فارغ کرنا ہے۔ نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اغنواہم عن المسألة فقراء کو سوال کرنے سے بے نیاز کر دو اور یہ اسی وقت ہوگا جبکہ لوگ صدقۃ الفطر وغیرہ ان کو ادا کریں نیز باری تعالیٰ کا فرمان ہے قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّىٰ اِی اعطى ذکوٰۃ الفطر و ذکر اسم ربہ تکبیر العید فی الطريق فصلی صلوة العید یعنی وہ شخص فلاح یاب ہو گیا جس نے صدقۃ الفطر ادا کیا اور تکبیر عید کہہ کر اپنے رب کا ذکر کیا پھر عید کی نماز پڑھی صدقۃ الفطر ادا کرنے کے بعد عید گاہ کی طرف متوجہ ہو جائے۔ واضح ہو کہ عید گاہ جانے کے لئے پیدل چلنا مستحب ہے۔ کیونکہ حضرت عمرؓ نے فرمایا ہے کہ عید گاہ کو پیدل جانا سنت ہے اور اگر کچھ لوگ اپنے ضعف کی وجہ سے عید گاہ جانے سے معذور ہوں تو امام وقت کسی کو مقرر کر دے کہ وہ شہر کے اندر مسجد میں ان کو نماز پڑھائے۔ اس لئے کہ روایت کیا گیا ہے کہ ان علیاً لما قدم الکوفة استخلف من یصلی بالضعیف صلوة العیدین فی الجامع و خرج الی الجبابة مع خمسين شیخاً، یعنی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب کو فخر شریف لائے تو آپ نے ایک ایسے شخص کو خلیفہ مقرر کیا جو کمزور لوگوں کو جامع مسجد میں عیدین کی نماز پڑھائے اور آپ خود بچوں اور بوڑھوں کو لے کر صحراء کی طرف نکلے آپ خود بھی پیادہ پاتھے اور وہ بچاس اشخاص بھی پیدل چل رہے تھے۔

اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ عید الفطر کے دن عید گاہ جاتے وقت راستہ میں تکبیر با آواز بلند پڑھے یا آہستہ سے حضرت امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ بہ آواز بلند نہ پڑھے اور صاحبین نے فرمایا کہ بہ آواز بلند پڑھے۔ صاحبین کی دلیل عید الاضحیٰ پر قیاس ہے یعنی جس طرح عید الاضحیٰ میں تکبیر بہ آواز بلند شروع ہے اسی طرح عید الفطر میں بھی بہ آواز بلند شروع ہے۔ امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ ذکر کے اندر اصل تو اثناء ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً وَدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے خیر الذکر الخفی و خیر الرزق ما یکفی عمدہ ذکر ذکر خفی ہے اور عمدہ رزق تقدیر کفایت ہے نہ ضرورت سے زائد اور نہ کم ہو ایک اردو شاعر کہتا ہے مجھے جو بھی دے وہ قبول ہے مگر التجا یہ ضرور ہے میرے طرف سے بھی سوائے نہ دے میری آرزو سے بھی کم نہ دے بہر حال ذکر کے اندر اصل اثناء ہے مگر عید الاضحیٰ کے ایام میں بالجہر تکبیر پر خلاف قیاس نص وارد ہوئی ہے اللہ نے فرمایا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْ اَيّامٍ مَّعْدُوْدَاتٍ مفسرین نے کہا ہے کہ یہاں عید قربان کے ایام میں تکبیر جہری مراد ہے اور عید الفطر عید الاضحیٰ کے ہم معنی بھی نہیں کیونکہ عید الاضحیٰ ارکان حج میں سے ایک رکن کے ساتھ مخصوص ہے یعنی اس دن میں بعض ارکان حج ادا کئے جاتے ہیں اور عید الفطر میں یہ بات نہیں پائی جاتی پس جب عید الفطر عید الاضحیٰ کے معنی میں نہیں ہے۔ تو عید الفطر کو عید الاضحیٰ پر قیاس کرنا بھی مناسب نہ ہوگا۔ اس جگہ ایک اعتراض کیا جاسکتا ہے وہ یہ کہ حضرت امام صاحب کا یہ فرمانا کہ عید الفطر میں تکبیر جہری پر شریعت وارد نہیں ہوئی یہ بات تسلیم نہیں ہے اس لئے خدائے لم یزل ولا یزال نے فرمایا ہے وَلِتُكْمِلُوْا الْعِدَّةَ وَ لِتُكْبِرُوْا اللّٰهَ عَلٰی مَا هَدٰكُمْ اِس آیت میں رمضان المبارک کے روزے پورے کر لینے کے بعد تکبیر کی خبر دی ہے اور تکبیر کا علم اس وقت ہوگا جب کہ بہ آواز بلند تکبیر کہی جائے۔ اور ان عمر سے مروی ہے ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یخرج یوم الفطر ویوم الاضحیٰ رافعا صوته بالتکبیر یعنی رسول خدا ﷺ عید الفطر اور عید قربان کے دن تکبیر کے ساتھ اپنی آواز کو بلند کرتے ہوئے نکلتے تھے پس ثابت ہو گیا کہ عید الفطر کے دن بھی تکبیر

جہی پرفض موجود ہے۔

جواب..... آیت میں نماز کے اندر کی تکبیر مراد ہے آیت کے معنی یہ ہوں گے صلوا صلوة العید و کبروا اللہ فیہا، یعنی عید الفطر کی نماز ادا کرو اور اس میں یہ بہ آواز بلند تکبیر کہو رہی حدیث ابن عمر تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کی سند میں ولید بن محمد عن الزہری ہے۔ اور ولید مترک الحدیث ہے۔ اس لئے یہ حدیث قابل استدلال نہ ہوگی۔

عید گاہ میں عید کی نماز سے پہلے نفل پڑھنے کا حکم

ولا یتنفل فی المصلی قبل صلوة العید لان النبی ﷺ لم یفعل ذلک مع حرصہ علی الصلوة ثم قیل الکرہۃ فی المصلی خاصۃ و قیل فیہ وفی غیرہ عامۃ لانه ﷺ لم یفعله

ترجمہ..... اور عید کی نماز سے پہلے عید گاہ میں نفل نہ پڑھے کیونکہ حضور ﷺ نے ایسا نہیں کیا باوجودیکہ آپ نماز کے حریص تھے پھر کہا گیا کہ کراہت مخصوص طور پر عید گاہ میں ہے۔ اور کہا گیا کہ عید گاہ اور اس کے علاوہ میں عام ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو نہیں کیا ہے۔

تشریح..... مسئلہ، نماز عید سے پہلے نفل پڑھنا مکروہ ہے عید گاہ میں بھی اور عید گاہ کے علاوہ بھی امام کے واسطے بھی مکروہ ہے اور مقتدی کے واسطے بھی ابن عباس کا قول ہے ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خرج فصلی بہم العید لم یصل قبلہا ولا بعدہا، یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر سے نکل کر لوگوں کو عید کی نماز پڑھائی، آپ نے نہ عید سے پہلے کوئی نفل نماز پڑھی اور نہ عید کے بعد حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کی بے پناہ حرص تھی۔ اگر عید سے پہلے یا بعد میں نفل پڑھنے کی اجازت ہوتی تو اللہ کے رسول ضرور پڑھتے۔

صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ بعض مشائخ کے نزدیک عید گاہ اور گھر دونوں جگہ کراہت عام ہے اور بعض نے فرمایا کہ عید کی نماز کے بعد عید گاہ کے اندر بلاشبہ نفل پڑھنا مکروہ ہے۔ لیکن گھر آ کر نفل پڑھنا بلا کراہت جائز ہے۔ ابو سعید خدری کی حدیث ہے قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یصلی قبل العید شیناً فاذا رجع الی منزلہ صلی رکعتین۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید سے پہلے کچھ نہیں پڑھتے تھے۔ لیکن جب اپنے گھر واپس آ جاتے تو دو رکعت نفل ادا کرتے۔

نماز عید کا وقت

واذا حلت الصلوة بار تفاع الشمس دخل وقتها الی الزوال اوذا زالت الشمس خرج وقتها لان النبی ﷺ کان یصلی العید و الشمس علی قید رمح او رمحین ولما شہدوا بالہلال بعد الزوال امر بالخروج الی المصلی من الغد

ترجمہ..... اور جب سورج کے بلند ہونے سے نماز حلال ہوگئی تو نماز عید کا وقت داخل ہو گیا زوال آفتاب تک اور جب سورج ڈھل گیا تو عید کی نماز کا وقت نکل گیا۔ اس لئے حضور ﷺ عید کی نماز اس وقت پڑھتے جب سورج ایک نیزہ یا دو نیزہ بلند ہوتا۔ اور جب زوال کے

بعد چاند دیکھنے کی گواہی دی تو آپ نے اگلے دن عید گاہ کی طرف نکلنے کا حکم کیا۔

تشریح..... اس عبارت میں نماز عید کے وقت کی ابتداء اور انتہا بیان کی گئی ہے چنانچہ امام ابو الحسن قدوری نے فرمایا ہے کہ عید کی نماز کا وقت یکم شوال کو آفتاب کے ایک نیزہ یا دو نیزہ بلند ہونے سے شروع ہو جاتا ہے اور زوال آفتاب تک باقی رہتا ہے ابتداء وقت پر دلیل یہ حدیث ہے کہ حضور ﷺ کی نماز اس وقت پڑھا کرتے تھے جب سورج ایک نیزہ یا دو نیزہ کی مقدار بلند ہو جاتا۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ عین طلوع کے وقت نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے اس لئے سورج کے بلند ہونے کی شرط لگائی گئی ہے منتهی وقت پر دلیل یہ ہے کہ ایک مرتبہ ۲۹ رمضان کو چاند نظر نہ آیا۔ اور اگلے دن زوال کے بعد کچھ اہل شہادت حضرات نے چاند دیکھنے کی گواہی دی۔ تو اللہ کے پاک رسول ﷺ نے اگلے دن یعنی ۲ شوال کو نماز عید ادا کرنے کا امر فرمایا ہے۔ اگر زوال کے بعد بھی نماز عید ادا کرنا درست ہوتا تو آنحضرت ﷺ اگلے دن تک مؤخر نہ فرماتے پس معلوم ہوا کہ عید کی نماز کا وقت زوال تک رہتا ہے۔

عید کی نماز کا طریقہ

و یصلی الامام بالناس رکعتین یکبر فی الاولی للافتتاح و ثلثا بعدها ثم یقرأ الفاتحة و سورة و یکبر تکبیرة یرکع بہا ثم یتدی فی الرکعة الثانیة بالقرأة ثم یکبر ثلثا بعدها و یکبر رابعة یرکع بہا و هذا قول ابن مسعود و هو قولنا و قال ابن عباس یکبر فی الاولی للافتتاح و خمساً بعدها و فی الثانیة یکبر خمساً ثم یقرأ و فی روایتہ یکبر اربعاً و ظهر عمل العامة الیوم بقول ابن عباس لامر بنیہ الخلفاء فاما المذهب فالقول الاول لان التکبیر و رفع الابدی خلاف المعهود فكان الاخذ بالاقل اولی ثم التکبیرات من اعلام الدین حتی یجربہا فكان الاصل فیہا الجمع و فی الرکعة الاولی یجب الحاقہا بتکبیرة الافتتاح لقوتہا من حیث الفرضیة و السبق و فی الثانیة لم یوجد الا تکبیرة الرکوع فوجب الضم الیہا و الشافعی اخذ بقول ابن عباس الا انه حمل المروی کله علی الزوائد فصارت التکبیرات عنده خمسة عشر اوستة عشر

ترجمہ..... اور امام لوگوں کے ساتھ دو رکعت پڑھے۔ پہلی رکعت میں افتتاح کے لئے ایک تکبیر کہے اور اس کے بعد تین تکبیریں کہے۔ پھر فاتحہ اور سورت پڑھے اور ایک تکبیر کہے جس کے ساتھ رکوع کرے۔ پھر دوسری رکعت کی ابتداء قرأت سے کرے پھر اس کے بعد تین تکبیریں کہے۔ اور چوتھی تکبیر کہے کہ رکوع کرے۔ یہ قول ابن مسعود کا ہے اور یہی ہمارا قول ہے اور ابن عباس نے فرمایا کہ پہلی رکعت میں افتتاح کے واسطے تکبیر کہے اور پانچ اس کے بعد اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں کہے پھر قرأت کرے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ چار تکبیریں کہے۔ اور آج کل عام لوگوں کا عمل ابن عباس کے قول پر ظاہر ہوا اس لئے ابن عباس کی اولاد جو خلفاء ہیں انہوں نے لوگوں کو اس پر عمل کا حکم دیا ہے۔ زہاندہب تو وہ پہلا قول ہے۔ کیونکہ تکبیر اور ہاتھ اٹھانا خلاف معبود ہے۔ لہذا اقل کو لینا اولی ہے۔ پھر تکبیرات دین کے اعلام سے ہیں حتیٰ کہ ان میں جبر کیا جاتا ہے پس اصل ان تکبیرات میں یکجائی ہے۔ اور پہلی رکعت میں ان تکبیروں کا الحاق تکبیر تحریر سے واجب ہے کیونکہ فرض ہونے اور سبقت کی وجہ سے تکبیر تحریر قوی ہے اور دوسری رکعت میں نہیں پائی گئی مگر رکوع کی تکبیر تو اسی کے ساتھ ان تکبیرات کا ملنا واجب ہوا۔ اور امام شافعی نے ابن عباس کا قول لیا ہے مگر جو تعداد مروی ہے۔ سب کو زائد پر محمول کیا ہے پس امام شافعی کے نزدیک جملہ تکبیرات پندرہ یا سولہ ہو گئیں۔

تشریح..... صاحب قدوری نے نماز عید کی کیفیت اس طرح بیان کی ہے۔ کہ امام لوگوں کو دو رکعت بائیں طور پڑھائے کہ پہلے تکبیر تحریمہ کہے پھر شتا پڑھ کر تین زائد تکبیریں کہے پھر قرأت فاتحہ اور ضم سورت کرے پھر تکبیر رکوع کہہ کر رکوع کرے اور سجدہ کرے اس طرح رکعت اولی پوری ہو جائے گی دوسری رکعت میں پہلے قرأت فاتحہ اور ضم سورت کرے پھر تین زائد تکبیریں کہے اور رکوع کی تکبیر کہہ کر رکوع کرے اس تفصیل کے مطابق دونوں رکعتوں میں نو تکبیریں ہوں چھ زائد دو تکبیرات رکوع اور ایک تکبیر تحریمہ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ یہ ابن مسعود کا قول ہے گویا ابن مسعود کے نزدیک عید کی دونوں رکعتوں میں کل ۹ تکبیریں ہیں یہی علماء احناف کا مذہب ہے۔ ابن مسعود کا قول اس لئے ہے کہ روایت کیا گیا ہے کان ابن مسعود جالساً وعندہ خذیفة و ابو موسیٰ الاشعری فسألہم سعید بن العاص عن التکبیر افی صلوة العید فقال خذیفة سل لاشعری فقال لاشعری سل عبد اللہ فانہ اقدمنا و اعلمنا فسألہ فقال ابن مسعود یکبر اربعاً ثم یقرأ ثم یکبر فی رکوع فی الثانیہ فیقرأ ثم یکبر اربعاً بعد القراءة یعنی ابن مسعود، خذیفہ اور ابو موسیٰ اشعری تشریف فرما تھے کہ ان سے سعید بن العاص نے نماز عید کی تکبیروں کے بارے میں دریافت کیا خذیفہ نے کہا اشعری سے پوچھو اشعری نے کہا کہ عبد اللہ سے پوچھ لو اس لئے عبد اللہ ہم میں قدیم العہد بھی ہیں اور صاحب علم بھی چنانچہ ابن مسعود سے دریافت کیا تو ابن مسعود نے کہا کہ چار تکبیروں کہے پھر قرأت کرے پھر تکبیروں کہہ کر رکوع کرے۔ پھر دوسری رکعت کے لئے کھڑا ہو جائے اور قرأت کرے پھر قرأت کے بعد چار تکبیریں کہے پہلی رکعت میں جن چار تکبیروں کا ذکر کیا گیا ہے ان میں ایک تکبیر تحریمہ اور زمین زوائد ہیں اور دوسری رکعت میں چار تکبیروں میں سے ایک تکبیر و رکوع اور تین زوائد ہیں بہر حال ابن مسعود کے اس قول سے ۹ تکبیروں کا ثبوت ملتا ہے نیز مسروق سے مروی ہے قال عبد اللہ بن مسعود یعلمنا التکبیر فی العیدین تسع تکبیرات خمس فی الاولی و اربع فی الاخیرة و یوالی بین القراءتین یعنی ابن مسعود ہم کو عیدین میں ۹ تکبیروں کی تعلیم دیتے تھے پانچ پہلی رکعت میں اور چار دوسری رکعت میں اور دونوں قرأتوں کے درمیان وصل کرتے تھے۔ روایت میں پانچ تکبیروں سے مراد تکبیر تحریمہ تکبیر رکوع اور تین زوائد ہیں۔ اور چار سے مراد تین زوائد اور ایک تکبیر رکوع ہے۔ اس اثر سے بھی تکبیرات عید کا ۹ ہونا ثابت ہوتا ہے چھ زوائد اور تین تکبیرات نماز (شرح نقیہ) حاصل یہ کہ احناف کے مذہب کی بنیاد عبد اللہ بن مسعود کے قول پر ہے۔ صاحب ہدایہ کے بیان کے مطابق ابن عباس نے فرمایا کہ پہلی رکعت میں تکبیر تحریمہ کہے اور پانچ تکبیر اس کے بعد کہے اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیر کہے پھر قرأت کرے اور ایک روایت میں ہے کہ دوسری رکعت میں چار تکبیریں کہے۔

پس ابن مسعود اور ابن عباس کے قول کے درمیان دو جگہ اختلاف ہوا ایک تکبیرات زوائد کی تعداد میں دوم ان کے محل میں۔ چنانچہ ابن مسعود کے نزدیک تکبیر زوائد چھ ہیں۔ تین رکعت اولی میں اور تین رکعت ثانیہ میں اور ابن عباس کے نزدیک ایک روایت کے مطابق دس اور ایک تکبیریں ہیں پانچ رکعت اولی میں اور پانچ رکعت ثانیہ میں اور ایک روایت کے مطابق تکبیرات زوائد نو ہیں۔ پانچ رکعت اولی میں اور چار رکعت ثانیہ میں دوسری بات کے بارے میں اختلاف یہ ہے کہ ابن مسعود کے نزدیک دوسری رکعت میں تکبیر زوائد کا محل قرأت سے فراغت کے بعد ہے اور ابن عباس کے نزدیک قرأت سے پہلے ہے۔ فاضل مصنف علامہ برہان الدین اپنے زمانہ کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ آج کل عام لوگوں کا عمل حضرت ابن عباس کے قول پر ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ وہ زمانہ خلفاء بنو عباس کے عروج کا زمانہ ہے۔ خلفاء بنو عباس تکبیرات عید کے سلسلہ میں اپنے جد امجد حضرت ابن عباس کے قول پر عمل کرنے کا امر کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے

کہ ایک بار حضرت امام ابو یوسفؒ نے بغداد میں لوگوں کو عید کی نماز پڑھائی اور تکبیروں کے سلسلہ میں ابن عباسؓ کے قول پر عمل کیا۔ کیونکہ خلیفہ ہارون رشید عباسی آپ کا مقتدی تھا اس نے آپ کو اس کا حکم کیا تھا اسی طرح امام محمدؒ سے ابن عباسؓ کے قول پر عمل کرنا مروی ہے لیکن یہ عمل مذہباً اور اعتقاداً انہیں تھا بلکہ خلفاء بنو عباس کے حکم کے پیش نظر تھا ورنہ مذہباً قول اول یعنی عبد اللہ بن مسعودؓ کا قول ہی ہے۔ صاحب ہدایہ نے قول اول کے مذہب ہونے کی عقلی دلیل یہ پیش کی ہے کہ تکبیر اور ہاتھوں کا اٹھانا مجموعہ من حیث المجموعہ نمازوں کے اندر خلاف معبود ہے۔ اس لئے اقل کو اختیار کرنا اولیٰ اور افضل ہوگا۔ کیونکہ اقل اور کمتر کا ثبوت بالیقین ہوتا ہے۔

ثم التکبیرات الخ سے تکبیرات زوائد کے محل وقوع پر بالذلیل کلام کیا گیا ہے چنانچہ فرمایا کہ تکبیرات دین کے اعلام اور علامتوں سے ہیں حتیٰ کہ ان میں جہر کیا جاتا ہے تاکہ دین کا جھنڈا بلند ہو اور ان تکبیرات زوائد میں اصل یہ ہے کہ اصلی تکبیرات کے ساتھ مجتمع ہوں پس رکعت اولیٰ میں تکبیرات زوائد کو تکبیر تحریمہ کے ساتھ لاحق کیا گیا ہے اور تکبیر رکوع کے ساتھ لاحق نہیں کیا گیا، کیونکہ تکبیر تحریمہ فرض ہونے کی وجہ سے قوی بھی ہے اور تکبیر رکوع سے مقدم بھی اور چونکہ دوسری رکعت میں تکبیر رکوع کے سوا کوئی تکبیر نہیں ہے۔ اس لئے دوسری رکعت میں تکبیر رکوع کے ساتھ لاحق کرنا واجب ہو گیا۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ امام شافعیؒ نے حضرت ابن عباسؓ کے قول کو اختیار کیا ہے اور ابن عباسؓ کے قول میں تکبیرات کی جو تعداد روایت کی گئی ہے ان کو زوائد پر محمول کیا ہے اس طرح امام شافعیؒ کے نزدیک تکبیرات کل پندرہ ہوں گی یا سولہ ہوں گی۔

مصنف کی عبارت الا انہ حمل المروئی کلہ علی الزوائد میں قدرے اشتباہ ہے وہ یہ کہ المروئی سے مراد یا تو وہ ہے جو ہدایہ میں ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے وقال ابن عباسؓ یکبر افی الاولیٰ للافتاح وخمساً بعدھا و فی الثانیہ یکبر خمساً ثم یقرأ و فی روایۃ یکبر اربعا اور یا اس کے علاوہ مراد ہے اگر ثانی ہے تو کلام میں تعقید ہوگی کیونکہ جو چیز کتاب میں مذکور نہیں ہے اس کا حوالہ دے کر خواہ مخواہ قارئین کو پریشان کیا گیا ہے اور اگر اول ہے تو تکبیرات اس مقدار کو نہیں پہنچتیں۔ کیونکہ مذکورہ روایت کے مطابق زوائد نو ہیں یا دس ہیں۔ اور تین اصلی تکبیروں (تکبیر تحریمہ رکعت اولیٰ کے رکوع کی تکبیر اور رکعت ثانیہ کے رکوع کی تکبیر) کے ساتھ مل کر بارہ ہوں گی یا تیرہ ہوں گی۔

نیز صاحب ہدایہ نے فرمایا ہے وظهر عمل العامة اليوم بقول ابن عباسؓ پھر کہا والشافعی اخذ بقول ابن عباسؓ یہ عبارت تقاضا کرتی ہے کہ صاحب ہدایہ کے زمانے میں عام لوگوں کا عمل پندرہ تکبیروں پر تھا یا سولہ پر حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ اس زمانے میں تیرہ تکبیروں پر یا بارہ تکبیروں پر عمل تھا اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ ابن عباسؓ سے دو روایتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ عیدین میں بارہ تکبیریں ہیں۔ دوم یہ کہ تیرہ تکبیریں ہیں۔ امام مالکؒ اور امام احمدؒ نے کہا کہ بارہ یا تیرہ اصلی تین تکبیروں کے ساتھ مل کر ہیں یعنی تکبیر تحریمہ اور دونوں رکعتوں کی تکبیر رکوع کے ساتھ مل کر بارہ یا تیرہ ہیں۔ بایں طور کہ پہلی اور دوسری رکعت میں پانچ پانچ تکبیریں زائد اور تکبیر تحریمہ اور دونوں رکعتوں کے رکوع کی دو تکبیریں اس طرح کل تکبیریں تیرہ ہوں اور دوسری روایت کے مطابق پہلی رکعت میں پانچ زائد اور دوسری رکعت میں چار زائد اور تین اصلی تکبیریں تو اب کل تکبیریں بارہ ہوں گی۔ ابن عباسؓ کی انہیں روایات پر اس زمانے میں عام لوگوں کا عمل تھا۔ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ یہ بارہ یا تیرہ تمام کی تمام زائد تکبیریں ہیں اب ظاہر ہے کہ جب ان کے ساتھ تین اصلی تکبیریں یعنی تکبیر تحریمہ اور دونوں رکعتوں کے رکوع کی دو تکبیریں ملیں گی تو بارہ تکبیر والی روایت کی صورت میں کل

تیسری پندرہ ہوں گی اور تیرہ تکبیر والی روایت کی صورت میں کل تکبیریں سولہ ہوں گی پس مروی سے مراد وہ ہے جو ابن عباس سے روایت کی گئی ہے اب حاصل یہ ہوا کہ احناف کے نزدیک عید کی دونوں رکعتوں میں تکبیرات زوائد چھ ہیں۔ اور امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک وہ ہیں۔ اور امام شافعی کے نزدیک بارہ یا تیرہ ہیں۔ (شرح فقہیہ)

احناف کے مذہب کی بنیاد ابن مسعود کے قول پر ہے۔ اور امام مالک اور امام احمد کے مذہب کی بنیاد ابن عباس کی تیرہ تکبیروں والی روایت پر ہے۔ اس طرح کہ دن تکبیریں زائد ہیں اور تین اصلی ہیں اور امام شافعی کے مذہب کی بنیاد ابن عباس کی دونوں روایتوں (بارہ تیرہ والی) پر ہے لیکن وہ ان تمام کو زائد قرار دیتے ہیں۔ اصلی تین ان کے علاوہ ہیں۔ واللہ اعلم

تکبیرات عیدین میں رفع یدین کا حکم

قال ويرفع يديه في تكبيرات العیدین يريد به ماسوى التكبير في الركوع لقوله صلى ﷺ لا ترفع الا يدي لافى سبع مواطن و ذكر من جعلتها تكبيرات الاعياد وعن ابى يوسف انه لا يرفع والحجة عليه ماروينا

ترجمہ..... قدوری نے کہا کہ عیدین کی تکبیروں میں اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اس سے مراد تکبیر رکوع کے علاوہ ہے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ ہاتھ نہ اٹھائے جائیں مگر سات جگہوں میں مجملہ ان میں سے عیدین کی تکبیروں کا ذکر کیا ہے اور ابو یوسف سے مروی ہے کہ ہاتھ نہ اٹھائے جائیں اور امام ابو یوسف پر حجت وہ حدیث ہے جو ہم نے روایت کی ہے۔

شرح..... ہمارے نزدیک تکبیرات عیدین میں کانوں تک ہاتھ اٹھائے جائیں گے یہی امام شافعی اور امام احمد کا مذہب ہے۔ دلیل آنحضرت ﷺ کا قول لا ترفع الا يدي لافى سبع مواطن ہے۔ ان سات جگہوں میں عیدین کی تکبیرات زوائد بھی ہیں۔ امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ تکبیرات عیدین میں ہاتھ نہ اٹھائے جائیں۔ امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے کہ ہاتھوں کا اٹھانا افتتاح کی سنت ہے چونکہ تکبیرات زوائد میں افتتاح صلوة نہیں اس لئے رفع یدین بھی نہ ہوگا جیسا کہ رکوع کی تکبیر کے اندر رفع یدین نہیں ہے امام ابو یوسف کے خلاف حدیث لا ترفع الا يدي حجت ہوگی رہی یہ بات کہ تکبیرات زوائد کے درمیان کوئی مسنون ذکر ہے یا نہیں ہے۔ امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ ہر دو تکبیروں کے درمیان تین تسبیحات کی مقدار سکوت کرے۔ کیونکہ عید کی نماز جم غفیر کے ساتھ ادا کی جاتی ہے اگر تکبیرات کے درمیان موالات اور وصل کیا گیا تو جو لوگ امام سے دور ہوں گے ان پر امام کا حال مشتبه ہو جائے گا کہ امام کون سی تکبیر کہہ رہا ہے البتہ اتنی مقدار ٹھہرنے سے اشتباہ دور ہو جاتا ہے اس لئے تکبیرات کے درمیان تین تسبیحات کی مقدار خاموش رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔

نماز کے بعد عیدین کے خطبے دیئے جائیں

قال ويخطب بعد الصلوة خطبتين بذلك ورد النقل المستفيض يعلم الناس فيها صدقة الفطر واحكامها لانها شرعت لا جله

ترجمہ..... کہا کہ نماز عید کے بعد امام دو خطبے پڑھے اسی پر نقل جو شائع ہے داررہوئی خطبہ عید میں لوگوں کو صدقہ فطر اور اس کے احکام سکھائے کیونکہ خطبہ اسی وجہ سے شروع کیا گیا ہے۔

تشریح صاحب کتاب نے کہا کہ نماز عید سے فارغ ہو کر امام دو خطبہ پڑھے گا اسی پر نقل اور عمل شائع ہے۔ چنانچہ بخاری اور سلم میں حدیث ابن عمر کے الفاظ یہ ہیں کہ قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم ابو بکر و عمر و یصلون العیدین قبل الخطبۃ اور ابن عباس کا قول ہے شہت العید مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و ابی بکر و عمر و عثمان کلہم کانوا یصلون العیدین قبل الخطبۃ (رواہ الشیخان) دونوں حدیثوں کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ اور خلفاء ثلاثہ عیدین کی نماز پہلے اور خطبہ بعد میں پڑھا کرتے تھے۔ البتہ عید کا خطبہ جمعہ سے دو باتوں میں مخالف ہے اول یہ کہ جمعہ بغیر خطبہ کے جائز نہیں ہے۔ اور عید کی نماز بغیر خطبہ کے جائز ہے۔ دوم یہ کہ جمعہ کا خطبہ نماز جمعہ پر مقدم ہے اور عیدین کا خطبہ نماز سے مؤخر ہے۔ لیکن اگر عید کا خطبہ نماز سے مقدم کر دیا گیا تو بھی جائز ہے۔ نماز عید کے بعد اعادہ کی ضرورت نہیں۔ واضح ہو کر عید الفطر کے خطبہ میں صدقۃ الفطر اور اس کے احکام کی تعلیم دیجائے گی کیونکہ یہ خطبہ اسی مقصد کے پیش نظر مشروع ہوا ہے۔

منفرد کے لئے عید کی نماز قضاء کرنے کا حکم

و من فاتتہ صلوة العید مع الامام لم یقضہا لان الصلوۃ بہذہ الصفة لم تعرف قربۃ الا بشرائط لاتتم بالمنفرد ترجمہ..... اور وہ شخص جس کی نماز عید امام کے ساتھ فوت ہوگئی تو وہ اس کی قضاء نہیں کرے گا کیونکہ نماز عید کا اس صفت کے ساتھ عبادت ہونا معلوم نہیں ہوا مگر ایسی شرطوں کے ساتھ جو تنہا آدمی سے پوری نہیں ہوتیں۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ امام اگر عید کی نماز ادا کر چکا اور ایک آدمی باقی رہ گیا۔ اس نے عید کی نماز ادا نہیں کی ہے تو اس کو قضاء کرنے کی اجازت نہیں ہے یہی امام مالک کا قول ہے امام شافعی نے فرمایا کہ یہ شخص تنہا نماز عید پڑھ سکتا ہے کیونکہ امام شافعی کے نزدیک جواز عیدین کے لئے نہ جماعت شرط ہے اور نہ سلطان کا ہونا۔ اس لئے ان کے نزدیک نماز عید کی قضاء کرنا مستحب ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ نماز عید قائم کرنے کے لئے کچھ ایسی شرطیں ہیں جو تنہا آدمی سے پوری نہیں ہو سکتیں۔ مثلاً جماعت سلطان وقت پس چونکہ منفرد میں یہ شرطیں نہیں پائی جاتیں اس لئے اس کے واسطے تنہا نماز عید پڑھنا بھی جائز نہ ہوگا۔

چاند ابر میں چھپ گیا دوسرے دن زوال کے بعد امام کے سامنے چاند دیکھنے کی گواہی دی گئی تو نماز عید کا حکم فان غم الهلال و شہدوا عند الامام برؤية الهلال بعد الزوال، صلی العید من الغد لان هذا تاخیر بعذر، و قد ورد فیہ الحدیث، فان حدث عذر یمنع من الصلوۃ فی الیوم الثانی لم یصلہا بعدہ، لان الاصل فیہا ان لا تقضی کالجمعة الا ان ترکناہ بالحدیث و قد ورد بالتاخیر الی الیوم الثانی عند العذر

ترجمہ..... پھر اگر چاند ابر میں چھپ گیا اور لوگوں نے زوال کے بعد امام کے سامنے چاند دیکھنے کی گواہی دی تو امام دوسرے دن نماز عید پڑھے۔ کیونکہ یہ تاخیر عذر کی وجہ سے ہے۔ اور اس میں حدیث وارد ہوئی ہے۔ اور اگر ایسا عذر پیدا ہوا جو دوسرے دن بھی نماز عید سے روکنا ہے تو اس کے بعد یہ نماز نہیں پڑھے گا۔ کیونکہ نماز عید میں اصل تو یہی ہے کہ اس کی قضاء کی جائے مگر ہم نے اس اصل کو حدیث کی وجہ سے ترک کر دیا اور عذر کے وقت دوسرے دن تک مؤخر کرنے پر حدیث کا درود ہوا ہے۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ ۲۹ رمضان کو اگر چاند ابر میں چھپ گیا اور ۳۰ رمضان کو زوال کے بعد لوگوں نے امام کے سامنے چاند

دیکھنے کی گواہی دی اور امام نے ان کی گواہی قبول بھی کر لی تو روزہ توڑ دیں اور امام دوسرے دن لوگوں کو نماز پڑھائے۔ دلیل یہ ہے کہ یہ تاخیر عذر کی وجہ سے ہے اس لئے اس تاخیر میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور اس تاخیر کے سلسلہ میں حدیث بھی موجود ہے چنانچہ ہدایہ کے گذشتہ صفحہ پر یہ حدیث اس طرح ذکر کی گئی ہے ولما شهد و ابالہلال بعد الزوال امر بالخروج الی الفصلى من الغد۔

اور اگر دو شوال کو بھی کوئی ایسا عذر پایا گیا جو نماز عید کے لئے مانع ہو تو اب اس کے بعد ۳ شوال کو نماز عید پڑھنے کی اجازت نہ ہوگی کیونکہ نماز عید میں اصل تو یہی ہے کہ اس کی قضاء نہ کی جائے جیسے جمعہ فوت ہونے کی صورت میں اس کی قضاء نہیں کی جاتی لیکن عذر کی وجہ سے دوسرے دن تک مؤخر کرنے میں حدیث مذکور کی وجہ سے اس اصل کو ترک کر دیا گیا ہے پس چونکہ حدیث کے اندر فقط دوسرے دن تک مؤخر کرنے کی تصریح کی گئی ہے اس لئے ۳ شوال تک نماز عید مؤخر کرنے کی اجازت ہوگی اس کے بعد اجازت نہ ہوگی۔

عید الاضحیٰ کے مستحبات

ويستحب في يوم الاضحى ان يغتسل ويتطيب لما ذكرناه ويؤخر الاكل حتى يفرغ من الصلوة لما روى ان النبي ﷺ كان لا يطعم في يوم النحر حتى يرجع فياكل من اضحيته

ترجمہ..... اور بقر عید کے دن غسل کرنا اور خوشبو لگانا مستحب ہے۔ اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے ذکر کی ہے۔ اور کھانے کو مؤخر کرے یہاں تک کہ نماز سے فارغ ہو جائے کیونکہ مروی ہے حضور ﷺ بقر عید کے دن کھاتے نہ تھے یہاں تک کہ نماز سے واپس ہوتے پھر اپنی قربانی سے کھاتے تھے۔

تشریح..... صاحب قدوری نے کہا ہے کہ بقر عید کے دن غسل کرنا اور خوشبو لگانا مستحب ہے۔ دلیل سابق میں گذر چکی ہے اور یہ بھی مسنون ہے کہ کھانا نماز کے بعد کھائے اور اپنی قربانی سے کھائے۔ دلیل آنحضرت ﷺ کا عمل ہے کہ آپ بقر عید کے دن نماز عید کے بعد کھانا تناول فرماتے تھے اور اپنی قربانی سے تناول فرماتے تھے اگر کسی نے قربانی نہیں کی تب بھی نماز عید سے پہلے نہ کھائی کیونکہ عید سے پہلے نہ کھانا لگ سنت ہے اور اپنی قربانی سے کھانا لگ سنت ہے ہاں گاؤں والوں کے لئے جائز ہے کیونکہ وہاں نماز واجب نہیں ہے۔

راستہ میں جہراً تکبیر کہنے کا حکم

ويتوجه الى المصلی وهو يكبر لانه ﷺ كان يكبر في الطريق ويصلي ركعتين كالفطر كذلك نقل ويخطب بعدها خطبتين لانه ﷺ كذلك فعل ويعلم الناس فيها الاضحية و تكبير التشريق لانه مشروع الوقت والخطبة ما شرعت للتعليمه

ترجمہ..... اور عید گاہ جائے در انحالیکہ تکبیر کہتا ہو کیونکہ حضور ﷺ راہ میں تکبیر کہتے تھے اور امام عید الفطر کی طرح دو رکعت پڑھے۔ ایسا ہی نقل کیا گیا ہے اور نماز کے بعد دو خطبے پڑھے کیونکہ مدنی آقا نے ایسا ہی کیا ہے اور دونوں خطبوں میں قربانی اور تکبیر تشریق کی تعلیم کرے کیونکہ اس وقت کس مشروع یہی ہے۔ اور خطبہ نہیں مشروع ہوا مگر اسی تعلیم کے واسطے۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ عید گاہ جاتے ہوئے راستہ میں باواز بلند تکبیر کہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہ عمل فرمایا کرتے تھے

اور عید قربان عید الفطر کی طرح دو رکعت ہیں۔ امام صاحب سے یہی منقول ہے۔ نماز کے بعد دو خطبہ کے احکام سکھائے کیونکہ ان میں یہی چیزیں مشروع ہیں اور خطبہ انہیں چیزوں کی تعلیم کے لئے مشروع ہوا ہے۔

کسی مانع کی وجہ سے پہلے دن عید نہیں پڑھی، دوسرے دن یا پھر تیسرے دن پڑھ لیں

فان كان عذر يمنع من الصلوة في يوم الاضحى صلاحها من الغدو بعد الغدو لا يصلحها بعد ذلك لان الصلوة موقفة بوقت الاضحى فيقدر بايامها لكنه مسئ في التاخير من غير عذر لمخالفة المنقول

ترجمہ پس اگر کوئی عذر ایسا ہو جو دسویں ذی الحجہ کو نماز عید پڑھنے سے مانع ہو تو دوسری یا تیسرے روز نماز پڑھے اور اس کے بعد نہ پڑھے کیونکہ بقر عید کی نماز ایام اضحیہ کے ساتھ مقید ہے لہذا اس کا وقت بھی اضحیہ کے ایام کے ساتھ مقید ہوگا لیکن بغیر عذر تاخیر کرنے میں وہ گنہگار ہوگا کیونکہ منقول سے مخالفت کی ہے۔

تشریح مسئلہ یہ ہے کہ اگر ذی الحجہ کی دسویں تاریخ میں مانع صلوة عذر پایا گیا تو گیارہویں تاریخ میں نماز پڑھے اور اگر گیارہویں تاریخ میں بھی عذر باقی رہا تو بارہویں میں نماز عید پڑھے۔ اور اگر اس میں بھی عذر موجود ہے تو اس کے بعد تاخیر کی اجازت نہیں ہے دلیل یہ ہے کہ بقر عید کی نماز اضحیہ (قربانی) کے ساتھ مقید ہے اس لئے نماز کا وقت بھی اضحیہ کے ایام تک مقید ہوگا۔ پس قربانی کے تین روز تک ہر روز آفتاب بلند ہونے کے بعد زوال تک نماز عید کا وقت رہے گا اور اگر تاخیر کرنا بغیر عذر ہو تو بھی نماز جائز ہے۔ لیکن بغیر عذر تاخیر کرنے کی وجہ سے گنہگار ہوگا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین سے ایسی تاخیر منقول نہیں ہے یہ خیال رہے کہ یہ نماز باوجود تاخیر کے ادا ہے نہ کہ قضاء کیونکہ اپنے وقت میں واقع ہوئی ہے۔

اہل عرفہ کے ساتھ مشابہت کا حکم

والتعريف الذي يصنعه الناس ليس بشئ وهو ان يجمع الناس يوم عرفه في بعض المواضع تشبيها بالواقفين بعرفة لان الوقوف عرف عبادة مختصة بمكان مخصوص فلا يكون عبادة دونه كسائر المناسك

ترجمہ اور وہ تعریف جس کو لوگ کہتے ہیں کچھ نہیں اور وہ یہ ہے کہ عرفہ کے روز لوگ ایک میدان میں جمع ہوتے ہیں ان لوگوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرتے ہیں۔ عرفہ کے روز عرفات میں کھڑے ہوتے ہیں کیونکہ وقوع عرفہ ایک مخصوص مکان کے ساتھ مخصوص عبادت ہے پس بغیر اس مکان مخصوص کے کھڑا ہونا عبادت نہ ہوگا جیسے باقی مناسک حج میں۔

تشریح تعریف اہل عرفہ کے ساتھ مشابہت اختیار کرنا ہے یعنی عرفہ کے دن لوگ کسی میدان میں جمع ہو کر حاجیوں کی طرح دعا کریں اور تضرع کریں۔ صاحب قدوری نے کہا کہ یہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس پر ثواب مرتب ہو کیونکہ وقوع عرفہ ایک مخصوص مکان یعنی عرفات کے ساتھ مخصوص عبادت ہے۔ اس لئے بجز میدان عرفات کے دوسری کسی جگہ کھڑا ہونا عبادت کیسے ہو سکتا ہے جیسے باقی مناسک حج دوسرے مقامات پر ادا نہیں کئے جاسکتے صاحب کفایہ نے تو یہاں تک کہا ہے کہ اگر بیت اللہ کے علاوہ کسی دوسری مسجد کا پتہ لگایا تو اس کے بارے میں کفر کا خوف ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ حضرت ابن عباسؓ نے بصرہ کے اندر ایک میدان میں عرفات کے دن

مجمع کر کے ایسا آیا ہے تو ہماری طرف سے جواب یہ ہوگا کہ ابن عباس کا یہ عمل بغرض دعا تھا نہ کہ اہل عرفہ کے ساتھ تشبیہ کے طور پر
واحد اسم بیسمل عنہ۔

فصل فی تکبیرات التشریق

(یہ) فصل تکبیرات تشریق (کے بیان میں) ہے

تکبیرات تشریق کا بیان..... تکبیر تشریق کا آغاز کب ہوگا اور اختتام کب ہوگا

و یبدأ بتکبیر التشریق بعد صلوة الفجر من یوم عرفة ویختم عقیب صلوة العصر من یوم النحر عند ابی حنیفة وقالوا
یختم عقیب صلوة العصر من اخر ایام التشریق والمسألة مختلفة بین الصحابة فاخذنا بقول علی اخذا بالاکثر اذ هو
الاحتیاط فی العبادات واخذ بقول ابن مسعود اخذا بالاقل لان الجهر با لتکبیر بدعة والتکبیر ان یقول مرة واحدة
الله اکبر الله اکبر لا اله الا الله والله اکبر الله اکبر والله الحمد هذا هو الماثور عن الخلیل صلوات الله علیه

ترجمہ..... اور عرفہ کے دن نماز فجر کے بعد تکبیر تشریق شروع کرے اور یوم نحر کو نماز عصر کے بعد ختم کرے (یہ حکم) ابوحنیفہ کے نزدیک ہے
اور صاحبین نے فرمایا کہ آخری ایام تشریق کو عصر کی نماز کے بعد ختم کرے امام صاحب کے درمیان مختلف پایا گیا ہے پس صاحبین نے اکثر
کو اختیار کرتے ہوئے حضرت علیؑ کے قول کو لیا ہے کیونکہ عبادت میں یہی احتیاط ہے اور ابوحنیفہ نے اقل کو اختیار کرتے ہوئے ابن مسعودؓ کے
قول کو لیا ہے کیونکہ جہر کے ساتھ تکبیر کرنا بدعت ہی اور تکبیر یہ ہے کہ ایک بار کہے اللہ اکبر، اللہ اکبر لا الہ الا اللہ، واللہ اکبر اللہ
اکبر، واللہ الحمد یہی حضرت ابراہیم علیہ السلام سے منقول ہے۔

تشریح..... تشریق خود تکبیر ہی تو اب معنی یہ ہوں گے کہ ان تکبیرات کے بیان میں جن کا نام تشریق ہے عنایہ میں ہے کہ تکبیر تشریق
چونکہ ایام اضحیہ کیساتھ مخصوص ہے اس لئے علیحدہ فصل میں ذکر کیا ہے کفایہ میں ہے کہ تکبیرات کی اضافت تشریف کی طرف صاحبین کے
قول پر درست ہے کیونکہ ان کے نزدیک بعض تکبیریں ایام تشریق یعنی گیارہویں، بارہویں اور تیرہویں تاریخ میں بھی واقع ہوتی ہیں۔
لیکن ابوحنیفہ کے نزدیک یوم نحر یعنی دسویں ذی الحجہ کی عصر کی نماز کے بعد تکبیر ختم ہو جاتی ہے حالانکہ ایام تشریق کا آغاز گیارہویں ذی
الحجہ سے ہوتا ہے جیسا کہ خلاصہ کے حوالہ سے صاحب عنایہ نے تحریر فرمایا ہے کہ ایام نحر تین ہیں۔ اور ایام تشریق بھی تین ہیں اس طرح پر کہ
ذی الحجہ کی دسویں تاریخ خاص طور پر یوم نحر ہے اور تیرہویں تاریخ خاص طور پر یوم تشریق ہے اور گیارہویں اور بارہویں نحر اور تشریق دونوں
کے لئے ہیں ابوحنیفہ کے نزدیک تکبیرات تشریق کا عنوان کس طرح درست ہوگا اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ دسویں ذی الحجہ اگرچہ یوم نحر
ہے۔ یوم تشریق نہیں ہے۔ مگر یوم تشریق یعنی گیارہویں ذی الحجہ سے قریب ہے۔ اس قرب کی وجہ سے تشریق کی طرف تکبیرات کی
اضافت کی گئی ہے جیسا کہ جامع صغیر میں ہے قال یعقوب صلیت بهم المغرب یوم عرفة یعقوب نے کہا ہے کہ میں نے ان کو
عرفہ کے دن مغرب کی نماز پڑھائی حالانکہ آفتاب غروب ہوتے ہی عرفہ کا دم ختم ہو گیا مگر چونکہ مغرب کا وقت عرفہ کے دن سے قریب ہے اس
لئے یوم عرفہ کہہ دیا گیا۔ دوسرا جواب یہی کہ تشریق سے مراد عید الاضحیٰ کی نماز ہے جیسا کہ حدیث میں ہے لا جمعة ولا تشریق الا فی
مصر جامع اور دوسری حدیث میں ہے لا ذبح الا بعد التشریق دونوں حدیثوں میں تشریق سے مراد نماز عید ہے پس اس صورت میں

بالاتفاق اضافت درست ہوگی رہی یہ بات کہ تکبیر تشریق واجب ہے یا سنت ہے تو اکثر علماء وجوب کے قائل ہیں اور بعض مسنون ہونے کے قائل ہیں دلیل وجوب باری تعالیٰ کا قول داؤد کروا اللہ فی ایام معدودات ہے اور نیت سے قائلین نے اس پر حضور ﷺ کی مداومت اور ہمیشگی فرمانے کی دلیل بنایا ہے۔

تکبیرات تشریق کی ابتداء اور انتہا میں چونکہ صحابہ کا اختلاف ہے اس لئے ائمہ کے درمیان بھی یہ مسئلہ مختلف فیہ رہا ہے کبار صحابہ مثلاً حضرت عمر، علی، ابن مسعود رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ تکبیرات تشریق کی ابتداء عرفہ کے دن یعنی ذی الحجہ کی نویں تاریخ سے کی جائے گی اس کو بالاتفاق علماء احناف نے اختیار کیا ہے اور صفار صحابہ مثلاً عبد اللہ بن عباس عبد اللہ بن عمر زید بن ثابت نے کہا کہ یوم نحر یعنی بقر عید کے دن کی ظہر سے تکبیرات کا آغاز کیا جائے گا انتہا کے سلسلہ میں عبد اللہ بن مسعود کا قول ہے کہ ایام نحر کا پہلا دن یعنی دسویں ذی الحجہ کی نماز عصر ہے۔ مطلب یہ کہ دسویں ذی الحجہ کی عصر کی نماز کے بعد تکبیرات کہ کر ختم کر دے پس عبد اللہ بن مسعود کے نزدیک کل آٹھ نمازوں کے بعد یقینی نویں ذی الحجہ کی فجر سے دسویں کی عصر تک تکبیر تشریق پڑھی جائے گی۔ یہی مذہب حضرت امام ابوحنیفہ کا ہے۔

حضرت علیؑ نے فرمایا ہے کہ تکبیر تشریق ایام تشریق کے آخری دن یعنی تیرہویں ذی الحجہ کی عصر کی نماز پر ختم کی جائے گی۔ پس حضرت علیؑ کے نزدیک کل ۲۳ نمازوں کے بعد یعنی نویں ذی الحجہ کی فجر سے تیرہویں کی عصر تک تکبیر پڑھی جائے گی اسی قول کو حضرات صاحبین نے اختیار کیا ہے۔

صاحبین نے اکثر کو اختیار کرتے ہوئے حضرت علیؑ کے قول پر اعتماد کیا ہے کیونکہ تکبیر بھی عبادت ہے اور عبادات کے اندر احتیاط اسی میں ہے کہ اکثر کو لیا جائے امام ابوحنیفہ کا مکر اور اقل کو اختیار کرنا اس وجہ سے ہے کہ باواز بلند تکبیر کہنا بدعت ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **وَإِذْ كُنْتُمْ فِي نَفْسِكُمْ تَضَرَّعًا وَخِيفَةً وَذُؤْنًا الْجَهْرُ** اور حدیث ہے **رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِقْوَامًا يَرْفَعُونَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ الدَّعَاءِ فَقَالَ انْكُمْ لَنْ تَدْعُوا أَصْمًا وَلَا غَائِبًا** یعنی رسول اللہ نے ایک قوم کو دیکھا کہ دعا کے وقت وہ لوگ اپنی آوازوں کو بلند کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ تم لوگ نہ تو بہرے کو پکار رہے ہو اور نہ غائب کو آپ کی مراد یہ ہے کہ اللہ جس کو تم پکار رہے ہونہ تو وہ بہرہ ہے اور نہ غائب ہے بلکہ سمیع (بہت سننے والا) ہے اور ہر جگہ موجود ہے اس لئے باواز بلند اس کو پکارنے کی قطعاً ضرورت نہیں اس آیت اور روایت سے معلوم ہوا کہ دعا اور ذکر میں اصل اخفاء اور جہر خلاف اصل اور بدعت ہے امام صاحب کی دوسری دلیل یہ ہے کہ تکبیر کی ابتداء ایسے دن میں کی جاتی ہے جس کے اندر حج کا ایک رکن یعنی وقوع عرفہ ادا کیا جاتا ہے۔ پس اس کو منقطع کرنا بھی اس یوم نحر میں مناسب ہوگا جس میں حج کا دوسرا رکن یعنی طواف زیارت ادا کیا جاتا ہے تاکہ تکبیر کی ابتداء اور انتہاء دونوں برابر ہو جائیں یہ یاد رہے کہ عمل اور فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ تکبیر مذکور کلمات اللہ اکبر اللہ اکبر الخ کا ایک مرتبہ کہنا ہے امام شافعی نے فرمایا کہ تین بار کہے یا پانچ بار یا سات بار کہے۔ یہ کلمات سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے منقول ہیں ان کلمات کا تاریخی پس منظر یہ ہے کہ جب بار خداوندی ابراہیم نے اپنے نخت جگر اسماعیل کو ذبح کرنے کے لئے ہاتھ پاؤں باندھ کر زمین پر پیشانی کے بل لٹا دیا اور چھری

پہانی مگر گانا نہ سنا اور جبرائیل علیہ السلام کو حکم ہوا کہ اسماعیل کی جگہ وہ دنبہ لے جا کر رکھ دو جس کو ہائیل نے نذر اللہ پہاڑ پر رکھا تھا اور وہ قبول ہوا کہ اب تک جنت میں چرتا پھرتا تھا جبرائیل نے جب دیکھا کہ ابراہیم اطاعت باری کے لئے ذبح میں بہت عجلت فرما رہے ہیں ذفر مایا اللہ اکبر، اللہ اکبر ابراہیم نے گردن اٹھا کر دیکھا اور جبریل کی آواز کو سنا تو بے ساختہ زبان سے نکلا لا الہ الا اللہ واللہ کبر ذبح اللہ کو جب معلوم ہوا اور والد بزرگوار اور جبرائیل کے کلمات کو سنا تو حمد باری کے لئے ان کی زبان گویا ہو گئی اور کہنے لگے اللہ اکبر واللہ الحمد یہ کلمات قیامت تک کے لئے ایک صالح بیٹے اور عشق خدا میں سرست باپ کی یاد دلاتے رہیں گے۔

قرآن حکیم کس قدر بلیغ انداز میں کہتا ہے کہ،

وقال الی ذاہب الی ربی سیہدین . رب ہب لی من لصالحین . فبشر نہ بغلام حلیم . فلما بلغ معہ السعی قال ینسی انی ارى فی المنام انی اذبحک فانظر ماذا ترى قال یا ابت افعل ما تو امر ستجدنی ان شاء اللہ من الصابرين . فلما اسلماء وتلذ للجبین . ونادینہ ان یا ابراہیم . قد صدقت الرء یا انا کذلک نجری المحسنین . ان هذا لہوا البلوا المسین . وفدینہ بذبح عظیم . وترکنا علیہ فی الآخرین

تکبیر تشریح کہنے کا وقت

وہو عقب الصلوۃ المفروضات علی المقیمین فی الامصار فی الجماعات المستحبة عند ابی حنیفہ و لیس علی جماعات النساء اذا لم یکن معہن رجلا ولا علی جماعۃ المسافرین اذا لم یکن معہم مقیم و قالوا ہو علی کل من صلی المكتوبۃ لانه تبع للمکتوبۃ ولہ ما روینا من قبل والتشریق هو الجهر بالتکبیر کذا نقل عن الخلیل بن احمد ولان الجهر بالتکبیر خلاف السنۃ والشرع ورد بہ عند استجماع هذه الشرائط لا انه یجب علی النساء اذا اقتدین بالرجل و علی المسافرین عند اقتدائہم بالمقیم بطریق التبعیۃ قال یعقوب لیت بہم الإغرب یوم عرفۃ فسہوت ان اکبر فکبر ابو حنیفہ دل ان الامام و ان ترک التکبیر لا یترکۃ المقتدی و هذا لانه لا یؤدی فی حرمة الصلوۃ فلم یکن الامام فیہ حتما و انما هو مستحب

ترجمہ..... یہ تکبیر ابو حنیفہ کے نزدیک مستحب جماعتوں میں شہر کے اندر مقیم لوگوں پر فرض نمازوں کے بعد ہے۔ اور عورتوں کی جماعتوں پر تکبیر نہیں ہے جبکہ ان عورتوں کے ساتھ کوئی مرد نہ ہو اور مسافروں کی جماعت پر تکبیر نہیں اگر ان کے ساتھ کوئی مقیم نہ ہو۔ اور صاحبین نے کہا کہ تکبیر ہر ایسے شخص پر ہے جو فرض نماز پڑھے کیونکہ تکبیر فرض نماز کے تابع ہے اور امام ابو حنیفہ کی دلیل وہ حدیث ہے جو ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں اور تشریح تکبیر کے ساتھ جہر کنا ہے ایسا ہی خلیل بن احمد سے منقول ہے اور اس لئے کہ تکبیر کے ساتھ جہر کرنا سنت کے خلاف ہے اور شریعت ان شرطوں کے جمع ہونے کے وقت دارد ہوئی ہے مگر یہ تکبیر عورتوں پر واجب ہو جائے گی جبکہ وہ کسی مرد کی اقتداء کریں اور مسافروں پر واجب ہوگی ان کے مقیم کی اقتداء کرنے کے وقت بطریق جمعیت، یعقوب نے بیان کیا ہے کہ میں نے عرفہ کے روز ان کو مغرب کی نماز پڑھائی پس میں تکبیر تشریح کہنا بھول گیا تو ابو حنیفہ نے تکبیر کہی یہ قصہ دلالت کرتا ہے کہ امام نے اگر تکبیر چھوڑ دی تو مقتدی ان کو نہیں چھوڑے گا کیونکہ یہ تکبیر تحریمہ نماز کے اندر ادائیگی کی جاتی پس تکبیر کہنے میں امام کا ہونا واجب نہیں بلکہ فقط مستحب ہے۔

تشریح حضرت امام ابو حنیفہ کے نزدیک ہر مرض نماز کے بعد تکبیر پڑھنا واجب ہے بشرطیکہ وہ لوگ ۱۰۰ شہر کے باشندے ہوں اور مستحب طریقہ پر جماعت کے ساتھ نماز پڑھی گئی ہے۔ حضرت امام صاحب نے عقیب الفرض کی قید اس لئے لگائی کہ اگر فرض نماز کے بعد کوئی دوسرا عمل پایا گیا مثلاً مسجد سے نکل گیا یا باتوں میں مشغول ہو گیا تو یہ شخص تکبیر نہ پڑھے اور مفروضات کی قید سے نماز جنازہ وتر نماز عید اور نفل نکل گئے۔ بایں معنی کہ ان کے بعد تکبیر تشریح واجب نہیں ہے مقیمین کی قید سے مسافر خارج ہو گیا کیونکہ مسافر پر بھی تکبیر نہیں ہے فی الامصار کی قید سے دیہات کے اندر تکبیر تشریح کا عدم و وجوب ثابت ہو گیا جماعت کی قید سے منفرد خارج ہو گیا اور مستحبہ کی قید سے تنہا عورتوں کی جماعت خارج ہو گئی یعنی اگر خالی عورتوں نے جماعت کی تو ان پر بھی تکبیر نہیں ہاں اگر عورتوں کا امام مرد ہو اور مسافروں کا امام مقیم ہو تو ان عورتوں اور مسافروں پر تکبیر واجب ہوگی۔ صاحبین نے فرمایا ہے کہ ہر اس شخص پر تکبیر واجب ہے جو فرض نماز پڑھے خواہ شہری ہو یا دیہاتی، مسافر ہو یا مقیم جماعت ہو یا منفرد مرد ہو یا عورت ہو یہی قول امام مالک اور امام شافعی کا ہے ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ تکبیر فرض نماز کے تابع ہے لہذا جو فرض پڑھے گا وہ تکبیر کہے گا۔

امام ابو حنیفہ کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں یعنی لاجمعة و لا تشریق و لا فطر دلا اضحی الا فی مصر جامع اس حدیث سے تکبیر تشریح کے لئے شہر کا شرط ہونا معلوم ہوا امام لغت خلیل بن احمد سے منقول ہے کہ تشریح جہری تکبیر کا نام ہے دوسری دلیل یہ ہے کہ تکبیر کو با آواز بلند کہنا خلاف سنت یعنی بدعت ہے باستثناء اس جگہ کے جہاں شریعت وارد ہوئی ہے اور جہری تکبیر کے سلسلہ میں شریعت کا ورود اس صورت میں ہوا ہے جس میں یہ تمام شرطیں جمع ہوں۔ یعنی شہر جماعت مستحبہ اقامت وغیرہ ہاں اگر عورتیں کسی مرد کی اقتداء کر لیں یا مسافر مقیم کی اقتداء کر لیں تو عورتوں اور مسافروں پر بھی تکبیر واجب ہو جائی گی یہ وجوب بطریق تبعیت ہوگا یعنی امام جو کہ متبوع ہے چونکہ اس پر تکبیر واجب ہے لہذا اس کے تابع پر بھی واجب ہوگی جیسے مقیم کی اقتداء کرنے سے مسافر پر چار رکعت لازم ہوتی ہیں۔

صاحب ہدایہ نے ایک واقعہ کے ذریعہ تشبیہ فرمائی ہے کہ اگر امام تکبیر کہنا بھول گیا تو مقتدی تکبیر نہ چھوڑے بلکہ با آواز بلند تکبیر کہہ کر امام کو بھی باخبر کر دے۔ اس کے برخلاف اگر امام نے سجدہ سوہ چھوڑ دیا تو مقتدی بھی اس کو ترک کر دے۔ وجہ یہ ہے کہ سجدہ سوہ درمیان نماز ادا کیا جاتا ہے اس لئے سجدہ سوہ کرنے یا نہ کرنے میں امام کا اتباع ضروری ہوگا اور تکبیر درمیان نماز ادا نہیں کی جاتی بلکہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد پڑھی جاتی ہے اس لئے تکبیر کہنے میں امام کا موجود ہونا واجب نہیں بلکہ مستحب ہے پس اگر امام نہ بھی تکبیر کہے تو مقتدی ضرور کہے۔ واقعہ یہ ہے کہ امام ابو یوسف (یعقوب) نے بیان کیا کہ ایک بار میں نے لوگوں کو عرفہ کے دن مغرب کی نماز پڑھائی اتفاق سے میں تکبیر تشریح کہنا بھول گیا تو استاد مکرم حضرت امام ابو حنیفہ نے پیچھے سے تکبیر کہہ کر مجھے متنبہ کیا تب میں نے تکبیر کہی۔ اس واقعہ سے امام ابو یوسف کی قدر و منزلت کا پتہ چلتا ہے کہ حضرت امام صاحب نے آپ کو امام بنایا اور خود اقتداء کی واللہ اعلم جمیل احمد غفرلہ۔

باب صلوة الكسوف

ترجمہ یہ بات سورج گہن کی نماز کے بیان میں ہے۔

تشریح نماز عید نماز کسوف اور نماز استسقاء تینوں نمازوں میں مناسبت ظاہر ہے اس طور پر کہ تینوں نمازیں دن میں بغیر اذان و

اقامت کے ادا کی جاتی ہیں ان میں سے عید کی نماز چونکہ واجب ہے اور نماز کسوف جمہور کے نزدیک مسنون ہے اور نماز استسقاء کا مسنون ہونا مختلف فیہ ہے اس لئے تینوں ابواب کے مناسب ترتیب ظاہر ہو گئی۔ کسوف کے معنی ہیں آفتاب کا سیاہی کی طرف مائل ہونا۔ اس میں ایک لغت خسوف ہے امام منذری نے کہا ہے کہ حدیث کسوف ۱۱۹ اشخاص نے روایت کی ہے بعض نے کاف کے ساتھ کسوف اور بعض نے فاء کے ساتھ خسوف معلوم ہوا کہ یہ دونوں لفظ مترادف ہیں یا کسوف آفتاب کے ساتھ مخصوص ہے اور خسوف عام ہے آفتاب و ماہتاب دونوں میں بعض نے کہا کہ سورج گہن کے لئے کسوف اور چاند گہن کے لئے خسوف بولا جاتا ہے فقہاء کی یہی اصطلاح ہے اسی کی تائید باری تعالیٰ کا قول فَاِذَا بَرِقَ الْبَيْصَرُ وَخَسَفَ الْقَمَرُ کرتا ہے نماز کسوف کا سبب کسوف یعنی سورج کا گہن ہونا ہے اور اس کی شرطیں وہی ہیں جو دوسری نمازوں کی ہیں۔ نماز کسوف کے مشروع ہونے پر پوری امت کا اجماع ہے کسی نے اس کا انکار نہیں کیا۔

سورج گرہن کی نماز کا طریقہ

قال اذا انكسفت الشمس صلى الامام بالناس ركعتين كهية النافلة في كل ركعة ركوع واحد وقال الشافعي ركوعان له ماروت عائشة ولنا رواية ابن عمر والحال اكشف على الرجال لقربهم فكان الترجيح لرواية

ترجمہ..... جب سورج گہن ہو تو امام لوگوں کو نفل کی طرح دو رکعت نماز پڑھائے ہر رکعت میں ایک رکوع ہے اور امام شافعی نے کہا کہ دو رکوع ہیں۔ امام شافعی کی دلیل وہ حدیث ہے جو ام المؤمنین حضرت عائشہ نے روایت فرمائی ہے اور ہماری دلیل عبداللہ بن عمرو بن العاص کی روایت ہے اور نماز کا حال مردوں پر زیادہ واضح ہے کیونکہ وہ قریب ہوتے ہیں پس ترجیح عبداللہ بن عمرو بن العاص کی روایت کو ہوئی۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ اگر سورج گہن ہو گیا تو امام جمعہ جامع مسجد یا عید گاہ میں لوگوں کو نفل کے مانند دو رکعت نماز پڑھائے یعنی جس طرح نفل بلا اذان و اقامت ہوتا ہے اسی طرح بلا اذان اقامت نماز کسوف ادا کی جائے گی ایک رکعت میں ایک رکوع ہے۔ اور امام مالک و امام شافعی اور امام احمد نے فرمایا ہے کہ نماز کسوف کی ایک رکعت میں دو رکوع ہیں۔ ان کی دلیل حضرت عائشہ کی حدیث ہے الفاظ حدیث اس طرح ہیں قالت خسفت الشمس في حياة رسول الله صلى الله عليه وسلم فخرج الى المسجد فقام و صف الناس دراه فكبى فقرأ قراءة طويلة ثم كبر فركع ركوعاً طويلاً ثم رفع رأسه فقال سمع الله لمن حمده ربنا ولك الحمد ثم قام فقرأ قراءة طويلة هي ادنى من القراءة الاولى ثم كبر فركع ركوعاً طويلاً ثم رفع رأسه فقال سمع الله لمن حمده ربنا ولك الحمد ثم سجدت وانجلت الشمس قبل ان ينصرف ثم قام مخطب الناس فافنى على الله بما هو اهله ثم قال ان الشمس والقمر آيتان من آيات الله تعالى لا ينخسفان لموت احد ولا لحياته فاذا رآه يتم ذلك فافزعوا الى الصلوة يعني عائشہ صدیقہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کی حیات میں ایک بار سورج گہن ہو گیا تو آپ مسجد تشریف لے گئے اور کھڑے ہو کر اپنے پیچھے لوگوں کی صف بندی فرمائی پھر تکبیر تحریمہ کہہ کر طویل قرأت فرمائی پھر تکبیر کہہ کر طویل رکوع کیا پھر اپنا سر رکوع سے اٹھایا اور سمع الله لمن حمده ربنا ولك الحمد کہا پھر آپ کھڑے ہو گئے اور ایک طویل قرأت کی لیکن یہ قرأت قرأت اولی سے کم تھی پھر تکبیر کہہ کر ایک طویل رکوع کیا لیکن یہ رکوع پہلے

ترجمہ اور دونوں رکعتوں میں قرأت کو دراز کرنے اور ابوحنیفہ کے نزدیک اخفاء کرے اور صاحبین نے کہا ہے کہ جہر کرے اور امام محمد سے ابوحنیفہ کے قول کے مثل ہے۔ بہر حال قرأت میں طول دینا تو فضیلت کا بیان ہے اور اگر چاہے تو قرأت میں تخفیف کرے کیونکہ مسنون تو وقت کسوف کو نماز اور دعا کے ساتھ گھیرنا ہے پس جب ان دونوں میں ایک کو ہلکا کیا تو دوسرے کو طول دے دیئے رہا اخفاء اور جہر تو صاحبین کی دلیل ابن عباس اور سمرہ بن جندب کی روایت ہے اور ترجیح پہلے گزر چکی ہے کیونکہ اخفاء متعین نہ ہوگا حالانکہ نماز کسوف دن کی نماز ہے اور دن کی نماز عجماً بلا قرأت مسومعہ کے ہوتی ہے۔

تشریح مسئلہ یہ ہے کہ نماز کسوف کی دونوں رکعتوں میں طویل قرأت کرنے چنانچہ بعض احادیث میں اول رکعت بقدر سورہ بقرہ اور دوسری رکعت بقدر آل عمران ہاں اس میں اختلاف ہے کہ قرأت جہری کرے یا سری چنانچہ حضرت امام صاحب نے فرمایا کہ نماز کسوف میں سری قرأت کرے اسی کے قائل امام مالک امام شافعی اور جمہور فقہاء ہیں۔ اور صاحبین نے فرمایا کہ جہری کرے یہی قول امام احمد کا ہے اسی کو امام طحاوی نے اختیار کیا ہے صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ امام محمد سے ایک روایت امام ابوحنیفہ کے مانند ہے اس صورت میں طرفین اخفاء اور سری قرأت کے قائل ہوں گے اور ابو یوسف جہری قرأت کے قائل ہوں گے حاصل یہ کہ یہاں دو باتیں ہیں قرأت میں طول دینا اور قرأت میں جہر یا اخفاء کرنا سو قرأت کو طویل دینا تو افضل ہے کیونکہ یہ ثابت ہی کہ رکعت اولیٰ میں رسول اللہ کا قیام بقدر بقرہ اور رکعت ثانیہ میں بقدر آل عمران ہوتا تھا پس قرأت کو طویل دینے میں رسول اکرم ﷺ کی متابعت ہے اور جی چاہے تو قرأت میں تخفیف کرے یعنی قرأت مختصر کرے کیونکہ مسنون تو یہ ہے کہ گہن کا وقت نماز اور دعا میں گھر جائے لہذا اگر ایک کو تخفیف کرے تو دوسرے کو طویل دینے علامہ ابن الہمام نے فرمایا ہے والحق ان السنة التطویل فالمندوب مجرد استیعاب الوقت یعنی حق یہ ہے کہ قرأت کو طول دینا مسنون ہے اور وقت کسوف کا استیعاب کرنا مستحب ہے جیسا کہ حدیث مغیرہ بن شعبہ میں ہے فاذا رايتمو هافساد عو اللہ وصلو احتی تنجلی (صحیحین) پھر جب تم ان چیزوں کو دیکھو (کسوف وغیرہ کو) تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرو اور نماز پڑھو یہاں تک کہ وہ روشن ہو جائے دیکھئے سورج روشن ہونے تک نماز کو طویل دینے کا حکم کیا گیا ہے اور اسی وقت ہو کہ قرأت کو طویل دیا جائے پس معلوم ہوا کہ قرأت کو طویل دینا مسنون ہے۔

قرأت کے جہری ہونے پر صاحبین یا فقہاء امام ابوحنیفہ سے دلیل حدیث عائشہ ہے قالت جهر النبي صلى الله عليه وسلم في صلوة الكسوف بقراءته (صحیحین) عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ رسول اکرم ﷺ نے نماز کسوف میں بالجہر قرأت کی ہے امام ابوحنیفہ یا طرفین کی دلیل ابن عباس اور سمرہ بن جندب کی حدیث ہے۔ ابن عباس کی حدیث کے الفاظ تو یہ ہیں عن ابن عباس صليت مع النبي صلى الله عليه وسلم الكسوف فلم اسمع منه حرفاً من القراءة یعنی ابن عباس نے کہا کہ میں نے نبی علیہ السلام کے ساتھ کسوف کی نماز پڑھی ہے لیکن میں نے آپ کی قرأت سے کوئی حرف نہیں سنا اسی کے ہم معنی سمرہ بن جندب کی حدیث ہے صلی بنافی کسوف الشمس لانسمع به صوتاً یعنی ہم کو کسوف شمس کی حالت میں نماز پڑھائی اور ہم نے آپ کی آواز نہیں سنی۔ صاحب ہدایہ نے قرأت کے جہری اور سری ہونے میں تعارض حدیث کو اس طرح دور کیا ہے کہ ابن عباس اور سمرہ بن جندب کی روایت کو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت پر ترجیح دی ہے اور وجہ ترجیح یہ ہے کہ نماز کے اندر مرد چونکہ امام سے قریب ہوتے ہیں اس لئے عورتوں کی بہ نسبت ان کا حال زیادہ واضح ہوگا اور امام کی کیفیت نماز اور قرأت کے بالجہر اور بلاخلف ہونے میں مردوں کا ہی قول

رائج ہوگا صاحب ہدایہ امام صاحب کے مذہب کو مضبوط کرنے کے لئے زوردار الفاظ فرماتے ہیں کہ نماز کسوف میں اخفاء قرأت کیسے نہیں ہوگا حالانکہ نماز کسوف دن کی نماز اور دن کی نمازوں کے بارے میں رحمت دو عالم ﷺ نے فرمایا ہے صلوة النہار عجماء یعنی دن کی نماز گوئی ہے مراد یہ ہے کہ دن کی نمازوں میں قرأت آہستہ کی جاتی ہے نہ کہ باواز بلند۔

نماز کے بعد دعا کا حکم

ویدعو بعدها حتی تنجلي الشمس لقوله ﷺ اذا رائتم من هذه الافراع شيئا فارغبوا الى الله بالدعاء والسنة في الادعية تاخيرها عن الصلوة

ترجمہ اور نماز کے بعد دعا کرے یہاں تک کہ آفتاب روشن ہو جائے کیونکہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب تم ان گھبراہٹ والی چیزوں میں سے کچھ دیکھو تو دعا کے ساتھ اللہ کی طرف رغبت کرو۔ اور دعاؤں میں سنت یہ ہے کہ نماز کے بعد ہو۔

تشریح فرمایا ہے کہ نماز کسوف کے بعد آفتاب روشن ہونے تک دعا کی جائے دعا قبلہ رخ بیٹھ کر کرے یا کھڑے ہو کر کرے خواہ لوگوں کی طرف منہ کر کے دعا کرے اور لوگ قبلہ رخ بیٹھیں اور امام کی دعا پر آمین کہتے رہیں۔ دلیل حضور ﷺ کا یہ قول ہے اذا رايتم من هذا الافراع شيئا فارغبوا الى الله بالدعاء صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ دعاؤں میں مسنون یہ ہے کہ نماز کے بعد ہو۔ ابو امامہ سے مروی ہے قيل يا رسول الله اى الدعاء اسمع قال جوف الليل الاخير ودبر الصلوة المكتوبة آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ کون سی دعا زیادہ مقبول ہے فرمایا کہ آخری رات کا درمیانی حصہ اور فرض نماز کے بعد اس حدیث سے فقط فرض نماز کے بعد دعا کا مسنون ہونا معلوم ہوا۔ اس کے علاوہ مغیرہ بن شعبہ نے کہا کہ حضور ﷺ نماز کے بعد دعا کرتے تھے۔ (بخاری فی التاريخ الاوسط)

امام جمعہ صلوة الكسوف کی امامت کرے

و یصلی بهم الامام الذی یصلی بهم الجمعة و ان لم یحضر صلی الناس فرادی تحوزا عن الفتنة

ترجمہ اور نماز کسوف لوگوں کو وہ امام پڑھائے جو ان کو جمعہ پڑھاتا ہے اور اگر امام حاضر نہ ہو تو لوگ تنہا نماز پڑھیں تاکہ فتنہ پیدا ہونے سے بچا رہے۔

تشریح مسئلہ یہ ہے کہ نماز کسوف میں اس کو امام مقرر کیا جائے جو لوگوں کو جمعہ اور عیدین کی نماز پڑھاتا ہے اور اگر امام جمعہ موجود نہ ہو تو لوگ تنہا نماز ادا کریں کیونکہ اس میں فتنہ کا امکان نہیں ہے اور جماعت کی صورت میں فتنہ کا غالب امکان ہے بایں طور کہ ہر شخص امام بننے کی کوشش کرے گا یا اپنی حسب منشاء امام کو آگے بڑھائے گا۔ اس خلفشار سے بہتر یہی ہے کہ فرادی فرادی نماز کسوف ادا کریں۔

چاند گرہن میں جماعت کا حکم

ولیس فی خسوف القمر جماعة لتعذر الاجتماع فی الليل أو لخوف الفتنة وانما یصلی کل واحد بنفسه لقوله ﷺ اذا رايتم شيئا من هذه الالهوال فافرعوا الى الصلوة و لیس فی الكسوف خطبة لانه لم ینقل

ترجمہ اور چاند کے گہن میں جماعت نہیں ہے یا تو اس وجہ سے کہ رات میں لوگوں کا جمع ہونا مستعذر ہے یا اس وجہ سے کہ فتنہ کا خوف ہے اور ہر آدمی بذات خود اپنی نماز پڑھے گا۔ کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب تم ان ہولناک چیزوں میں سے کچھ دیکھو تو گھبرا کر نماز کی طرف جاؤ اور کسوف میں خطبہ نہیں ہے کیونکہ خطبہ پڑھنا منقول نہیں ہوا۔

تشریح مسئلہ چاند گہن کی صورت میں اگر نماز پڑھائی تو اس میں جماعت نہیں ہے یا تو اس لئے کہ رات میں لوگوں کا اکٹھا ہونا مستعذر ہے یا اس وجہ سے کہ رات میں فتنہ کا خوف ہے پس ہر آدمی بذات خود اکیلا اکیلا نماز پڑھے دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول اذا رأیتم شینا من ہذہ الاہوال فافز عو الی الصلوٰۃ ہے وجہ استدلال یہ ہے کہ حدیث میں جماعت کی تصریح نہیں کی گئی ہے اور اصل عدم جماعت ہے اس لئے کہا گیا ہے کہ خسوف قمر میں جماعت نہیں ہے یہاں ایک سوال ہے وہ یہ کہ فافز عو الی الصلوٰۃ امر کا صیغہ ہے اور امر وجوب کے لئے آتا ہے اس لئے مناسب ہوگا کہ نماز کسوف کو واجب قرار دیا جائے جو اب چونکہ نماز کسوف شعائر اسلام میں سے نہیں ہے بلکہ عارض کسوف کی وجہ سے ہے اس لئے نماز کسوف واجب نہ ہوگی لیکن چونکہ مدنی آقا ﷺ نے پڑھی ہے اس لئے مسنون ہوگی اور حدیث کے اندر امر کا صیغہ مذکور ہے نہ کہ وجوب کے لئے۔

امام ابو الحسن قدوری نے کہا کہ کسوف اور خسوف کی نماز میں خطبہ نہیں ہے امام شافعیؒ نے فرمایا ہے کہ سلام کے بعد عیدین کی طرح دو خطبہ ہیں اور دلیل میں حدیث عائشہؓ کو پیش کیا انہا قالت کسفت الشمس علی عہد رسول اللہ ﷺ فصلی ثم خطب فحمد اللہ واثنی علیہ ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ خطبہ دو باتوں میں سے ایک کے لئے مشروع کیا گیا ہے یا تو خطبہ جواز صلوٰۃ کی شرط ہے جیسے نماز جمعہ میں ہے یا تعلیم احکام کے لئے ہے جیسے عیدین کی نماز میں ہے نماز کسوف کے اندر دونوں باتوں میں سے کوئی نہیں ہے اس لئے نماز کسوف کے لئے خطبہ مشروع نہ ہوگا اور حدیث عائشہؓ کا جواب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں کسوف آفتاب سے لوگوں کو یہ وہم ہو گیا تھا کہ یہ حادثہ صاحبزادہ و محترم حضرت ابراہیم کے سانحہ ارتحال کی وجہ سے پیش آیا ہے پس نماز کسوف کے بعد خطبہ کے ذریعہ آپ ﷺ نے اس وہم کا ازالہ فرمایا اور کہا ان الشمس والقمر آیتان من آیات اللہ تعالیٰ لاینکسفان لموت احد ولا لحیاتہ یعنی چاند اور سورج اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں یہ کسی کے مرنے اور جینے سے گہن نہیں ہوتے۔

صاحب کفایہ نے کہا ہے کہ حضرت عائشہؓ کے قول خطب کے معنی دعا کے ہیں۔ کیونکہ دعا کو بھی خطبہ کہا جاتا ہے صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ بطریق شہرت حدیث خطبہ منقول نہیں ہے اس لئے حدیث عائشہؓ قابل استدلال نہ ہوگی جمیل عفتی عنہ۔

باب الاستسقاء

ترجمہ (یہ) باب استسقاء (کے احکام میں) ہے

تشریح مصنف نے باب صلوٰۃ الاستسقاء نہیں کہا ہے جیسا کہ گذشتہ ابواب میں مصنف کی عادت رہی ہے وجہ یہ ہے کہ امام صاحب کے نزدیک اس میں نماز مسنون نہیں ہے اس لئے عنوان میں صلوٰۃ کا لفظ ذکر نہیں کیا۔ استسقاء سیرابی چاہنا واضح ہوا کہ استسقاء ایسے مقام پر ہوتا ہے جہاں دریا جھیل اور چشمہ وغیرہ نہ ہوں جن سے خود پانی پییں اور اپنے جانوروں کو پلائیں یا یہ چیزیں ہوں مگر ان کی ضرورت کو کافی نہ ہوں۔ اور اگر یہ چیزیں کافی نہ ہوں تو لوگ استسقاء کے لئے نہیں نکلیں گے۔ کیونکہ استسقاء شدت ضرورت کے وقت ہی ہوتا ہے۔

استسقاء کا ارادہ ہو تو مستحب یہ ہے کہ امام ان کو تین روزہ تک روزہ رکھنے اور توبہ کرنے کا حکم کرے پھر چوتھے روز ان کو لے کر نکلے۔

نماز استسقاء کی جماعت کا حکم

قال ابو حنیفۃؒ لیس فی الاستسقاء صلوة مسنونة فی جماعة فان صلی الناس وخذ اناجاز و انما الاستسقاء الدعاء والاستغفار لقوله تعالیٰ فقلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا الْاِیة ورسول اللہ ﷺ استسقی ولم ترز عنه الصلوة

ترجمہ امام ابو حنیفہؒ نے کہا ہے کہ استسقاء میں جماعت کے ساتھ کوئی نماز مسنون نہیں ہے پھر اگر لوگوں نے اکیلے اکیلے نماز پڑھی تو جائز ہے اور استسقاء تو فقط دعا اور استغفار ہے کیونکہ باری تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں نے کہا کہ تم رب سے مغفرت مانگو وہ تو غفار ہے اور اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے استسقاء کیا حالانکہ آپ سے نماز مروی نہیں ہے۔

تشریح اس بارے میں اختلاف ہے کہ استسقاء کیا چیز ہے صاحب قدوری نے کہا کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک استسقاء فقط دعا اور استغفار کا نام ہے استسقاء میں جماعت کے ساتھ کوئی نماز مسنون نہیں ہے ہاں اگر تنہا تنہا نماز پڑھ لی جائے تو جائز ہے۔ دلیل باری تعالیٰ کا قول فقلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ انہ کان عفوارا یرسل السماء علیکم مدرارا ہے ترجمہ تو میں نے کہا کہ اپنے رب سے معافی مانگو بے شک وہ بڑا بخشنے والا ہے تم پر بھیج دیگا آسمان سے موسلا دھار بارش جب استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بارش کا ترنا استغفار پر معلق کیا ہے نہ کہ نماز پڑھیں معلوم ہوا کہ استسقاء (سیرابی چاہئے) میں اصل دعا اور استغفار ہے دوسری دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے استسقاء کیا ہے مگر آپ ﷺ سے نماز مروی نہیں ہے چنانچہ بخاری اور مسلم میں حدیث انسؓ ہے ان رجلا دخل المسجد فی یوم الجمعة ورسول اللہ ﷺ قائم یخطب فقال یا رسول اللہ هلکت الاموال وانقطعت السب فادع اللہ یغیثنا فقال فرفع رسول اللہ صلے علیہ وسلم یدیدہ ثم قال اللهم اغثنا اللهم اغثنا (شرح نقایہ) یعنی ایک شخص جمعہ کے روز مسجد میں داخل ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر خطبہ پڑھتے تھے اس نے کہا کہ اے اللہ کے رسول مال ہلاک ہو گیا اور راستے بند ہو گئے آپ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ ہم کو باران رحمت عطا فرمائے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر فرمایا۔ اللهم اغثنا، اللهم اغثنا اس روایت سے بھی استسقاء میں دعا کا ثبوت ملتا ہے نہ کہ نماز کا نیز یہ بھی ثابت ہے کہ حضرت عمرؓ نے استسقاء کیا مگر نماز نہیں پڑھی۔

صاحبین کا نقطہ نظر

وقالا یصلی الامام رکعتین لماروی النبی ﷺ صلی فیہ رکعتین کصلوة العید رواہ ابن عباس قلنا فعلہ مرة وترکہ اخری فلم یکن سنة وقد ذکر فی الاصل قول محمد وحده

ترجمہ اور صاحبین نے کہا ہے کہ امام دو رکعت پڑھے کیونکہ مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے استسقاء میں میدی طاعت دو رکعت پڑھی ہیں۔ اس کو ابن عباسؓ نے روایت کیا ہے ہم کہتے ہیں کہ کبھی کیا اور کبھی چھوڑا تو نماز پڑھنا سنت نہ ہوا۔ اور مسودہ میں فقہاء

مذکورہ ہے۔

شرح استسقاء میں صاحبین کا مذہب یہ ہے کہ امام لوگوں کو دو رکعت پڑھائے یہی قول امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کا ہے۔
 ابن عباس کا قول ہے خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم متبذلاً متواضعاً متضرعاً حتی اتی المصلی فلم یخطب خطبتکم هذه ولكن لم یزل فی الدعاء والتضرع والتکبیر و صلی رکعتین کما یصلی فی العیدین (رواہ اصحاب السنن) یعنی رسول اللہ انتہائی عاجزی اور انکساری کے ساتھ نکل کر عید گاہ تشریف لے گئے لیکن آپ نے خطبہ نہیں پڑھا اور برابر دعا اور گریہ وزاری میں لگے رہے اور آپ نے دو رکعت نماز پڑھی جیسا کہ عیدین میں پڑھی جاتی ہے دوسری روایت عبد اللہ بن زید بن عاصم کی ہے ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خرج بالناس یتسقی بہم فصلی بہم رکعتین وحول رداءہ و رفع یدیه فدعا واستسقی واستقبل القبلة (متفق علیہ) یعنی رسول اللہ لوگوں کو لے کر استسقاء کے لئے نکلے پھر ان کو دو رکعت پڑھائی اور اپنی چادر کوالٹ دیا۔ اور دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کی اور استسقاء کیا اور استقبال قبلہ کیا۔ ان دونوں روایتوں سے استسقاء کے لئے نماز پڑھنا ثابت ہوتا ہے۔ ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ آپ نے استسقاء میں کبھی نماز پڑھی ہے اور کبھی اس کو ترک کر دیا ہے۔ اس لئے اس سے نماز استسقاء کا جواز تو ثابت ہو سکتا ہے لیکن مسنون ہونا ثابت نہ ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ جواز کا ہم بھی انکار نہیں کرتے بلکہ کلام نماز استسقاء کے مسنون ہونے اور نہ ہونے میں ہے۔ اور سنت وہ ہے جس پر نبی کریم ﷺ نے بیشکلی فرمائی ہو۔ سوال: اس جگہ مصنف کی عبارت پر یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ مصنف نے پہلے کہا لم تسرو عنہ الصلوٰۃ اور پھر فرمایا لماروی اظاہر ہے کہ ان دونوں عبارتوں میں تناقض ہے۔ جواب: حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے استسقاء میں نماز کی روایت چونکہ شاذ اور نادر ہے اس لئے النادر کا لمعدوم کے قاعدہ سے اس مروی کو بھی غیر مروی قرار دیا ہے پس اب کوئی تعارض نہ ہوگا۔ صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ استسقاء میں نماز کا مسنون ہونا فقط امام محمد کا قول ہے اور امام ابو یوسف امام صاحب کے ساتھ ہیں اسی طرح مبسوط میں ذکر کیا گیا ہے۔

جہر اقرأت کا حکم

ويجهر فيهما بالقرأة اعتباراً بصلوة العيد ثم يخطب لماروی ان النبی ﷺ خطب ثم ہی كخطبة العيد عند محمد وعند ابی یوسف خطبة واحدة

ترجمہ اور صاحبین نے کہا کہ دونوں رکعت میں جہر سے قرأت کرے عید کی نماز پر قیاس کرتے ہوئے پھر خطبہ پڑھے کیونکہ روایت ہے کہ اللہ کے نبی علیہ السلام نے خطبہ پڑھا ہے پھر یہ خطبہ عید کے خطبہ کے مانند ہے۔ امام محمد کے نزدیک اور ابو یوسف کے نزدیک ایک ہی خطبہ ہے۔

شرح صاحبین نے کہا کہ نماز عید کی طرح استسقاء کی دونوں رکعتوں میں قرأت بالجہر کرے پھر خطبہ پڑھے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ سے خطبہ پڑھنا ثابت ہوا ہے لیکن امام محمد کے نزدیک عید کی طرح دو خطبہ ہیں دونوں کے درمیان بیٹھ کر فصل کرے۔ اور امام ابو یوسف کے نزدیک ایک ہی خطبہ ہے زمین پر کھڑے ہو کر لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر پڑھے۔

نماز استسقاء میں خطبہ کا حکم

ولاخطبة عند ابي حنيفة لانها تبع للجماعة ولاجماعة عنده

ترجمہ اور ابوحنیفہ کے نزدیک خطبہ نہیں ہے کیونکہ خطبہ جماعت کے تابع ہے اور امام صاحب کے نزدیک جماعت نہیں ہے۔
تشریح عبارت واضح اور ناقابل تشریح ہے۔

قبلہ رخ ہو کر دعا کرنے کا حکم

ويستقبل القبلة بالدعاء لما روى انه صلى الله عليه وسلم استقبال القبلة و حول رداءه و يقبل رداءه و روينا قال
هكذا قول محمد اما عند ابي حنيفة فلا يقبل رداءه لانه دعاء فيعتبر بسائر الادعية وما رواه كان تفاعلا
ولا يقبل القوم ارديتهم لانه لم ينقل انه امرهم بذلك ولا يحضر اهل الذمة الاستسقاء لانه لاستئصال
الرحمة وانما تنزل عليهم اللعنة

ترجمہ اور دعا کیساتھ قبلہ کی طرف متوجہ ہو کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے قبلہ کا استقبال کیا اور اپنی
چادر کو الٹ دی اور منقلب کر کے اپنی چادر کو اس حدیث کی وجہ سے جو ہم نے روایت کی ہے مصنف نے کہا ہے کہ یہ امام محمد کا قول ہے
امام ابوحنیفہ کے نزدیک تو وہ قلب روائیں کرے گا کیونکہ یہ دعا ہے لہذا اس کو باقی دعاؤں پر قیاس کیا جائے گا۔ اور جس کو روایت کیا وہ بطور
قال نیک کے تھا اور قوم اپنی چادریں منقلب نہ کریں کیونکہ یہ منقول نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو اس کا حکم کیا ہے اور
استسقاء میں ذمی لوگ حاضر نہ ہوں کیونکہ استسقاء تو نزول رحمت کو طلب کرنے کی دعا ہے اور ذمیوں پر لعنت اتاری جاتی ہے۔

تشریح استسقاء کی دعا میں مستحب طریقہ یہ ہے کہ قبلہ کی طرف رخ کرے کیونکہ حضور ﷺ سے دعا میں استقبال قبلہ اور تحویل مروی
ہے صاحب قدوری نے کہا کہ اپنی چادر الٹ دے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ رداء اگر چکور ہے تو اوپر کا حصہ نیچے کر دے اور نیچے کا حصہ اوپر
کر دے اور اگر مدروہ ہے جیسے صبح تو دایاں حصہ بائیں طرف کر دے اور بائیں حصہ دائیں طرف کر دے اور بائیں حصہ دایاں حصہ کی طرف
کر دے قلب رداء پر دلیل مذکورہ الصدر روایت ہے صاحب ہدایہ کہتے ہیں قلب رداء کا حکم امام محمد کا مذہب ہی اسی کے قائل امام مالک،
امام شافعی اور امام احمد ہیں رہا امام ابوحنیفہ کا مذہب تو ان کے نزدیک قلب رداء نہ کرے یہی امام ابو یوسف کا مذہب ہے۔ امام ابوحنیفہ کی
دلیل یہ ہے کہ دعا ہے لہذا اس کو دوسری دعاؤں پر قیاس کیا جائے گا اور ان میں قلب رداء نہیں ہے اس لئے دعا استسقاء میں بھی قلب رداء
نہ ہوگا۔ اور اس روایت کا جواب جس میں تحویل رداء مروی ہے یہ ہے کہ یہ تفاعلا تھا یا یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعہ آسمان کے
حال کا متغیر ہونا قلب رداء کے وقت معلوم ہو گیا ہوگا اس لئے آپ نے قلب رداء فرمایا ہے۔

صاحب قدوری نے کہا ہے کہ لوگ اپنی چادروں کا قلب نہ کریں کیونکہ آنحضرت ﷺ نے قلب رداء فرمایا تو لوگوں نے بھی آپ کو
دیکھ کر قلب رداء فرمایا تھا اور آپ ﷺ نے

یہ انکار نہیں فرمایا اس لئے ثابت ہو کہ لوگ قلب ردا کریں جو اب اس موقع پر لوگوں کا قلب ردا کرنا ایسا تھا جیسا کہ حضور ﷺ کو نماز میں ہوتے نکالتے دیکھ کر صحابہ نے اپنے جوتے اتار دیئے تھے تو وہاں جوتے اتارنا حجت نہیں تھا پس اسی طرح یہاں بھی قلب ردا حجت نہ ہوگا اور آپ نے انکار اس لئے نہیں فرمایا کہ قلب ردا بالاتفاق حرام نہیں ہے بلکہ کلام اس کے مستنون ہونے میں ہے۔

صاحب تہذیب نے کہا ہے کہ استتقاء میں ذمی لوگ حاضر نہ ہوں کیونکہ مسلمانوں کا نکلنا نزول رحمت کی دعا کے لئے ہے اور انفار بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَمَا دُعَاءُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ یعنی کفار کی دعائیں اور خسراں ہے۔ امام مالک امام شافعی اور امام احمد نے فرمایا ہے کہ ذمیوں کو استتقاء کے واسطے نکلنے کا حکم نہ دیا جائے اور اگر وہ از خود نکلیں تو منع بھی نہ کیا جائے لیکن یہ بات نظر رکھی جائے کہ ذمی لوگ کسی ایک تن تنہا نہ نکلیں بلکہ جب وہ نکلیں تو کچھ مسلمان ان کے ساتھ ضرور نکلیں کیونکہ استتقاء کے ذریعہ طلب حق مقصود ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ مومن اور کافر سب کو رزق دیتا ہے پس اگر کفار کسی دن تنہا نکلیں اور بارگاہ ایزدی میں دعا کی اور اتفاق سے باروز بارش ہوگئی تو بڑا فتنہ برپا ہوگا۔ واللہ اعلم بحمیل احمد غنی عنہ۔

باب صلوة الخوف

ترجمہ یہ باب نماز خوف کے بیان میں ہے۔

شرح استتقاء اور خوف کی نماز کے درمیان مناسبت یہ ہے کہ دونوں کی مشروعیت عارض خوف کی وجہ سے ہے مگر اتنا فرق ہی کہ استتقاء میں عارض یعنی بارش کا منقطع ہو جانا سماوی اور غیر اختیاری ہے اور نماز خوف میں عارض اختیاری ہے یعنی جہاد جس کا سبب کافر کا تر اور ظالم کا ظلم ہے پس چونکہ غیر اختیاری چیز اقوی ہوتی ہے اس لئے استتقاء کو مقدم کیا گیا۔

صلوة الخوف پڑھنے کا طریقہ

اشتد الخوف جعل الامام الناس طائفتين طائفة على وجه العدود و طائفة خلفه فيصلى بهذة الطائفة ركعة سجدين فاذا رفع رأسه من السجدة الثانية مضت هذة الطائفة الى وجه العدو وجاءت تلك الطائفة صلى بهم الامام ركعة وسجدين و تشهد وسلم ولم يسلموا و ذهبوا الى وجه العدو وجاءت الطائفة الى فصلوا ركعة وسجدين و حدانا بغير قراءة لانهم لاحقون و تشهد و اسلموا و مضوا الى وجه العدو وجاءت الطائفة الاخرى و صلوا ركعة وسجدين بقراءة لانهم مسبقون و تشهدوا و اسلموا و الاصل فيه رواية ابن مسعود ان النبي عليه السلام صلى صلوة الخوف على الصفة التي قلنا و ابو يوسف وان انكر بعينها في زماننا فهو محجوج عليه بما روينا

ترجمہ جب خوف بڑھ جائے تو امام لوگوں کو دو گروہ کر دے ایک گروہ کو دشمن کے سامنے چھوڑے اور ایک گروہ کو اپنے پیچھے کرے۔ ہاں گروہ کو ایک رکعت اور دو سجدے نماز پڑھائے۔ پس جب اس نے دوسرے سجدے سے اپنا سر اٹھالیا تو یہ گروہ دشمن کے مقابلہ پر چلائے اور وہ گروہ آئے پس امام ان کو ایک رکعت اور دو سجدے پڑھائے اور تشهد۔ پڑھ کر سلام پھیر دے اور اس گروہ کے لوگ سلام نہ پڑھیں (بلکہ اسی حالت میں) دشمن کے روبرو چلے جائیں اور پہلا گروہ آجائے۔ اس گروہ کے لوگ ایک رکعت اور دو سجدے پڑھیں۔

قرأت پڑھیں۔ کیونکہ یہ لوگ لاحق ہیں اور تشہد پڑھ کر سلام پھیر کر دشمن کے مقابلے میں چلے جائیں اور دوسرا گروہ آئے اور یک رکعت اور دو سجدے قرأت کے ساتھ پڑھیں۔ کیونکہ یہ لوگ مسبوق ہیں۔ اور تشہد پڑھ کر سلام پھیر دیں۔ اور اصل اس میں عبد اللہ بن مسعودؓ روایت ہے کہ حضور ﷺ نے نماز خوف کو اسی صفت پر پڑھا جو ہم نے بیان کی ہے اور ابو یوسفؒ نے اگرچہ ہمارے زمانے میں مسنونہ کی مشروعیت سے انکار کیا ہے مگر ابو یوسفؒ پر حجت ان روایات سے قائم ہے جو ہم نے روایت کیں۔

تشریح..... قدوری کی عبارت اذا اشتد الخوف سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ نماز خوف کے جواز کے لئے اشتداد خوف شرط ہے حالانکہ عامۃ المشائخ کے نزدیک اشتداد خوف شرط نہیں ہے بلکہ صلوة خوف کے جواز کے لئے دشمن کا نفس قرب کافی ہے اسی وجہ سے مہبوط میں کہا گیا کہ بعض لوگوں کے نزدیک خوف سے حقیقتہً خوف مراد نہیں ہے بلکہ دشمن کا حاضر ہونا مراد ہے پس دشمن کا موجود ہونا خوف کے قائم مقام ہے جیسے نفس سفر مشقت کے قائم مقام ہو کر رخصت صلوة اور رخصت افطار وغیرہ کا سبب ہے نماز خوف کا طریقہ یہ ہے کہ امام وقت لوگوں کو دو گروہوں میں تقسیم کر دے ایک گروہ کو دشمن کے روبرو کھڑا کر دے اور ایک گروہ کو ایک رکعت پڑھائے۔ پس جب امام نے اس رکعت کے دوسرے سجدے سے سر اٹھالیا تو یہ گروہ پیدل چل کر دشمن کے مقابلہ پر چلا جائے۔ اور وہ گروہ جو دشمن کے روبرو تھا وہ امام کے پیچھے کھڑا ہو جائے، امام ان کو ایک رکعت پڑھا کر سلام پھیر دے لیکن یہ لوگ سلام نہ پھیریں بلکہ دشمن کے مقابلہ پر چلے جائیں، اب پہلا گروہ آ کر تنہا تنہا اپنی ایک رکعت پڑھ لیں۔ یہ رکعت بغیر قرأت کے ہوئی، کیونکہ یہ لوگ تحریمہ سے امام کے ساتھ شریک ہونے کی وجہ سے لاحق ہیں اور لاحق پر قرأت نہیں ہے اس گروہ کی نماز پوری ہو گئی ہے۔ لہذا یہ گروہ سلام پھیر کر دشمن کے مقابلہ پر چلا جائے اور دوسرا گروہ وہ اپنی ایک رکعت پوری کر کے سلام پھیر دے۔ ان کی یہ رکعت قرأت کے ساتھ ہے کیونکہ یہ لوگ پہلی رکعت میں امام کے ساتھ شریک نہ ہونے کی وجہ سے مسبوق ہیں اور مسبوق پر قرأت کرنا واجب ہوتا ہے اس لئے یہ لوگ قرأت کریں گے، صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ صلوة خوف کے اندر اصل عبد اللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے الفاظ حدیث یہیں۔

عن ابن مسعودؓ صلی رسول اللہ ﷺ صلوة الخوف فقاموا صفا خلفة و صفا مستقبل العدو و فصلی بہم
رکعة ثم جاء الآخرون فقاموا فی مقامہم و استقبال ہؤلاء العدو و فصلی بہم ﷺ رکعة ثم سلم فقام
ہؤلاء العدو و فصلوا لانفسہم رکعة و سلموا، ثم ذہبوا، فقاموا مقام اولئک مستقبلی العدو، و رجع
اولئک الی مقامہم فصلوا لانفسہم رکعة ثم سلموا

ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز خوف پڑھی پس ایک گروہ آپ کے پیچھے کھڑا ہوا اور ایک دشمن کے مقابلہ میں، آپ ﷺ نے ان کو ایک رکعت پڑھائی۔ پھر دوسرا گروہ ان کی جگہ آ کر کھڑا ہو گیا، اور یہ دشمن کے مقابلے پر چلے گئے، آپ ﷺ نے ان کو بھی ایک رکعت پڑھائی پھر آپ ﷺ نے سلام پھیر دیا، پھر ان لوگوں نے خود ایک رکعت پڑھ کر سلام پھیر دیا، اور جا کر ان کی جگہ دشمن کے مقابلہ میں کھڑے ہو گئے اور وہ ان کی جگہ آئے، اور تنہا تنہا ایک رکعت پڑھ کر سلام پھیر دیا۔

صاحب عنایہ نے تحریر فرمایا ہے کہ اس طرح نماز خوف کی اجازت اس وقت ہے جب کہ ایک امام ہو، اس کے علاوہ کے پیچھے لوگ نماز پڑھنے کو تیار نہ ہوں لیکن اگر چند امام ہیں اور ان پر کسی کو اختلاف بھی نہیں ہے تو افضل یہ ہے کہ ایک امام ایک گروہ کو پوری نماز پڑھا دے، اور ان کو دشمن کے مقابلہ میں بھیج دے اور دوسرا گروہ جو دشمن کے مقابلہ پر تھا ان میں سے ایک شخص کو حکم دے کہ وہ ان کو

پوری نماز پڑھائے۔

کیا حضور کے وصال کے بعد صلوة خوف مشروع ہے

بقول صاحب ہدایہ کے حضرت امام ابو یوسفؒ نے رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد نماز خوف کی مشروعیت کا انکار کیا ہے امام ابو یوسف ابتدا میں صرفین کی شرح نماز خوف کے مشروع ہونے کے قائل تھے، پھر اپنے اس قول سے رجوع فرما کر کہنے لگے تھے کہ نماز خوف کا مشروع ہونا حیات نبی کے ساتھ خاص ہے، اور دلیل یہ ہے کہ نماز خوف کے بارے میں خداوند قدوس نے فرمایا ہے وَإِذَا كُنْتُمْ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَاةَ (۱۱۱) (پ ۵ ع ۱۲) اس آیت میں خاص طور سے رسول اللہ ﷺ کو نماز خوف قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے پس جب آپ امام ہو گئے تو ہر گروہ آپ کے پیچھے نماز پڑھنے کی فضیلت کو حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔ آپ کی وفات کے بعد یہ جھگڑا مرتفع ہو گیا اور ہر گروہ علاوہ امام کے ساتھ پوری نماز ادا کرنے پر قادر ہے لہذا آمد و رفت کی صفت کے ساتھ ایک ایک رکعت ادا کرنا جائز نہ ہوگا۔ صاحب ہدایہ نے فرمایا ہے کہ عبد اللہ بن مسعود کی روایت امام ابو یوسفؒ کے خلاف حجت ہے کیونکہ ابن مسعود کی روایت جو اوپر گذر چکی ہے اس میں بالتفصیل رسول اللہ ﷺ کا نماز خوف پڑھنا ذکر کیا گیا ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ امام ابو یوسفؒ نے رسول اللہ کی حیات میں نماز خوف کے مشروع ہونے کا کہاں انکار کیا ہے۔ امام ابو یوسفؒ تو آپ کی حیات میں نماز خوف کے مشروع ہونے کے قائل ہیں البتہ وفات کے بعد کے قائل نہیں ہیں۔ پس جب ابو یوسفؒ رسول اللہ کے زمانے میں نماز خوف مشروع ہونے کے قائل ہیں تو رسول اللہ کا صلوة خوف پڑھانا ابو یوسفؒ کے خلاف کیسے حجت ہو سکتا ہے اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ ابن مسعود کی روایت من حیث العبارت اگر ابو یوسفؒ کے خلاف حجت نہیں ہے مگر من حیث الدلائل حجت ہے۔ بایں طور کہ نماز خوف کا سبب خوف ہے اور خوف جس طرح آنحضرت ﷺ کی حیات میں تحقق ہے اسی طرح آپ کی وفات کے بعد بھی تحقق ہے پس جس طرح رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں خوف کی وجہ سے نماز خوف مشروع تھی اسی سبب کی وجہ سے آپ کے بعد بھی مشروع ہوگی دوسرا جواب یہ ہے حضور ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ کا نماز خوف پڑھنا ثابت ہے چنانچہ سعد بن ابی وقاص، ابو عبیدہ بن الجراح اور ابو موسیٰ اشعری نے اصفہان میں نماز خوف پڑھی ہے نیز سعد بن ابی وقاص نے طبرستان میں مجوسیوں سے جنگ کی اور آپ کے ساتھ حسن بن علی، حذیفہ بن اسحاق اور عبد اللہ بن عمرو بن العاص تھے تو سعید بن ابی العاص نے ان حضرات صحابہ کو نماز خوف پڑھائی، اور کسی نے اس پر انکار نہیں کیا۔ پس یہ عدم انکار بمنزلہ اجماع کے ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد نماز خوف کے جواز پر صحابہ کے اجماع کر لینے کے بعد حضرت امام ابو یوسف کا نماز خوف کی مشروعیت سے انکار کرنا اچھا سا نہیں لگتا۔

امام مقیم ہو تو نماز کا کیا طریقہ ہے

فان كان الامام مقيما صلى بالطائفة الاولى ركعتين و بالطائفة الثانية ركعتين كما روى انه صلى ﷺ الظهر بالطائفتين ركعتين و يصلى بالطائفة الاولى من المغرب ركعتين و بالثانية ركعة واحدة لان تنصيف الركعة الواحدة غير ممكن فجعلها في الاولى اولى بحكم السبق

ترجمہ..... پھر اگر امام مقیم ہو تو پہلے گروہ کے ساتھ دو رکعت اور دوسرے گروہ کے ساتھ دو رکعت پڑھے کیونکہ مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ظہر کی نماز دونوں گروہوں کے ساتھ دو دو رکعت پڑھی ہے اور پہلے گروہ کے ساتھ مغرب کی دو رکعت اور دوسرے گروہ کے ساتھ ایک رکعت پڑھے۔ کیونکہ ایک ایک رکعت کو آدھا آدھا کرنا ممکن نہیں ہے۔ اور پہلے گروہ کے سابق ہونے کی وجہ سے اس کے بعد ایک رکعت کو اس

کے حصہ میں کر دینا اولیٰ ہے۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ امام اگر مقیم ہو تو وہ دونوں گروہوں کو دو دو رکعت پڑھائے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے بجاالت اقامت ظہر کی نماز میں پڑھائی ہے اور مغرب کی نماز کو اس طرح پورا کرے کہ پہلے گروہ کو دو رکعت پڑھائے اور دوسرے گروہ کو ایک رکعت پڑھائے۔ یونکہ نماز خوف میں حکم یہ ہے کہ امام ہر گروہ کو نصف نماز پڑھائے۔ اور مغرب کی نماز کا نصف ایک پوری رکعت اور نصف رکعت ہے اور یہ بات مسلم ہے کہ ایک رکعت کو آدھا نہیں کیا جاسکتا۔ تو ہم نے کہا کہ پہلے گروہ کو تقدم کی وجہ سے دو رکعت پڑھائے اور دوسرے گروہ کو ایک رکعت پڑھائے۔ حضرت امام نوویؒ نے کہا کہ اس کا برعکس کرے یعنی پہلے گروہ کو ایک رکعت اور دوسرے گروہ کو دو رکعت پڑھائے۔ اور وجہ یہ ذکر کی کہ پہلی دو رکعتوں میں قرأت فرض ہے اور مناسب یہ ہے کہ ہر گروہ کو اس میں سے حصہ ملے۔ اس لئے کہا گیا کہ پہلے گروہ کو ایک رکعت اور دوسرے گروہ کو دو رکعت پڑھائے تاکہ دونوں گروہ فرض قرأت میں امام کے ساتھ شریک ہو جائیں۔

حالت نماز میں قتال کا حکم

ولا یقاتلون فی حال الصلوٰۃ فان فعلوا بطلت صلواتہم لانہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شغل عن اربع صلوات یوم الخندق، ولو جاز الاداء مع القتال لما ترکھا

ترجمہ..... اور کسی گروہ کے لوگ نماز کی حالت میں قتال نہ کریں پس اگر انہوں نے قتال کیا تو نماز باطل ہو جائے گی۔ کیونکہ حضور ﷺ خندق کے دن چار نمازوں سے مشغول کر دیئے گئے اگر قتال کے ساتھ ادا کرنا جائز ہوتا تو آپ ان نمازوں کو نہ چھوڑتے۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے نزدیک نماز کی حالت میں کوئی گروہ قتال نہ کرے، اگر قتال کر لیا تو نماز باطل ہو جائے گی۔ از سرے نو پڑھنا لازم ہوگا۔ امام مالکؒ کی دلیل باری تعالیٰ کا قول۔ و لیاخذوا احذرہم و اسلحتہم ہے۔ وجہ استدلال یہ ہے کہ آیت میں نماز کے اندر ہتھیار رکھنے کا امر کیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ نماز کی حالت میں ہتھیار لینا قتال ہی کے واسطے ہو سکتا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ نماز کی حالت میں قتال کرنا جائز ہے ہماری دلیل یہ ہے کہ غزوہ احزاب کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کی چار رکعتیں فوت ہو گئیں تھیں، جنکو آپ نے بعد میں قضاء کیا ہے اگر نماز کی حالت میں قتال جائز ہوتا تو آپ ﷺ ان نمازوں کو ان کے اوقات میں ادا کرنا نہ چھوڑتے، معلوم ہوا کہ نماز کی حالت میں قتال کرنا جائز نہیں ہے۔ امام مالکؒ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ نماز کی حالت میں ہتھیار ساتھ رکھنے کا امر اس لئے کیا گیا کہ تاکہ کفار مسلمانوں کو غیر مستعد جان کر ان پر حملہ آور نہ ہوں یا اگر قتال کی ضرورت پیش آجائے تو قتال کریں اور نماز کا اعادہ کر لیں۔

سواری پر نماز پڑھنے کا حکم

فان اشتد الخوف صلوا رکبانا فرادی یؤمنون بالرکوع والسجود الی ای جہۃ شاء واذا لم یقدر و اعلی التوجہ الی القبلة لقولہ تعالیٰ فان خفتم فرجالا او رکبانا وسقط التوجہ للضرورة وعن محمد انہم یصلون بجماعۃ و لیس صحیح لانعدام الاتحاد المکان

ترجمہ..... پھر اگر خوف میں شدت ہو تو سواری کی حالت میں تبتانہ نماز پڑھیں، رکوع اور سجدہ کا اشارہ کریں، جس طرح ممکن ہو جسکا قتال

کی طرف متوجہ ہونے پر قادر نہ ہوں کیونکہ باری تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اگر تم کو خوف ہو تو پیادہ نماز پڑھو۔ یا سوار ہو کر، اور قبلہ کی جانب متوجہ رہنا۔ رت کی وجہ سے ساقط ہو گیا اور امام محمد سے مروی ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھیں، اور یہ روایت صحیح نہیں ہے کیونکہ اتحاد مکانی صحیح ہے۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ اگر دشمن کا خوف اس قدر شدید ہو گیا کہ وہ مسلمانوں کو سواری سے اتر کر نماز پڑھنے کا موقع نہیں دیتے تو اس صورت میں مسلمانوں کے لئے سواری ہی پر بیٹھے بیٹھے رکوع اور سجدہ کے اشارے کے ساتھ تنہا تنہا نماز ادا کرنا جائز ہے اور استقبال قبلہ کے سلسلہ میں حکم یہ ہے کہ اگر قبلہ کی طرف رخ کرنا ممکن نہ ہو تو جس طرف چاہیں رخ کر لیں۔ دلیل باری تعالیٰ کا قول، فان حفتهم فرجلا اور کھانا ہے اور استقبال قبلہ ضرورت کی وجہ سے ساقط ہو گیا ہے، امام محمد سے ایک روایت یہ ہے کہ سواری پر رہ کر باجماعت نماز پڑھنا مستحسن ہے اس کے قائل امام شافعی ہیں لیکن یہ حکم صحیح نہیں ہے کیونکہ صحت اقتداء کے لئے مکان کا متحد ہونا شرط ہے اور وہ اس حالت میں معدوم ہے ہاں اگر کوئی آدمی امام کے ساتھ اس کی سواری پر ہو تو اس کی اقتداء کرنا صحیح ہے،

باب الجنائز

ترجمہ..... یہ باب جنازوں کے احکام کے بیان میں ہے

تشریح..... جنازہ، جنازہ کی جمع ہے جنازہ جمیم کے فتح کے ساتھ میت کے لئے مستعمل ہے اور کسرہ کے ساتھ اس تخت کے لئے مستعمل ہے جس پر میت کو رکھا جاتا ہے موت چونکہ آخری عارض ہے اس لئے نماز جنازہ کو سب سے آخر میں بیان کیا ہے لیکن اگر کوئی یہ کہہ دے کہ صلوٰۃ فی کعبہ کو اس سے پہلے ذکر کرنا چاہئے تھا۔ حالانکہ اس کے بعد ذکر کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ صلوٰۃ فی الکعبہ کو کتاب الصلوٰۃ کے آخر میں اس لئے ذکر کیا گیا ہے تاکہ کتاب الصلوٰۃ کا خاتمہ ایسی چیز سے ہو جسکے ساتھ حالا اور مسکانا تبرک حاصل کیا جاتا ہے۔

میت پر نماز جنازہ پڑھنے کی وجہ

عقل کا تقاضا ہے کہ جب کسی انسان کو بہت سے آدمیوں کا گروہ کسی عالیشان حاکم کے آگے لے جا کر اس کے لئے سفارش کریں اور اس کی معافی کی درخواست کریں اور اس کے لئے گڑگڑا کر التجا کریں تو بالآخر اس کا قصور معاف ہو جاتا ہے۔ یہی نماز جنازہ کا راز ہے یعنی نماز جنازہ اس لئے مقرر کی گئی ہے کہ مومنین کے ایک گروہ کا میت کی سفارش میں شریک ہونا اس پر رحمت الہی کے ناز ہونے میں بڑا کامل اثر رکھتا ہے، آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں "ما من مسلم يموت فيقوم على جنازه، اربعون رجلا لا يشركون بالله شياً الا شفّعهم الله فيه، یعنی کوئی آدمی مسلمان ایسا نہیں مرتا ہے کہ اس کے جنازہ پر چالیس آدمی کھڑے ہوں جو خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتے ہوں مگر اس میت کے حق میں ان کی سفارش قبول کرتا ہے شرح اس کی یہ ہے کہ جب آدمی کی روح بدن کو چھوڑتی ہے تو اس کی حس مشترک وغیرہ کو حس اور ادراک باقی رہتا ہے اور جو خیالات اور علوم اس کے ساتھ تھے مرنے کے بعد اس کے ہمراہ رہتے ہیں اور پھر عالم بالا سے اور علوم کا اس پر ترشح ہوتا ہے جن کی وجہ سے بہت کو عذاب یا ثواب ہوتا ہے پس خدا تعالیٰ کے نیک بندوں کی ہمتیں جب عالم قدس تک پہنچتی ہیں اور اس میت کے لئے وہ گڑگڑا کر دعا کرتے ہیں یا میت کے لئے بہت کچھ صدقہ دیتے ہیں تو حکم الہی سے میت کے حق میں وہ نافع پڑتا ہے۔

نماز جنازہ کے فرض علی الکفایہ ہونے کا راز

بعض فرانس اس قسم کے مقرر کئے گئے ہیں کہ ایک مقام کے بعض افراد اس کو اداء کریں وہ سب کی طرف سے ادا ہو جائیں، وہ اس کی یہ ہے کہ سب ان کو متفقہ طور پر کرنے لگیں تو انتظام معاش درہم برہم ہو جائے، ان کی تدابیر نافعہ معطل ہو جائیں پس ایسے امور لئے ایک ایک شخص کافی ہے، چنانچہ بیماروں کا عیادت جنازہ کی نماز اسی طور پر شروع ہوتی ہیں کہ بیماروں اور مردوں کی تیضیح بھی نہ ہو اور بعض لوگ اگر اس کو پورا کر دیں تو مقصد بھی حاصل ہو جائے۔ (احکام اسلام عقل کی نظر میں)

قریب المرگ کو کس ہیئت پر لٹایا جائے

إذا احتضر الرجل وجهه إلى القبلة على شقه الأيمن اعتباراً بحال الوضع في القبر لأنه اشرف عليه والمختار في بلادنا الاستلقاء لأنه يسر لخروج الروح والأول هو السنة ولقن الشهادتين لقوله ﷺ لَقِنُوا مَوْتَكُمْ شَهَادَةً أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَالْمَرَادُ الَّذِي قَرَّبَ مِنَ الْمَوْتِ فَإِذَا مَاتَ شَدَّ لِحْيَاهُ وَغَمَضَ عَيْنَاهُ بِذَلِكَ جَرَى التَّوَارِثُ ثُمَّ فِيهِ تَحْسِينَةٌ فَيَسْتَحْسَنُ

ترجمہ..... جب آدمی قریب المرگ ہو گیا تو اس کی دائیں کروٹ پر قبلہ کی طرف متوجہ کر دیا جائے قبر میں رکھے جانے کی ہیئت پر قیاس کر کے، کیونکہ یہ شخص اس کے قریب لگ گیا ہے اور ہمارے دیار میں چت لٹانا اختیار کیا گیا ہے کیونکہ یہ روح نکلنے کے واسطے بہت آسان ہیئت ہے آسان تو اذول ہی صورت ہے اور اس کو شہادتیں کی تلقین کی جائے۔ کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنے مردوں کو شہادت ان لا الہ الا اللہ کی تلقین کرو۔ اور حدیث میں مردوں سے مراد وہ ہے جو موت کے قریب ہو گیا۔ پھر جب مر گیا تو اس کے جڑے باندھ دیئے جائیں۔ اور اس کی آنکھیں بند کر دی جائیں۔ اسی کے ساتھ توارث جاری ہے پھر اس میں مردے کی صورت کو اچھا بنانا ہو لہذا یہ کرنا بہتر ہوگا۔

تشریح..... قدوری نے قرب موت کو تعبیر کرنے کے لئے احتضر الرجل کا لفظ بولا ہے۔ یعنی مرنے والے شخص کو مختصر کہا ہے۔ یا تو اس لئے کہ موت اس کے پاس حاضر ہوتی ہے یا ملائکہ موت حاضر ہوتے ہیں علامات موت یہیں کہ قریب المرگ کے دونوں قدم ڈھیلے ہو جاتے ہیں کھڑے نہیں ہو پاتے ناک ٹیڑھی ہو جاتی ہے اور حُضیہ کی کھال دراز ہو جاتی ہے۔ بہر حال قرب موت کا عمل یہ ہے کہ مرنے والے کو دائیں کروٹ پر قبلہ رو کر دیا جائے کیونکہ مردے کو قبر میں رکھنے کی یہی کیفیت مسنون ہے لہذا اس پر قیاس کر کے قریب المرگ کو بھی اسی کیفیت پر رکھا جائے اس لئے کہ یہ شخص قبر کے قریب ہی لگ گیا ہے صاحب ہدایہ کہتے ہیں ہمارے دیار ماوراء النہر وغیرہ میں چت لٹانا مختار سمجھا گیا ہے۔ کیونکہ یہ کیفیت روح نکلنے کے واسطے بہت آسان ہے۔ اس صورت میں مرنے والے کے سر کے نیچے تکیہ وغیرہ کوئی اونچی چیز رکھ دی جائے تاکہ اس کا چہرہ قبلہ کی طرف ہو، آسمان کی طرف نہ ہو لیکن اس کیفیت میں کوئی نص نہیں ہے صرف انکل ہے جس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ اسی وجہ سے مصنف نے کہا کہ اول سنت ہے یعنی کروٹ پر لٹانا مسنون ہے۔

دوسرا عمل یہ ہے کہ مرنے والے کو شہادتیں کی تلقین کرے۔ یعنی اس کے پاس بیٹھ کر باوا بلند اشہدان لا الہ الا اللہ و اشہدان محمد رسول اللہ پڑھے۔ مرنے والے کو اس کلمہ کے پڑھنے کا حکم نہ دے۔ اس لئے کہ اس پر یہ انتہائی سختی کا وقت ہے نعوذ باللہ

سائے انہر لریہ: یہ کفر پر خاتمہ ہوگا۔ دلیل آنحضرت ﷺ کا قول لقنوا موتا کم شهادة ان لا الہ الا اللہ ہے۔ اور موتی سے مراد وہ سے جنہوت کے قریب آگیا۔ بالکل مردہ مراد نہیں ہے۔ کیونکہ تلقین اس کے حق میں کارآمد ثابت نہ ہوگی۔ تیسرا مثل یہ ہے کہ میت کے جیزوں کو کپڑے وغیرہ سے باندھ دیا جائے۔ اور اس کی دونوں آنکھیں بند کر دیں جائیں۔ یہی طریقہ متواتر ہے اور اس طرح کرنے میں مردے کی تحسین اور تزئین بھی ہے اس لئے یہ عمل مستحسن اور مندوب ہوگا۔

فصل فی الغسل

ترجمہ..... یہ فصل میت کو غسل دینے کے احکام کے بیان میں ہے

تشریح..... مصنف ہدایہ نے میت کے احوال کے چند فصلوں پر ذکر کئے ہیں سب سے پہلے غسل کو بیان کیا ہے کہ کیونکہ مرنے کے بعد سب سے پہلے اسی کی ضرورت پیش آتی ہے۔ غسل میت کے سبب میں اختلاف ہے بعض نے کہا کہ غسل میت کا سبب وہ حدیث ہے جو استرخا و مفصل کی وجہ سے میت کے اندر حلول کر گیا ہے کیونکہ موت کی وجہ سے انسان ناپاک نہیں ہوتا ہے رہا یہ کہ غسل میت کا سبب جب حدت ہے تو اعضاء وضو کے دھونے پر اکتفاء کیوں نہیں کیا گیا درانحالیکہ حدت کی صورت میں اعضاء وضو کے دھونے پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔ جو اب زندگی میں حدت کی وجہ سے اعضاء وضو پر اکتفاء کرنا دفع حرج کے لئے تھا اس لئے کہ حدت ہر روز پیش آتا ہے بلکہ ایک دن میں کئی بار پیش آتا ہے پس اگر زندگی میں اعضاء وضو کے دھونے پر اکتفاء کیا جاتا بلکہ پورے بدن کا غسل ضروری ہوتا ہے تو لوگ حرج اور ضرر میں مبتلا ہو جاتے۔ اس لئے زندگی میں حدت کی وجہ سے اعضاء وضو دھونے پر اکتفاء کرنے کا حکم کیا گیا ہے اور رہا وہ حدت جو میت کی وجہ سے لاحق ہوتا ہے تو وہ مکرر نہیں ہوتا بلکہ ایک ہی بار پیش آتا ہے پس چونکہ موت کی وجہ سے حدت ایک بار پیش آنے کی وجہ سے حرج اور ضرر کا احتمال نہیں ہے۔ اس لئے اس صورت میں پورے بدن کے دھونے کا حکم کیا گیا ہے اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ غسل میت کا سبب میت کا موت کی وجہ سے نجس اور ناپاک ہونا ہے جیسے دوسرے حیوانات موت کی وجہ سے نجس ہو جاتے ہیں۔ دلیل یہ ہے کہ اگر کسی نے مردہ انسان کو اپنے بدن پر لا کر نماز پڑھی تو اس کی نماز جائز نہ ہوگی۔ اور اگر کسی محدث کو لا کر پڑھی تو اس کی نماز جائز ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مردہ انسان نجس ہے اور نجاست کا زوال غسل سے ہوتا ہے اس لئے غسل میت کو لازم قرار دیا گیا ہے یہ دھیان رہے کہ مردہ جانور کو اگر غسل دیدیا گیا تو وہ پاک نہیں ہوگا کیونکہ مردہ انسان کا غسل کی وجہ سے پاک ہو جانا محض اس کی تکریم اور تعظیم کی وجہ سے ہے۔ غسل میت زندہ لوگوں پر بالاتفاق فرض علی الکفایہ ہے۔ چنانچہ اگر کوئی مردہ آدمی پانی میں پایا گیا تو اس کو بھی غسل دیا جائے گا۔ اور اگر پھول پھٹ گیا تو اس پر پانی بہا دیا جائے گا۔

واللہ علم جمیل احمد غنی عنہ

میت کو غسل دینے کا طریقہ

فاذا ارادوا غسله وضعوه علی سرید لینصب الماء عنہ وجعلوا علی عورتہ خرقة اقامة لواجب الستر و یکتفی بستر العورة الغلیظة هو الصحیح تیسیرا ونزعوا ثیابہ لیمکنہم التنظیف ووضوه من غیر مضمضہ واستشاق لان الوضوء سنة الاغتسال غیر ان اخراج الماء منه متعذر فیرکان ثم یفیضون الماء علیہ اعتبارا بحال الحيوة ویجمر سریره وترا لما فیہ من تعظیم المیت وانما یوتر لقوله ﷺ ان الله وتریحب الوتر،

ڈال کر جوش دے لیا جائے۔ کیونکہ تنظیف اور تطہیر میں یہ زیادہ کارآمد ثابت ہوگا۔ امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ غسل میت کے لئے ٹھنڈا پانی استعمال کرنا افضل ہے۔ کیونکہ گرم پانی سے اعضاء بدن ڈھیلے ہوں گے اور اس کی وجہ سے نجاست خارج ہوگی اور کفن کو ناپاک کرے گی۔ پس اس سے بچنے کے لئے ٹھنڈے پانی کا استعمال کرنا افضل ہے لیکن ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ غسل میت تنظیف کے لئے مشروع ہوا ہے اور گرم پانی تنظیف میں ابلغ ہے۔ اس لئے گرم پانی سے غسل دینا افضل ہوگا اور زہا یہ کہ گرم پانی بدن کے اعضاء کو ڈھیلہ کر دیتا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ یہ بات تو مقصود یعنی تنظیف کے لئے معین ثابت ہوگی۔ اس طور پر کہ اعضاء بدن کے ڈھیلے ہونے کی وجہ سے جو کچھ پیٹ سے نکلنا ہوگا غسل کے وقت وہ نکل جائے گا۔ غسل سے فراغت کے بعد کفن وغیرہ کے ناپاک ہونے کا احتمال باقی نہ رہے گا اور اگر جوش دیا ہو پانی میسر نہ ہو تو پھر خالص پانی ہی استعمال کر دیا جائے پانی کی ترتیب شمس الائمہ سرخسی کے نزدیک ہے۔ شیخ الاسلام اور صاحب محیط نے کہا کہ اولاً خالص پانی سے غسل دیا جائے پھر وہ پانی استعمال کیا جائے جس میں بیری کے پتے ڈال کر جوش دیا گیا ہے اور تیسری بار فوراً پانی استعمال کیا جائے یونہی ابن مسعودؓ سے مروی ہے۔ قال یبدأ أولاً بالماء القراح ثم بالماء والسدر ثم بالماء و شئ من الكافور و انما یبدأ أولاً بالماء القراح حتی یتبل ما علیہ من الدرن و النجاسة ثم بماء السدر حتی ینزل ما بہ من الدرن و النجاسة قلن السدر ابلغ فی التنظیف ثم بماء الكافور تطیباً لبدن الميت کذا فعلت المسلمة علیہم السلام بآدم علیہ السلام حین غسلوه عبد اللہ بن مسعود نے کہا کہ میت کو غسل دیتے وقت خالص پانی سے ابتداء کی جائے پھر بیری کے پتوں سے جوش دیا ہو پانی پھر کافور ملا ہو پانی استعمال کیا جائے۔ اولاً خالص پانی تو اس لئے استعمال کرے تاکہ بدن کا میل اور نجاست وغیرہ بھیگ کر گل جائے پھر جوش دیا ہو پانی اس لئے استعمال کرے کہ میل کچیل دور ہو جائے گا کیونکہ بیری کے پتے ابلغ فی التنظیف ہیں پھر کافور کا پانی بدن میت کو معطر اور خوشبودار کرنے کے لئے استعمال کیا جائے۔ یہی عمل ملائکہ نے آدمؑ کو غسل دیتے وقت کیا تھا قدوری نے کہا کہ میت کے سر اور اس کی داڑھی کو خطمی سے دھویا جائے کیونکہ خطمی صابن کی طرح بدن کو نظیف کرنے والی ہے۔ ان سب کاموں سے فراغت کے بعد میت کو اسکے بائیں پہلو پر لٹا کر جوش دیتے ہوئے پانی سے دھویا جائے اور اسقدر پانی ڈالا جائے کہ نیچے کا حصہ تو تختہ سے ملا ہوا ہے۔ اس تک پانی پہنچ جائے پھر یہ ترتیب اس لئے رکھی ہے تاکہ غسل کا دائیں پہلو سے شروع کرنا پایا جائے کیونکہ سنت ابتداء بالیمین ہے۔

پھر غسل دینے والا میت کو اپنے بدن سے ٹیک لگا کر بٹھلائے اور نرم انداز سے میت کے پیٹ کو ملے یہ ملنا اس لئے ہے کہ میت کے پیٹ میں اگر کوئی چیز ہو تو نکل آئے بعد میں کفن کو آلودہ نہ کرے۔ اس سلسلہ میں اصل یہ روایت ہے ان علیاً لما غسل رسول اللہ ﷺ مسح بطنہ بیدہ رفیقاً طلب منه ما یطلب من الميت فلم یر شیئاً فقال طبت حیا و میتاً۔ یعنی حضرت علیؑ نے جب رسول اللہ ﷺ کو غسل دیا تو اپنے ہاتھ سے آہستہ آہستہ آپ کا پیٹ ملا۔ اور مقصود اس چیز کو طلب کرنا تھا جو میت سے طلب کی جاتی ہے۔ یعنی حضرت علیؑ کا منشاء یہ تھا کہ شاید آپ ﷺ کے پیٹ سے کوئی چیز نکل آئے لیکن کوئی چیز نہیں نکلی۔ پھر حضرت علیؑ نے فرمایا کہ آپ ﷺ توجیئے بھی پاک ہیں اور مرتے بھی طیب ہیں۔

پیٹ ملنے کے بعد اگر میت کے پیٹ سے کوئی چیز نکل آئی تو اس کو دھو ڈالے اور غسل کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے اور نہ وضو کے اعادہ کی ضرورت ہے۔ کیونکہ غسل میت کو ہم نے نص سے پہچانا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ مسلمان کے مسلمان پر چھ حق ہیں۔ ان میں سے ایک غسل میت ہے۔ بہر حال غسل میت جو واجب ہے ایک مرتبہ غسل دینے سے حاصل ہو گیا ہے۔ اب دوبارہ غسل دینے کی ضرورت نہیں رہی۔ غسل سے فراغت کے بعد میت کے بدن کو پاک کپڑے سے صاف کر دیا جائے تاکہ کفن نہ بھیگے۔

اعضاء سجدہ میں خوشبو لگانے کا حکم، میت کو کنگھی کرنے، ناخن اور بال کاٹنے کا حکم

و يجعله ای المیت فی اكفانه ويجعل الحنوط علی رأسه ولحيته والكافور علی مساجده لان التطيب سنة والمساجد اولی بزيادة الكرامة ولايسرح شعر المیت ولا لحيته ولا يقص ظفره ولا شعره لقول عائشة علام تنصون میتکم ولان هذه الاشياء للزينة وقد استغنى المیت عنها وفي الحي كان تنظيفا لاجتماع الوسخ تحتة و صار كالختان

ترجمہ..... اور میت کو اس کے کفن کے کپڑوں میں رکھ دے۔ اور میت کے سر اور داڑھی پر حنوط لگا دے اور اس کے اعضاء سجدہ پر کافور لگایا جائے کیونکہ خوشبودار کرنا سنت ہے۔ اور اعضاء سجود زیادتی کرامت کے زیادہ لائق ہیں اور میت کے بال اور اس کی داڑھی میں کنگھی نہ کی جائے اور نہ اس کے ناخن کاٹے جائیں اور نہ بال کاٹے جائیں۔ کیونکہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا ہے کہ کس وجہ سے تم اپنے مردے کی پیشانی پکڑ کر کھینچتے ہو اور اس لئے کہ یہ چیزیں تو زینت کے واسطے ہیں۔ اور میت زینت سے بے پرواہ ہو چکا اور زندہ کے اندر نظافت تھی کیونکہ اس کے نیچے میل پچیل جمع ہو جاتا ہے اور یہ حقنہ کرنے کے مانند ہو گیا۔

تشریح..... میت کو غسل دینے کے بعد اس کو کفن پہنایا جائے اور میت کے سر اور داڑھی پر حنوط لگا دے۔ حنوط چند خوشبودار چیزوں سے مرکب عطر کا نام ہے اور جو اعضاء سجدہ میں زمین پر رکھتے ہیں (پیشانی، ناک، دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنے، دونوں قدم) ان پر کافور لگایا جائے دلیل یہ ہے کہ میت کے بدن کو خوشبودار کرنا سنت ہے۔ اور چونکہ مذکورہ اعضاء پر سجدہ کیا جاتا ہے اس لئے اعضاء سجود کرامت کے زیادہ لائق ہیں۔ اور سنت ہونے کی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کان آدم النبی رجلاً اشعر طوالاً کانه نخلة سحق فلما حضره الموت نزلت الملائكة بحنوط و کفن من الجنة فلما مات عليه السلام غسلوه بالماء والسدر ثلاثاً وجعلوه فی الثالثة کافوراً و کفوه فی و ترمن الثياب و حقر و له لحداً و صلوا عليه و قالوا هذه سنة دللد آدم من بعده و فی رواية قالوا یا بنی آدم هذه سنتکم من بعده بكذا لکم فافعلوا انه رواه الحاکم (شرح نقایہ) حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ آدم گھنے بالوں والے لائے قد والے انسان تھے۔ گویا ایک بہت لائے کھجور کا درخت ہے۔ پس جب موت کا وقت آیا تو فرشتے خوشبو اور جنت سے کفن لے کر اترے۔ پس جب آدم مر گئے تو فرشتوں نے آدم کو بیر کے پتوں سے جوش دیئے ہوئے پانی سے تین بار غسل دیا اور تیسری مرتبہ میں کافور لگایا اور تین کپڑوں میں کفن دیا۔ اور ان کے لئے لحد (قبر) کھودی اور ان پر نماز جنازہ پڑھی اور کہا کہ آدم کے بعد یہ اولاد آدم کی سنت ہے، اور ایک روایت میں ہے کہ فرشتوں نے کہا کہ اے اولاد آدم، آدم کے بعد یہ تمہاری سنت ہے اسی طرح تم بھی کرنا اور ام عطیہ کی حدیث ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے واجعلن فی الآخرة کافوراً و او شیناً من کافور یعنی آخر میں میت کے بدن کو کافور لگاؤ۔

امام قدوری نے کہا کہ میت کے نہ بالوں میں کنگھی کی جائے اور نہ داڑھی میں۔ اور نہ اس کے ناخن کاٹے جائیں اور نہ بال، دلیل یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ سے میت کے بالوں اور کنگھی کرنے کے سلسلہ میں دریافت کیا گیا تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا علام تنصون میتکم، لفظ علام اصل میں علی ما ہے یعنی ما استفہامیہ پر علی حرف جرد داخل کیا گیا ہے پھر اس کا الف گرا دیا گیا۔ جیسے باری تعالیٰ کے قول

رسول اللہ ﷺ فی ثلاثة اثواب قمیص و ازار و لفافه - بہر حال ان احادیث سے آپ کے کفن میں تین کپڑوں کا ہونا ثابت ہوتا ہے۔ دوسری دلیل یہ کہ انسان زندگی میں بالعموم تین کپڑے پہنتا ہے۔ لہذا مرنے کے بعد بھی اس کو تین کپڑے دے دیئے جائیں گے۔

دو کپڑوں پر اکتفاء کرنے کا حکم

فان اقتصروا علی ثوبین جاز و الثوبان ازار و لفافه و هذا کفن الکفایة لقول ابی بکر اغسلوا ثوبی ہذین و کفنونی فیہما ولانہ ادنی لباس الاحیاء و الازار من القرن الی القدم و اللفافہ کذلک و القمیص من اصل العنق الی القدم

ترجمہ..... پھر اگر انہوں نے دو کپڑوں پر اکتفاء کیا تو جائز ہے اور یہ دو کپڑے ازار اور لفافہ ہوں گے۔ اور یہ کفن کفایہ ہے۔ کیونکہ صدیق اکبرؓ نے فرمایا ہے کہ میرے ان دو کپڑوں کو دھو کر مجھے انہیں میں کفن دینا۔ اور اس لئے کہ یہ زندوں کا ادنیٰ لباس ہے۔ اور ازار سر سے قدم تک ہوتا ہے اور لفافہ ایسا ہی ہوتا ہے اور کرتہ گردن سے قدم تک ہوتا ہے۔

تشریح..... اس عبارت میں مرد کے کفن کفایہ کا بیان ہے۔ مرد کے حق میں کفن کفایہ دو کپڑے ہیں ایک ازار دوسرا لفافہ۔ کفن کفایہ پر صدیق اکبرؓ کے قول سے استدلال کیا گیا ہے۔ چنانچہ مصنف ابن عبد البرزاق میں ہے عن عائشۃ قالت قال ابو بکر لثوبیہ الذین کان یمرض فیہما اغسلوہما و کفنونی فیہما فقالت عائشۃ الان نشتری لک جدیداً فقال لا الحی احوج الی الجدید من المیت۔ حضرت عائشہؓ نے کہا کہ والد محترم ابو بکرؓ نے فرمایا اپنے ان دو کپڑوں کے بارے میں جن میں آپؐ بیمار تھے کہ ان دونوں کو دھوؤ، لانا اور مجھ کو ان دونوں کپڑوں میں کفن دینا۔ عائشہؓ نے کہا کہ کیا ہم آپ کے لئے نیا کپڑا نہ خرید لیں۔ فرمایا نہیں۔ زندہ آدمی نئے کپڑے کا زیادہ مستحق ہے بہ نسبت مردہ کے۔ (فتح القدیر) دوسری دلیل حدیث ابن عباس ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک شخص جو حالت احرام میں تھا وہ اونٹنی سے گر کر مر گیا تو آپ ﷺ نے اس کے بارے میں فرمایا کہ وہ کفنوہ فی ثوبین یعنی اس کو دو کپڑوں میں کفن دے دو۔ عقلی دلیل یہ ہے کہ زندوں کا ادنیٰ لباس دو کپڑے ہیں لہذا مرنے کے بعد بھی دو کپڑوں پر اکتفاء کرنا جائز ہوگا۔ صاحب ہدایہ نے ان تینوں کی تفصیل بیان کی ہے کہ ازار سر سے قدم تک ہوتا ہے اور لفافہ بھی اسی کے بقدر ہوتا ہے۔ اور کرتہ گردن سے قدم تک ہوتا ہے۔ لیکن اس میں نہ جیب ہوتی ہے نہ کلی اور نہ آستین۔

کفن لپیٹنے کا طریقہ

واذا ارادوا لف الکفن ابتداءً و بجانب الایسر فلفوہ علیہ ثم بالایمن کما فی حال الحیوۃ و بسطہ ان تبسط اللفافہ اولاً ثم یبسط علیہا الازار ثم یقمص المیت و یوضع علی الازار ثم یعطف الازار من قبل الیسار ثم من قبل الیمین ثم اللفافہ کذلک وان خافوا ان یتشر الکفن عنہ عقبوہ بخرقۃ صیانة عن الکشف

ترجمہ..... اور جب کفن لپیٹنا چاہیں تو اس کی بائیں جانب سے شروع کریں۔ پس بائیں کو میت پر لپیٹ دیں پھر دائیں کو لپیٹیں۔ جیسا

کہ زندگی کی حالت میں کیا جاتا ہے اور کفن بچھانے کی صورت یہ ہے کہ پہلے لفافہ بچھایا جائے پھر اس پر تہہ بند بچھایا جائے پھر میت کو قیاس پہنا کر ازار پر رکھا جائے پھر بائیں طرف سے ازار کو موڑا جائے پھر دائیں طرف سے پھر اسی طرح لفافہ کو کیا جائے اور میت سے کفن منتشر ہونے کا خوف ہو تو اس کو پٹی سے باندھ دیں۔ تاکہ کھلنے سے محفوظ رہے۔

تشریح..... میت پر کفن لپٹنے کی کیفیت یہ ہے کہ پہلے لفافہ بچھائیں اس کے اوپر ازار بچھائیں اور میت کو کرتہ پہنا کر ازار پر لٹا دیں پھر ازار کی بائیں جانب کو پیٹیشن پھر دائیں جانب کو تا کہ دایاں حصہ اوپر رہے۔ اسی طرح لفافہ کو لپیٹا جائے۔ صاحب ہدایہ نے مرد کے کفن کے کپڑوں میں عمامہ کا ذکر نہیں کیا ہے۔ کیونکہ بعض حضرات نے کفن میں عمامہ کو شامل کرنا مکوہ قرار دیا ہے اس لئے کہ عمامہ شامل کرنے کی صورت میں کفن کے کپڑے جفت عدد ہو جائیں گے۔ حالانکہ مسنون طاق عدد یعنی تین ہیں اور بعض نے عمامہ کو مستحسن قرار دیا ہے اور دلیل میں کہا ہے کہ ابن عمر میت کو عمامہ پہنایا کرتے تھے اور اس کا شملہ میت کے چہرے پر ڈال دیتے تھے۔ لیکن یہ قول حضرت عائشہ کے قول کُفِنَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فِي ثَلَاثَةِ اثْوَابٍ بَيْضٍ کے خلاف ہوگا۔

قابندہ کفن کے لئے سوتی سفید کپڑے کا استعمال افضل ہے کیونکہ رسول پاک ﷺ کا ارشاد لا بسوا من البياض فانہ من خیر ثيابکم و کفنتوا فیہا موتاکم رواہ ابو داؤد۔ یعنی فرمایا ہے سفید کپڑے پہنو اس لئے کہ یہ بہترین کپڑے ہیں اور انہیں میں اپنے مردوں کو کفن دو۔

عورت کا مسنون کفن

وتكفن المرأة في خمسة اثار درع و ازار و خمار و لفافه و خرقة تربط فوق ثدييها لحديث ام عطية ان النبي ﷺ اعطى اللواتي غسلن ابنته خمسة اثار و لانها تخرج فيها حالة الحيوة فكذا بعد ممات ثم لهذا بيان كفن السنة وان اقتصروا على ثلثة اثار جاز وهي ثوبان و خمار وهو كفن الكفاية ويكره اقل من ذلك وفي الرجل يكره الاقتصار على ثوب واحد الا في حالة الضرورة لان مصعب بن عمير حين استشهد كفن في ثوب واحد وهذا كفن الضرورة.

ترجمہ..... اور عورت کو پانچ کپڑوں میں کفن دیا جائے گا۔ کرتی، ازار، اورھی، لفافہ اور ایک پٹی جو اس کی چھاتیوں پر باندھی جائے، دلیل ابن عطیہ کی حدیث ہے کہ جن عورتوں نے حضور ﷺ کی صاحبزادی کو غسل دیا، ان کو آپ ﷺ نے کفن کے لئے پانچ کپڑے دیئے ہیں اور اس لئے کہ عورت زندگی کے اندر ان پانچ کپڑوں میں نکلتی ہے۔ تو یونہی مرنے کے بعد بھی، پھر یہ کفن سنت کا بیان ہے اور اگر اکتفاء کیا تین کپڑوں پر تو بھی جائز ہے اور وہ دو کپڑے ازار اور لفافہ ہیں اور اورھی ہے اور یہ کفن کفالیہ ہے اور اس سے کم مکروہ ہے اور مرد کے حق میں ایک کپڑے پر اکتفاء کرنا مکروہ ہے۔ مگر ضرورت کی حالت میں کیونکہ مصعب بن عمیر جب شہید ہوئے ہیں تو ایک ہی کپڑے میں کفن دیئے گئے اور یہ کفن ضرورت ہے۔

تشریح..... اس عبارت میں عورت کے کفن سنت کا بیان ہے چنانچہ فرمایا کہ عورت کا مسنون کفن پانچ کپڑے ہیں:-

(۱) کرتی ، (۲) ازار (۳) اورھی ، (۴) لفافہ

(۵) کپڑے کی وہ پٹی جس سے اس کی چھاتیوں کو باندھا جائے، یعنی پستان بند

دلیل ام عطیہ کی حدیث ہے کہ جب حضور ﷺ کی صاحبزادی زینب کی وفات ہوئی تو جن عورتوں نے ان کو غسل دیا۔ حضور ﷺ نے ان کو کفن کے لئے یہی پانچ کپڑے عنایت فرماتے تھے۔ عقلی دلیل یہ ہے کہ زندگی میں بالعموم عورت پانچ کپڑوں میں رہتی ہے۔ اسی پر قیاس کرتے ہوئے مرنے کے بعد بھی اس کو پانچ کپڑے دیئے گئے ہیں۔ و ان اقتصروا علی ثلثۃ اثواب میں عورت کے کفن کفایہ کا ذکر ہے۔

عورت کا کفن کفایہ: عورت کا کفن کفایہ تین کپڑے ہیں:

(۱) ازار (۲) لفافہ (۳) اورٹھی

تین سے کم کپڑوں میں عورت کو کفننا اگر بلا ضرورت ہے تو مکروہ ہے ورنہ جائز ہے اور یہ کفن ضرورت کہلائے گا اسی طرح مرد کے کفن میں ایک کپڑے پر اکتفاء کرنا مکروہ ہے لیکن اگر ضرورت کی وجہ سے ہے تو جائز ہے اور ایک کپڑا مرد کا کفن ضرورت ہے۔ دلیل خباب بن ارت کی حدیث ہے قال ہلجرنا مع النبی ﷺ مزید وجہ اللہ تعالیٰ فوقہ اجرنا علی اللہ فمنا من مضی و لم یأخذ من اجرہ سیناً منهم مصعب بن عمیر قتل یوم احد و ترک نمرۃ فکنا اذا غطینا بہا رأسہ بدت رجلاہ، و اذا غطینا بہا رجلیہ بدأ رأسہ فامرنا رسول اللہ ﷺ ان نغطی رأسہ و ان نجعل علی رجلیہ شینا من الاذخر۔ خباب بن ارت نے کہا کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ محض اللہ کی خوشنودی کے لئے ہجرت کی پس ہمارا اجر اللہ پر ہے، ہم میں سے جو لوگ گذر گئے اور انہوں نے دنیا میں کچھ بھی اجر نہیں لیا ان میں سے مصعب بن عمیر ہیں، جو احد کے دن شہید ہو گئے، انہوں نے ایک دھاری دار چادر چھوڑی، پس جب ہم اس سے اس کا سر ڈھکتے تو پیر کھل جاتے اور جب پیر ڈھکتے تو سر کھل جاتا ہم کو رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ ہم مصعب کے سر کو ڈھک دیں اور پیروں پر اذخر گھاس ڈال دیں۔

کفن پہنانے کا طریقہ

و تلبس المرأة الدرع اولاً ثم يجعل شعرها ضميرتين علی صدرها فوق الدرع ثم الخمار فوق ذلك ثم الازار تحت اللفافة

ترجمہ..... اور جو عورت کچھ اولاً کرتی پہنائی جائے پھر اس کے بالوں کو دو مینڈھیوں میں کر کے کرتی کے اوپر اور سینہ پر رکھ دیئے جائیں۔ پھر اس کے اوپر اور ہنسی پھر لفافہ کے نیچے ازار پہنایا جائے۔

تشریح..... عبارت واضح ہے۔

کفن کو خوشبو لگانے کا حکم

قال وتجمس الاكفان قبل ان يدرج فيها الميت وترا لانه ﷺ امر باجمار اكفان ابنته وترا والاجمار هو التطيب فاذا فرغوا منه صلوا عليه لانها فريضة

ترجمہ..... کہا کہ میت کو کفنوں میں میت داخل کرنے سے پہلے کفنوں کو طاق بار دھونی دی جائے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیٹی کے کفنوں کو طاق بار دھونی دینے کا امر کیا ہے اور اجمار، خوشبودار کرنا ہے۔ پس جب اس سے فارغ ہو گئے تو میت پر نماز پڑھیں، کیونکہ نماز

جنازہ فرض ہے۔

تشریح..... اس عبارت میں کفنوں کی دھونی دینے کا حکم مذکور ہے۔ اجمار (دھونی) خوشبودار کرنا ہے۔ دھونی طاق بار دینا مسنون ہے۔ جیسا کہ اس پر حدیث شاہد ہے۔ کفن دے کر فراغت کے بعد اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے۔ کیونکہ نماز جنازہ فرض علی الکفایہ ہے۔

فصل فی الصلوٰۃ علی المیت

ترجمہ..... (یہ) فصل میت پر نماز کے بیان میں ہے۔

تشریح..... نماز جنازہ کے شروع ہونے پر باری تعالیٰ کا قول و صل علیہم ان صلاحک سکن لہم دلیل ہے اور حضور ﷺ کا قول صلوا علی کل برو فاجو ہے اور اجماع امت ہے (کفایہ) نماز جنازہ فرض علی الکفایہ ہے۔ فرض تو اس لئے ہے کہ صل اور رسول اللہ ﷺ کے قول میں صلوا امر کے صیغے ہیں۔ اور امر کا موجب وجوب (فرض) ہے اور علی الکفایہ اس لئے ہے کہ تمام لوگوں پر واجب کرنا یا تو محال ہے اور یا اس میں حرج واقع ہوگا۔ اس لئے بعض پر اکتفاء کیا ہے جیسا کہ جہاد میں ہے۔

نماز جنازہ کے واجب ہونے کا سبب میت ہے۔ اور اس کے جواز کی شرط میت کا مسلمان ہونا ہے کیونکہ کافر پر نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے و لا تصل علی احد منہم مات ابدا و لا تقم علی قبرہ انہم کفروا باللہ اور دوسری شرط میت کا پاک ہونا ہے۔ چنانچہ اگر غسل دینے سے پہلے میت پر نماز پڑھ لی گئی تو غسل کے بعد نماز کا اعادہ کیا جائے گا۔ تیسری شرط یہ ہے کہ جنازہ مصلیٰ کے سامنے ہو چنانچہ غائب پر نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح اگر جنازہ مصلیٰ کے پیچھے ہو تو جائز نہیں ہے۔

میت کی نماز جنازہ پڑھانے کا حقدار کون ہے

و اولیٰ الناس بالصلوٰۃ علی المیت السلطان ان حضر لان فی التقدیم علیہ از دراء بہ فان لم یحضر فالقاضی خان لانہ صاحب ولایۃ فان لم یحضر فیستحب تقدیم امام الحی لانہ رضیہ فی حال حیاتیہ قال ثم الولی والاولیاء علی الترتیب المذكور فی النکاح

ترجمہ..... اور میت پر نماز پڑھنے کے واسطے سب سے اولیٰ سلطان ہے اگر جنازہ پر حاضر ہوا کیونکہ سلطان سے آگے بڑھنے میں سلطان کے حق میں خفت ہے۔ پس اگر سلطان نہ آیا تو قاضی اولیٰ ہے۔ کیونکہ وہ صاحب ولادیت ہے اور اگر قاضی بھی نہ آیا تو محلہ کا امام اولیٰ ہے کیونکہ میت زندگی میں اس کے امام ہونے پر راضی تھا۔ کہا کہ پھر میت کا ولی بہتر ہے اور میت کے اولیاء اسی ترتیب پر ہوں گے جو نکاح میں مذکور ہے۔

تشریح..... نماز جنازہ کے مستحق امامت ہونے میں ترتیب یہ ہے کہ اگر سلطان حاضر ہو گیا تو جنازہ کی امامت کا سب سے زیادہ مستحق وہ ہوگا۔ کیونکہ سلطان کی موجودگی میں کسی اور کو امام بنانا سلطان کی توہین ہے۔ حالانکہ سلطان ظل اللہ ہے۔ پس جو اس کی عزت کرے گا اللہ اس کی عزت کرے گا اور جو اس کی اہانت کرے گا اللہ اس کی اہانت کرے گا اور اگر سلطان نہ آیا تو پھر قاضی مستحق امامت ہوگا۔ کیونکہ قاضی کو سب پر ولادت عامہ حاصل ہے اگرچہ سلطان کے مقرر کرنے سے ہے۔ ان دونوں کی تقدیم تو واجب ہے پھر اگر قاضی بھی حاضر نہ ہوگا۔

ہوا تو محلہ کے امام کو آگے بڑھانا مستحب ہے۔ کیونکہ میت اپنی زندگی میں اس کے امام ہونے پر راضی تھا تو مرنے کے بعد بھی اسی کی پسند کا امام بہتر ہے جبکہ شریعت کے مخالف بھی نہیں ہے۔ پھر ولی مستحق امامت ہے اور میت کے اولیاء امامت کے حق میں اسی ترتیب پر ہوں گے جو ترتیب نکاح میں مذکور ہے۔ لیکن نکاح میں عورت کا بیٹا عورت کے باپ پر مقدم ہے۔ اور یہاں باپ اولیٰ بالامامت ہے اور اگر میت کے برابر کے دو ولی ہوں مثلاً اس کے سگے دو بھائی ہوں تو ان میں جس کی عمر زیادہ ہو وہ مقدم ہوگا لیکن اس کو یہ اختیار نہیں کہ اپنی جگہ کسی اجنبی کو روک دے مگر یہ کہ دوسرا بھی راضی ہو۔ صاحب عنایہ کے بیان کے مطابق حسن بن زیاد نے ابو حنیفہ سے ترتیب اس طرح نقل کی ہے۔

اول سلطان یعنی خلیفہ پھر جو اس شہر کا سلطان ہے پھر قاضی پھر محتسب حاکم پھر محلہ کا امام پھر ولی میت۔ اس ترتیب کو اکثر مشائخ نے اختیار کیا ہے۔ ترتیب میں ولی کا سب سے آخر میں ہونا طرفین کا قول ہے۔ ورنہ امام ابو یوسف کا قول یہ ہے کہ ولی ہر حال میں میت کی نماز کا مستحق ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے و اولوا الارحام بعضهم اولیٰ ببعض فی کتاب اللہ اور طرفین کی دلیل یہ ہے کہ حسن بن علیؑ کی جب وفات ہوئی تو نماز جنازہ کے لئے حسین اور لوگ آئے۔ پس سیدنا حسینؑ نے امامت کے لئے سعید بن العاص کو آگے بڑھایا جو اس زمانہ میں حضرت امیر معاویہؓ کی طرف سے مدینہ منورہ کے حاکم تھے۔ سعید بن العاص نے آگے بڑھنے سے انکار کیا تو حسینؑ نے ان سے کہا کہ آگے بڑھئے یہی سنت ہے۔ اگر یہ سنت نہ ہوتا تو میں آپ کو آگے نہ بڑھاتا۔ امام ابو یوسف کی پیش کردہ آیت اولو الارحام الآیۃ میراث اور نکاح کی ولایت پر محمول ہے۔ یعنی نکاح کی ولایت صرف اولیاء کو حاصل ہے سلطان وغیرہ کو حاصل نہیں ہے۔

غیر ولی نے نماز جنازہ پڑھائی تو ولی اعادہ کر سکتا ہے

فان صلی غیر الولی او السلطان اعاد الولی یعنی ان شاء لما ذکرنا ان الحق للاولیاء وان صلی الولی لم یجز لاحد ان یصلی بعده لان الفرض یتأدی بالاول والنفل بہا غیر مشروع ولہذا رأینا الناس ترکوا عن اخرہم الصلوۃ علی قبر النبی ﷺ وهو الیوم کما وضع

ترجمہ..... پس اگر ولی یا سلطان کے علاوہ نے نماز پڑھ دی تو ولی اعادہ کر لے یعنی اگر جی چاہے۔ اس دلیل کی وجہ سے جو ہم ذکر کر چکے کہ حق تو میت کے اولیاء کا ہے۔ اور اگر ولی نے میت پر نماز پڑھی تو اس کے بعد کسی کو میت پر نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ فرض تو پہلے کے پڑھنے سے ادا ہو چکا اور اس نماز کے ساتھ نفل پڑھنا مشروع نہیں ہے۔ اسی وجہ سے ہم نے لوگوں کو دیکھا کہ انہوں نے اول تا آخر حضور ﷺ کی قبر پر نماز پڑھنا چھوڑ دیا ہے حالانکہ حضور ﷺ آج بھی ایسے ہی ہیں جیسے (قبر میں) رکھے گئے تھے۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ میت پر اگر ولی اور سلطان کے علاوہ نے نماز پڑھی تو ولی کو نماز جنازہ کے اعادہ کرنے کا حق حاصل ہوگا۔ اور اگر سلطان نے نماز پڑھی یا اس شخص نے پڑھی جو نماز جنازہ کی ترتیب امامت میں ولی پر مقدم ہے تو ولی کو اعادہ کرنے کا حق نہ ہوگا۔ اور اگر ولی نے نماز جنازہ پڑھی تو اس کے بعد کسی کو میت پر نماز پڑھنے کی اجازت نہ ہوگی۔ دلیل یہ ہے کہ ولی کے نماز پڑھنے سے فرض تو ادا ہو چکا اور نفل اس نماز کے ساتھ مشروع نہیں ہوا ہے۔ اس لئے ولی کے نماز پڑھنے کے بعد کسی کو نماز پڑھنے کا حق نہ ہوگا۔ یہ ہمارا مذہب ہے۔ امام شافعیؒ نے فرمایا ہے کہ جنازہ پر مرتبہ بعد مرتبہ نماز کا اعادہ کیا جاسکتا ہے۔ امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ ایک بار حضور ﷺ کا ایک نئی قبر کے پاس سے گذر ہوا آپ ﷺ نے اس کے بارے میں دریافت کیا تو بتلایا گیا کہ فلاں عورت کی قبر ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے نماز کی خبر کیوں نہیں دی تو جواب دیا گیا کہ اللہ کے رسول ﷺ اس عورت کو رات میں دفن کیا گیا ہے ہم کو ڈر ہوا کہ حشرات الارض آپ ﷺ کو اذیت نہ پہنچادیں۔ اس لئے آپ ﷺ کو خبر نہیں دی۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر اس کی قبر پر نماز پڑھی۔ نیز رسول اللہ ﷺ کے جنازہ پر صحابہ کرام جوق در جوق آ کر نماز پڑھنا ثابت ہے۔ ان دونوں واقعوں سے ایک مرتبہ کے بعد دوسری اور تیسری بار نماز پڑھنے کا ثبوت ملتا ہے۔

ہماری دلیل گذر چکی کہ ولی یا سلطان جس نے پہلے نماز پڑھی ہے اس کے پڑھنے سے فرض تو ادا ہو چکا اور نماز جنازہ میں نفل مشروع نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ کی قبر مبارک پر تمام لوگوں نے نماز پڑھنا ترک کر دیا ہے۔ اور اگر نماز جنازہ میں نفل مشروع ہوتا تو اجتماعی طور پر اس کو ترک نہ کیا جاتا۔ درنحالیکہ رسول اکرم سید الامم ﷺ آج بھی اپنی قبر میں اسی طرح آرام فرما ہیں جس طرح آپ ﷺ کو دفن کیا گیا تھا۔ کیونکہ انبیاء کا گوشت زمین پر حرام ہے۔ انبیاء کے جسم کو زمین کی مٹی متغیر نہیں کر سکتی۔ رہا حضور ﷺ کا اس عورت کی قبر پر نماز پڑھنا تو یہ اس لئے تھا کہ یہ آپ ﷺ کا حق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے النبی اولیٰ بالمؤمنین من انفسہم آنحضور ﷺ کے اس حق کو ساقط کرنے کی کسی کو ولایت حاصل نہیں ہے دوسرے واقعہ کا جواب یہ ہے کہ صدیق اکبر خلیفہ ہونے کی وجہ سے رسول اکرم ﷺ کی نماز جنازہ کے زیادہ حقدار تھے لیکن آپ ﷺ معاملات کی درستگی اور فتنہ کو فرو کرنے میں مشغول ہو گئے اور لوگ آپ کی تشریف آوری سے پہلے ہی آ کر نماز پڑھنے لگے جب آپ ﷺ مسئلہ خلافت سے فارغ ہو چکے تو آپ نے نماز پڑھی پھر آپ کے بعد رسول اکرم ﷺ کے جنازہ پر کسی نے نماز نہیں پڑھی ہے۔

جس میت پر نماز جنازہ نہ پڑھی گئی ہو قبر پر نماز جنازہ پڑھنے کا حکم

وان دفن المیت ولم یصل علیہ ﷺ علی قبرہ لان النبی ﷺ صلی علی قبر امرأۃ من الانصار ویصلی علیہ قبل ان یتفسخ والمعبر فی معرفۃ ذلک اکبر الراۃ هو الصحیح لاختلاف الحال والزمان والمکان

ترجمہ..... اور اگر میت اس حال میں دفن کی گئی کہ اس پر نماز نہیں ہوئی تھی تو اس کی قبر پر نماز پڑھی جائے کیونکہ حضور ﷺ نے ایک انصاری عورت کی قبر پر نماز پڑھی ہے۔ اور قبر پر نماز پڑھی جائے میت کے پھول پھٹنے سے پہلے اور اس کی معرفت میں معتبر غالب رائے ہے یہی صحیح ہے۔ کیونکہ حال، زمانہ اور مکان مختلف ہے۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ میت اگر بغیر نماز کے دفن ہو گئی تو اس کی قبر پر نماز پڑھی جائے دلیل یہ کہ ایک انصاری عورت کو اس حال میں دفن کر دیا گیا تھا کہ حضور ﷺ نے اس پر نماز جنازہ نہیں پڑھی تھی۔ آنحضرت ﷺ کو جب اس کا علم ہوا تو اس کی قبر پر نماز پڑھی۔

صاحب قدوری نے کہا کہ قبر پر نماز پڑھنے کی اجازت میت کے خراب اور متفرق الاجزاء ہونے سے پہلے پہلے ہے پھول پھٹنے کے بعد اجازت نہیں ہے۔ صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ نہ پھول پھٹنے کی شناخت میں غالب رائے معتبر ہے یعنی جب تک غالب گمان یہ ہو کہ نعش پھولی پھٹی نہیں ہے تو قبر پر نماز جنازہ پڑھی جاسکتی ہے اور جب پھول پھٹنے کا غالب گمان ہو گیا تو اب یہ اجازت نہ ہوگی۔ یہی صحیح قول ہے۔ امام ابو یوسف نے کہا ہے کہ تدفین کے بعد تین دن تک قبر پر نماز پڑھنا جائز ہے۔ اسکے بعد جائز نہیں ہے۔ قول صحیح کی دلیل یہ ہے کہ نعش کا خراب ہونا میت کے حال کے اختلاف سے مختلف ہوتا رہتا ہے حتیٰ کہ مونا تازہ بہ نسبت دبلے سوکھے کے جلدی خراب اور ریختہ

ہو جاتا ہے۔ اسی طرح موسم اور مکان کے اختلاف سے مختلف ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ گرمی اور برسات کے موسم میں بہ نسبت سردی کے موسم میں جلدی سڑ جاتا ہے اور سیلی اور نمناک زمین میں بہ نسبت خشک زمین کے جلدی خراب ہو جاتا ہے۔ بہر حال جب غالب گمان معتبر ہے تو اگر غالب گمان یہ ہو کہ تین دن سے پہلے ہی لعش گل سڑ گئی ہوگی۔ تو اس پر نماز نہ پڑھی جائے گی اور اگر غالب گمان یہ ہو کہ تین دن کے بعد بھی خراب نہیں ہوتی ہے تو اس پر تین دن کے بعد بھی نماز پڑھنے کی اجازت ہے۔ رہا یہ کہ حضور ﷺ نے آٹھ سال بعد شہداء احد پر نماز پڑھی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے شہداء احد کے لئے دعا کی ہے جس کو لفظ صلی کے ساتھ تعبیر کر دیا گیا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ شہداء کے اجسام بھی چونکہ گلتے سڑتے ہیں اس لئے ان کی قبروں پر نماز پڑھنے میں کیا مضائقہ ہے۔

نماز پڑھنے کا طریقہ

والصلوة ان یکبر تکبیرة یحمد اللہ عقبیہا ثم یکبر تکبیرة ویصلی علی النبی ﷺ ثم یکبر تکبیرة یدعو فیہا لنفسہ وللیمیت وللمسلمین ثم یکبر الرابعة ویسلم لانه ﷺ کبر اربعاً فی آخر صلوة صلاہا فنسخت ما قبلہا ولو کبر الامام خمساً لم یتابعہ الموتم خلافاً لزر لانه منسوخ لما روینا وینتظر تسلیمة الامام فی روایة وهو المنختار والاتیان بالدعوات استغفار للیمیت والبدایة بالثناء ثم بالصلوة سنة الدعاء ولا یتستغفر للصبی ولكن یقول اللہم اجعلہ لنا فرطاً واجعلہ لنا اجر او ذخراً واجعلہ لنا شافعاً وشفعاً ولو کبر الامام تکبیرة او تکبیرتین لایکبر الاتی حتی یکبر اخرى بعد حضورہ عند ابی حنیفة و محمد و قال ابو یوسف یکبر حین یحضر لان الاولی للافتتاح والمسبوق یاتی بہ ولہما ان کل تکبیر قائمة مقام رکعة والمسبوق لا یتدی بما فاتہ اذہو منسوخ ولو کان حاضر اقلیم یکبر مع الامام لا ینتظر الثانية بالاتفاق لانه بمنزلة المدرك

ترجمہ..... اور نماز جنازہ کی کیفیت یہ ہے کہ تکبیر کہے اسی تکبیر کے بعد اللہ کی ثناء کرے پھر تکبیر کہے۔ اور رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجے پھر تکبیر کہے اس میں دعا کرے اپنے واسطے، میت کے واسطے اور تمام مسلمانوں کے واسطے پھر چوتھی تکبیر کہے اور سلام پھیر دے۔ کیونکہ حضور ﷺ نے جو سب سے آخر میں نماز جنازہ پڑھی اس میں چار ہی تکبیرات کہیں۔ تو اس نے سابق کو منسوخ کر دیا ہے۔ اور اگر امام نے پانچ تکبیرات کہیں تو مقتدی (چار سے زائد میں) اس کی پیروی نہ کرے گا۔ امام زفر کا اختلاف ہے کیونکہ ہمارے وینا کی وجہ سے چار سے زائد منسوخ ہے۔ اور ایک روایت میں امام کے سلام پھیرنے کا انتظار کرے۔ یہی مختار ہے اور دعائیں کرنا میت کے لئے مغفرت مانگنا ہوتا ہے اور ثناء کے ساتھ شروع کرنا پھر درود کے ساتھ دعا کی سنت ہے۔ اور بچے کے لئے استغفار نہ کرے۔ لیکن یوں کہے (الہی اس بچہ کو ہمارے واسطے فارط کر دے اور اس کو ہمارے لئے ثواب اور ذخیرہ نیکی کر دے اور اس کو ہمارے لئے ایسا شفاعت کرنے والا کر دے جس کی شفاعت قبول ہو۔ اور اگر امام ایک یا دو تکبیریں کہے چکا تو آنے والا تکبیر نہ کہے یہاں تک کہ امام اس کے آنے کے بعد تکبیر کہے۔ یہ امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک ہے اور ابو یوسف نے کہا کہ حاضر ہوتے ہی چھوٹی ہوئی تکبیریں کہہ لے۔ کیونکہ پہلی تکبیر افتتاح کے واسطے ہے اور مسبوق اس کو ضرور لاتا ہے۔ طرفین کی دلیل یہ ہے کہ ہر تکبیر ایک رکعت کے قائم مقام ہے اور مسبوق اس نماز کو ادا کرنا شروع نہیں کرتا جو اس سے چھوٹ گئی ہے۔ کیونکہ یہ منسوخ ہو گیا ہے۔

اور اگر ایک شخص ابتداء سے حاضر تھا مگر امام کے ساتھ تکبیر نہ کہی تو بالاتفاق وہ امام کی دوسری تکبیر کا انتظار نہ کرے گا۔ کیونکہ وہ بمنزلہ مدرک کے ہے۔

تشریح..... اس عبارت میں نماز جنازہ کی کیفیت کا بیان ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے کہ نماز جنازہ چار تکبیروں کا نام ہے۔ تفصیل یہ ہے کہ نیت کے بعد تکبیر افتتاح کہے اور دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھائے اس کے بعد اللہ کی ثناء کرے۔ یعنی الحمد للہ اور اس کے مانند کلمات کہے اور بعض نے کہا ہے کہ سبحانک اللہم و بحمدک الخ کہے جیسا کہ دوسری نمازوں میں ہے۔ ہمارے نزدیک پہلی تکبیر کے بعد سورہ فاتحہ کی قرأت مشروع نہیں ہے۔ حضرت امام شافعی قرأت فاتحہ کے قائل ہیں۔ امام شافعی نے نماز جنازہ کو دوسری نمازوں پر قیاس کیا ہے۔ پس جس طرح دوسری نمازوں میں قرأت قرآن ضروری ہے اسی طرح نماز جنازہ میں بھی قرأت قرآن ضروری ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت نافع سے مروی ہے ان ابن عمر کان لا یقرأ فی الصلوٰۃ علی الجنائزۃ۔ یعنی نافع کہتے ہیں کہ عبد اللہ ابن عمر نماز جنازہ میں قرأت نہیں کرتے تھے۔ عقلی دلیل یہ ہے کہ نماز جنازہ فقط ایک رکن (قیام) کا نام ہے۔ اور رکن مفرد میں قرأت قرآن مشروع نہیں ہوئی۔ جیسا کہ سجدہ تلاوت میں رکن مفرد ہونے کی وجہ سے قرأت مشروع نہیں ہے۔ پھر دوسری تکبیر کہہ کر رسول اکرم ﷺ پر درود پڑھے۔ کیونکہ ثناء باری کے بعد صلوٰۃ علی النبی ہی کا درجہ ہے۔ جیسا کہ تشہد میں یہی ترتیب ہے۔ اور اسی ترتیب پر خطبے وضع ہوئے ہیں۔ پھر تیسری تکبیر کہہ کر اپنے لیے، میت کے لئے اور تمام مسلمانوں کے لیے دعا کرے اگر زیادہ ہو تو یہ دعا پڑھے اللہم اغفر لحینا و میتنا الخ اور اگر یہ دعا یاد نہ ہو تو جو دعا یاد ہو پڑھے الحمد باری تعالیٰ اور صلوٰۃ علی النبی کے بعد دعا اس لئے رکھی گئی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے اذا اراد احدکم ان یدعو فلیحمد اللہ ویصل علی النبی ثم یدعو۔ یعنی جب تم میں سے کوئی دعا کا ارادہ کرے تو اللہ کی حمد کرے اور حضور ﷺ پر درود پڑھے پھر دعا پڑھے۔ پھر چوتھی تکبیر کہہ کر سلام پھیر دے، چوتھی تکبیر کے بعد سلام پھیرنا اس لئے ہے کہ حضور ﷺ نے سب سے آخری نماز جنازہ میں چار ہی تکبیرات کہی ہیں۔ پس اس سے پہلے کا عمل اگر اس کے مخالف بھی ہو تو وہ منسوخ ہو گیا ہے۔ صاحب عنایہ نے لکھا ہے کہ چوتھی تکبیر کے بعد اور سلام سے پہلے ظاہر الروایۃ کے مطابق کوئی دعا نہیں ہے۔ اور بعض مشائخ نے کہا ہے کہ سلام سے پہلے یہ دعا پڑھے ربنا آتسافی الدنیا حسنة و فی الآخرة حسنة و قنا برحمتک عذاب القبر و عذاب النار اور بعض نے فرمایا کہ یہ کہے ربنا لا تنزع قلوبنا بعد اذ هدیتنا و هب لنا من لدنک رحمة انک انت الوهاب امام ابو الحسن قدوری نے کہا ہے کہ امام نے اگر پانچویں تکبیر کہی تو مقتدی اس پانچویں تکبیر میں امام کی بیروی نہ کرے کیونکہ چار سے زائد تکبیریں گذشتہ روایت کی وجہ سے منسوخ ہو چکی ہیں۔ امام زفر نے فرمایا ہے کہ اگر امام نے پانچویں تکبیر کہی تو مقتدی اس کی بیروی کرے گا۔ امام زفر کی دلیل یہ ہے کہ چار تکبیرات سے زائد کا مسئلہ مختلف فیہ ہے چنانچہ مروی ہے کہ حضرت علیؑ نے نماز جنازہ میں چار کے بعد پانچویں تکبیر کہی تو مقتدیوں نے حضرت علیؑ کی بیروی کی ہے۔ ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ صحابہؓ نے اس بارے میں مشورہ کیا اور آنحضرت ﷺ کی آخری نماز کی طرف رجوع کیا۔ پس حضرت علیؑ کا پانچویں تکبیر کہنا منسوخ ہو گیا اور منسوخ کی بیروی کرنا غلط اور خطا ہے۔ رہی یہ بات کہ مقتدی جب پانچویں تکبیر میں امام کی متابعت نہیں کرے گا تو کیا کرے۔ اس میں امام ابو حنیفہؒ سے دو روایتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ مقتدی فوراً سلام پھیر دے تاکہ پانچویں تکبیر میں امام کی مخالفت ثابت ہو۔ اور دوسری روایت یہ ہے کہ مقتدی امام کے سلام پھیرنے کا انتظار کرے۔ تاکہ سلام کے اندر متابعت ہو جائے۔ مصنف ہدایہ کہتے ہیں کہ مختار یہی دوسری روایت ہے۔

صاحب کتاب نے کہا ہے کہ دعائیں کرنا درحقیقت میت کے لئے مغفرت طلب کرنا ہے اور ثناء اور صلوة علی النبی سے ابتداء کرنا دعا کی سنت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نابالغ بچے کے لئے استغفار نہ کرے کیونکہ مکلف نہ ہونے کی وجہ سے اس سے گناہ کا صدور نہیں ہوا۔ البتہ یہ دعا پڑھے اللہم اجعلہ لنا فرطاً واجعلہ لنا ذخراً واجعلہ لنا شافعاً و مشفعاً۔

اگر کوئی شخص نماز جنازہ میں اس وقت شامل ہوا، جب امام ایک یا دو تکبیریں کہہ چکا تو آنے والا شخص کوئی تکبیر نہ کہے بلکہ اس کے شامل ہونے کے بعد جب امام نے تکبیر کہی تو اس کے ساتھ یہ بھی تکبیر کہے اور فوت شدہ تکبیروں کی قضاء امام کے سلام پھیرنے کے بعد کرے یہ قول طرفین کا ہے۔ امام ابو یوسفؒ نے کہا کہ شامل ہوتے ہی فوت شدہ تکبیر کہے۔ امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ پہلی تکبیر یعنی تکبیر افتتاح کے بعد آنے والا مسبوق کے مانند ہے۔ اور مسبوق تکبیر افتتاح شامل ہونے کے بعد ضرور کہتا ہے۔ لہذا یہ بھی کہے۔ طرفین کی دلیل یہ ہے کہ یہ شخص بلاشبہ مسبوق کے مانند ہے لیکن نماز جنازہ کی ہر تکبیر بمنزلہ ایک رکعت کے ہے۔ اسی وجہ سے نماز جنازہ کے بارے میں کہا گیا ہے اربع کا ربع الظہر۔ اور یہ بات آپ کو معلوم ہے کہ مسبوق فوت شدہ رکعات کی قضا امام کے سلام پھیرنے کے بعد کرتا ہے نہ کہ پہلے کیونکہ سلام سے پہلے قضاء کرنے کا حکم منسوخ ہو چکا ہے۔

اور اگر ایک شخص ابتداء سے حاضر تھا مگر امام کے ساتھ تکبیر نہیں کہی تو یہ امام کی دوسری تکبیر کا بالاتفاق انتظار نہ کرے۔ کیونکہ یہ مدرک کے مرتبہ میں ہے۔

امام میت کے سینے کے برابر کھڑا ہو

ويقوم الذي يصلى على الرجل والمرأة بحذاء الصدر لانه موضع القلب وفيه نور الايمان فيكون القيام عنده اشارة الى الشفاعة لايمانه وعن ابى حنيفة ان يقوم من الرجل بحذاء راسه ومن المرأة بحذاء وسطها لان انسا فعل كذلك وقال هو السنة قلنا تاويله ان جنازتها لم تكن منعوشة فحال بينها وبينهم

ترجمہ..... اور جو شخص مرد و عورت کی نماز جنازہ پڑھتا ہے وہ سینے کے مقابل کھڑا ہو کیونکہ سینہ دل کی جگہ ہے اور دل میں نور ایمان ہے۔ پس اس کے پاس کھڑا ہونا اشارہ ہوگا کہ شفاعت اس کے ایمان کی وجہ سے ہے۔ ابو حنیفہؒ سے مروی ہے کہ مرد کے جنازہ کے سر کے مقابل کھڑا ہو اور عورت کے وسط میں کھڑا ہو۔ کیونکہ حضرت انسؓ نے اسی طرح کیا ہے اور کہا کہ یہی سنت ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ حضرت انسؓ کے کلام کی تاویل یہ ہے کہ عورت کا جنازہ حضور ﷺ کے زمانہ میں نعش دار نہ ہوتا تھا تو حضور ﷺ عورت کے جنازہ اور لوگوں کے درمیان حائل ہو جایا کرتے تھے۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ جنازہ مرد کا ہو یا عورت کا نماز کے وقت امام میت کے سینے کے مقابل کھڑا ہو۔ دلیل یہ ہے کہ سینہ قلب کا محل ہے اور قلب کے اندر نور ایمان ہوتا ہے۔ پس سینے کے پاس کھڑا ہونا اس بات کی طرف اشارہ ہوگا کہ شفاعت اس کے ایمان کی وجہ سے کی گئی ہے امام ابو حنیفہؒ سے یہ بھی مروی ہے کہ جنازہ اگر مرد کا ہو تو امام اس کے سر کے مقابل کھڑا ہو۔ اور اگر عورت کا ہے تو اس کے وسط میں کھڑا ہو۔ دلیل حدیث انسؓ ہے روى عن نافع ابى غالب قال كنت فى سكة المربد فمرت جنازة معها ناس كثير فالىوا جنازة عبد الله بن عمير فتبعتها فاذا انا برجل عليه كساء رقيق على راسه خرقة تقيه من الشمس فقلت من

هذا الدهقان قالوا انس بن مالك قال فلما وضعت الجنازة قام انس فصلى عليها وانا خلفه لا يحول بيني وبينه شيء فقام عند رأسه وكبر اربع تكبيرات لم يطل ولم يسرع ثم ذهب يقعد فقالوا يا ابا حمزة المرأة الانصارية فقربوها وعلينا نعش احضر فقام عند عجزتها فصلى عليها نحوصلوته على الرجل ثم جلس فقال العلاء بن زياد يا ابا حمزة هكذا كان رسول الله ﷺ يصلى على الجنائز كصلوتك يكبر عليها اربعاً ويقوم عند رأس الرجل وعجيزة المرأة قال نعم۔

یعنی نافع سے مروی ہے کہ نافع نے کہا کہ گلی سے ایک جنازہ جس کے ساتھ بہت سے لوگ تھے، گذرا۔ لوگوں نے کہا کہ یہ عبد اللہ بن عمیر کا جنازہ ہے (نافع کہتے ہیں کہ) میں بھی جنازہ کے ساتھ چل دیا میں نے دیکھا کہ ایک آدمی جس کے بدن پر باریک چادر اور دھوپ سے بچاؤ کے لئے سر پر ایک کپڑا رکھا ہوا ہے۔ میں نے کہا کہ یہ کون دہقانی اور گاوندی ہے۔ لوگوں نے کہا کہ یہ انس بن مالک ہیں۔ نافع کہتے ہیں کہ جب جنازہ زمین پر رکھ دیا گیا تو انس نے کھڑے ہو کر نماز پڑھائی اور میں آپ کے پیچھے تھا کہ میرے اوپر آپ کے درمیان کوئی چیز حائل نہ تھی (پس میں نے دیکھا کہ) آپ جنازہ کے سر کے پاس کھڑے ہوئے اور چار تکبیریں کہیں اس طور پر کہ نہ طویل تھیں اور نہ جلدی کی، پھر آپ بیٹھنے لگے تو لوگوں نے کہا اے ابو حمزہ (انس بن مالک) ایک انصاری عورت کا جنازہ بھی ہے۔ پس لوگوں نے اس کو انس کے قریب کیا اور اس پر ایک سبز رنگ کی نعش (مردہ کی چارپائی جس پر صندوق سا بنا رہتا ہے) تھی آپ اس کے چوتروں کے پاس یعنی وسط میں کھڑے ہوئے اور نماز پڑھائی جیسے مرد کی پڑھائی تھی پھر آپ بیٹھ گئے پس علاء بن زیاد نے کہا کہ اے ابو حمزہ کیا رسول اللہ ﷺ بھی جنازوں پر اسی طرح نماز پڑھتے تھے تو انس نے کہا کہ ہاں۔ صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ حضرت انس نے اسی طریقہ کو مسنون قرار دیا ہے۔

صاحب ہدایہ نے اس حدیث کی تاویل کرتے ہوئے فرمایا کہ انصاری عورت کے جنازہ پر نعش نہیں تھی یعنی وہ صندوق نما تابوت نہیں تھا۔ جس سے عورت کا ستر ہوتا ہے۔ پس اس عورت اور لوگوں کے درمیان حائل ہونے کی وجہ سے وسط میں کھڑے ہو گئے۔ لیکن صاحب ہدایہ کی یہ تاویل اس لئے معتبر نہیں ہے کہ حدیث میں بصراحت و علیہا نعش احضر کا لفظ موجود ہے۔

سواری پر نماز جنازہ پڑھنے کا حکم

فان صلوا على جنازة ركبانا اجزاهم في القياس لانها دعاء وفي الاستحسان لاتجزئهم لانها صلوة من وجه لوجود التحريمة فلا يجوز تركه من غير عذر احتياطا

ترجمہ..... اگر لوگوں نے جنازہ پر سواری کی حالت میں نماز پڑھی تو قیاس کے مطابق ان کی نماز جائز ہوگئی۔ کیونکہ یہ دعا ہے اور استحساناً جائز نہیں ہوئی کیونکہ یہ تحریمہ کے پائے جانے کی وجہ سے من وجہ نماز ہے لہذا احتیاطاً بغیر عذر کے اس کا ترک کرنا جائز نہیں ہے۔

تشریح..... سواری پر سوار ہو کر نماز جنازہ پڑھنا قیاساً تو جائز ہے لیکن استحساناً جائز نہیں ہے قیاس کی وجہ یہ ہے کہ نماز جنازہ درحقیقت دعا کا نام ہے یہی وجہ ہے کہ نماز جنازہ میں نہ قرأت ہے نہ رکوع اور سجدہ پس جس طرح دوسری دعاؤں کا پڑھنا سواری پر جائز ہے۔ اسی طرح نماز جنازہ بھی جائز ہے۔ وجہ استحسان یہ ہے کہ نماز جنازہ من وجہ نماز ہے۔ کیونکہ نماز جنازہ کے لئے تحریمہ پایا جاتا ہے اور وقت کے علاوہ

تمام وہ شرطیں ضروری ہیں جو دوسری نمازوں کے لئے ضروری ہیں۔ پس بلاعذر احتیاط اسی میں ہے کہ قیام کو ترک نہ کیا جائے اور سواری پر نماز پڑھنے کی صورت میں چونکہ قیام ترک کرنا پڑتا ہے اس لئے سواری پر نماز جنازہ پڑھنا جائز نہ ہوگا۔

نماز جنازہ کے لئے ولی سے اجازت لینے کا حکم

ولا یباس بالاذان فی صلوة الجنازة لان التقدم حق الولی فیملک ابطالہ بتقدیم غیرہ وفی بعض النسخ لا یباس بالاذن ای الاعلام وهو ان یعلم بعضهم بعضا لیقضوا حقہ

ترجمہ..... اور نماز جنازہ میں اجازت کا مضائقہ نہیں ہے۔ کیونکہ امام کا ہونا ولی کا حق ہے پس وہ دوسرے کو آگے بڑھا کر اپنے حق کو باطل کر سکتا ہے اور بعض نسخوں میں ہے کہ نماز جنازہ میں اذان یعنی اعلان کا کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اور اعلام یہ ہے کہ بعض لوگ دوسرے کو آگاہ کر دیں تاکہ وہ میت کا حق ادا کریں۔

تشریح..... متن کے دو نسخے ہیں۔ ایک تو لا یباس بالاذن فی صلوة الجنازة دوم لا یباس بالاذان۔ پہلے نسخہ کی بنیاد پر عبارت کے دو مطلب ہوں گے۔ ایک یہ کہ ولی اگر کسی دوسرے کو نماز جنازہ پڑھانے کی اجازت دے دے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ کیونکہ امامت کا حق ولی کو ہے۔ پس ولی میت اگر دوسرے کو امام بنا کر اپنا حق مٹانا چاہے تو مٹا سکتا ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ نماز جنازہ سے فراغت کے بعد ولی اگر لوگوں کو گھر واپس جانے کی اجازت دے دے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ کیونکہ تدفین سے پہلے بغیر ولی کی اجازت کے لوگوں کا گھر واپس جانا درست نہیں ہے۔ اور دوسرے نسخہ کی بنیاد پر عبارت کا حاصل یہ ہوگا کہ نماز جنازہ کی اطلاع دینے اور لوگوں کو باخبر کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ قال اذا مات احدکم فاذنونی بالصلوة رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب تم میں سے کوئی مر جائے تو مجھ کو نماز کی اطلاع دینا۔ بعض متأخرین نے اس شخص کی نماز جنازہ کے لئے بازاروں میں اعلان کرنے کو مستحسن قرار دیا ہے جس کی نماز کے لئے لوگ راغب ہوں جیسے زاہد اور علماء۔

مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے کا حکم

ولا یصلی علی میت فی مسجد جماعة لقول النبی ﷺ من صلی علی جنازة فی المسجد فلا اجر له ولانہ بنی لاداء المكتوبات ولانہ یحتمل تلویث المسجد وفيما اذا كان الميت خارج المسجد اختلف المشائخ

ترجمہ..... اور کسی میت پر مسجد جماعت میں نماز نہ پڑھی جائے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس نے مسجد میں جنازہ پر نماز پڑھی اس کے واسطے ثواب نہیں ہے اور اس لئے کہ مسجد تو ادائے فرائض کے لئے بنائی گئی ہے اور اس لئے کہ اس میں مسجد کے آلودہ ہونے کا احتمال ہے اور اس صورت میں جبکہ میت مسجد سے باہر ہو تو مشائخ نے اختلاف کیا ہے۔

تشریح..... صاحب عنایہ نے اس عبارت کو صل کریت ہوئے فرمایا ہے کہ اگر فقط جنازہ مسجد میں ہو اور امام اور کچھ لوگ مسجد سے باہر ہوں اور باقی مسجد میں ہوں تو بالاتفاق مکروہ نہیں ہے۔ اور اگر فقط جنازہ مسجد سے باہر ہو اور امام اور تمام لوگ مسجد میں ہوں تو مشائخ نے اختلاف کیا ہے۔ بعض کراہت کے قائل ہیں اور بعض عدم کراہت کے۔ امام شافعی نے فرمایا ہے کہ کسی حال میں مکروہ نہیں ہے یعنی فقط جنازہ اگر

مسجد میں ہو تب بھی اس پر نماز پڑھنا مکروہ نہیں ہے۔ امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ جب سعد بن ابی وقاص کی وفات ہوئی تو صدیقہ عائشہ نے حکم کیا کہ ان کے جنازہ کو مسجد میں داخل کیا جائے حتیٰ کہ اس پر تمام ازواج مطہرات نے نماز پڑھی۔ پھر حضرت عائشہ نے اپنے ارد گرد کے بعض لوگوں سے کہا کہ کیا لوگوں ہمارے اس فعل پر عیب لگایا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہاں (لوگوں کو اس پر اعتراض ہے) حضرت عائشہ نے کہا کہ لوگ کس قدر جلد فراموش کر گئے کہ رسول اللہ ﷺ نے سمیل بن البیضاء کے جنازہ پر مسجد ہی میں نماز پڑھی تھی۔ اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ مسجد کے اندر بھی نماز جنازہ بلا کراہت جائز ہے ورنہ رسول اللہ اور فقیر امت حضرت عائشہ مسجد کے اندر کیونکر نماز جنازہ پڑھتے ہماری دلیل حضرت ابو ہریرہ کی حدیث ہے ان رسول اللہ ﷺ قال من صلی علی جنازہ فی المسجد فلا اجر له یعنی حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس نے مسجد کے اندر جنازہ پر نماز پڑھی اس کے لئے کوئی ثواب نہیں ہے دوسری دلیل یہ ہے کہ مسجد ادائے فرائض کے لئے بنائی گئی ہے پس شیخ وقتہ نمازوں کے علاوہ کوئی نماز مسجد میں ادا نہ کی جائے تیسری دلیل یہ ہے کہ اگر جنازہ مسجد میں ہو تو اس صورت میں مسجد کے آلودہ ہونے کا احتمال ہے اس لئے بلا عذر مسجد میں میت کا لانا مکروہ ہے۔

حدیث عائشہ کا جو لب یہ ہے کہ اس زمانہ میں انصار و مہاجرین موجود تھے انہوں نے حضرت عائشہ کے عمل پر عیب لگایا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے اس وقت مسجد کے اندر جنازہ کی نماز کی کراہت معروف تھی اور رہا آنحضرت ﷺ کا سمیل کے جنازہ پر مسجد کے اندر نماز پڑھنا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت آنحضرت ﷺ مختلف تھے آپ کے لئے مسجد سے نکلنا ممکن نہ تھا تو آپ نے جنازہ کو لانے کا حکم دیا پس وہ جنازہ خارج مسجد رکھ دیا گیا اور آپ ﷺ نے مسجد میں رہتے ہوئے نماز پڑھی اور ہمارے نزدیک اگر جنازہ مسجد سے باہر ہو اور لوگ مسجد کے اندر کھڑے ہو کر اس پر نماز پڑھیں تو کراہت نہیں ہے۔ پس اول تو آنحضرت ﷺ کو اعتکاف کا عذر تھا دوسرے یہ کہ جنازہ مسجد میں نہیں تھا بلکہ مسجد سے باہر تھا اس لئے اس حدیث کو استدلال میں پیش کرنا مناسب نہ ہوگا۔

جس بچہ میں پیدائش کے بعد آثار حیات ہوں نام رکھا جائے گا، غسل دیا جائے گا اور نماز جنازہ پڑھی جائے گی

ومن استھل بعد الولادة سمی وغسل و صلی علیہ لقلوہ ﷺ اذا استھل المولود صلی علیہ وان لم یستھل لم یصل علیہ ولان الاستھلال دلالة الحیوة فتحقق فی حقہ سنة الموتی ومن لم یستھل ادرج فی حرقۃ کرامۃ لبنی آدم ولم یصل علیہ لماروینا ویغسل فی غیر الظاہر من الروایۃ لانه نفس من وجہ وهو المختار

ترجمہ..... اور جس بچہ نے ولادت کے بعد رونے کی آواز نکالی اس کا نام رکھا جائے اس کو غسل دیا جائے اور اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے۔ کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے جب بچہ رونے کی آواز نکالے تو اس پر نماز پڑھی جائے اور اگر رونے کی آواز نکالی تو اس پر نماز نہ پڑھی جائے اور اس لئے کہ رونازندہ ہونے کی دلیل ہے لہذا اس کے حق میں مردوں کا طریقہ متحقق ہوگا۔ اور جو بچہ نہیں رویا اس کو ایک کپڑے میں داخل کیا جائے اولادِ آدم کی تکریم کے پیش نظر۔ اور اس پر نماز نہ پڑھی جائے اس حدیث کی وجہ سے جو ہم نے روایت کی ہے۔ اور غیر ظاہر الروایت کے مطابق اس کو غسل بھی دیا جائے۔ کیونکہ وہ من وجہ نفس ہے اور یہی حکم مختار ہے۔

تشریح..... استھلال صبی۔ ولادت کے وقت بچہ کا آواز بلند کرنا لیکن یہاں مراد یہ ہے کہ ایسی چیز پائی جو بچہ کی حیات پر دلالت کرے مثلاً

بچہ کے کسی عضو کا حرکت کرنا یا اس کا رونے کی آواز نکالنا وغیرہ۔

بہر حال بچہ اگر پیدا ہوتے ہی مر گیا یعنی ولادت کے وقت زندگی کی کوئی دلیل پائی گئی پھر مر گیا تو اس بچہ کا نام بھی رکھا جائے۔ اس کو غسل میت بھی دیا جائے۔ اور اس پر نماز جنازہ بھی پڑھی جائے۔ دلیل حضور ﷺ کا قول اذا استھل المولود صلی علیہ و ان لم یستھل لم یصل علیہ ہے۔ اور عقلی دلیل یہ ہے کہ استہلال یعنی بچہ کا آواز نکالنا زندہ ہونے کی علامت ہے۔ لہذا اس کے حق میں مردوں کا طریقہ متحقق ہوگا۔ اور جس بچہ نے ولادت کے وقت رونے کی آواز نہیں نکالی۔ اور دوسری کوئی زندگی کی علامت بھی نہیں پائی گئی تو اس کو بطور کفن ایک کپڑے میں لپیٹ کر کسی گڈھے میں داب دیا جائے۔ یہ عمل بھی فقط اولاد آدم کی تکریم کے پیش نظر ہوگا۔ اور اس پر نماز نہ پڑھی جائے۔ دلیل گذشتہ روایت ہے البتہ غیر ظاہر الروایت کے مطابق اس کو غسل دیا جائے۔ دلیل یہ ہے کہ یہ من وجہ تو بدن کا ایک جز ہے اور من وجہ نفس ہے۔ پس دونوں کا اعتبار کیا گیا اور کہا کہ چونکہ بدن کا ایک جز اور عضو ہے۔ اس لئے اسپر نماز نہ پڑھی جائے اور چونکہ من وجہ نفس ہے اس لئے اس کو غسل دیا جائے۔ یہی ابو یوسف سے مروی ہے اور یہی مختار قول ہے۔

کوئی بچہ اپنے والدین کے ساتھ قید ہو گیا، پھر مر گیا تو نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی

و اذا سبی صبی مع احد ابویہ و مات یصل علیہ لانه تبع لهما الا ان یقربا لاسلام او ہو یعقل لانه صح اسلامہ استحسانا او یسلم احد ابویہ لانه یتبع خیر الابوین دینا و ان لم یسب معہ احد ابویہ صلی علیہ لانه ظہرت تبعیۃ الدار فحکم بالاسلام کما فی اللقیط

ترجمہ..... اور اگر کوئی بچہ اپنے والدین میں سے کسی کے ساتھ قید ہوا اور مر گیا تو اس پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔ کیونکہ وہ اپنے والدین کے تابع ہے مگر یہ کہ وہ اسلام کا اقرار کرے در انحالیکہ وہ سمجھدار ہے کیونکہ استحساناً اس کا اسلام صحیح ہو گیا ہے یا اس کے والدین میں سے کوئی ایک اسلام قبول کر لے۔ کیونکہ وہ دین کے اعتبار سے خیر الابوین کے تابع ہے۔ اور اگر اس بچہ کے ساتھ اس کے والدین میں سے کوئی قید نہیں ہوا تو اس پر نماز پڑھی جائے۔ کیونکہ دارالاسلام کے تابع ہونا اس کے حق میں ظاہر ہوا تو اس کے اسلام کا حکم دیا جائے گا جیسے لقیط میں ہوتا ہے۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی بچہ والدین میں سے کسی ایک کے ساتھ قید ہوا اور مر گیا تو اس پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔ کیونکہ بچہ والدین کے تابع ہو کر کافر ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہے الولد یتبع خیر الابوین دیناً۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بچہ دین میں اپنے والدین کے تابع ہوتا ہے اور چونکہ یہاں والدین کافر ہیں لہذا بچہ بھی کافر ہوگا اور کافر پر نماز جنازہ پڑھی نہیں جاتی اس لئے اس بچہ پر نماز جنازہ نہ پڑھی جائے۔ ہاں اگر وہ بچہ سمجھدار ہو اور اسلام کا اقرار کر لے یا اس کے والدین میں سے کوئی ایک مسلمان ہو گیا تو اس بچہ کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ اسلام کا اقرار کرنے کی صورت میں تو اس لئے کہ استحساناً اس کا مسلمان ہونا صحیح ہے۔ اور احد الابوین کے تابع ہوتا ہے اور دین کے اعتبار سے خیر الابوین وہ ہے جو مسلمان ہو گیا لہذا بچہ بھی اس کے تابع ہو کر مسلمان ہوگا۔ اور مسلمان کے جنازہ پر چونکہ نماز پڑھی جاتی ہے اس لئے اس بچہ کے جنازہ پر بھی نماز پڑھی جائے گی۔

اور اگر بچہ قید ہو مگر اس کے ساتھ اس کے ابوین میں سے کوئی قید نہیں ہوا اور وہ بچہ مر گیا تو اس پر جنازہ کی نماز پڑھی جائے گی۔ کیونکہ

دارالاسلام کے تابع ہو جانا اس کے حق میں ظاہر ہو گیا تو اس کے اسلام کا حکم دیا جائے گا جیسے لقیط میں ہوتا ہے یعنی ایک شخص نے جنگل وغیرہ میں ایک لڑکا پڑا پایا اور اس کا کوئی والی وارث معلوم نہیں ہوتا ہے۔ پس اگر دارالاسلام میں ملا ہو تو وہ اس دار کے تابع ہو کر مسلمان قرار دیا جائے گا۔

کافر کا مسلمان ولی اسے غسل اور کفن دے گا اور دفن کرے گا

وإذا مات الكافر وله ولي مسلم فانه يغسله ويكفنه ويدفنه بذلك امر على في حق ابیه ابی طالب لكن يغسل غسل الثوب النجس ويلف في خرقة وتحفر حفيرة من غير مراعاة سنة التكفين واللحد ولا يوضع فيه بل يلقى

ترجمہ..... اور جب کوئی کافر مرے اور اس کا کافر کوئی مسلمان وارث ہے تو مسلمان اس میت کا فر کو غسل دے، کفن دے اور دفن کر دے۔ حضرت علیؓ کو ان کے باپ ابو طالب کے حق میں اسی طرح کا حکم کیا گیا ہے۔ لیکن اس طرح غسل دیا جائے جس طرح نجس کپڑا دھویا جاتا ہے اور ایک کپڑے میں لپیٹ دیا جائے اور ایک گڈھا کھودے سنت تکفین اور سنت لحد کی رعایت کئے بغیر اور اس میں رکھنا نہ جائے بلکہ ڈال دیا جائے۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی کافر مرے اور اس کے کفار اولیاء میں سے وہاں کوئی نہیں ہے البتہ مسلمان ولی ہے یعنی اس کا کافر کا کوئی قریبی رشتہ دار مسلمان ہے تو یہ مسلمان اس کو نجس کپڑے کی طرح دھو کر ایک کپڑے میں لپیٹ کر کسی گڈھے میں ڈال دے۔ دلیل یہ ہے کہ ابو طالب کے انتقال کی حضرت علیؓ نے جب حضور ﷺ کو اطلاع کی تو آپ ﷺ نے فرمایا اغسله و کفنه و وارہ ولا تحدث بہ حدثا حتی تلقانی یعنی اس کو دھو کر کفن دے کر اس کو زمین میں چھپا دے۔ پھر کوئی بات نہ کرنا یہاں تک کہ میرے پاس آنا مراد یہ ہے کہ اس کی نماز نہ پڑھنا۔ حضور ﷺ کی مراد یہ ہے کہ مسنون طریقہ پر تدفین اور تکفین نہ کرنا۔ اسی کو صاحب ہدایہ نے فرمایا ہے کہ کافر میت کو نجس کپڑے کی طرح دھویا جائے اور یونہی کسی کپڑے میں لپیٹ دیا جائے اور گڈھا کھود کر اس میں ڈال دیا جائے اور اگر کافر میت کے کفار اولیاء موجود ہوں تو مسلمان کو چاہئے کہ وہ کافر میت اور اس کے کفار اولیاء کے درمیان تخیلہ کر دے وہ اس کے ساتھ جو چاہیں معاملہ کریں۔

متن کی عبارت ولہ ولی مسلم میں ولی سے مراد قریبی رشتہ دار ہے کیونکہ مسلمان اور کافر کے درمیان حقیقی ولایت موجود نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے لا تتخذوا اليهود والنصارى اولیاء یعنی مسلمانو! تم یہود و نصاریٰ کو اپنا ولی نہ بناؤ۔

فصل فی حمل الجنازة

(یہ) فصل جنازہ اٹھانے کے بیان میں ہے

جنازہ اٹھانے کا بیان..... جنازہ اٹھانے کا طریقہ

وإذا حملوا الميت على سريره اخذوا بقوائمہ الاربع بذلك وردت السنة وفيه تكثير الجماعة وزيادة الاكرام والصيانة وقال الشافعي السنة ان يحملها رجلان يضعها السابق على اصل عنقه والثاني على صدره لان جنازة سعد بن معاذ هكذا حملت قلنا كان ذلك لازدحام الملائكة عليه ويمشون

الخبیب لانہ ﷺ حین سنل عنہ قال مادون الخیب

ترجمہ..... جب لوگ میت کو اس کے تخت پر اٹھائیں تو چار پائی کے چاروں پایہ پکڑے ہوں۔ اسی طریقہ کے ساتھ سنت وار ہونی ہے۔ اور اس میں تکثیر جماعت ہے اور میت کے اکرام میں زیادتی ہے۔ (اور گرنے سے) حفاظت ہے۔ اور امام شافعی نے کہا کہ سنت یہ ہے کہ جنازہ کو دو مرد اٹھائیں (اس طرح کہ) اگلا شخص جنازہ کو اپنی گردن کی جڑ پر رکھے۔ اور دوسرا شخص اس کو اپنے سینہ پر رکھے۔ کیونکہ سعد بن معاذ کا جنازہ یونہی اٹھایا گیا تھا۔ ہم جواب دیں گے کہ یہ ملائکہ کے جہوم کی وجہ سے تھا اور جنازہ کو تیزی کے ساتھ لے کر چلیں دوڑ کر نہ چلیں۔ کیونکہ جس وقت اس بارے میں رسول اکرم ﷺ سے دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا ما دون الخیب۔

تشریح..... اس فصل کے اندر جنازہ اٹھانے کی کیفیت کا بیان ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ میت کو تخت یا چار پائی پر اٹھائیں اور چار پائی کے چاروں پایہ پکڑیں یعنی چار آدمی موجود ہوں اور ہر آدمی اس کا پایہ پکڑے۔ مسنون طریقہ یہی ہے عید اللہ بن مسعود سے مروی ہے من السنۃ ان تحمل الجنازۃ من جوانبھا الاربعۃ۔ یعنی مسنون یہ ہے کہ جنازہ کو اس کی چاروں جانب سے اٹھایا جائے۔ حضور ﷺ کا قول ہے من حمل الجنازۃ من جوانبھا الاربعۃ غفر لہ مغفرت موحدة یعنی جس نے جنازہ اس کی چاروں جانب سے اٹھایا تو اس کی مغفرت کر دی جائے گی۔ دوسری بات یہ کہ اس میں تکثیر جماعت بھی ہے کیونکہ اگر جنازہ کے ساتھ کوئی آدمی نہ جائے تو یہ چار حاملین جنازہ تو ضرور ہی ہوں گے اور ظاہر ہے کہ چار آدمیوں کی ایک جماعت ہوتی ہے اور چار آدمیوں کے اٹھانے میں جنازہ کا اکرام بھی ہے۔ بایں طور کہ ایک جماعت اپنی گردنوں پر اٹھائے ہوئے ہے اور جس کو گردنوں پر اٹھایا جاتا ہے اس کے مکرم اور محترم ہونے میں کیا شبہ کیا جاسکتا ہے۔ نیز چار آدمیوں کے اٹھانے کی صورت میں میت کے زمین پر گرنے سے حفاظت بھی ہے۔

حضرت امام شافعی نے فرمایا ہے کہ مسنون یہ ہے کہ دو آدمی اس طرح اٹھائیں کہ اگلا آدمی جنازہ اپنی گردن کی جڑ پر رکھے اور پچھلا آدمی اس کو اپنے سینہ پر رکھے۔ دلیل یہ ہے کہ سعد بن معاذ کا جنازہ اسی طرح اٹھایا گیا ہے۔ ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ یہ ملائکہ کی بے پناہ بھیم کی وجہ سے تھا۔ چنانچہ مروی ہے کہ سعد بن معاذ کی شہادت پر ستر ہزار فرشتے آسمان سے اترے تھے۔ اس سے پہلے کبھی اتنی بڑی تعداد زمین پر نہیں اتری۔

حاصل یہ کہ سعد کے جنازہ کو دو آدمیوں کا اٹھانا راستہ کے تنگ ہونے کی وجہ سے تھا یہی وجہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ اپنے بچوں کے بل چل رہے تھے۔

ماتن کہتے ہیں کہ جنازہ کو لے کر تیز رفتاری کے ساتھ چلیں دوڑیں نہیں۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے جب جنازہ کے ساتھ چلنے کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے مادون الخیب فرمایا جب کے معنی دوڑنے کے ہیں یعنی آپ ﷺ نے رفتار میں سرعت کا حکم تو فرمایا ہے۔ لیکن دوڑنے سے منع فرمایا ہے اور سرعت کا حکم اس لئے فرمایا ہے کہ جنازہ اگر نیک میت کا ہے تو اس کو بارگاہ خداوندی میں جلد پہنچا دو۔ اور اگر برے آدمی کا ہے تو اس بلا کو جلد اپنی گردنوں سے دور کر دو۔ اور دوڑنے سے اس لئے منع کیا ہے کہ اس میں میت کی تحقیر ہے۔

ہمارے نزدیک جنازہ کے پیچھے چلنا مستحب ہے اور امام شافعی کے نزدیک جنازہ کے آگے چلنا افضل ہے امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ جنازہ کے آگے آگے چلتے تھے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ سعد بن معاذ کے جنازہ کے پیچھے چل رہے تھے۔ اور حضرت علیؓ بھی جنازہ کے پیچھے چلتے تھے۔ اور ابن مسعودؓ نے فرمایا ہے فضل المشی خلف الجنازة علی المشی امامہا کفضل المکتوبۃ علی النافلۃ یعنی جنازہ کے آگے چلنے کی بہ نسبت جنازہ کے پیچھے چلنے تھے۔ حضرت علیؓ سے کسی نے کہا کہ ان ابا بکر و عمر کا نامیشیان امامہا یعنی ابوبکر اور عمر تو جنازہ کے آگے چلتے تھے حضرت علیؓ نے کہا کہ بلاشبہ یہ دونوں حضرات جنازہ کے آگے چلتے تھے۔ اللہ ان پر رحم کرے ان کو معلوم تھا کہ جنازہ کے پیچھے چلنا افضل ہے۔ لیکن لوگوں کی سہولت کے پیش نظر آگے رہتے تھے۔

قبر میں رکھنے سے پہلے بیٹھنے کا حکم

وإذا بلغوا الی قبرہ یکرہ ان یجلسوا قبل ان یوضع عن اعناق الرجال لانه قد تقع الحاجة الی التهاون والقیام امکن منه وکیفیۃ الحمل ان تضع مقدم الجنازة علی یمینک ثم مؤخرها علی یمینک ثم مقدمها علی یسارک ثم مؤخرها علی یسارک ایثار التیامن وهذا فی حالة التناوب.

ترجمہ..... اور جب اس کی قبر تک پہنچیں تو جنازہ اتارنے سے پہلے بیٹھ جانا مکروہ ہے کیونکہ کبھی جنازہ میں مددگاری کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور کھڑے ہونے میں معاونت پر زیادہ قابو ہے۔ اور جنازہ اٹھانے کی کیفیت یہ ہے کہ جنازہ کے اگلے سرے کو اپنے دائیں پر رکھے پھر اس کے پچھلے سرے کو اپنے دائیں پر رکھے پھر اس کے اگلے سرے کو اپنے بائیں پر رکھے پھر اس کے پچھلے سرے کو اپنے بائیں پر رکھے، تیامن کو ترجیح دیتے ہوئے اور یہ باری باری کی صورت میں ہے۔

تشریح..... مسئلہ، جب میت کو لے کر اس کی قبر تک پہنچ گئے تو جنازہ زمین پر رکھے جانے سے پہلے لوگوں کا بیٹھنا مکروہ ہے۔ کیونکہ کبھی جنازہ میں لوگوں کی مدد کی ضرورت ہوتی ہے اور لوگوں کا بروقت مدد کرنا زیادہ ممکن اسی وقت ہے جبکہ وہ کھڑے ہوں۔ اس لئے کہا گیا کہ جنازہ زمین پر اترنے سے لوگوں کا بیٹھنا مکروہ ہے اور جب جنازہ زمین پر رکھ دیا گیا تو اب کھڑا رہنا مکروہ ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ حضور جنازہ کے وقت میت کا اکرام مندوب ہے اور جنازہ اتارنے سے پہلے لوگوں کے بیٹھ جانے میں میت کا ازدراء اور تحقیر ہے اس لئے جنازہ اتارنے سے پہلے نہ بیٹھیں۔

صاحب ہدایہ نے جنازہ اٹھانے کی کیفیت بیان کی ہے کہ اولاً جنازہ کے اگلے سرے میں سے میت کے دائیں کو اپنے دائیں کندھے پر رکھے پھر اسی طرف کے پچھلے کو اپنے دائیں کندھے پر رکھے۔ پھر جنازہ کے اگلے سرے میں سے میت کے بائیں کو اپنے بائیں کندھے پر رکھے۔ پھر اسی طرف کے پچھلے کو اپنے بائیں پر رکھے۔ دلیل یہ ہے کہ اس صورت میں ابتداء بالیمین متحقق ہو جائے گی اس لئے کہ چار پائی کے اگلے سرے کا بائیں میت کا دایاں ہے۔ کیونکہ میت چار پائی پر گدی کے بل چت رکھی ہوئی ہے۔ پس جب چار پائی کے اگلے سرے کے بائیں کو حامل جنازہ نے اپنے دائیں کندھے پر رکھا تو یہ میت کا بھی دایاں ہوگا اور حامل جنازہ کا بھی دائیں ہوگا۔ کہتے ہیں کہ یہ صورت اس وقت ممکن ہے جبکہ اٹھانے والوں کی باری ہو اور اگر اٹھانے والے فقط چار آدمی ہیں تو ایک ہی حالت میں قبر تک لے جائیں گے۔

فصل فی الدفن

دفن کا بیان..... قبر لحد نائے جائے یا شق

ويعحف القبر ويلحد لقوله ﷺ اللحد لنا والشق لغيرنا ويدخل الميت مما يلي القبلة خلافا للشافعي فان عنده يُسَلُّ سَلًّا لِمَارُوِي أَنَّهُ ﷺ سَلُّ سَلًّا وَلِنَا أَن جَانِبَ الْقِبْلَةِ مَعْظَمٌ فَيَسْتَحِبُّ الْإِدْخَالَ مِنْهُ وَاضْطَرَبَتِ الرَّوَايَةُ فِي إِدْخَالِ النَّبِيِّ ﷺ

ترجمہ..... (یہ) فصل میت کو دفن کرنے کے بیان میں ہے اور قبر کھودی جائے اور لحد بنائی جائے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ ہمارے لیے لحد ہے اور دوسروں کے لئے شق ہے۔ اور میت اس جہت سے داخل کی جائے جو متصل قبلہ ہے برخلاف امام شافعی کے کیونکہ ان کے نزدیک میت کو (پائنتی) کی جانب سے کھینچا جائے گا کیونکہ مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اسی طرح سل کر کے داخل کئے گئے تھے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ قبلہ کی جانب معظم ہے اس لئے اس طرف سے داخل کرنا مستحب ہوگا اور رسول اللہ ﷺ کو داخل کرنے میں روایات مضطرب ہیں۔

تشریح..... لحد یہ ہے کہ قبر کے اندر قبلہ کی طرف گول کر دیا جائے یعنی بغل بنا دی جائے اسی کو بغلی قبر کہتے ہیں۔ اور شق یہ ہے کہ چوڑی قبر کھود کر اس کے اندر ایک پتلی نالی سی بنا کر اس میں مردہ دفن کرتے ہیں۔ (عناویہ)

حاصل یہ کہ ہمارے نزدیک قبر کھود کر لحد بنانا مسنون ہے بشرطیکہ زمین نرم نہ ہو اور اگر زمین ایسی نرم ہو کہ لحد بنانا ممکن نہ ہو تو شق جائز ہے۔ اور امام شافعی کے نزدیک مسنون لحد نہیں بلکہ شق ہے۔ امام شافعی کی دلیل شق پر اہل مدینہ کا توارث ہے یعنی اہل مدینہ سے توارثا یہی چلا آ رہا ہے کہ وہ مسلمان میت کے واسطے شق بناتے تھے نہ کہ لحد۔ ہماری دلیل حضور ﷺ کا قول اللحد لنا والشق لغيرنا ہے اور امام شافعی کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ بقیع (مدینہ منورہ کا قبرستان) کی زمین نرم اور ریتیلی ہے کہ اس میں لحد کا بنانا ممکن نہیں اس لئے اہل مدینہ شق بنانے کو اختیار کرتے تھے۔

دوسرا اختلاف یہ ہے کہ ہمارے نزدیک قبر میں اتارنے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ میت کو اس جہت سے داخل کیا جائے جو متصل قبلہ ہے یعنی جنازہ قبر سے قبلہ کی جانب رکھا جائے پھر وہاں سے میت کو اٹھا کر لحد میں رکھ دیا جائے اور امام شافعی نے کہا کہ مسنون میت کو اس کی قبر تک کھینچ کر لے جانا ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ جنازہ قبر کی پائنتی کی طرف اس طرح رکھا جائے کہ میت کا سر قبر میں اس کے قدموں کی جگہ کے برابر ہو پھر قبر میں داخل کرنے والا شخص میت کے سر کو پکڑ کر قبر میں داخل کرے اور اس کو کھینچتا چلا جائے۔ اور بعض نے کہا کہ اس کی صورت یہ ہے کہ جنازہ قبر کے سر اپنے اس طرح رکھا جائے کہ میت کے دونوں پاؤں قبر میں اسکے سر کے محاذی ہوں۔ پھر میت کے دونوں پاؤں پکڑ کر اولان کو قبر میں داخل کرے اور کھینچتا ہو پوری میت کو قبر میں اتار دے۔ امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ اسی طرح کھینچ کر قبر میں اتارا گیا ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ جہت قبلہ معظم اور محترم ہے لہذا اسی طرف سے داخل کرنا مستحب ہوگا اور رسول اللہ ﷺ کو قبر میں داخل کرنے کا مسئلہ تو اس سلسلہ میں روایات مضطرب ہیں کسی میں کچھ ہے اور کسی میں کچھ اس لئے یہ روایات قابل استدلال نہ ہوگی۔

قبر میں رکھنے والا کوئی دعا پڑھے اور کیا عمل کرے

فاذا وضع فی لحدہ یقول واضعه بسم اللہ وعلی ملۃ رسول اللہ کذا قالہ رسول اللہ ﷺ حین وضع ابادجانہ فی القبر ویوجہ الی القبلة بذلک امر رسول اللہ ﷺ ویحل التعمدہ لوقوع الامن من الانتشار ویسوی اللین علی اللحد لانه ﷺ جعل علی قبرہ اللین ویسجی قبر المرأۃ بثوب حتی یجعل اللین علی اللحد ولا یسجی قبر الرجل لان مینسی حالہن علی الستر ومینسی حال الرجل علی الانکشاف

ترجمہ..... پس جب میت کو اس کی لحد میں رکھے تو کہے بسم اللہ و علی ملۃ رسول اللہ یوں ہی ابودجانہ کو قبر میں رکھتے وقت رسول اللہ ﷺ نے کہا تھا۔ اور میت کو قبلہ کی جانب متوجہ کر دے اسی کا رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے۔ اور کفن کی گرہ کھول دے کیونکہ کفن منتشر ہونے کے خوف سے اطمینان ہو چکا اور لحد پر کچی اینٹیں برابر کر دی جائیں۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی قبر پر کچی اینٹیں لگائی گئیں تھیں اور عورت کی قبر پر کپڑے سے پردہ کر لیا جائے یہاں تک کہ کچی اینٹیں لحد پر لگائی جائیں اور مرد کی قبر پر پردہ نہ کیا جائے۔ کیونکہ عورتوں کا حال پردہ پر مبنی ہے اور مرد کا حال کشف پر مبنی ہے۔

تشریح..... مصنف نے فرمایا ہے کہ میت کو لحد میں اتارتے وقت یہ دعا پڑھی جائے بسم اللہ و علی ملۃ رسول اللہ اور ایک روایت میں بسم اللہ و علی سنۃ رسول اللہ کے الفاظ مروی ہیں۔ دلیل یہ ہے کہ حضرت ابودجانہ کی میت کو قبر میں اتارتے وقت رسول اکرم ﷺ نے بسم اللہ و علی ملۃ رسول اللہ کے الفاظ فرمائے تھے۔ مبسوط اور بدائع میں یہی مذکور ہے۔ صاحب کتاب نے بھی انہی حضرات کی تقلید کی ہے حالانکہ یہ غلط ہے۔ کیونکہ ابودجانہ انصاری کی وفات رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد صدیق اکبر کی خلافت میں جنگ یمامہ کے موقع پر ہوئی ہے۔ صحیح یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ذوالنجدین (عبداللہ) کو قبر میں اتارتے وقت یہ دعا پڑھی تھی۔ اسکے علاوہ اس دعا کا ثبوت ابن عمر کی حدیث سے بھی ہوتا ہے۔ حدیث یہ ہے عن ابن عمر کان النبی ﷺ جب میت کو قبر میں داخل فرماتے تو بسم اللہ و علی ملۃ رسول اللہ۔ ابن عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب میت کو قبر میں داخل فرماتے تو بسم اللہ و علی ملۃ رسول اللہ فرماتے۔ اور حاکم کی روایت میں یہ الفاظ مروی ہیں اذا وضعتہم موتا کم فی قبورہم فقولوا باسم اللہ و علی ملۃ رسول اللہ۔ جب تم اپنے مردوں کو قبر میں رکھو تو باسم اللہ و علی ملۃ رسول اللہ کہا کرو۔ (فتح القدیر)

لحد میں رکھ کر میت کو قبلہ کی طرف متوجہ کر دیا جائے۔ یعنی دائیں پہلو پر لٹا کر قبلہ کی طرف متوجہ کریں۔ دلیل یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے لوگوں کو اس کا حکم دیا ہے۔ عنایہ میں یہ حدیث موجود ہے عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ قال مات رجل من بنی عبد المطلب فقال ﷺ یا علی استقبالہ بہ القبلة استقبالا۔ حضرت علی نے فرمایا ہے کہ بنی عبدالمطلب کا ایک آدمی مر گیا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ اے علی اس کو قبر کی طرف متوجہ کر دو۔ فرمایا ہے کہ میت کو قبر میں رکھنے کے بعد اس کے کفن کی گرہ کھول دے۔ کیونکہ اب کفن کے منتشر ہونے کا خوف باقی نہیں رہا۔ اس کے بعد لحد پر کچی اینٹیں لگائی گئیں تھیں۔ چنانچہ حضرت جابر سے مروی ہے کہ ان قبر النبی ﷺ الحد ونصبنا علیہ اللین نصباً ورفع قبرہ من الارض شبراً یعنی حضور ﷺ لحد میں رکھے گئے اور ہم نے لحد پر کچی اینٹیں نصب کیں اور آپ کی قبر مبارک ایک بالشت کی مقدار زمین سے اونچی کی گئی۔

اور عورت کو لحد میں اتارتے وقت اس کی قبر پر پردہ کر لیا جائے یہاں تک کہ لحد کو پکی اینٹوں سے بند کر دیا جائے۔ اور مرد کی قبر پر پردہ نہ کیا جائے۔ دلیل یہ ہے کہ عورتوں کا حال ستر پر مبنی ہے اور مردوں کا حال کشف پر مبنی ہے۔ نیز حضرت فاطمہ گو قبر میں اتارتے وقت ان کی قبر پر پردہ کیا گیا تھا۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ مرد کی قبر پر بھی پردہ کیا جائے اور دلیل میں فرمایا کہ حضور ﷺ نے سعد بن معاذ کو قبر میں اتارتے وقت ان کی قبر پر پردہ کرایا تھا۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت علیؓ کا ایک میت کے پاس سے گذر ہوا کہ اس کی قبر پر پردہ ڈالا گیا ہے حضرت علیؓ نے اس کو ہٹا دیا۔ اور فرمایا کہ یہ مرد ہے یعنی مردوں کے حال کی بنیاد کشف پر ہے نہ کہ ستر پر۔ اور امام شافعیؒ کی پیش کردہ حدیث کا جواب یہ ہے کہ سعد بن معاذ کا کفن اتنا چھوٹا تھا کہ ان کا بدن چھپ نہ سکا بلکہ بدن کا کچھ حصہ کھلا رہا تو حضور ﷺ نے ان کی قبر پر پردہ ڈلوادیا تاکہ کوئی شخص ان کے کسی عضو پر مطلع نہ ہو سکے۔

قبر میں پکی اینٹ، لکڑی لگانے کا حکم

و یکرہ الاجر والخشب لانہما الاحکام البناء والقبر موضع البلی ثم بالاجر اثر النار فیکرہ تفاؤلا ولا باس بالقصب و فی الجامع الضغیر ویستحب اللبن والقصب لانہ ﷺ جعل علی قبرہ طن من قصب ثم یہال التراب ویسنم القبر ولا یسطح ای لا یربع لانہ ﷺ نہی عن تربع القبور ومن شاهد قبرہ اخبر انه مسنم

ترجمہ..... اور پکی اینٹیں اور لکڑی لگانا مکروہ ہے۔ اس لئے کہ یہ دونوں چیزیں عمارت کی مضبوطی کے لئے ہیں۔ اور قبر گلنے کی جگہ ہے۔ پھر یہ کہ پکی اینٹ میں آگ کا اثر ہے اس لئے بدنامی کے طور پر بھی مکروہ ہوگا اور بانس کے استعمال میں کچھ مضائقہ نہیں ہے اور جامع صغیر میں ہے کہ کچی اینٹ اور بانس کا استعمال مستحب ہے۔ کیونکہ حضور ﷺ کی قبر پر بانس کا ایک گٹھا استعمال ہوا۔ پھر مٹی ڈالی جائے اور قبر کو کوہان نما بنایا جائے اور سطح نہ بنائی جائے۔ یعنی چوکور نہ ہو۔ کیونکہ حضور ﷺ نے قبروں کو چوکور بنانے سے منع فرمایا ہے اور جس نے آنحضرت ﷺ کی قبر کو دیکھا اس نے خبر دی کہ وہ مسنم (کوہان نما) ہے۔

تشریح..... قبر میں پکی اینٹیں اور لکڑی لگانا مکروہ ہے۔ دلیل یہ ہے کہ یہ دونوں چیزیں عمارت کو مضبوط کرنے کے لئے ہوتی ہیں اور قبر گل کر برباد ہونے کی جگہ ہے پس ایسی جگہ میں وہ چیز صرف کرنا جو رایگاں ہو اسراف مکروہ ہے۔ پکی اینٹ لگانے میں وجہ کراہت یہ بھی ہے کہ پکی اینٹ میں آگ کا اثر ہے لہذا تفاقؤلا مکروہ ہے گویا اس کا آخرت کا گھر آگ کی معاونت سے تیار ہوا۔ نرکل اور بانس کے استعمال میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ جامع صغیر میں ہے کہ کچی اینٹ اور بانس کا لگانا مستحب ہے۔ قدوری کی عبارت استحباب پر دلالت نہیں کرتی۔ اور جامع صغیر کی عبارت ان دو چیزوں کے استحباب پر دلالت کرتی ہے۔ دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی قبر پر نرکل کا ایک گٹھا لگایا گیا تھا۔ پھر قبر پر مٹی ڈالی جائے اور قبر کو کوہان نما بنایا جائے۔ یعنی زمین سے ایک بالشت یا کچھ زائد اونچی بنایا جائے۔ قبر کو سطح یعنی چوکور نہ بنایا جائے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک مسنون قبر کا مربع یعنی چوکور ہونا ہے نہ کہ مسنم یعنی کوہان نما۔ امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کے صاحبزادے ابراہیمؑ کی وفات ہوئی تو حضور ﷺ نے ان کی قبر کو سطح بنائی نہ کہ مسنم۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے قبروں کو چوکور بنانے سے منع فرمایا ہے۔ ابراہیمؑ نخی کہتے ہیں کہ جس آدمی نے رسول اکرم ﷺ کی قبر کو دیکھا اور شیخین یعنی ابو بکر اور عمرؓ کی قبر کو دیکھا اس نے مجھے بتلایا کہ ان حضرات کی قبریں مسنم یعنی کوہان نما ہیں اور امام شافعیؒ کی بیان کردہ دلیل کا جواب یہ ہے کہ ابراہیم بن محمد ﷺ کی قبر اور

تو مسطح بنائی گئی لیکن پھر اس کو مسنم کر دیا گیا تھا۔ مبسوط اور محیط میں یہی مذکور ہے۔ واللہ اعلم۔ جمیل احمد عفی عنہ۔

باب الشہید

ترجمہ..... (یہ) باب شہید کے بیان میں ہے

تشریح..... مقتول کے بارے میں اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ وہ میت باجلہ ہے یعنی اس کی موت وقت پر آئی ہے وقت سے پہلے واقع نہیں ہوئی۔ رہی یہ بات کہ مقتول جب میت باجلہ ہے تو پھر قاتل پر قصاص یا دیت کیوں واجب ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قاتل نے چونکہ سبب قتل اختیار کرنے کی وجہ سے نظام عالم کو خراب کیا ہے اس لئے نظام عالم کو برقرار رکھنے کے لئے قاتل کے واسطے یہ سزا تجویز کی گئی ہے۔

شہید کے احکام علیحدہ باب میں اس لئے ذکر کئے گئے ہیں کہ شہید کی موت دوسری اموات سے ہزار ہا درجہ افضل ہے۔ حتیٰ کہ شہید فی سبیل اللہ کو مردہ تک کہنے سے منع کیا گیا ہے چنانچہ ارشاد باری ہے: **و لا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احياء و لکن لا تشعرون۔** جنازہ کے بعد شہید کا ذکر خاص بعد العام کے قبیلہ سے ہے جیسے قرآن پاک میں ملائکہ کے بعد جبریل اور میکائیل کا ذکر خاص طور پر کیا جاتا ہے۔ مثلاً **فرمان باری تعالیٰ ہے من کان عدوا للہ و ملائکتہ و رسلہ و جبریل و میکائیل فان اللہ عدو للكافرين۔**

شہید کا نام شہید اس لئے ہے کہ ملائکہ تکریم اور تعظیم کی خاطر اس کی موت کی شہادت دیتے ہیں۔ پس یہ مشہود کے معنی میں ہوگا۔ جیسے فعل مفعول کے معنی میں آتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ مقتول فی سبیل اللہ چونکہ مشہود لہ بالجنة ہے یعنی اسکے جنتی ہونے کا وعدہ ہے۔ اس لئے اس کو شہید کہا گیا ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ مقتول فی سبیل اللہ چونکہ زندہ ہے اور خدا کے پاس موجود ہے اس لئے اس کو شہید کہا گیا ہے۔ کیونکہ شہید کے معنی بھی موجود اور حاضر کے ہیں۔ فقہاء کی اصطلاح میں شہید وہ ہے جس کو مشرکین نے قتل کر ڈالا یا معرکہ جنگ میں پڑا ہوا پایا گیا اور اس کے بدن پر قتل کا اثر ہے یا اس کو مسلمانوں نے ظلماً قتل کیا اور اس کے قتل کی وجہ سے دیت واجب نہیں ہوئی۔ شہادت کی دو قسمیں ہیں ایک وہ کہ احکام آخرت میں شہید ہے اگرچہ دنیاوی احکام میں اس کو غسل وغیرہ دیا جائے۔ دوم یہ کہ دنیاوی آخرت دونوں میں شہید ہے۔ حتیٰ کہ اس کو غسل نہیں دیا جائے گا۔

شہید کی تعریف

الشہید من قتله المشركون او وجد في المعركة وبه اثر او قتله المسلمون ظلما ولم يجب يقتله دية فيكفن ويصلى عليه ولا يغسل لانه في معنى شهداء احد وقال صلى الله عليه وسلم فيهم زملوهم بكلو مهم ومهم ثم ولا تغسلواهم فكل من قتل بالحديد ظلما وهو طاهر بالغ ولم يجب به عوض مالي فهو في معناه فيلحق بهم والمراد بالاثر الجراحة لانها دلالة القتل وكذا خروج الدم من موضع غير معتاد كالعين ونحوه والشافعي يخالفنا في الصلوة ويقول. السيف محاء للذنوب فاغنى عن الشفاعة ونحن نقول الصلوة على الميت لاظهار كرامته والشہید اولی بها والطاهر عن الذنوب لا يستغنى عن الدعاء كالنبي والصبي

ترجمہ..... شہید وہ ہے جس کو مشرکین نے قتل کیا یا معرکہ میں ملا درناحلیکہ اس پر اثر ہے یا اس کو مسلمانوں نے قتل کیا ظلماً اور اس قتل کی وجہ سے دیت واجب نہ ہوئی ہو تو اس کو کفن دیا جائے اور اس پر نماز پڑھی جائے اور اس کو غسل نہ دیا جائے۔ کیونکہ ایسا مقتول شہداء احد کے معنی میں ہے۔ اور حضور ﷺ نے شہداء احد کے بارے میں فرمایا ہے کہ ان کو پٹیٹ دوان کے زخموں اور خونوں کے ساتھ اور ان کو غسل مت دو۔ پس جو شخص قتل کیا گیا دھار دار آلہ سے ظلماً اور یہ پاک اور بالغ ہو اور اس قتل کی وجہ سے عوض مالی بھی واجب نہ ہو ہو تو وہ بھی شہداء احد کے معنی میں ہے تو انہیں کے ساتھ لاحق کیا جائے گا۔ اور اثر سے مراد زخم ہے کیونکہ زخم دلیل قتل ہے اور اسی طرح عادت کے خلاف جگہ سے خون نکلنا جیسے آنکھ اور اس کے مانند۔ اور امام شافعیؒ نماز میں ہمارے مخالف ہیں اور امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ تلوار گناہوں کو مٹانے والی ہے۔ پس اس نے شفاعت سے مستغنی کر دیا اور ہم کہتے ہیں کہ میت پر نماز پڑھنا اس کی کراہت ظاہر کرنے کے لئے ہے اور شہید اس کا زیادہ مستحق ہے اور جو کوئی گناہوں سے پاک ہو وہ دعا سے مستغنی نہیں ہو جاتا جیسے نبی اور بچہ۔

تشریح..... صاحب قدوری نے کہا ہے کہ شہید کی چند صورتیں ہیں:

(۱) کسی مسلمان کو مشرکین نے قتل کر دیا خواہ کسی آلہ سے یا لکڑی وغیرہ سے

(۲) کوئی مسلمان میدان جنگ میں اس حال میں پایا گیا کہ اس کے بدن پر زخم وغیرہ کا اثر ہے۔

(۳) کسی مسلمان کو مسلمانوں نے ظلماً قتل کیا اور اس قتل کی وجہ سے دیت واجب نہ ہوئی ہو۔ ان تینوں صورتوں میں حکم یہ ہے کہ بالاتفاق

کفن دیا جائے اور جب شہداء احد کے معنی میں ہو تو اس کو بالاتفاق غسل نہ دیا جائے البتہ نماز میں اختلاف ہے۔ چنانچہ ہمارے

نزدیک شہیدوں کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور امام شافعیؒ کے نزدیک نہیں پڑھی جائے گی۔ شہید کو کفن تو اس لئے دیا جائے گا کہ

کفن دینا بنو آدم کے مردوں میں سنت ہے۔ پس اگر شہید کے بدن پر کپڑے ہوں تو ان کو اتارنا نہ جائے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا

ہے زملوہم بکلوہم و دمانہم اور ایک روایت میں ہے بشیابہم یعنی ان کو پٹیٹ دوان کے زخموں ان کے خونوں اور ان

کے کپڑوں کے ساتھ، شہید کے بدن پر اگر ٹوپی، موزہ اور ہتھیار وغیرہ ہوں تو ان کو اتار دیا جائے، اس لئے کہ یہ چیزیں کفن کی جنس

سے شمار نہیں ہوتیں۔ ہاں اگر کفن کے کپڑوں میں کمی ہو تو ان کا اضافہ کر دیا جائے اور شہیدوں کو غسل نہ دینا اس لئے ہے کہ شہید،

شہداء احد کے حکم میں ہوتا ہے۔ اور شہداء احد کے بارے میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے ولا تغسلوہم ان کو غسل مت دو،

ایک حدیث میں ہے کہ اللہ کے راستے میں اگر کوئی زخم لگ گیا تو کل قیامت کے دن اللہ کے حضور میں اس حال میں پیش کیا جائے گا

کہ اس کا رنگ تو خون جیسا ہوگا مگر خوشبو مشک جیسی ہوگی۔

صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ جس شخص کو آلہ دھار سے ظلماً قتل کیا گیا ہو اور وہ پاک اور بالغ ہو اور اس قتل کی وجہ سے عوض مالی واجب نہ

ہو ہو تو وہ بھی شہداء احد کے معنی میں ہے۔ لہذا اس کو بھی شہداء احد کے ساتھ لاحق کیا جائے گا۔

شہید کی نماز میں ہمارا اور امام شافعیؒ کا اختلاف ہے، چنانچہ ہمارے نزدیک شہید کی نماز جنازہ بھی فرض علی الکفایہ ہے اور امام

شافعیؒ شہید کی نماز کے قائل نہیں ہیں، امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ نماز جنازہ درحقیقت میت کے لئے سفارش اور دعا ہے اور تلوار جو شہید پر

پائی گئی ہے وہ اس کے گناہوں کو مٹا دیتی ہے پس جب تلوار نے شہید کے گناہوں کو مٹا دیا تو اس کے لئے سفارش اور دعا کی کوئی ضرورت

نہیں رہی۔ اس لئے کہا گیا کہ شہید پر نماز جنازہ نہ پڑھی جائے۔

ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ میت پر نماز جنازہ فقط دعا کے طور پر نہیں ہے۔ بلکہ دعا کے علاوہ میت کی تکریم و تعظیم کا ظاہر کرنا بھی ہوتا ہے اور شہید تکریم کا زیادہ مستحق ہوتا ہے۔ اس لئے دیگر موتی کی طرح شہید کی بھی نماز پڑھی جائے گی اور امام شافعی کا یہ کہنا کہ جو شخص گناہوں سے پاک ہو وہ دعا سے مستغنی ہوتا ہے غلط ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے زیادہ پاک کون ہوگا اور نابالغ بچہ بھی گناہوں سے پاک ہوتا ہے۔ اس کے باوجود دونوں پر نماز پڑھنا فرض ہے۔ پس جب نبی اور صبی پر نماز پڑھنا فرض ہے تو شہید پر بھی نماز پڑھنا فرض ہوگا۔

حریوں، باغیوں اور ڈاکوؤں کے ہاتھوں قتل ہونے والے کا حکم

ومن قتلہ اهل الحرب او اهل البغی او قطع الطريق فباى شیء قتلوه لم يغسل لان شهداء احد ما كان کلهم قتيل السيف والسلاح

ترجمہ..... اور جس کو حریوں نے قتل کیا ہو یا باغیوں نے یا ڈاکوؤں نے کسی بھی چیز سے قتل کیا ہو اس کو غسل نہ دیا جائے کیونکہ شہداء احد سب کے سب تلوار تھیاری سے قتل نہیں کئے گئے تھے۔

تشریح..... مسئلہ، اگر کسی مسلمان کو دارالحرب کے کافروں نے قتل کر دیا یا دارالاسلام کے باغیوں نے قتل کیا یا ڈاکوؤں نے قتل کیا کسی بھی چیز سے قتل کیا ہو مقتول شہید کہلائے گا اور اس کو غسل نہیں دیا جائے گا۔ دلیل یہ ہے کہ شہداء احد سب کے سب تلوار اور تھیاری سے مقتول نہ تھے۔ بلکہ بعض کو ان کے سر میں پتھر مار کر ہلاک کیا گیا تھا اور بعض کو ڈنڈے سے ہلاک کیا گیا تھا۔ پس یہ معلوم ہوا کہ شہید ہونے کے لئے لوہے کے آلہ سے مقتول ہونا شرط نہیں ہے۔ لیکن یہ اعتراض اپنی جگہ ہے کہ اہل اسلام میں سے ڈاکو یا باغی کا مقتول شہداء احد کے معنی میں نہیں ہے۔ لہذا ان کے ہاتھوں مقتول مسلمان کو شہید نہ کہنا چاہئے۔ جواب ہم کو جس طرح حریوں سے قتال کا امر کیا گیا ہے۔ اسی طرح باغیوں سے بھی قتال کا حکم کیا گیا ہے، چنانچہ ارشاد باری ہے فَصَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّى تَبْغِي إِلَى امْرِئٍ اَللّٰهِ یعنی جو جماعت بغاوت کرے اس سے قتال کرو یہاں تک کہ اللہ کے امر کی طرف رکوع کرے۔ پس جو شخص باغی کے ہاتھوں قتل ہو اس نے بھی اللہ کی خوشنودی کے لئے اپنی جان دیدے، پس کفار کے ساتھ جنگ کرتے ہوئے مارا جانا اور باغیوں کے ہاتھوں مقتول ہونا دونوں برابر ہیں۔ اسی طرح ڈاکوؤں کے ہاتھوں سے مقتول ہونا بھی اللہ کی خوشنودی کے لئے جان دینا ہے اس لئے کہ ڈاکوؤں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اللّٰهُ تَعَالٰی نے ڈاکوؤں کو اللہ اور رسول ﷺ کے ساتھ محاربہ کرنے والا فرمایا ہے۔ اب جو ڈاکوؤں کے ساتھ محاربہ کرے گا اور ان کے ہاتھوں مقتول ہوگا تو گویا اس نے اللہ اور رسول کی طرف سے جنگ کی اور مارا گیا اور جو شخص اللہ اور رسول ﷺ کی طرف سے ان کو راضی کرنے کے لئے جنگ کرے گا اور قتل ہو جائے گا تو وہ بھی محاربہ کفار میں مقتول کے مانند ہے، اور جو مسلمان محاربہ کفار میں مقتول ہو گیا وہ بلاشبہ شہید ہے۔ لہذا باغیوں اور ڈاکوؤں کے ہاتھ سے مقتول بھی اسی کے مانند شہید ہوگا۔

جنسی شہید کو غسل دینے کا حکم، اقوال فقہاء

وإذا استشهد الجنب غسل عند ابی حنیفہ وقال لا يغسل لان ما وجب بالجنبه سقط بالموت والثانی لم

يجب للشهادة ولا يبي حنيفة ان الشهادة عرفت مانعة غير رافعة فلا ترفع الجنابة وقد صح ان حنظلة لما استشهد جنبا غسله الملائكة وعلى هذا الخلاف الحائض والنفساء اذا طهرتا وكذا قبل الانقطاع في الصحيح من الرواية وعلى هذا الخلاف الصبي لهما ان الصبي احق بهذه الكرامة وله ان السيف كفى عن الغسل في حق شهداء احد بوصف كونه طهارة ولا ذنب عن الصبي فلم يكن في معناهم

ترجمہ.... اور اگر حالت جنابت میں شہید ہو تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کو غسل دیا جائے گا اور صاحبین نے کہا کہ اس کو غسل نہیں دیا جائے گا۔ کیونکہ جو غسل جنابت کی وجہ سے واجب ہو وہ موت سے ساقط ہو گیا۔ اور دوسرا غسل شہادت کی وجہ سے واجب نہیں ہے۔ اور ابوحنیفہ کا دلیل یہ ہے کہ شہادت تو اس طرح پہچانی گئی کہ وہ غسل میت کے واجب ہونے سے مانع ہے نہ کہ غسل واجب کو رافع کرنے والی۔ پس وہ جنابت کو دور نہ کرے گی۔ اور یہ صحیح ہے کہ حنظلہ جب جنابت کی حالت میں شہید ہوئے تو ان کو ملائکہ نے غسل دیا تھا اور اسی اختلاف پر حیض والی اور نفاس والی عورت ہے۔ جبکہ وہ پاک ہو جائیں اور یونہی انقطاع سے پہلے ہے صحیح روایت کے مطابق اور اسی اختلاف پر بچہ ہے۔ صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ بچہ اس کرامت کا زیادہ مستحق ہے اور ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ شہداء احد کے حق میں غسل سے تلوار کافی ہو گئی اس وصف کے ساتھ کہ تلوار گناہوں سے پاک کرنے والی ہے اور بچہ پر کوئی گناہ نہیں ہے تو بچہ شہداء احد کے معنی میں نہ ہوا۔

تشریح..... مسئلہ جنسی مسلمان اگر شہید ہو گیا تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کو غسل دیا جائے یہی امام احمد کا قول ہے اور صاحبین کے نزدیک غسل نہ دیا جائے۔ اسی کے قائل امام شافعی ہیں۔ صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ جو غسل جنابت کی وجہ سے واجب ہوا تھا وہ موت سے ساقط ہو گیا کیونکہ موت کی وجہ سے وہ غسل جنابت کا مکلف ہونے سے نکل گیا ہے اور دوسرا غسل یعنی غسل میت شہادت کی وجہ سے واجب نہیں ہوا کیونکہ شہادت وجوب غسل سے مانع ہے اس لئے کہ شہداء کے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا ہے زمسواہم بکلومہم ولا تغلسواہم حدیث میں اس کی کوئی تفصیل نہیں کہ شہید جنسی ہو یا غیر جنسی ہو۔

امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ شہادت، غسل میت واجب ہونے سے مانع تو ہے لیکن اگر پہلے سے غسل واجب ہو تو اس کو رفع کرنے والی نہیں ہے۔ چنانچہ شہید کے پزیرے پر اگر نجاست لگی ہو تو اس کو دھونا ضروری ہے۔ لیکن اس کے بدن کے خون کو دھونا ضروری نہیں ہے۔ پس شہادت چونکہ رافع نہیں ہے اس لئے شہادت جنابت کو بھی دور نہ کرے گی۔ اور جب جنابت کو دور نہیں کیا تو جنسی شہید کو غسل جنابت دینا واجب ہوگا۔ اس کی تائید اس واقعہ سے بھی وہوتی ہے کہ حضرت حنظلہ جب شہید ہو گئے تو فرشتوں نے ان کو غسل دیا تھا۔ حضور ﷺ نے ان کے گھر والوں سے دریافت فرمایا کہ حنظلہ کس حال میں تھے ان کی بیوی نے کہا کہ مجھ سے جماع کیا تھا جب جنگ تھا۔ حضور ﷺ نے ان کا اعلان سنا تو بغیر غسل کے شریک جنگ ہو کر شہید ہو گئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہی سبب ہے۔ یہ اعتراض کیا جائے کہ بندوں کا غسل کا اعلان سنا تو بغیر غسل کے شریک جنگ ہو کر شہید ہو گئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہی سبب ہے۔ یہ اعتراض کیا جائے کہ بندوں کا غسل دینا واجب ہے نہ کہ ملائکہ کا۔ پس اگر شہید جنسی کو غسل دینا واجب ہوتا تو حضور ﷺ حنظلہ کو دوبارہ غسل دینے کا حکم فرماتے۔ جواب واجب تو فقط غسل دینا ہے۔ غسل دینے والا کوئی بھی ہو چنانچہ آپ ملاحظہ فرمائیں کہ جب ملائکہ نے آدم کو غسل دیا تو واجب ادا ہو گیا۔ اولاد آدم نے آدم کے غسل کا اعادہ نہیں کیا۔ اگر ملائکہ کا دیا ہوا غسل ناکافی ہوتا تو اولاد آدم، آدم کے غسل کا اعادہ کرتی اور رسول اکرم ﷺ حضرت حنظلہ کے غسل کا اعادہ فرماتے۔

یہی اختلاف حائضہ اور نفاس والی عورت میں ہے۔ یعنی اگر حیض یا نفاس کا خون منقطع ہو کر پاک ہو گئی اور ابھی غسل نہیں کیا اسی حالت میں شہید ہو گئی تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک غسل دیا جائے گا کیونکہ امام صاحبؒ کے نزدیک شہادت مانع وجوب غسل ہے رافع غسل نہیں ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک غسل نہ دیا جائے کیونکہ اول تو موت کی وجہ سے ساقط ہو گیا اور ثانی شہادت کی وجہ سے واجب نہیں ہوا۔ اور ایک روایت کے مطابق اگر خون بند ہونے سے پہلے شہید ہو گئی تو امام صاحبؒ کے نزدیک اس کو غسل نہیں دیا جائے گا۔ کیونکہ خون منقطع ہونے سے پہلے اس پر غسل واجب ہی نہیں ہوا اور دوسری روایت کے مطابق غسل دیا جائے گا۔ یہی صحیح روایت ہے۔ کیونکہ موت کی وجہ سے انقطاع دم حاصل ہو گیا اور دم سائل انقطاع کے وقت غسل کو واجب کرتا ہے اور بچہ اگر شہید کر دیا گیا تو امام صاحبؒ کے نزدیک اس کو غسل دیا جائے گا اور صاحبین کے نزدیک غسل نہ دیا جائے۔

صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ شہید سے غسل کا ساقط ہونا اس لئے ہے تاکہ اس کی مظلومیت کا اثر باقی رہے۔ پس شہید کو غسل نہ دینا اس کے اکرام کے پیش نظر ہے اور بچہ کی مظلومیت زیادہ ہے لہذا بچہ اس کرامت کا زیادہ مستحق ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ شہداء احد کے حق میں میں تلوار غسل سے کافی ہو گئی۔ کیونکہ تلوار گناہوں سے پاک کر دیتی ہے۔ یعنی شہداء احد کو غسل اس لئے نہیں دیا گیا کہ تلوار نے ان کو گناہوں سے پاک کر دیا ہے اور چونکہ بچہ پر کوئی گناہ نہیں ہے اس لئے بچہ شہداء احد کے معنی میں نہ ہوگا۔ اور جب شہداء احد کے معنی میں نہ ہو تو شہداء احد کی طرح بچہ سے غسل بھی ساقط نہ ہوگا بلکہ بچہ کو غسل دیا جائے گا۔

شہید سے خون نہ پونچھا جائے اور نہ کپڑے اتارے جائیں، زائد اشیاء اتار لی جائیں

ولا يغسل الشهيد دمه ولا ينزع عنه ثيابه لما روينا وينزع عنه القرو والحشو والسلاح والخف لانها ليس من جنس الكفن ويزيدون و ينقصون ما شاؤا اتماما للكفن

ترجمہ..... اور شہید سے اس کا خون نہ دھویا جائے اور نہ اس سے اس کے کپڑے اتارے جائیں اس حدیث کی وجہ سے جو ہم نے روایت کی ہے اور شہید سے جدا کر دی جائے پوتین، روئی وغیرہ سے بھراؤ کی چیز، ہتھیار اور موزے کیونکہ یہ چیزیں کفن کی جنس سے نہیں ہیں اور کفن سنت پورا کرنے کے لئے جو چاہیں گھنائیں اور بڑھائیں۔

تشریح..... شہید کے بدن پر اگر چمڑے کا کوئی لباس، پوتین وغیرہ ہو یا روئی سے بھراؤ کی کوئی چیز ہو یا ہتھیار اور موزہ ہو تو ان کو اتار دیا جائے۔ یہ علماء احناف کا مذہب ہے۔ امام شافعیؒ نے کہا ہے کہ شہید کے بدن سے کوئی چیز نہ اتاری جائے۔ امام شافعیؒ کی دلیل حضور ﷺ کا قول زملوہم الخ ہے۔ یعنی شہداء کو انکے کپڑوں میں لپیٹ دو۔ اس میں کوئی تفصیل نہیں ہے کہ کس کپڑے میں لپیٹا جائے اور کس کو اتارا جائے۔ اس لئے حدیث کے اطلاق کا مقتضی یہ ہے کہ کوئی کپڑا شہید کے بدن سے نہ اتارا جائے۔ ہماری دلیل حدیث ابن عباس ہے قال امر رسول اللہ ﷺ بقتل احد ان ينزع عنهم الحديد والجلود و ان يدفنوا بدمانهم و ثيابهم۔ یعنی رسول اللہ ﷺ نے مقتولین احد کے بارے میں حکم دیا کہ ان سے لوہا اور پوتین کو جدا کر دو۔ اور ان کے خون اور کپڑوں میں دفن کر دو۔ بظاہر یہ ہے کہ مذکورہ دونوں حدیثیں متعارض ہیں۔ اس لئے ہم ان دونوں کو چھوڑ کر قیاس کی طرف رجوع کریں گے۔ اور قیاس یہ ہے کہ پوتین وغیرہ کو اتار دیا جائے۔ کیونکہ یہ چیزیں کفن کی جنس سے نہیں۔

شہید کے بدن پر اگر عدد مسنون سے کم کپڑے ہوں تو ان میں اضافہ کر کے عدد مسنون کر دیا جائے اور اگر عدد مسنون سے زائد کپڑے ہوں تو کم کر کے عدد مسنون کو باقی رکھا جائے۔

ارتثات کی تعریف

ومن ارتث غسل وهو من صار خلقا في حكم الشهادة لنيل مرافق الحياة لان بذلك يخفف اثر الظلم فلم يكن في معنى شهداء احد، والارتثات ان ياكل أو يشرب أو ينام أو يداوى أو ينقل من المعركة لانه نال بعض مرافق الحياة، وشهداء احد ماتوا عطاشا والكأس تدار عليهم فلم يقبلوا خوفا من نقصان الشهادة الا اذا حمل من مصرعه كيلا تطأه الخيول لانه ما نال شيئا من الراحة ولو او اه فسطاط او خيمة كان مرتثا لما بينا ولو بقي حيا حتى مضى وقت صلوة وهو يعقل فهو مرتث لان تلك الصلوة صارت دينا في ذمته وهو من احكام الاحياء وقال وهذا مروى عن ابى يوسف ولو اوصى بشئ من امور الآخرة كان ارتثا عند ابى يوسف لانها ارتفاق وعند محمد لا يكون لانه من احكام الاموات

ترجمہ۔۔۔ اور جو شخص ارتثات پائے اس کو غسل دیا جائے اور یہ وہ ہے کہ جو حکم شہادت میں پرانا ہو گیا منافع زندگی حاصل ہونے کی وجہ سے۔ کیونکہ اس کی وجہ سے ظلم کا اثر ہلکا ہو جائے گا۔ پس وہ شہداء احد کے معنی میں نہ رہا۔ اور ارتثات یہ ہے کہ کھائے یا پئے یا سوائے یا اس کی دوا کی جائے یا معرکہ سے منتقل کر لیا جائے۔ اس لئے کہ اس نے زندگی کے کچھ منافع حاصل کر لیے اور شہداء احد تو پیا سے مر گئے حالانکہ پانی کا پیالہ ان پر گھمایا جا رہا تھا لیکن انہوں نے نقصان شہادت کے خوف سے اس کو قبول نہ کیا مگر جب مقتل سے اس لئے اٹھا لائے کہ اس کو گھوڑے نہ روند ڈالیں اس لئے کہ اس نے راحت سے کچھ حاصل نہ کیا اور اگر اس کو بڑے یا چھوٹے خیمے میں جگہ ملی تو اس نے ارتثات پایا۔ اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے بیان کی اور اگر وہ نماز کا وقت گزرنے تک زندہ رہا حالانکہ کچھ ہے تو وہ بھی ارتثات حاصل کرنے والا ہے۔ کیونکہ یہ نماز اس کے ذمہ میں دین ہو گئی اور یہ زندوں کے احکام میں سے ہے۔ مصنف نے کہا کہ یہ امام ابو یوسف سے مروی ہے اور اگر امور آخرت میں سے کسی چیز کی وصیت کی تو ابو یوسف کے نزدیک یہ بھی ارتثات ہوگا۔ کیونکہ یہ بھی راحت ہے۔ اور امام محمد کے نزدیک یہ ارتثات نہیں ہے کیونکہ یہ مردوں کے احکام میں سے ہے۔

تشریح۔۔۔ ارتثات کے معنی ہیں پرانا پڑ جانا۔ ثوب رٹ پرانے کپڑے کو کہتے ہیں۔ صورت مسئلہ یہ ہے کہ مقتول فی سبیل اللہ نے اگر زخم کھانے کے بعد اور مرنے سے پہلے کچھ منافع زندگی حاصل کر لیے تو کہا جائے گا کہ یہ شہید پرانا ہو گیا۔ اور چونکہ منافع زندگی حاصل کرنے کی وجہ سے ظلم کا اثر بھی ہلکا ہو گیا ہے۔ اس لئے یہ شہداء احد کے معنی میں نہ رہا اور جب شہداء احد کے معنی میں نہ رہا تو اس کو غسل دیا جائے گا۔ کیونکہ غسل کا ساقط ہونا اس شہید کے حق میں ہے جو شہداء احد کے معنی میں ہو۔

صاحب قدوری کہتے ہیں کہ ارتثات یہ ہے کہ مقتول فی سبیل اللہ نے سے پہلے کچھ کھالے یا کچھ پی لے۔ یا سو جائے یا اس کا علاج معالجہ کیا جائے معرکہ جنگ سے بغرض راحت منتقل کر دیا جائے کیونکہ اس نے زندگی کے کچھ منافع حاصل کر لیے۔ حالانکہ شہداء احد کا حال یہ تھا کہ پانی ان کو پیش کیا جا رہا ہے مگر انہوں نے نقصان شہادت کے خوف سے قبول نہ کیا اور یونہی تڑپ تڑپ کر جان دے دی۔ ہاں اگر کسی شہید کو مقتل سے اس لئے منتقل کیا گیا کہ مقتل میں اس کو گھوڑے نہ روند ڈالیں، تو یہ ارتثات نہ ہوگا۔ کیونکہ اس نے کوئی راحت

حاصل نہیں کی ہے اور اگر اس کو بڑے یا چھوٹے خیمہ میں پناہ دی تو وہ ارتثاٹ پانے والا شمار ہوگا۔ اور اگر شہید ایک نماز کے وقت گزرنے تک زندہ رہا اور اس حال میں زندہ رہا کہ اسکے ہوش و حواس باقی ہیں تو یہ بھی ارتثاٹ پانے والا ہوگا۔ کیونکہ یہ نماز اس کے ذمہ میں ذین ہو گئی اور نماز کا کسی کے ذمہ میں ذین ہونا دنیا کے احکام میں سے ہے۔ صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ یہ امام ابو یوسف کی روایت ہے اور اگر مقتول فی سبیل اللہ نے امر آخرت میں سے کسی چیز کی وصیت کی تو امام ابو یوسف کے نزدیک یہ بھی ارتثاٹ ہے کیونکہ یہ حصول ثواب کی راحت ہے اور امام محمد کے نزدیک یہ ارتثاٹ نہیں ہے۔ کیونکہ یہ مردوں کے احکام میں سے ہے۔

شہر میں پائے جانے والے مقتول کے غسل کا حکم

ومن وجد قتيلا في المصر غسل لان الواجب فيه القسامة والدية فحفف اثر الظلم الا اذا علم انه قتل بحديسة ظلما لان الواجب فيه القصاص وهو عقوبة والقاتل لا يتخلص عنها ظاهراً اما في الدنيا واما في العقبى وعند ابى يوسف و محمد ما لا يلبث كالسيف ويعرف الجنایات ان شاء الله تعالى

ترجمہ..... اور جو شخص شہر کے اندر مقتول پایا گیا اس کو غسل دیا جائے کیونکہ اس قتل میں واجب تو قسامت اور دیت ہے۔ اس لئے ظلم کا اثر ہلکا پڑ گیا۔ مگر جب یہ معلوم ہو کہ یہ دھاردار آکہ سے ظلماً قتل کیا گیا ہے۔ اس لئے کہ اس میں قصاص واجب ہے اور وہ عقوبت ہے اور قاتل بظاہر اس سے چھٹکارا نہ پاسکے گا یا تو دنیا میں یا آخرت میں۔ اور امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک جو چیز دیر نہیں کرتی وہ تلواریں اور یہ مسئلہ باب الجنایات میں انشاء اللہ معلوم ہوگا۔

تشریح..... مسئلہ، اگر کوئی مقتول شہر کے اندر پایا گیا اور اس کا قاتل معلوم نہیں تو اس کو غسل دیا جائے گا۔ کیونکہ اس صورت میں اہل محلہ پر دیت واجب ہوگی اور اس دیت کا نفع میت کو پہنچے گا۔ چنانچہ مقتول اگر مدیون ہو تو اس سے اس کا ذین ادا کیا جائے گا۔ بہر حال جب دیت کا نفع مقتول کو حاصل ہو تو اس پر سے ظلم کا اثر ہلکا پڑ گیا۔ اور جب یہ مقتول کامل مظلوم نہ رہا تو شہداء احد کے معنی میں بھی نہیں ہوگا۔ اور شہداء احد کی طرح اس سے غسل ساقط نہ ہوگا۔ ہاں اگر یہ معلوم ہے کہ دھاردار آکہ سے مقتول ہوا اور اس کا قاتل بھی معلوم ہے تو اس کو غسل نہ دیا جائے۔ کیونکہ اس صورت میں قصاص واجب ہے۔ اور قصاص عقوبت ہے نہ کہ عوض اور جب قصاص عقوبت ہے عوض نہیں ہے تو ظلم کا اثر بھی ہلکا نہ ہوگا بلکہ مقتول کامل مظلوم ہوگا۔ اور جب مکمل مظلوم ہے تو شہداء احد کے معنی میں ہونے کی وجہ سے اس کو غسل بھی نہ دیا جائے گا۔ اور رہا قاتل تو وہ بیخ نہیں سکے گا۔ اس لئے کہ اگر قاتل پر قابو پایا گیا تو دنیا ہی میں اس سزا کو بھگتے گا۔ اور اگر قابو نہ ملا تو آخرت میں بھگتے گا۔ حاصل یہ کہ اگر قاتل کی وجہ سے قاتل یا اولیاء قاتل یا اس کے عاقلہ پر دیت جب ہوئی تو مقتول دنیا میں شہید نہیں ہوگا۔ عام مردوں کی طرح اس کو بھی غسل دیا جائے گا اور اگر قاتل کی وجہ سے قصاص واجب ہو تو مقتول شہید ہوگا اور اس کو غسل نہیں دیا جائے گا۔

اس جگہ ایک سوال ہو سکتا ہے وہ یہ کہ جس کے قتل کی وجہ سے قصاص واجب ہوا ہے وہ شخص شہداء احد کے معنی میں نہیں ہے۔ کیونکہ شہداء احد کے قتل کی وجہ سے کوئی چیز واجب نہیں ہوئی تھی اور جو شخص شہداء احد کے معنی میں نہ ہو اس کو غسل دیا جاتا ہے۔ لہذا اس کو بھی غسل دیا جانا چاہئے جس کے قتل کی وجہ سے قصاص واجب ہوتا ہے۔ جو اب قصاص کا فائدہ اولیاء مقتول اور جملہ انسانوں کو پہنچتا ہے۔ مقتول کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ پس جس طرح شہداء احد کو کوئی نفع حاصل نہیں ہوا۔ اسی طرح اس کو بھی کوئی نفع حاصل نہیں ہوا۔

برخلاف دیت کے کیونکہ دیت کا نفع مقتول کو پہنچتا ہے حتیٰ کہ مال دیت سے اس کا قرض ادا کیا جائے گا اور اگر وصیت کی ہو تو اس کو نافذ کیا جائے گا۔

صاحبین نے کہا ہے کہ جو چیز قتل میں دیر نہیں لگتی وہ بھی تلوار کے مانند ہے یعنی اگر شہر میں کوئی مقتول پایا گیا اور اس کا قاتل بھی معلوم ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ آلہ دھاردار کے علاوہ کسی بھاری پتھر یا لٹھ وغیرہ سے مارا گیا ہے تو صاحبین کے نزدیک قاتل پر قصاص بھی واجب ہوگا اور چونکہ ظلماً مقتول ہوا اس لئے شہید ہونے کی وجہ سے غسل بھی نہیں دیا جائے گا اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک آلہ دھاردار کے علاوہ کسی بھاری چیز سے قتل کی صورت میں قاتل پر قصاص واجب نہ ہوگا۔ حاصل یہ کہ وجوب قصاص کے لئے امام صاحب کے نزدیک آلہ دھاردار سے قتل کرنا شرط ہے اور صاحبین کے نزدیک شرط نہیں ہے۔ تفصیل کے لئے کتاب الجنایات کو ملاحظہ فرمائیں۔

حد اور قصاص میں قتل ہونے والے کو غسل دینے اور اس پر نماز جنازہ پڑھنے کا حکم

و من قتل فی حد او قصاص غسل و صلی علیہ انہ باذل نفسہ لا یفاء حق مستحق علیہ و شہداء احد بدلوا انفسہم مرضات اللہ تعالیٰ فلا یلحق بہم و من قتل من البغاة او قطاع الطريق لم یصل علیہ لان علیا لم یصل علی البغاة

ترجمہ..... اور جو شخص حد یا قصاص میں قتل کیا گیا تو اس کو غسل دیا جائے، اور اس پر نماز پڑھی جائے کیونکہ اس نے ایسا حق ادا کرنے کے لئے اپنی جان کو صرف کیا ہے جو حق اس پر واجب ہے اور شہداء احد نے اپنی جانوں کو اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے صرف کیا ہے، لہذا مقتول فی الحد والقصاص کو شہداء احد کے ساتھ لاحق نہیں کیا جائے گا۔ اور باغیوں یا ڈاکوؤں میں سے اگر کوئی قتل ہوا تو اس پر نماز نہ پڑھی جائے گی، اس لئے کہ حضرت علیؑ نے باغیوں پر نماز نہیں پڑھی ہے۔

تشریح..... اگر کوئی شخص حد یا قصاص میں قتل ہوا تو اس کو غسل بھی دیا جائے اور اس پر جنازہ کی نماز بھی پڑھی جائے، کیونکہ اس نے حق واجب کو ادا کرنے کے لئے جان دی ہے اور شہداء احد نے فقط اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے جان دی تھی۔ اس لئے حد یا قصاص میں قتل ہونے والے کو شہداء احد کے ساتھ لاحق نہیں کیا جائے گا۔ نیز مروی ہے کہ حضرت ماعزؓ کو سنگسار کر دیا گیا تو ان کے پچھار بار رسالت میں حاضر ہو کر یوں کہنے لگے قتل ماعزؓ کما یقتل الکلاب فماذا تأمرنی ان اصنع بہ اللہ کے رسول ﷺ ماعزؓ کو کتوں کی طرح قتل کر دیا گیا۔ فرمائیے! میں اب اس کے ساتھ کیا کروں۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا لا تقبل هذا، فقد تساب ثوبہ لو قسمت ثوبتہ علی اهل الارض لو سعتہم اذهب و غسلہ و صل علیہ یہ مت کہو، وہ توبہ کر چکا، توبہ بھی ایسی کہ اگر اس کو تمام زمین والوں پر تقسیم کر دیا جائے تو سب کے لئے کافی ہو جائے، جاؤ، ان کو غسل دے کر ان کی نماز پڑھو۔ (کفایہ)

اور اگر کوئی باغی یا ڈاکو قتل کر دیا گیا تو ہمارے نزدیک اس کی نماز نہ پڑھی جائے اور امام شافعیؒ نے کہا ہے کہ اس کی نماز پڑھی جائے گی۔ امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ باغی اور ڈاکو مؤمن ہے۔ حق واجب کی وجہ سے مقتل کیا گیا ہے پس یہ اس شخص کی مانند ہو گیا جو رجم یا قصاص میں قتل کیا گیا ہے اور سابقہ سطروں میں گذر چکا کہ مقتول فی رجم و قصاص پر نماز پڑھی جاتی ہے۔ لہذا باغی اور ڈاکو مقتول ہوا تو اس کی نماز بھی پڑھی جائے گی۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت علیؑ نے خوارج کو نہ غسل دیا تھا، نہ ان کی نماز پڑھی تھی درنحالیہ

ہیں، حضرت سے کہا گیا، اہم کفار؟ کیا خوارج کافر ہیں؟ حضرت علیؑ نے فرمایا لا ولکنہم اخواننا بغوا علینا نہیں، لیکن ہمارے بھائی ہیں، ہم پر بغاوت کی ہے، اسلئے معلوم ہوا کہ باغیوں اور ڈاکوؤں کو غسل نہ دینا اور نماز نہ پڑھنا ان کو سزا دینے کے لئے اور دوسروں کو تنبیہ دینے کے لئے جیسے ڈاکو کو تین دن تک سولی پر چھوڑا جائے گا، ظاہر ہے کہ سولی پر چھوڑنا اس کے لئے سزا اور دوسروں کے لئے تنبیہ ہے۔ واللہ اعلم بحقیق احمد عفی عنہ

باب الصلوة فی الکعبۃ

ترجمہ..... یہ باب کعبہ کے اندر نماز پڑھنے کے بیان میں ہے

تشریح..... صلوة فی الکعبہ کو کتاب الصلوة کے آخر میں اس لئے ذکر کیا گیا تاکہ کتاب الصلوة کا اختتام ایک متبرک چیز پر ہو۔ بیت اللہ کا نام کعبہ اس لئے رکھا گیا ہے کہ وہ مکعب یعنی چوکور ہے۔

کعبہ میں فرائض و نوافل ادا کرنے کا حکم، اقوال فقہاء

الصلوة فی الکعبۃ جائزة فرضها و نفلها خلافا للشافعی فیہما و لمالک فی الفرض لانہ ﷺ صلی فی جوف الکعبۃ یوم الفتح و لانہا صلوة استجمعت شرائطها لوجود استقبال القبلة لان استيعابها ليس بشرط

ترجمہ..... کعبہ میں نماز پڑھنا جائز ہے خواہ فرض ہو یا نفل ہو۔ امام شافعیؒ کا ان دونوں میں اختلاف ہے اور فرض نماز میں امام مالکؒ کا اختلاف ہے کیونکہ حضور ﷺ نے فتح مکہ کے دن کعبہ کے اندر نماز پڑھی ہے اور اس لئے کہ یہ ایسی نماز ہے جس کی تمام شرطیں جمع ہو گئیں کیونکہ استقبال قبلہ پایا گیا اس لئے کہ تمام قبلہ کا استقبال شرط نہیں ہے۔

تشریح..... ہمارے نزدیک کعبہ کے اندر فرض نماز اور نفل نماز دونوں جائز ہیں۔ اور امام شافعیؒ کے نزدیک دونوں ناجائز ہیں۔ اور امام مالکؒ کے نزدیک نفل تو جائز ہے البتہ فرض جائز نہیں ہے صاحب نہایہ نے لکھا ہے کہ کعبہ کے اندر فرض اور نفل کے عدم جواز کی نسبت امام شافعیؒ کی طرف کرنا کاتب کا سہو ہے۔ اس لئے کہ اصحاب شافعی نے اپنی کتب میں امام شافعیؒ کا مذہب جواز کا لکھا ہے نہ کہ عدم جواز کا جواب اس کا یہ ہے کہ کعبہ کا اگر دروازہ کھلا ہو اور آگے سترہ نہ ہو تو کعبہ کے اندر فرض اور نفل پڑھنا امام شافعیؒ کے نزدیک ناجائز ہے۔ اور اگر کعبہ کا دروازہ بند ہو۔ یا آگے سترہ ہو تو جائز ہے۔ امام مالکؒ نے دلیل بیان کی ہے کہ جو شخص کعبہ کے اندر نماز پڑھتا ہے۔ وہ قبلہ کے ایک حصہ کا استقبال کرتا ہے۔ اور ایک حصہ کا استدبار کرتا ہے پس نماز کی حالت میں استقبال قبلہ کا تقاضا تو یہ ہے کہ نماز صحیح ہو اور استدبار کا تقاضا یہ ہے کہ نماز فاسد ہو۔ پس جانب فساد کو احتیاطاً ترجیح دی گئی ہے۔ قیاس کا تقاضا نفل کے اندر بھی یہی تھا۔ کہ نفل بھی کعبہ کے اندر ناجائز ہو لیکن نفل کے بارے میں چونکہ اثر وارد ہے اس لئے نفل کے اندر قیاس کو ترک کر دیا گیا نیز نفل کی بنیاد نرمی پر ہے۔ چنانچہ قدر علی القیام کے باوجود بیٹھ کر نفل پڑھنا جائز ہے۔ اور فرض چونکہ نفل کے معنی میں نہیں ہے۔ اس لئے فرض کو نفل کے ساتھ لاحق کر کے کعبہ کے اندر فرض پڑھنے کی اجازت نہیں دی گئی۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ فتح مکہ کے روز آنحضرت ﷺ نے کعبہ کے اندر دو رکعت نفل نماز ادا کی ہے روایت یہ ہے عن ابن عمر ان

النبی ﷺ دخل الکعبہ ہو واسامہ و بلال و عثمان بن طلحہ و اغلقها علیہ ثم مکث فیہا قال ابن عمر فسالت بلالاً حین خرج ما صنع رسول اللہ ﷺ قال جعل عمودین عن یسارہ و عموداً عن یمینہ و ثلاثہ اعمدہ دراء ہ ثم صلی و کان البیت یومئذ علی ستۃ اعمدۃ و کان ہذا یوم الفتح - ابن عمر فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ، اسامہ، بلال اور عثمان بن طلحہ کعبہ کے اندر داخل ہوئے اور اس کو بند کر لیا پھر اس میں آپ ٹھہرے۔ ابن عمر کہتے ہیں کہ میں نے بلال سے پوچھا جس وقت بلال باہر نکلے کہ رسول اللہ ﷺ نے کیا کیا ہے بلال نے کہا کہ دو ستون تو آپ نے بائیں جانب کئے ایک دائیں جانب اور تین پیچھے کی جانب کئے پھر آپ نے نماز پڑھی۔ اس زمانہ میں بیت اللہ کے چھ ستون تھے اور یہ فتح مکہ کا دن تھا۔ اگر کعبہ کے اندر نماز پڑھنا ناجائز ہوتا تو رسول خدا ﷺ ہرگز کعبہ کے اندر نماز نہ پڑھتے۔ اور اگر آپ کہیں کہ وہ نفل نماز تھی تو ہم جواب دیں گے کہ جواز کی جو شرطیں نفل کی ہیں وہی فرض کی ہیں۔ اس لئے فرض بھی نفل کے معنی میں ہوگا۔ اور جب فرض نماز نفل کے معنی میں ہے تو نفل کی طرح فرض پڑھنا بھی کعبہ کے اندر جائز ہوگا۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ جو نماز کعبہ کے اندر پڑھی گئی ہے۔ اس میں تمام شرائط نماز جمع ہیں حتیٰ کہ استقبال کعبہ بھی پایا گیا کیونکہ تمام قبلہ کا استیعاب شرط نہیں ہے اور یہ ممکن بھی نہیں۔

کعبہ میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا حکم

فان صلی الامام بجماعۃ فیہا فجعل بعضهم ظہرہ الی ظہر الامام جاز لانه متوجہ الی القبلة ولا یعتقد امامہ علی الخطاء بخلاف مسالۃ التحری و من جعل منهم ظہرہ الی وجہ الامام لم تجز صلاتہ لتقدمہ علی امامہ.

ترجمہ..... پس اگر امام نے کعبہ کے اندر جماعت سے نماز پڑھی اور مقتدیوں میں سے بعض نے اپنی پشت امام کی پشت کی جانب کی تو جائز ہے۔ کیونکہ یہ مقتدی قبلہ کی طرف متوجہ ہے اور وہ اپنے امام کو بھی خطا پر نہیں جانتا برخلاف مسئلہ تحری کے۔ اور مقتدیوں میں سے جس نے اپنی پیٹھ کو امام کے منہ کی طرف کر دیا تو اس کی نماز جائز نہیں ہے کیونکہ وہ اپنے امام سے آگے بڑھ گیا ہے۔

تشریح..... کعبہ کے اندر باجماعت نماز پڑھنے کی چار صورتیں ہیں

(۱) مقتدی کا منہ امام کی پشت کی جانب ہو۔ (۲) مقتدی کا منہ امام کے منہ کی جانب ہو۔

(۳) مقتدی کی پشت امام کی پشت کی جانب ہو۔ (۴) مقتدی کی پشت امام کے منہ کی طرف ہو۔

اول اور سوم تو بلا کراہت جائز ہے۔ اور دوم مع الکرہت جائز ہے اور چہارم قطعاً جائز نہیں ہے پہلی صورت کا جائز ہونا ظاہر ہے۔ اور دوسری صورت اس لئے جائز ہے کہ متابعت امام پائی گئی۔ اور منع یعنی امام سے آگے بڑھنا منہی ہو گیا اور اس صورت میں کراہت اس لئے ہے کہ جب مقتدی کا منہ امام کے منہ کی طرف ہوگا تو صورت سامنے رکھ کر عبادت کرنے والے کے ساتھ مشابہت ہو جائے گی۔ پس اس صورت میں مقتدی اور امام کے درمیان سترہ رکھنا مناسب ہوگا۔ تاکہ اس مشابہت سے بچاؤ ہو سکے۔ تیسری صورت کے جواز کی وجہ صاحب ہدایہ نے بیان کی ہے کہ مقتدی قبلہ کی طرف بھی متوجہ ہے اور اپنے امام کو غلطی پر بھی نہیں سمجھتا۔ اور اپنے امام سے آگے بھی نہیں ہے۔ اسکے برخلاف مسئلہ تحری ہے۔ یعنی جب تاریک رات میں باجماعت نماز پڑھی اور مقتدی نے امام کی پشت کی طرف اپنی پشت کی اور مقتدی امام کی حالت سے واقف بھی ہے تو مقتدی کی نماز جائز نہیں ہے کیونکہ اس کا اعتقاد یہ ہے کہ اس کا امام غلطی پر ہے۔ چوتھی صورت کے عدم جواز کی وجہ ظاہر ہے۔

کیونکہ اس صورت میں مقتدی اپنے امام سے آگے ہوگا اور ظاہر ہے کہ یہ قطعاً ناجائز ہے۔
فائدہ..... جو مقتدی امام سے وائیں یا بائیں جانب ہوں گے ان کی نماز بھی جائز ہے۔

مسجد حرام میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا طریقہ

و اذا صلی الامام فی المسجد الحرام فتحلق الناس حول الکعبۃ و صلوا بصلوة الامام فمن کان منهم اقرب الی الکعبۃ من الامام جازت صلاتہ اذا لم یکن فی جانب الامام لان التقدم والتاخر انما یظهر عند اتحاد الجانب

ترجمہ..... اور جب امام نے مسجد حرام میں نماز پڑھی۔ اور لوگوں نے کعبہ کے گرد حلقہ باندھا اور امام کی نماز کے ساتھ نماز پڑھی۔ پس جو شخص امام کی بہ نسبت کعبہ سے زیادہ قریب ہو اس کی نماز بھی جائز ہے۔ جبکہ امام کی جانب میں نہ ہو۔ کیونکہ آگے ہونا اور پیچھے ہونا اتحاد جانب کے وقت ظاہر ہوگا۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ امام نے مسجد حرام میں نماز پڑھی۔ لوگوں نے کعبہ کا حلقہ باندھا یعنی کعبہ کے گرد صفیں بنا لیں اور امام کی اقتداء میں نماز پڑھی تو جس جانب امام نہ ہو اگر اس طرف مقتدی کعبہ سے زیادہ قریب ہے بہ نسبت امام کے تو اس کی نماز جائز ہے لیکن جس جانب امام ہے اگر مقتدی اس جانب کعبہ سے زیادہ قریب ہو بہ نسبت امام کے تو اس مقتدی کی نماز درست نہ ہوگی۔ کیونکہ تقدم اور تاخر اتحاد جہت کے وقت ظاہر ہوتا ہے۔ پس امام کی جانب میں جو مقتدی دیوار کعبہ سے بہ نسبت امام کے زیادہ قریب ہے وہ امام سے آگے ہے اور جو مقتدی اپنے امام سے آگے ہو اس کی نماز جائز نہیں ہوتی اور جس جانب امام نہیں اس طرف تقدم اور تاخر متحقق نہ ہوگا۔ اس لئے اس طرف کے لوگوں کی نماز درست ہو جائے گی۔

کعبۃ اللہ کی چھت پر نماز پڑھنے کا حکم، امام شافعی کا نقطہ نظر

ومن صلی علی ظهر الکعبۃ جازت صلواتہ خلافاً للشافعی لان الکعبۃ ہی العرصۃ والهواء الی عنان السماء عندنا دون البناء لانه ینقل الا تری انه لو صلی علی جبل ابی قبیس جاز ولا بناء بین یدیہ الا انه یکرہ لما فیہ من ترک التعظیم و قد ورد النهی عنه عن النبی ﷺ

ترجمہ..... اور جس نے عمارت کعبہ کی چھت پر نماز پڑھی، تو اس کی نماز جائز ہے، امام شافعی کا اختلاف ہے۔ کیونکہ کعبہ ہمارے نزدیک میدان اور آسمان تک کی فضاء کا نام ہے نہ کہ عمارت کا۔ کیونکہ وہ منتقل ہو سکتی ہے۔ کیا نہیں دیکھتے اگر کسی نے ابو قیس پہاڑ پر نماز پڑھی تو جائز ہے۔ حالانکہ عمارت اس کے سامنے نہیں ہے۔ مگر مکروہ ہے کیونکہ اس میں ترک تعظیم ہے اور اس سے حضور ﷺ کی طرف سے نہی وارد ہوئی ہے۔

تشریح..... ہمارے نزدیک کعبہ کی چھت پر نماز پڑھنا جائز ہے اگرچہ اس کے سامنے سترہ نہ ہو۔ اور امام شافعی نے کہا کہ کعبہ کی چھت پر نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔ ہاں اگر اس کے سامنے سترہ ہو تو جائز ہے۔ بنیاد اختلاف یہ ہے کہ امام شافعی کے نزدیک نماز میں عمارت کعبہ کی

باب الصلوٰۃ فی الکعبۃ

طرف متوجہ ہونا ضروری ہے۔ ہمارے نزدیک قبلہ نام ہے کعبہ کا اور کعبہ عمارت کا نام نہیں بلکہ وہ میدان جہاں عمارت کعبہ ہے وہاں سے لے کر آسمان تک پوری فضا کا نام کعبہ ہے۔ عمارت کا نام کعبہ اس لئے نہیں کہ عمارت منتقل ہو سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کسی نے ابو قیس پہاڑ پر کھڑے ہو کر نماز پڑھی تو جائز ہے حالانکہ اس کے سامنے عمارت وغیرہ کچھ بھی نہیں ہے۔ اسی طرح اگر کعبہ سے بہت اونچی جگہ کھڑے ہو کر نماز پڑھی تو جائز ہے۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ کعبہ کی چھت پر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ وجہ کراہت یہ ہے کہ کعبہ کی چھت پر چڑھنے میں کعبہ کی تعظیم ختم ہو جاتی ہے۔ اس لئے اس کو مکروہ قرار دیا گیا۔

نیز کعبہ کی چھت پر نماز ادا کرنے سے حضور ﷺ نے بھی منع فرمایا ہے۔ عن ابی ہریرۃ انه قال نہی النبی ﷺ عن الصلوٰۃ فی سبع مواطن المجزرة والمزبلة والمقبرة والحمام وقوارع الطريق ومعائن الابل و فوق ظهر بیت اللہ تعالیٰ۔

حضور ﷺ نے سات جگہوں پر نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے:

- (۱) مذبح ،
- (۲) کوڑا خانہ ،
- (۳) حمام ،
- (۴) درمیان راستہ ،
- (۵) اونٹ باندھنے کی جگہ ،
- (۶) بیت اللہ کی چھت

اس حدیث سے ظاہر ہوا کہ بیت اللہ کی چھت پر نماز پڑھنا ممنوع ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اللَّهُمَّ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ

جمیل احمد عفاہ اللہ تعالیٰ عنہ

۱۲/ ذی الحجہ ۱۴۰۵ھ

معیاری اور ارزاں مکتبہ دارالاشاعت کراچی کی مطبوعہ چند درسی کتب و شروحات

اشرف الہدایہ جدید ترجمہ و شرح ہدایہ ۱۶ جلد کامل (مفصل عنوانات و فہرست، تسہیل کے ساتھ پہلی بار) (کمپیوٹر کتابت)	تسہیل جدید عین الہدایہ مع عنوانات پیرا گرافنگ (کمپیوٹر کتابت)	مولانا انوار الحق قاسمی مدظلہ
مظاہر حق جدید شرح مشکوٰۃ شریف ۵ جلد اعلیٰ (کمپیوٹر کتابت)	اصح النوری شرح قدوری	مولانا عبداللہ جاوید غازی پوری
	معدن الحقائق شرح کنز الدقائق	مولانا محمد حنیف گنگوہی
	ظفر احمسین مع قرۃ العیون (حالات مصنفین درس نظامی)	مولانا محمد حنیف گنگوہی
	تحفۃ الادب شرح نصیح العرب	مولانا محمد حنیف گنگوہی
	نبیل الامانی شرح مختصر المعانی	مولانا محمد حنیف گنگوہی
حضرت مفتی محمد عاشق الہی البرنی	تسہیل الضروری مسائل القدوری عربی مجلد یکجا	
حضرت مفتی کفایت اللہ	تعلیم الاسلام مع اضافہ جوامع الکلم کامل مجلد	
مولانا محمد میاں صاحب	تاریخ اسلام مع جوامع الکلم	
مولانا مفتی محمد عاشق الہی	آسان نماز مع چالیس مسنون دعائیں	
حضرت مولانا مفتی محمد شفیع	سیرت خاتم الانبیاء	
حضرت شاہ ولی اللہ	سیرت الرسول	
مولانا سید سلیمان ندوی	رحمت عالم	
مولانا عبدالشکور فاروقی	سیرت خلفائے راشدین	
حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی (کمپیوٹر کتابت)	مدلل بہشتی زیور مجلد اول، دوم، سوم	
حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی (کمپیوٹر کتابت)	بہشتی گوہر	
حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی (کمپیوٹر کتابت)	تعلیم الدین	
حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی (کمپیوٹر کتابت)	مسائل بہشتی زیور	
	احسن القواعد	
امام نووی	ریاض الصالحین عربی مجلد مکمل	
مولانا عبدالسلام انصاری	اسوۃ صحابیات مع سیر الصحابیات	
حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی	قصص النبیین اردو مکمل مجلد	
ترجمہ و شرح مولانا مفتی عاشق الہی	شرح اربعین نووی اردو	
ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی	تفہیم المنطق	

ناشر:- دارالاشاعت اردو بازار کراچی فون ۶۱۸۶۱۸۶۳-۲۶۳۱۸۶۱-۲۲۱۳۷۶۸-۰۲۱



گر انقدر علمائے کرام کی رائیں (اختصار کے ساتھ)

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب مدظلہم (استاذ حدیث و تفسیر دارالعلوم دیوبند) "اشرف الہدایہ" ہدایہ کی اردو شرح ہے اور "ہدایہ" آئین کی دنیا میں بین الاقوامی سطح پر ہے "اسلامی آئین" کی سچ ترین ترجمان قرار دی گئی ہے اس لئے آپ کی "خدمت شرح و ترجمہ" بھی عالمیت کی حامل بن کر انشاء اللہ دائمی اجر عظیم کا موجب ثابت ہوگی۔

فقیر امت حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحب (ناظم مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور) ہدایہ کی ایک عمدہ و بہترین شرح اشرف الہدایہ ہے۔ میں اگرچہ بالاستیعاب اس کا مطالعہ نہیں کر سکا ہوں مگر چند مقامات دیکھنے سے اندازہ ہوا کہ موصوف نے کافی محنت و جانفشانی کے ساتھ تحقیق و تشریح کی ہے بالخصوص مقامات مشکل کا حل عمدہ اسلوب کے ساتھ کیا ہے۔ میرے خیال میں یہ شرح صرف طلبہ ہی کے لئے نہیں بلکہ مدرسین کے لئے بھی انشاء اللہ مفید ہوگی۔

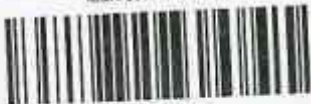
حضرت مولانا خورشید عالم صاحب (دامت برکاتہم استاذ حدیث و فقہ دارالعلوم دیوبند) مجھے ابتدائی کتاب کا مسودہ دکھایا گیا جس کو احقر نے مختلف جگہ سے دیکھا، دیکھ کر خوشی ہوئی کہ کتاب کے اصل مضامین کو غیر معمولی شرح و ربط کے ساتھ بیان کیا گیا اور میر حاصل بحث کی گئی ہے جو خصوصیت کے ساتھ طلبہ اور اہل علم کے لئے مفید ہے نیز علم فقہ کے متعلقات بھی تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔

فقیر میرٹھ حضرت مولانا حکیم محمد اسلام صاحب مدظلہم (مہتمم جامعہ اسلامیہ نور الاسلام میرٹھ) راقم الحروف اپنی عدیم القریب کی وجہ سے اشرف الہدایہ کو بالاستیعاب تو نہیں دیکھ سکا البتہ بعض اہم مباحث کا مطالعہ کرنے سے اندازہ ہوا کہ مولف موصوف نے تشریح، صورت مسئلہ اور نقل مذاہب ائمہ کے سلسلہ میں بڑی جانفشانی کے ساتھ تحقیق کی ہے اور پھر تمام مذاہب کو روایات و روایات کے زیور سے آراستہ کیا ہے۔

Email: ishaat@cyber.net.pk
ishaat@pk.netsolir.com

اشرف الہدایہ جلد 2

ISBN 969-426-018-4



DIU-7396